علامہ طالب جوہری

حیات اور خدمات

جلد اوّل



سیّد ارتضیٰ عباس نقوی

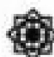
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارے کی اٹھارہویں پیشکش

علامہ طالب جوہری

حیات اور خدمات

جلد اوّل



سید ارتضیٰ عباس نقوی

کتاب	:	علامہ طالب جوہری، حیات اور خدمات
تصنیف	:	سید ارتضیٰ عباس نقوی
پیشکش	:	جواہر فاؤنڈیشن
اشاعت	:	اوّل
سال اشاعت	:	جولائی، ۲۰۲۰ء
مطبع	:	سید غلام اکبر
سرورق	:	علی جونپوری
تعداد	:	۱۰۰۰
ہدیہ	:	۱۰۰۰ روپے

کتاب ملنے کا پتہ

جواہر فاؤنڈیشن

F/7 رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد نمبر ا، کراچی

0346-2781009

فہرست

باب۔۲

علامہ طالب جوہری کے حالاتِ زندگی

باب۔ ۳

فہم القرآن کے تاریخی پروگرام

باب۔ ۴

علامہ طالب جوہری بحیثیت مفسرِ قرآن

باب۔ ۵

علامہ طالب جوہری کی خطابت

باب۔۶

علامہ طالب جوہری مجتہدین کی نظر میں

باب۔۷

علامہ طالب جوہری کی قومی اور سماجی خدمات

باب۔۸

چند یادیں۔۔۔چند واقعات

باب۔۹

باب۔۱۰

تصانیف کا تعارف

باب۔۱۱

علامہ طالب جوہری کی نادر تحریریں

باب ۔ ۱۲

علامہ طالب جوہری پر چند مضامین

باب۔ ۱۳

علامہ طالب جوہری کی شعری خدمات

باب۔ ۱۴

بچوں کے ادب میں علامہ طالب جوہری کی خدمات

باب۔۱۵

علامہ طالب جوہری کو منظوم خراجِ عقیدت

باب۔۱۶

تعزیتی نظمیں اور قطعاتِ تاریخ

باب۔۱۷

علامہ طالب جوہری کی مجالس کے نادر اشتہارات



سید ارتضیٰ عباس نقوی

سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لیے

سوانح نگاری مشکل ترین فن ہے اور خصوصاً ایسی شخصیت کی سوانح جس کے علم و فن پر تو خاطر خواہ مواد ہو لیکن حالات زندگی محض سینوں میں محفوظ چلے آ رہے ہوں۔ میں علامہ صاحب کی رحلت کے بعد ہفتوں سوگ میں رہا اور حقیقت یہ ہے کہ اب تک ان کے جانے کا یقین نہیں ہے۔ سن ۲۰۱۶ء میں علامہ صاحب کی مفصل سوانح لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور چند برسوں میں کافی مواد بھی یکجا ہو گیا تھا۔ پھر مصروفیات کے سبب اس کام کی رفتار کم ہوتی گئی۔ میرا ارادہ تو تھا کہ علامہ صاحب کے چہلم پر کچھ نہ ضرور شائع ہو جس سے میں علامہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کروں لیکن ان کے غم کے سبب ہمت جواب دے گئی تھی۔ بالآخر چند مخلص احباب کے شدید ترین اصرار پر اس خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ کچھ پہلے سے تیار شدہ کام اور کچھ اضافہ کرنے سے، ایک ہفتے کی مختصر مدت میں دن و رات کام کرنے کے بعد کتاب کی شکل نکل آئی اور اب یہ اشاعت کے لیے پریس جا رہی ہے۔

مجھے اس کا اندازہ ہے کہ علامہ صاحب کی شخصیت اس سے کہیں زیادہ لکھے جانے کی مستحق ہے لیکن میرے پاس وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ جو لوگ علامہ صاحب سے قریب رہے ہیں یا ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح ان کی ذات سے رہا ہے وہ جانتے ہیں کہ علامہ صاحب کی شخصیت کی جہتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ہر جہت گویا ایک مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔ کوئی بھی موضوع ہو جب بھی ان سے بات کی گئی تو موضوع کو آخری سرحدوں تک پہنچا دیا اور گفتگو میں عنوان جو بھی رہا ہو اس میں عمومی اور فرسودہ باتوں کو چھوڑ کر اُن نکات کو بیان کرتے تھے کہ اگر اس میدان کا کوئی ماہر بھی سنے تو حیران ہو جائے۔ عوام نے انھیں منبر پر دیکھا لیکن جب وہ اپنے گھر کی نشست میں ہوتے تھے تو وہ علمی مباحث زیر بحث آتے تھے جو کبھی منبر سے نہیں سنے گئے اس لیے کہ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ منبر پر ان کی گفتگو کے حدود کیا ہیں اور نجی نشستوں میں کیا کہنا ہے۔

بہر حال اب بھی علامہ صاحب کی شخصیت کے اہم ترین گوشے باقی ہیں جن پر بسیط اور مفصل مواد دوسری جلد میں شائع کیا جائے گا۔ اس کتاب کا بیشتر مواد ارباب مطالعہ کے لیے نیا ہو گا۔ علامہ صاحب نے پہلی بار ۱۹۷۵ء میں نشتر پارک میں چہلم امام حسینؑ کی مجلس پڑھی تھی وہ مجھے اتفاق سے مل گئی تھی جو تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے وہ اس کتاب میں پہلی بار شائع ہو رہی ہے۔

ان کا نشتر پارک کا پہلا عشرہ بعنوان ''قرآن اور برہان'' بھی میرے پاس موجود ہے۔ فہم قرآن کے ۵ پروگرام اس کتاب میں شامل ہیں جن کی اشاعت بھی پہلی بار عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اس طرح سے علامہ صاحب کی مختلف عہد کی تصویریں بھی پہلی بار چھپ رہی ہیں۔ سن ستر کی دہائی کے ابتدائی عشروں کے اشتہارات کا دستیاب ہو جانا معجزے سے کم نہیں تھا اس لیے ان کی جھلکیاں بھی آپ اس کتاب میں دیکھیں گے۔ اتنے مختصر عرصے میں جس جس نے میرا ساتھ دیا ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

علامہ صاحب کے اکلوتے بھائی ابوالقاسم جوہری کو میں نے جب بھی زحمت دی انہوں نے ہمیشہ دستِ تعاون دراز رکھا۔ برادر عزیز فرحان رضا نے بھی مسلسل اعانت فرمائی۔ قیصر مسعود جعفری بھی اپنی مصروفیت کے باوجود رابطے میں تھے۔ ان سب کا بے حد شکریہ۔

مولانا علی کرار نقوی، سید ابرار حسن بھی ساتھ ساتھ رہے۔ علی جونپوری نے بہترین سرورق بنایا۔ مولانا مصطفیٰ وکیل نے علامہ صاحب کے اجازوں کا عربی سے اردو ترجمہ کیا کیونکہ علامہ صاحب ان کی علمی بصیرت کی بے انتہا تعریف فرمایا کرتے تھے اس لیے میں نے ان کو اس کام کا اہل جانا۔ ان صاحبان کا بھی بے حد شکریہ۔

علامہ صاحب کے فرزندگان مولانا ریاض جوہری، مولانا اسد رضا جوہری، مولانا امجد رضا جوہری نے دل کھول کر تعاون فرمایا اور علامہ صاحب کی بعض نادر تصاویر اُن کے ذاتی ریکارڈ سے نکال کر عنایت کیں۔ باوجود اس کے کہ اُن پر کوہِ غم گرا تھا لیکن انہوں نے ہمیشہ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ ذاتی دلچسپی لی بلکہ اپنے مشوروں سے بھی نوازتے رہے۔ میں تمام برادران کا ممنون و متشکر ہوں اور دعا گو ہوں کہ وہ اسی آب و تاب سے علامہ صاحب کے مشن کو جاری رکھے رہیں۔

یہ کتاب اتنی جلدی کبھی شائع نہ ہو پاتی اگر برادرانِ عزیز مولانا عباس علی ہادی اور مولانا معارج رضا رضوی نہ ہوتے۔ دونوں دن و رات مسلسل میرے قوتِ بازو بنے رہے اُس کے لیے جتنا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

میں نے اس کتاب کی اشاعت صرف اپنے قلب کی تسکین اور آنے والی نسلوں کی تربیت کے لیے کی ہے تا کہ وہ علامہ صاحب کی خدمات سے واقف رہیں۔ کتاب پسند آئے تو اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔ ایک بار پھر واضح کر دوں مجھے یقین نہیں ہے علامہ صاحب کے جانے کا!

سید ارتضیٰ عباس نقوی

۱۸/ جولائی ۲۰۲۰ء



فخرِ قوم، بے مثل خطیب، عظیم انسان آیت اللہ علامہ طالب جوہری

النفاثات في العقد ۝ ومن شر حاسد اذا حسد ۝

سورة الناس مدنية وهي ست ايات

بسم الله الرحمن الرحيم

قل اعوذ برب الناس ۝ ملك الناس ۝ اله الناس ۝

من شر الوسواس الخناس ۝ الذي يوسوس

في صدور الناس ۝ من الجنة والناس ۝

دعای جناب امیر علیه السلام بعد ختم قران

اللهم اشرح بالقران صدري واستعمل بالقران

بدني ونور بالقران بصري واطلق بالقران على

لساني واعني عليه ما ابقيتني فانه لا حول ولا قوة الا بك

علامہ طالب جوہری کے دادا کے چچا حسن محمد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ قرآن مجید۔

(۲۶ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سین نمبر ۱

عبداللہ ابن زبیر کی قیامگاہ

عبداللہ ابن زبیر اور شمر (حاضرین)

عبداللہ - کیوں شمر خیریت تو ہے - یہ کیوں خفا سے ہو - آج کیا کوئی نئی واردات ہوئی ہے -

شمر - جناب کیا عرض کروں عجب اندھیر ہے - واقعہ کربلا سے اب تک ہزاروں بلاؤں میں گرفتار رہے - اب بس پھر کسی نے کچھ اٹھا نہ رکھا - لیکن آج تیرہ سو برس بعد تمام مظالم پر پانی پھیر ڈالا جاتا ہے -

عبداللہ - (گھبرا کر) کیا قیامت آ گئی ؟

شمر - (کانپ کر) نہیں نہیں اس دن کا نام نہ لیجئے

عبداللہ (متاثر ہو کر) ہے تو ایسا ہی - مگر کیا وہ دن کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے نام لیں یا نہ لیں آنے آنا ضرور ہے

شمر (مضطرب ہو کر) جناب تو کیا ہی ضرور ہے کہ میں جب آپ کی خدمت میں آؤں تو آپ اسی دن کا ذکر کریں - تعجب ہے کہ آپ کیوں عاقبت اندیشی نہیں کرتے

عبداللہ یہ کیسے جانا کہ مجھ میں عاقبت اندیشی نہیں ہے - لیکن تمہیں کیا ہے

علامہ طالب جوہری کے دادا مولوی حکیم محمد مسلم کی کتاب "عالم برزخ میں ہلچل" کا قلمی نسخہ

(۴) قاتلانِ حسینؑ کا مذہب۔ سنی حضرات نے جو یزید کو بری مانتے ہیں اب یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ حضرت سید الشہداء کے قتل کرنے والے شیعہ تھے۔ اس کا اگرچہ مستند جواب ہو چکا مگر عالم نبیل و فاضل جلیل جناب آقا مولوی سید علی نقی صاحب نقوی لکھنوی دام فیضہ نے رسالہ مذکورہ میں بہت تفصیل سے لکھ کر ثابت کیا ہے کہ حضرت کے قتل کرنے والے سب دشمنان آل رسول تھے۔ بہت سی مستند عربی اسلامی تاریخوں سے اس مضمون کو مدلل کیا اور نہایت مہذب عنوان سے ترتیب دیا ہے۔ غرض ممدوح نے یہ بڑی جلیل الشان دینی خدمت انجام دی ہے۔ اب مومنین کا فرض ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خرید کر ممدوح کی حوصلہ افزائی کریں قیمت صرف ۴؍ (۵) تحریف قرآن کی حقیقت یہ رسالہ بھی ممدوح ہی کا فیض ہے۔ جس میں اس مسئلہ کو بہت تفصیل اور کامل تحقیق سے لکھا اسکے ہر پہلو کو واضح کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کل مسلمانوں کی دینی کتاب ہے اور اس پر ہر فرقہ کا ایمان ہے۔ اس کا انکار کرنیوالا جاہل و ناقابل التفات ہے اور قرآن مجید میں کمی کی روایتیں حضرات اہلسنت کے ہاں کافی مقدار میں ہیں۔ اور وہ کسی طرح اپنے اعتقاد تحریف کو نہیں چھپا سکتے۔ قیمت فی جلد ۳؍ دونوں رسالوں کو جنرل سکرٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ سے طلب کرکے اس مفید اور اہم دینی و علمی ادارے کی خدمات کو وسیع کیجئے۔ مناسب ہے کہ سکرٹری صاحب اپنے رسالوں کا کاغذ مضبوط رکھیں۔

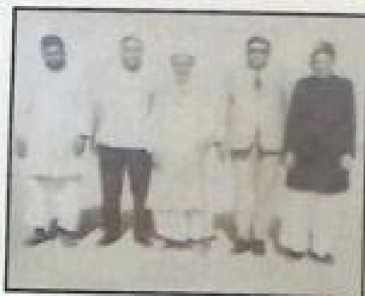
عالم برزخ میں مجلس کے مصنف کا انتقال

افسوس کہ ہماری قوم کے ایک ممتاز بزرگ جناب مولوی حکیم محمد مسلم صاحب ساکن حسین گنج ضلع سارن نے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو دفعۃً مرض فالج سے انتقال کیا۔ ممدوح کی دلچسپ تحقیقی کتاب عالم برزخ میں مجلس بہت مقبول و مشہور ہو چکی ہے۔ مرحوم انگریزی عربی فارسی اردو سب کے ماہر تھے اور علم طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مذہب حق کی تبلیغ میں اکثر اوقات مشغول رہتے اور اسکی وجہ سے کسی نقصان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ خدا آپ کے خلف صالح جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب صدر الافاضل مدرس اعلیٰ مدرسہ عباسیہ پٹنہ و مولوی محمد مرتضیٰ صاحب کو صبر جمیل دے۔ مومنین سورہ فاتحہ کا ثواب مرحوم کی روح کو پہونچائیں۔

ماہنامہ اصلاح (کھجوہ) میں مولوی محمد مسلم کی خبر وفات۔ ۱۹۳۲ء



مولانا محمد مصطفیٰ جوہر حسینیہ سجادیہ (کراچی) کی بنیاد رکھتے ہوئے











مولانا محمد مصطفیٰ جوہر حسینیہ سجادیہ (کراچی) کی بنیاد رکھنے کی تقریب میں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي رفع قدر العلماء العاملين وجعلهم ورثة علوم الانبياء والمرسلين
والصلوة والسلام على خاتم النبيين وآله صفوة رب العالمين اما بعد
فان العالم الفاضل والمهذب الكامل مدير المدرسة العباسية في بتنة الشيخ
الاوحد الشيخ محمد مصطفى نجل المرحوم الشيخ محمد مسلم الهندي قد استجازني
اقتداء بسيرة العلماء ليدخل في زمرة رواة احاديث الائمة الامناء عليهم السلام
ولما وجدته ايده الله اهلا لذلك ومحلا لما هنالك اجزت له ان يروي
عني جميع ما صح لي روايته عن مشايخي العظام من جميع ما صنفوا والفوا
وحرروا ودونوا لا سيما كتب الاحاديث والاخبار وخصوصا الكتب الاربعة
التي عليها المدار والكتب الثلاثة الوافي والوسائل والبحار وغيرها من كتب
الثقات الابرار وكذلك اجزت له ان يروي عني جميع ما صنفت والفت من
الكتب والرسائل المنظوم والمنثور وغيرها وايده الله يسنده عني
عن مشايخي الثقات جميع ذلك فانه قد اجزته بالجميع على النحو اجازة
عامة واوصيه ونفسي بتقوى الله تعالى والاخلاص في الاقوال و
الافعال والعلم والعمل والتمس منه ان لا ينساني من صالح الدعاء
فان الله لا يضيع اجر المحسنين حرره الراجي عفو ربه محمد هادي من آل
المرحوم كاشف الغطاء قدس سره
هو الموفق والمعين

تحريرا في النجف الاشرف ٢٢ رجب ١٣٥٠



آیت اللہ محمد مصطفیٰ جوہر کے لیے آیت اللہ ہادی کاشف الغطاء کا اجازہ

[illegible]

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی تحریر کا عکس



مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلی اللہ مقامہ



مولانا مصطفیٰ جوہر بڑا امام باڑہ کھارادر میں ایک جشن سے خطاب کرتے ہوئے



علامہ طالب جوہری، مولانا مصطفیٰ جوہر، مولانا مسلم مہدی، سید فرزند رضا



نامور ناول نگار ابن صفی، علامہ طالب جوہری، شکیل جمالی ۔۔ ۱۹۷۹ء

تاریخی نامۂ رحیمی

۱۹۸۵ء

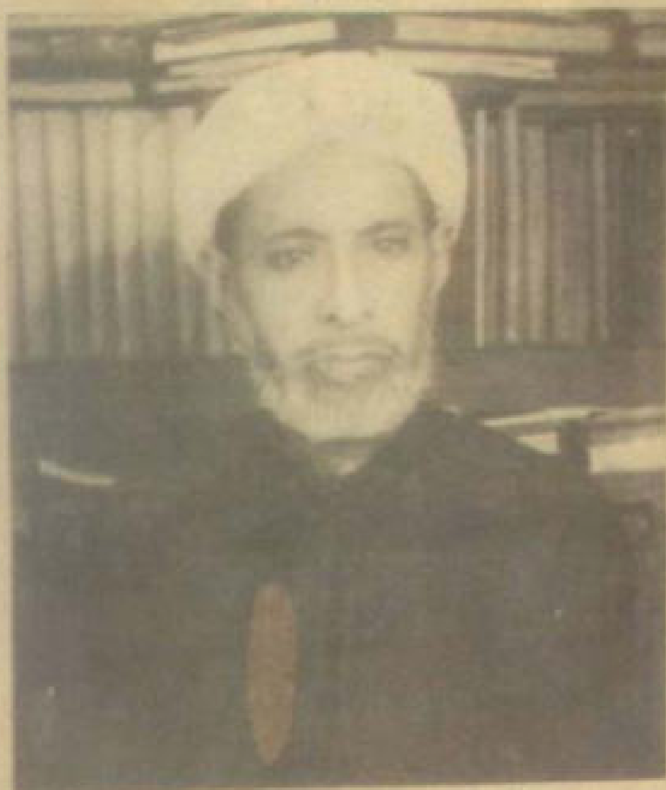
چہلم پئے علامہ جوہر صاحب قبلہ طاب ثراہ

۱۴۰۶ھ

اقربا و خاندان مولانا محمد مصطفی جوہر اعلی اللہ مقامہ

۱۹۸۵ء

مولانا محمد مصطفی جوہر اعلی اللہ مقامہ کی مجلس چہلم کا رقعہ۔(۱)



مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلی اللہ مقامہ کی مجلس چہلم کا رقعہ۔ (۲)

بسم اللہ الرحمان الرحیم ○ الرحمان الرحیم ○ (۱۴۰۶ھ)

حکم اللہ. کل من علیہا فان ○ ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (۱۴۰۶ھ)

چہلم پئے علامہ جوہر صاحب قبلہ طاب ثراہ (۱۴۰۶ھ)

○ "موت ہر بشر کے لئے حکم و فیصلۂ حتمی ہے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "اور یہی دنیا ابتداء سے کاروانِ حیات کی گزرگاہ رہی ہے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "اِس کے لئے آیت اللہ یتوفی الانفس حین موتہا سند ہے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "مشیتِ رب سے بشر کو مفر نہیں ہے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلی اللہ مقامہ فانی ہی تو تھے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "سنہ چودہ سو چھ ہجری دسویں صفر کی شب آنجناب ارفانی سے چل بسے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "ہائے ضربِ موت نے منارۂ علم ڈھا دیا۔" (۱۹۸۵ء)

○ "سچا مصرعہ ہے جو میر انیس نے لکھا ہے کہ "جب احمدِ مرسل نہ رہے کون رہے گا۔" (۱۹۸۵ء)

○ "قبلہ مرحوم کو ایصالِ ثواب کے لئے اک مجلسِ عزا امام کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔" (۱۹۸۵ء)

○ "وہ مجلسِ عزا انتیس نومبر انیس سو پچاسی عیسوی کو نو بجے صبح برپا ہوگی۔" (۱۹۸۵ء)

○ "اِس مجلس کا مقامِ انعقاد امام بارگاہِ رضویہ ہوگا۔" (۱۹۸۵ء)

○ "جہاں اول قرآن خوانی اور پھر مجلسِ چہلم برپا ہوگی۔" (۱۹۸۵ء)

○ "خطاب غم زدہ (ابوطالب) طالب جوہری" (۱۹۸۵ء)

○ "مجلسِ عزا میں احباب و اعزہ سے شرکت کی استدعا ہے۔" (۱۹۸۵ء)

"سوگواران ابوطالب جوہری ، ابوالقاسم جوہری

مع اربابِ عشیرہ"

۱۹۸۵ء

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلی اللہ مقامہ کی مجلسِ چہلم کا رقعہ۔ (۳)

"وضاحتی اشارۂ رموز"

۱۹۸۵ء

- "عدد شماری میں احسن و مستند مسالک سے رجوع کیا گیا ہے۔" ۱۹۸۵ء
- "جواب کے لیے ایف ۳۰۳ بلاک ایف شمالی ناظم آباد کراچی۔" ۱۹۸۵ء
- "یہ ہمارا ٹیلی فونی شمارہ ہے: چھ ایک آٹھ دو پانچ پانچ۔" ۱۹۸۵ء
- "کاتب مجلس نامہ جناب تاثیر نقوی۔" ۱۹۸۵ء

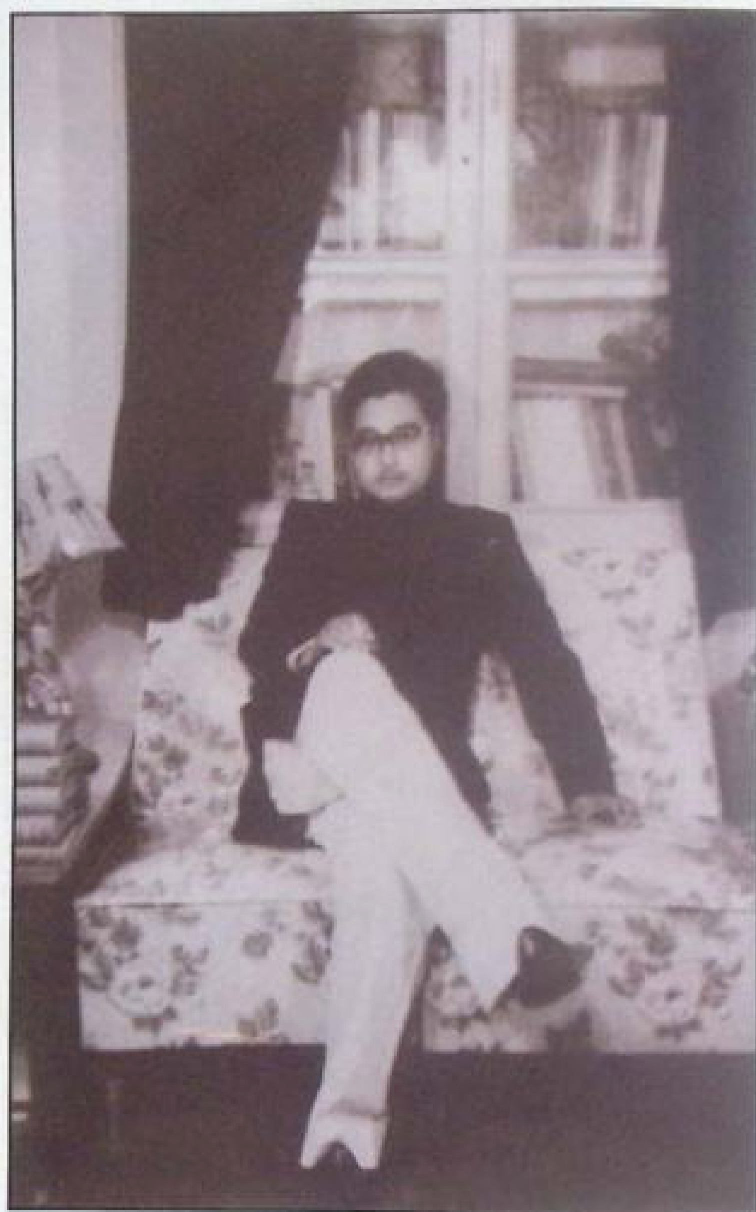
مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلی اللہ مقامہ کی مجلس چہلم کا رقعہ۔ (۴)



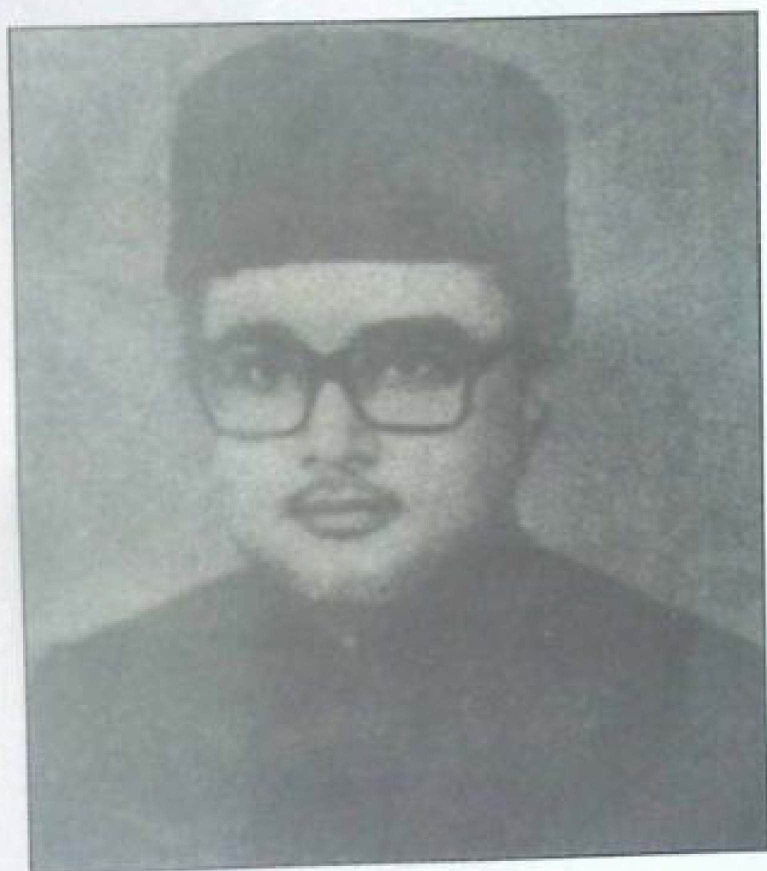
علامہ طالب جوہری دس برس کی عمر میں
(یہ تصویر ۱۹۳۹ء میں پاکستان آنے سے قبل بمبئی میں کھینچی گئی)



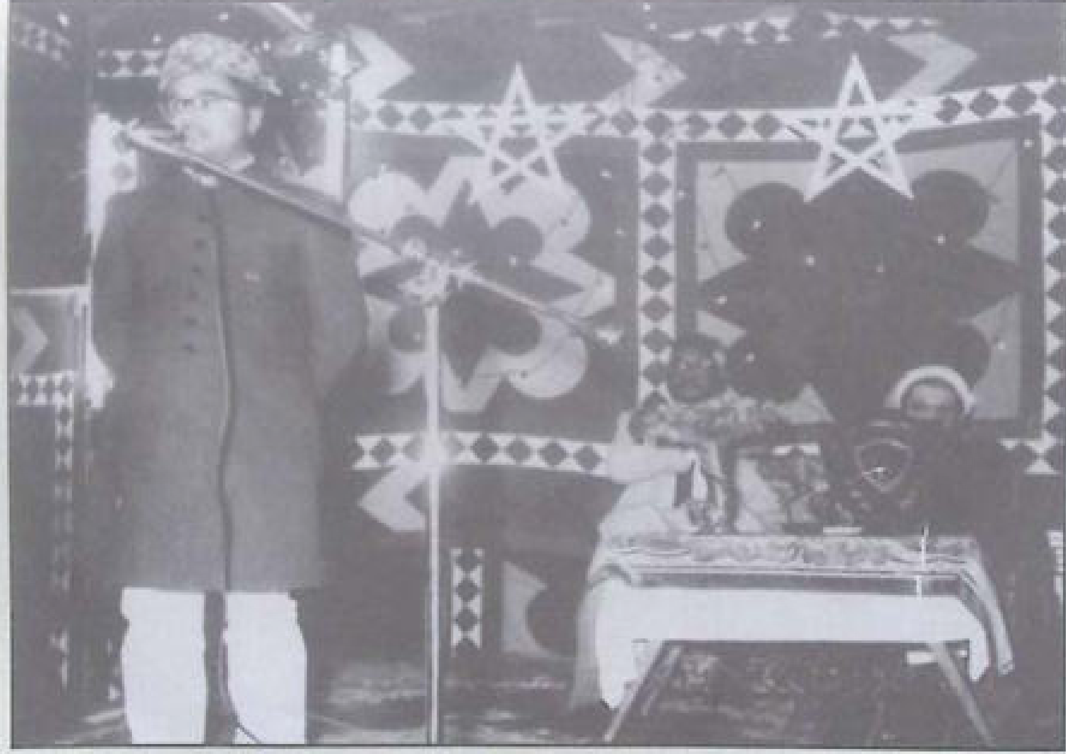
علامہ طالب جوہری طالب علمی کے زمانے میں۔۔ (نجف اشرف)



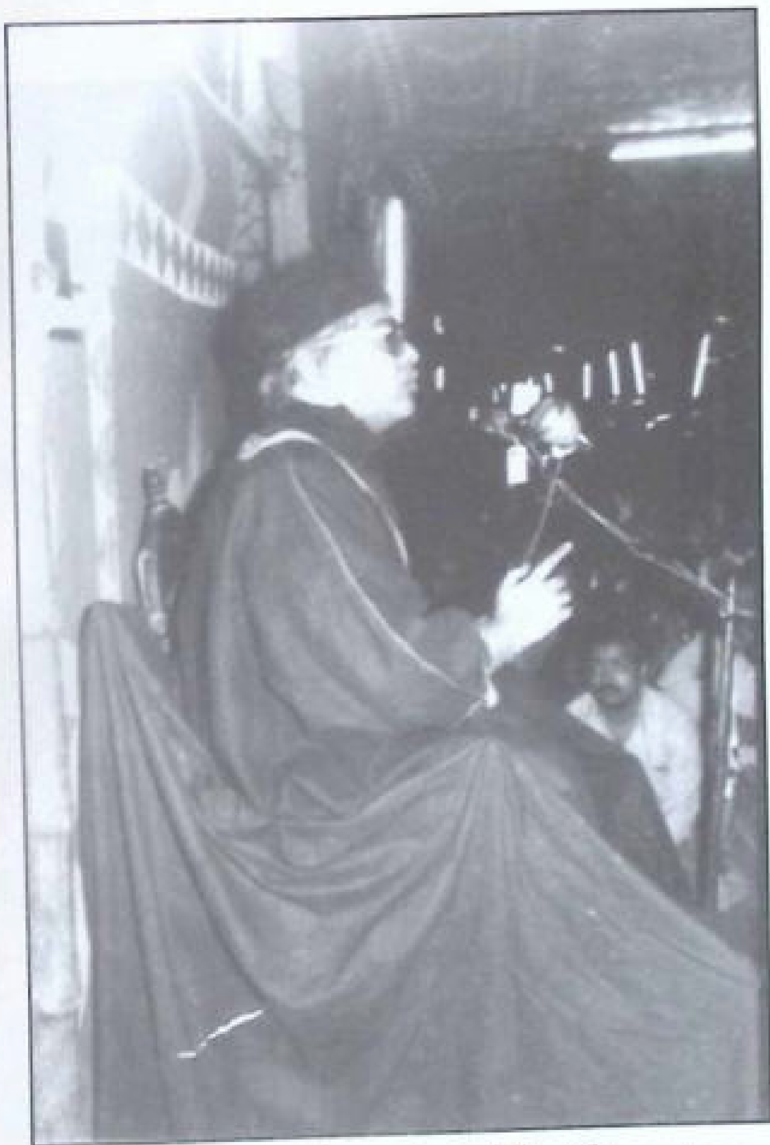
علامہ طالب جوہری عالمِ شباب میں



علامہ طالب جوہری عالمِ جوانی میں



علامہ طالب جوہری عالم جوانی میں ایک جشن میں تقریر کرتے ہوئے۔ حضرت آغا پویا مرحوم نظر آرہے ہیں۔



علامہ طالب جوہری محفل ابوالفضل العباس کھارادر میں مجلس سے خطاب کرتے ہوئے۔



علامہ طالب جوہری محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر میں مجلس سے خطاب کر رہے ہیں۔ (۱۹۷۶ء)



علامہ طالب جوہری محفل ابوالفضل العباس کھارادر میں مجلس سے خطاب کر رہے ہیں۔(۱۹۷۶ء)



علامہ طالب جوہری محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر میں مجلس سے خطاب کر رہے ہیں۔ (۴رمحرم ۱۹۷۶ء)



علامہ طالب جوہری مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں مجلس سے خطاب فرما رہے ہیں۔ (۱۹۷۶ء)



علامہ طالب جوہری مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں مجلس سے خطاب فرما رہے ہیں۔(۱۹۷۶ء)



علامہ طالب جوہری ۱۹۷۶ء کی مجلس چہلم سے خطاب کرتے ہوئے۔



علامہ طالب جوہری مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں مجلس سے خطاب فرما رہے ہیں۔(۱۹۷۶ء)



علامہ طالب جوہری عشرۂ محرم کی پہلی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے۔ (نشتر پارک، ۱۹۷۷ء)



علامہ طالب جوہری عشرۂ محرم کی پانچویں مجلس سے خطاب کرتے ہوئے۔ (نشتر پارک، ۱۹۷۸ء)



علامہ طالب جوہری عشرہ محرم کی چھٹی مجلس سے خطاب کرتے ہوئے۔ (نشتر پارک،۱۹۷۸ء)



علامہ طالب جوہری عشرۂ محرم کی نویں مجلس سے خطاب فرماتے ہوئے۔ (نشتر پارک، ۱۹۷۸ء)



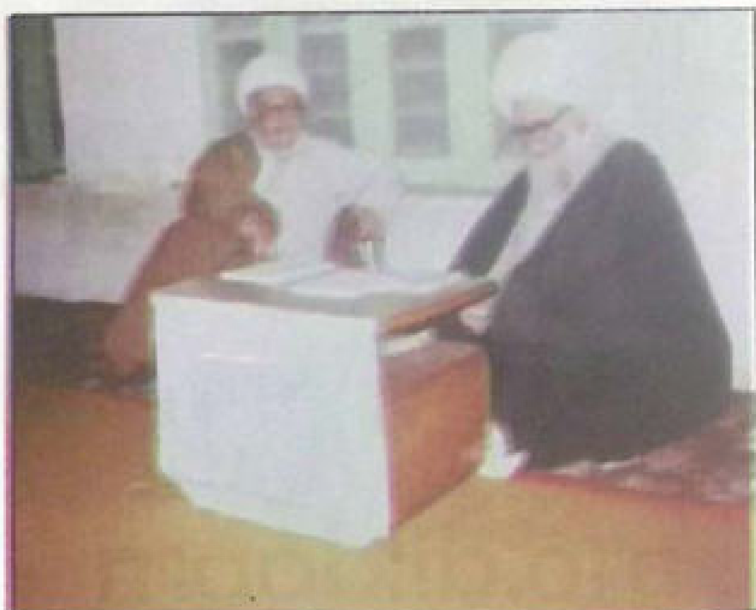
نجف اشرف کے ساتھی مولانا سید شمیم الحسن، علامہ طالب جوہری، مولانا سید ذیشان حیدر جوادی



آیت اللہ سید محمد باقر شیرازی کے ساتھ



آیت اللہ سید علی فانی کے ساتھ جن کی توضیح المسائل کا ترجمہ علامہ صاحب نے کیا تھا۔



آیت اللہ میرزا علی غروی کے ساتھ



آیت اللہ شہید سید محمد صدر کے ساتھ



امام بارگاہ وعطیہ اہلبیتؑ (لاہور) میں عشرۂ اول، منبر کے ساتھ ٹیپ ریکارڈرز کا انبار۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء



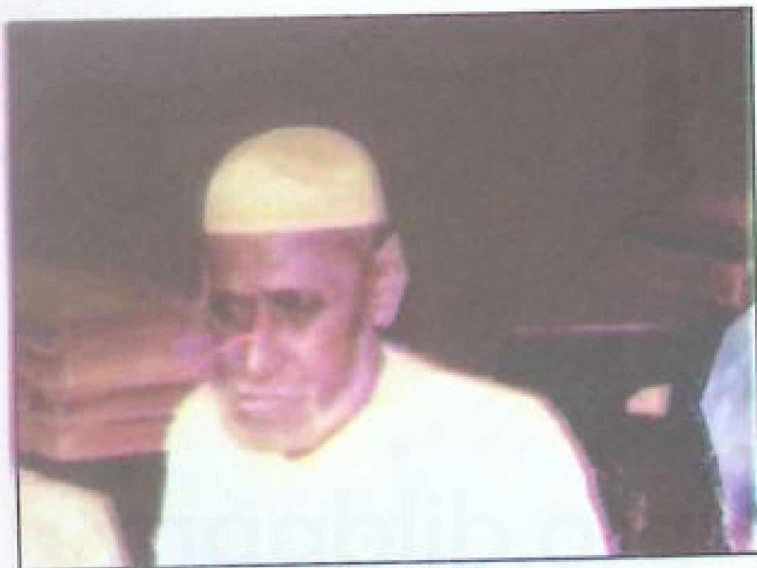
علامہ طالب جوہری اور آیت اللہ سید جعفر سیدان، مولانا محمد آغا بھی موجود ہیں



آیت اللہ سید محمد شیرازی کے ساتھ



مولانا اسد رضا جوہری اور علامہ طالب جوہری، آیت اللہ سیستانی کے دفتر میں ایک شیرازی عالم دین کے ساتھ



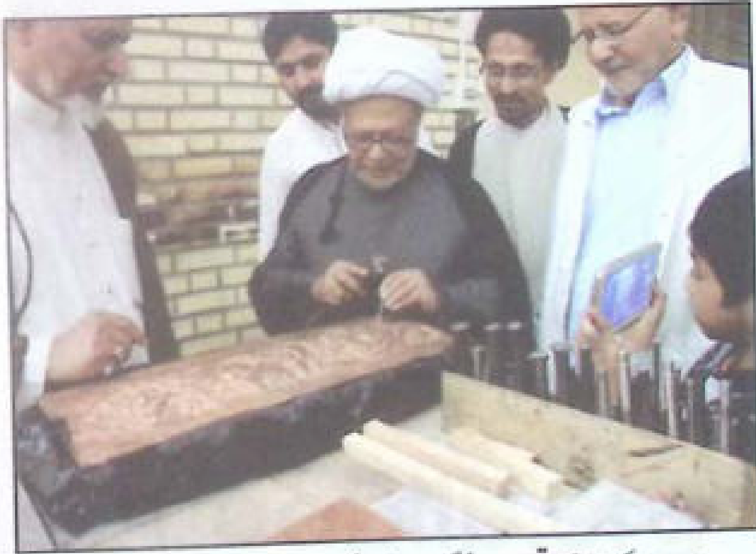
مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلیٰ اللہ مقامہ



علامہ طالب جوہری اور مولانا سید حمید الحسن صاحب



علامہ طالب جوہری قصر میب (رضویہ سوسائٹی) کے الوداعی عشرے سے خطاب کرتے ہوئے



روضہ سامرا کی ضریح جو قم میں بنائی گئی اس کی تزئین میں شریک ثواب ہوتے ہوئے۔
مولانا سید حسین مرتضیٰ نقوی اور محمد خان صاحب بھی موجود ہیں۔



امام بارگاہ عطیہ اہلبیتؑ (لاہور) میں عشرہ اول سے خطاب کرتے ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء



علامہ عقیل ترابی، آیت اللہ صادق خلخالی، علامہ طالب جوہری، سرحدی زادہ، حمید ڈی حبیب



علامہ عرفان حیدر عابدی، علامہ طالب جوہری، علامہ عقیل ترابی



حماد اہلبیت سید محسن نقوی، علامہ طالب جوہری، علامہ عرفان حیدر عابدی



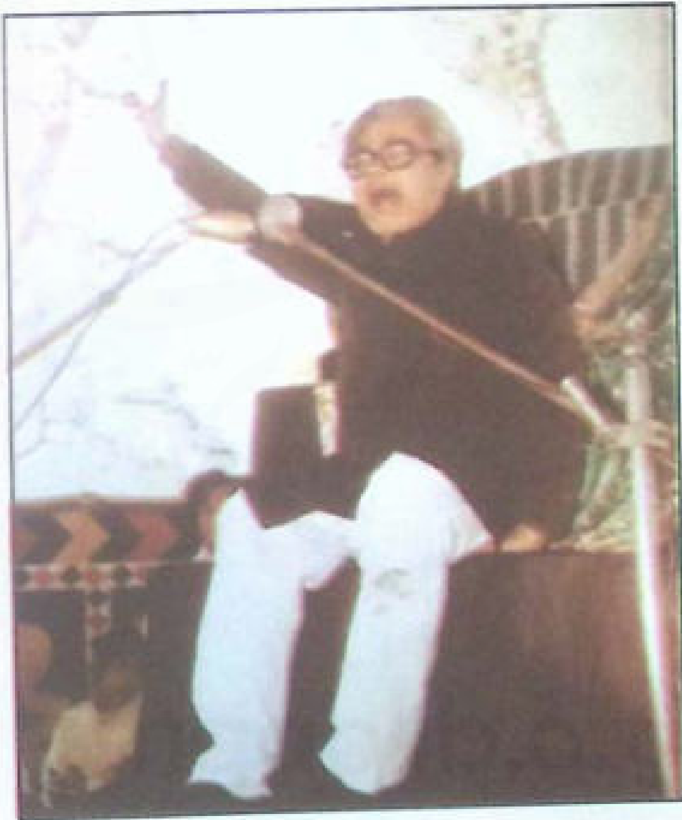
مولانا فرقان حیدر عابدی، علامہ طالب جوہری، علامہ عباس حیدر عابدی، علامہ عرفان حیدر عابدی



مولانا مرزا محمد اطہر اور علامہ طالب جوہری



نصیر ترابی، راحت قاسمی، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، علامہ طالب جوہری، مولانا حسن امداد،
ثاقب مظفر پوری، ڈاکٹر بلال نقوی، سبط حسن انجم



دربار حسین جناح پارک شیخوپورہ لاہور کی ایک مجلس ۔۔ (۱۹۸۰ء)



روضۂ سامرا کی ضریح، مولانا محمد آغا، مولانا سید حسین مرتضیٰ نقوی، علامہ طالب جوہری



علمائے ایران کے ساتھ ایک نشست میں



مولانا سید حسین مرتضیٰ، مولانا اسد رضا جوہری، علامہ طالب جوہری،
حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد شہرستانی اور مولانا امجد رضا جوہری



آیت اللہ سیستانی کے داماد و نمائندہ حجۃ الاسلام والمسلمین سید جواد شہرستانی
اور علامہ طالب جوہری



روضۂ سامرا کی ضریح میں نماز ادا کرتے ہوئے۔



روضۂ سامرا کی ضریح میں نماز ادا کرتے ہوئے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله الطاهرين واللعنة على أعدائهم أجمعين

وبعد فإن من أعظم ما أنعم الله بعد الخلقة على العباد العلم والبيان ومن ثم قال الله عز شأنه: بسم الله الرحمن الرحيم الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان وقد عرفنا الشيخ المرحوم حجة الله وآيته العلامة: طالب الجوهري دام مجده وكثر علمه وزاد فضله وقد استجاز مني نقل الرواية والحديث فأجزت له بما أجازني به تذكرة الكرام منهم الآية العظمى السيد [illegible] المتصل سنده بإسناده إلى النبي والأئمة المعصومين عليهم سلام الله فإن المعظم له مع [illegible] مع الورع والسداد يشتغل على تبليغ الأحكام وإظهار شرائع الإسلام على الحق والتمام بتفسير القرآن ودرر الأئمة الكرام عن الراديو والتلفزيون في وطنه المألوف باكستان وغيرها فعلى المؤمنين أن يستفيدوا من محضره السامي فحقيق أن يدركوا صحبته ويغتنموا خدمته وحرمته ونسأل الله تعالى أن يعطيه [illegible] وجزاه عن الإسلام خير الجزاء وعامله بألطافه الخفية في الدنيا ورزقه النعمة العظيمة في العقبى وحشره مع الأئمة المعصومين وأدخله جنته مع المؤمنين ويتقبل أعماله بقبول حسن وجعله من المرحومين ويبعد المنافقين والكافرين وأن يعجل ظهور مولانا وإمامنا الحجة القائم المنتظر (عج) ورزقنا وجهه

وجعلنا من أعوانه وأنصاره وألتمس الدعاء منه ومن سائر المؤمنين في مواقع الاستجابة في الخلوات والجلوات والسلام عليه وعلى عباد الله الصالحين ورحمة الله وبركاته كتبه العبد الفاني مصطفى النوراني [illegible] ٦٩/١٢/٢٣

١٤١١

آیت اللہ مصطفیٰ نورانی کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على اشرف الخلق ومصابيح الحق محمد وآله الطيبين الطاهرين.

وبعد فان جناب العزيز الكامل عماد الاعلام ومروج الاحكام العلامة الشيخ طالب الجوهري حفظه الله تعالى وزاد في توفيقاته وتأييداته قد حضر درسنا العالية في الفقه والاصول سنين عديدة واستفاد استفادات جليلة حتى بلغ مرتبة عالية من الفضل والكمال واصبح اهلاً للاعتماد عليه والاستفادة منه رعاه الله بعينه واخذ بيده ووفقه لخدمة الدين الحنيف والسلام عليه ورحمة الله وبركاته

محمد باقر الصدر



آیت اللہ سید محمد باقر الصدر کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين

فإذا أجزت مع القصور فإنني — أرجو التشبه بالذين أجازوا

السالكين إلى الحقيقة منهجاً — سبقوا إلى غرف الجنان ففازوا

آیت اللہ سید مہدی خرسان کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا ونبينا محمد وآله الأئمة المعصومين
الكهف الحصين وغياث المضطر المستكين وعصمة المعتصمين ولعنة الله على أعدائهم أجمعين
من الآن إلى قيام يوم الدين. وبعد فلا يخفى أن جناب العالم الفاضل مروج الأحكام
ظهير الإسلام مستند الأعلام فضيلة العلامة الشيخ طالب الجوهري سلمه الله تعالى
وحماه وكثر في الفرقة الناجية من أمثاله قد صرف شطراً من عمره الشريف في تحصيل العلوم
الدينية واكتساب المعارف الإلهية وحضر عند أساتذة في النجف الأشرف أجلاء
الأساتذة العظام في الفقه والأصول فبلغ بحمد الله تعالى فأثمر سعيه البليغ حاز من
الساحة العلمية ما ينبغي لمثله ويليق فشكر الله تعالى سعيه وأجزل مثوبته ودام
سعيه في خدمة الشرع الشريف وترويج الدين الحنيف. والمأمول من أمثاله الكرام من
امتثال أوامره والاقتباس من أنوار علومه ومعارفه وقد أجزت لجنابه أن يروي
عني جميع ما صحت لي روايته وصلحت إجازته بأسانيدي المتصلة إلى المشايخ العظام
والمنتهية منهم إلى أهل بيت الوحي والعصمة صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين و
في الختام أوصيه بتقوى الله وأن يجعل الموت نصب عينيه ويجتهد من أن تغره
الدنيا فإن الدنيا مما قريب كأن لم تكن والآخرة عما قليل كأن لم تزل عصمنا الله جميعاً
من أن نكون ممن غرته الدنيا فأخلد إلى الأرض واتبع هواه وكان أمره فرطاً ووفقنا
لصالح الأعمال وما فضل الحجا يا ما بقي والله. حرر في اليوم الرابع عشر من شهر صفر
سنة الألف وثلثمائة وخمسة وثمانين   محمد جواد الطباطبائي التبريزي

الطباطبائي محمد جواد

آیت اللہ محمد جواد طباطبائی تبریزی کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحیم

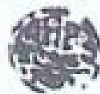
الحمد لله رب العالمین وافضل صلواته وتحیاته علی سید الأولین والآخرین محمد صلوات الله
علیه وآله الطیبین الطاهرین واللعنة الدائمة علی اعدائهم اجمعین وبعد فان جناب الأجل
والمولی المعتمد الناسك مناسك الصالحین والناهج مناهج المتقین ذو الحسب المنیع حضرت الشیخ طالب
جوهری زید توفیقه ممن بذل برهة من عمره وصرف مدة من دهره فی تحصیل العلوم الشرعیة والمعارف
الإلهیة بجد واجتهاد فلله دره وعلیه سبحانه اجره وقد حضر بحثی ایضا بحثا فاحصا حتی فاز بحمد الله
الی درجة الاجتهاد فله العمل بما یستنبطه من الأحکام من الأدلة الشرعیة علی نهج المألوف بین علماء
الإمامیة وقد اجزته التصدی لما لا یجوز فی عصر الغیبة علی مغیبها الآلاف التحیة والثناء لغیر
الفقهاء العظام الا باذنهم واجزت له ایضا ان یروی عنی جمیع ما صحت لی روایته من مصنفات
اصحابنا کالکتب الأربعة الکافی والتهذیب ومن لا یحضره الفقیه والاستبصار وغیرها
کالبحار والوسائل والوافی وسائر الکتب المعتبرة بطرقی المقررة المنتهیة الی ارباب الجوامع و
الأصول ومنهم الی اهل بیت النبوة ومعدن الرحمة صلوات الله علیهم اجمعین واوصیه
بملازمة التقوی والاحتیاط وان لا ینسانی من صالح الدعوات فی حیاتی وبعد مماتی

والسلام علیه ورحمة الله وبرکاته

الأحقر الحاج سید ابو القاسم الرشتی الحائری

محمد الحسینی السبزواری النجفی





٣ شوال ١٣٨٦

آیت اللہ سید ابو القاسم رشتی کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله الطاهرين اما بعد فقد
قال عز من قائل قل فلله الحجة البالغة ومن البديهي ان فقهاء الشيعة وعلماء المذهب
الجعفري هداة للخلق الى الحق اذ منهم ينشر العلم وبهم يهدى الناس الى الصراط المستقيم
وتشتد الحاجة اليهم كلما ازدادت الدعاية الشيطانية والسلطة غير الرحية وممن الذين
من الله عليه بطلب العلم والتقوى نزه عن الشرف الكمال والعلم والتقوى الشيخ المهذب
العلامة الفهامة الثقة الامين ابن حجة الاسلام والمسلمين الشيخ محمد مصطفى جوهر
دام بقاءه العالي الشيخ طالب جوهري دام تأييده وتسديده العالي فهاجر من بلده
الى المعهد العلمي الشيعي العالي النجف الاشرف اقام هناك عشر سنوات وجد واجتهد
ليلا ونهارا في طلب الفقه وتشييد مبانيه وقد وصل بحمد الله وحسن منه الى مراتب عليه
ومدارج عالية كاملة من المعارف الحقة والقواعد العلمية وقد اختبرناه فوجدناه
تقيا نقيا صالحا وفيا دائبا في اصلاح امور الناس مجدا في طلب الحقايق ونشر الاحكام
غير مداهن في الدين معرضا عن الدنيا فعليه ان يشكر الله تعالى على تلك المواهب والفضائل
وعلى الناس ان يغتنموا وجوده الشريف وله الرواية بطرقنا عن مشايخنا والتصدي
للامور الحسبية. اللهم ايده بنصرك واعصمه من هواجس النفس وحوادث الدهر
وأسئله الدعاء حيا وميتا. غرة ربيع الاول ١٣٨٥ الاحقر علي الحسيني الاصفهاني
العلامة الفاني



٢٦ محرم الحرام
١٣٦٢

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله الطاهرين
واللعن الدائم على أعدائهم إلى يوم الدين أما بعد فإن
جناب المستطاب الشيخ الأجل العالم الكامل المهذب
قرة عين العلم والتقوى الثقة المعتمد الحاج الشيخ طالب حسين
الجوهري دام تأييده العالي نجل الشيخ الورع التقي الحجة الأ...
الحاج الشيخ مصطفى جوهر دام تأييده العالي قد صرف شطراً
كبيراً من شبابه وعمره الشريف في تحصيل المعارف
الربانية وتكميل المباني العلمية فقهاً وأصولاً وقد بلغ
بحمد الله تعالى مدارج كاملة من العلم وقد سبق منا
الإشارة إلى ذلك قبل سنين والآن فنجد
ما أخبرنا ثقته وأمانته ومجاهدته في سبيل
إحياء الدين وتربية أهل العلم والطلاب المشتغلين
بالعلوم الإسلامية ولا سيما الفقه والأصول اللذين
يكون مدار الأحكام الشرعية عليهما قد جعلناه وكيلاً
من قبلنا في أخذ الوجوه الشرعية ولا سيما السهم المختص
بالإمام روحي فداه وصرفها في مصارفها وأرجوه
أن لا ينسى الحوزات العلمية فيرسل إلينا ما استطاع
من السهم المختص بالحجة روحي فداه وأوصيه بالاحتياط
والسلام عليه ورحمة الله وبركاته
وعلى إخواننا المؤمنين

علي الحسيني الأصفهاني
الفاني



آیت اللہ سید علی فانی کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله الطاهرين واللعن على
أعدائهم أجمعين، خداوند منان را شكر ميكنم، كه توفيق ترجمه
كتاب شريف (البداء عند الشيعة) را به حضرت مستطاب علامه
محقق وخطيب بارع حجة الاسلام ناشر المعارف والاحكام
آقای حاج شيخ طالب جوهری نجل جليل حجة الاسلام والمسلمين
ملاذ الانام آقای حاج شيخ محمد مصطفى جوهری دام بقائهما العالی
عنايت فرمود، خداوند را بعز آل الله عليهم السلام قسم ميدهم كه
بيش از اين معظم له را در حفظ عقائد شيعه اماميه ايمان
وقولاً وعملاً، تأييد فرمايد و بر برادران دينی واخوان
لازم ميدانم كه براى رفع شبهات اهل ضلال از اين
كتاب شريف بهره بردارى نمايند ٢٧ شعبان المعظم ١٣٩٦

على الحسينى الاصفهانى
العلامة الفانى



آیت اللہ سید علی فانی کا اجازہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل مداد العلماء أفضل من دماء الشهداء والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء محمد وآله الهداة والعترة الأئمة على أعدائهم أجمعين إلى يوم الجزاء. أما بعد فإن جناب الفاضل الكامل العلام والزكي السري العلام ثقة الإسلام وعماد الأعلام الشيخ العسكري الشيخ طالب جوهري دامت إفاضاته قد بذل برهة من عمره وفرصة كثيرة من دهره في تحصيل العلوم الدينية والمعارف الإلهية مجداً ودائباً ومع الاشتغال بالمواظبة حتى نال درجة من الفضل والسداد ورتبة من الاجتهاد فقد صار دام تأييده بحمد الله أهلاً وقد أجزت له أن يروي عني بعض رواياتي عن شيخي والدي قدس سره بطرقه عن مشايخه العظام وأن يتصدى للحكم حسب [illegible] المستفاد من الوحي والتنزيل [illegible] كما أجزت له أن يتصدى للأمور الحسبية وما يحتاج التصدي له إلى إذن الفقيه الجامع للشرائط والإذن له أن يأخذ الحقوق الشرعية كالزكوات والخمس ومجهول المالك وأن يصرف سهم الإمام عليه السلام على أن يصرف في الشؤون ويرسل [illegible] وأوصيه بتقوى الله والاحتياط في سبيل الخيرات وأن [illegible] في الشبهات وأن لا ينساني من الدعاء في مظان الإجابة

والسلام عليه ورحمة الله وبركاته ٢٢ صفر المظفر ١٣٨٥

السيد محمد جمال الهاشمي الگلپايگاني

آیت اللہ محمد جمال الدین ہاشمی گلپایگانی کا اجازہ

بسمه تعالی

سپاه پاسداران انقلاب اسلامی
ستاد مرکزی

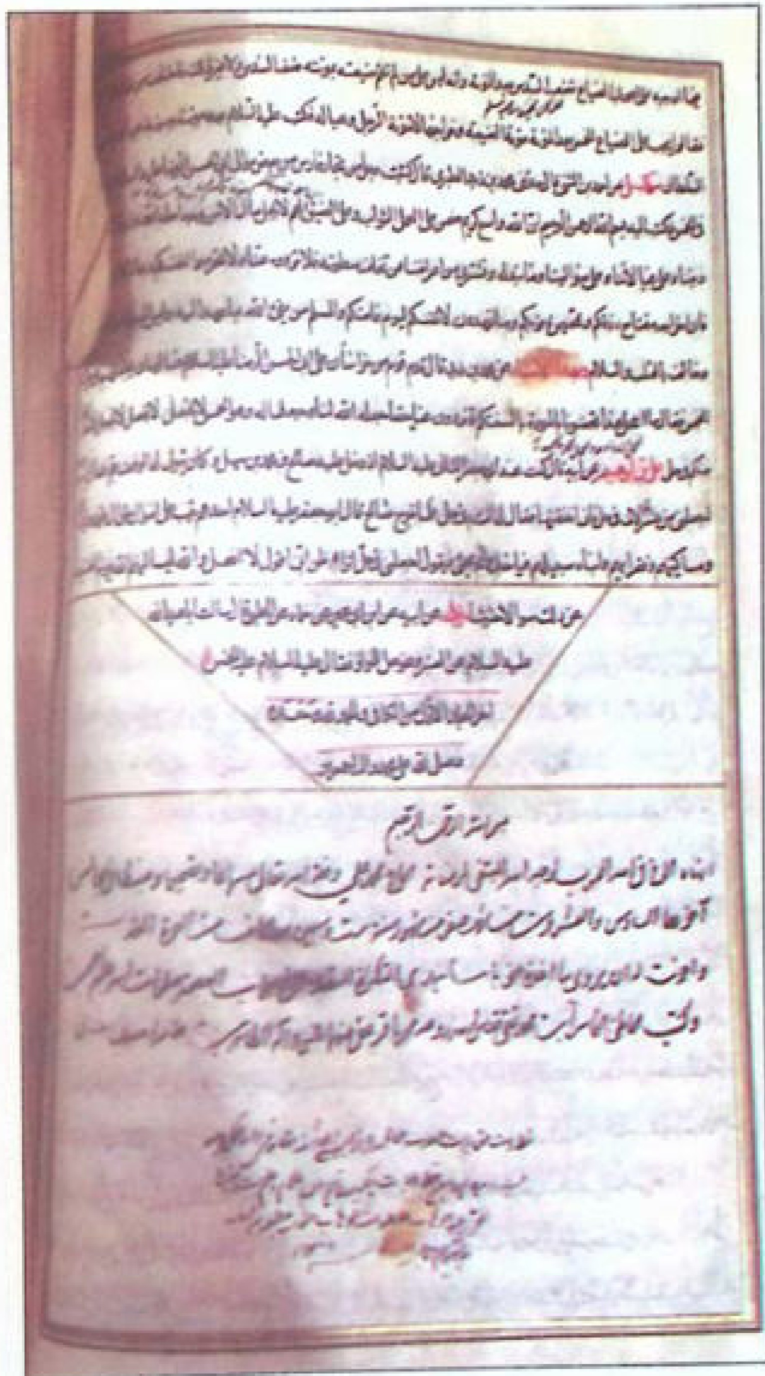
شماره: ۵۸۲....
تاریخ: ۱/۶/۵۸

برادر حجة الاسلام آقای علامه طالب جوهری اسلام آباد

پس از سلام
از شما عالی دعوت می‌نمائیم که از کشور ما دیدن بعمل آورده
و در کنار اسلام را در ایران اسلامی از نزدیک مشاهده کنید
برای ترتیب امور مربوط به ویزای زیارت به کنسولگری یا
و یا سفارت جمهوری اسلامی ایران مراجعه فرمائید تا اقدامات
هر چه زودتر کارسازی نمایند. والسلام



پاسدارانِ انقلاب کے پہلے افسر کا خط۔(جس سال انقلاب آیا)



اصول کافی کا نادر ترین قلمی نسخہ جس پر علامہ مجلسی کی تحریر میں ان کے شاگرد کو
دیا گیا اجازہ موجود ہے۔ (کتب خانہ علامہ طالب جوہری)

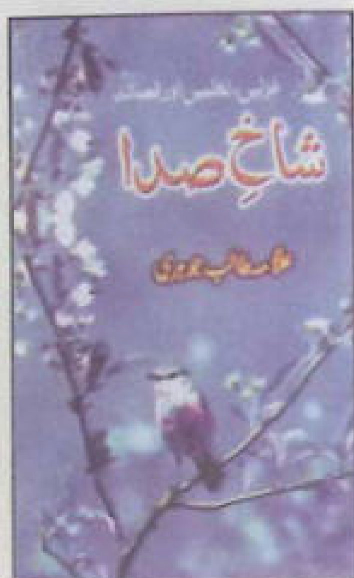
وخلصنی من الشک والعمی۔ رضیت بک ربا وبالاصفیاء حججا و
بالمحبوبین ائمۃ انبیاء وبالرسل ادلاء و
بالمتقین امراء وسامعا لک مطیعا ۵۵۵
ومن ادعیۃ استرشادنا و التزمنا بها فی اورادنا
وتعقیبات صلواتنا دعاء لسیدنا ومولانا سید الاوصیاء
وسند الاصفیاء ومولی العلاء ومقتدی الحکماء باب ابواب
المآرب والمطالب علی بن ابی طالب صلوات اللہ وتسلیماتہ
علیہ فی نہج البلاغۃ المکرم فلنجعلہ علی فصل
کالختم علی الکتاب اللہم انک آنس الآنسین
واحضرہم بالکفایۃ للمتوکلین علیک تشاہدہم
وتطلع علیہم فی ضمائرہم وتعلم مبلغ بصائرہم
لک مکشوفۃ وقلوبہم الیک ملہوفۃ ان
الغربۃ آنستہم ذکرک وان صبت علیہم
الی الاستجارۃ بک علما بان ازمۃ الامور
مصادرہا عن قضائک اللہم وان فہہت عن
مسئلتی او عمہت عن طلبتی فدلنی علی مصالحی وخذ
بقلبی الی مراشدی فلیس ذلک بنکر من

میر باقر داماد کی کتاب ''شرعۃ التسمیۃ'' کا بخط مصنف نسخہ۔ ایک ورق۔
(کتب خانہ علامہ طالب جوہری)

هدایاتک ولا یبدع من کفایاتک اللهم احملنی علی
عفوک ولا تحملنی علی عدلک برحمتک یا ارحم
الراحمین وصلی الله علی سیدنا ونبینا محمد و
آله الطاهرین ۵۵۵ وکتب بیمناه
الجانیة الفانیة احوج المربوبین الی الرب الغنی محمد بن
محمد یدعی باقر الداماد الحسینی ختم الله له
بالحسنی فی عام ۱۰۲۰ من الهجرة
المقدسة المبارکة النبویة حامدا
مصلیا مستغفرا والحمد
لله الحمد لله حق حمده و
سبحانه وتعالی عما یصفون
ه ه ه ه ه
ه ه ه

میر باقر داماد کی کتاب "شرح التسمیة" کا مخطوط مصنف نسخہ۔ آخری ورق۔
(کتب خانہ علامہ طالب جوہری)

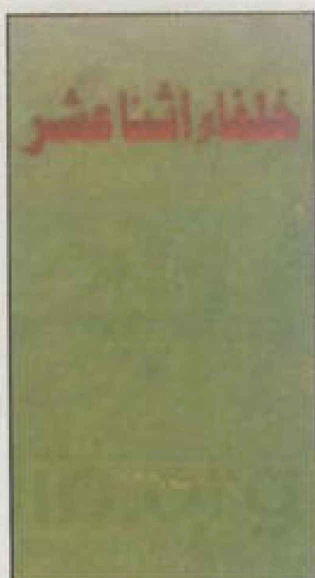
علامہ طالب جوہری کی کتابیں



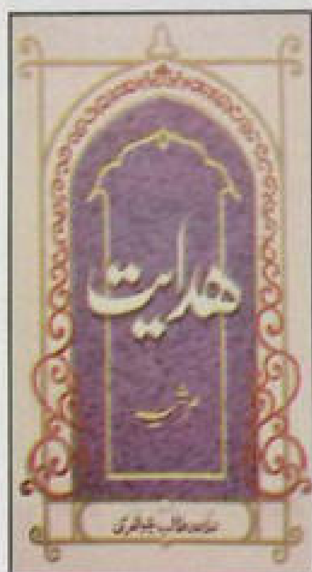
شاخِ صدا



اسلامی معیشت

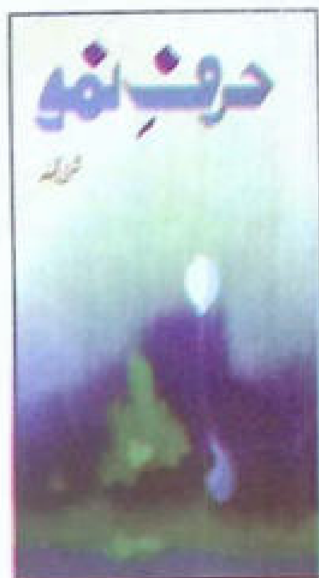


خلفاء اثنا عشر



ہدایت (مرثیہ)

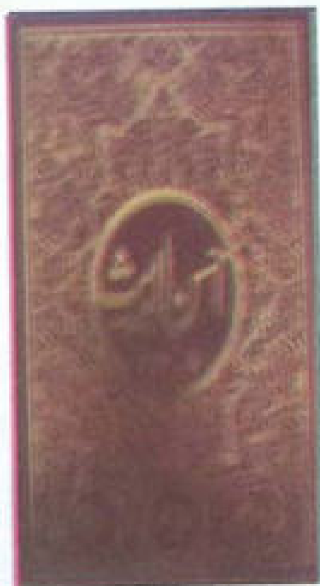
علامہ طالب جوہری کی کتابیں



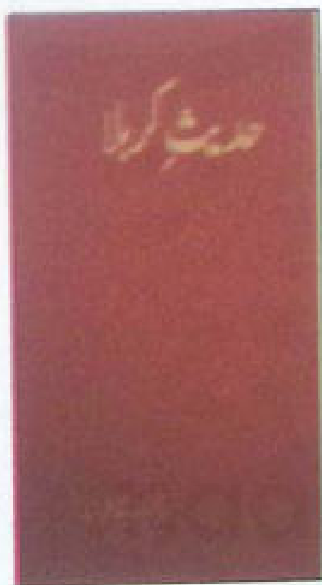
حرفِ نمو



پسِ آفاق

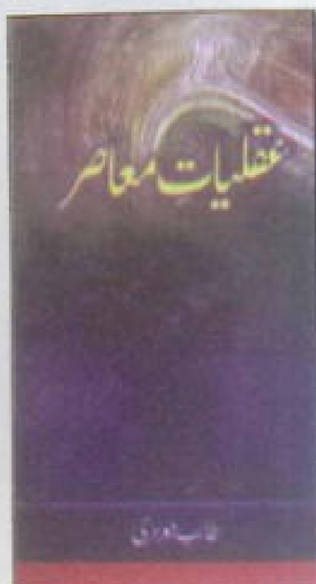


احسن الحدیث



حدیثِ کربلا

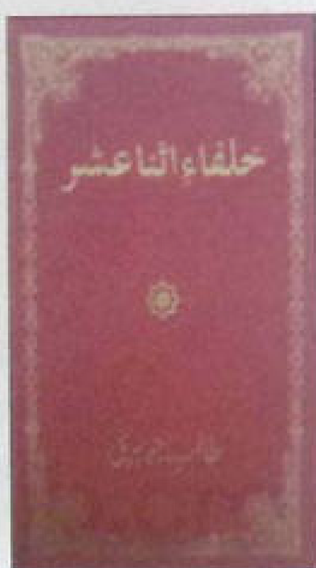
علامہ طالب جوہری کی کتابیں



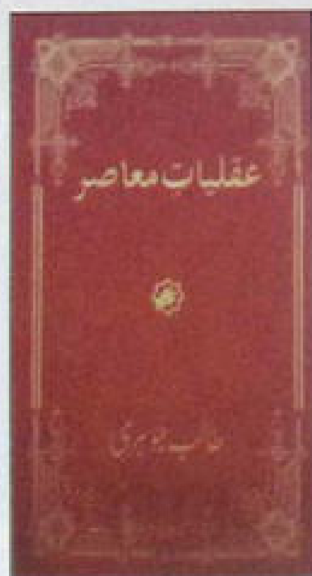
عقلیاتِ معاصر



پسِ آفاق



خلفاء اثناعشر



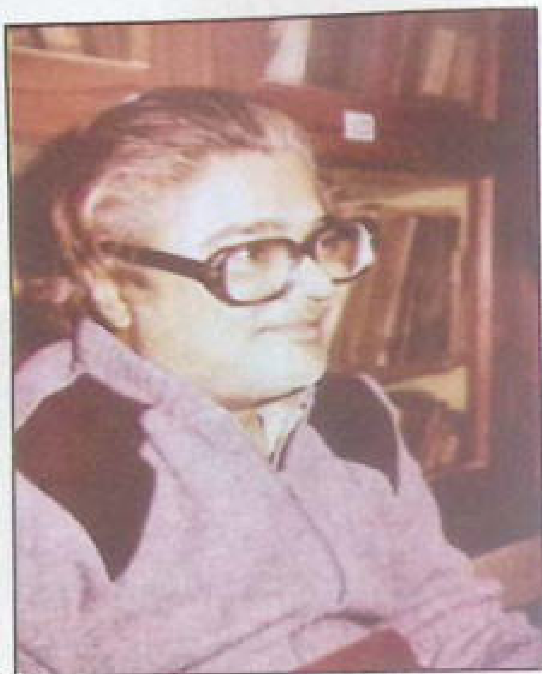
عقلیاتِ معاصر



سید ارتضیٰ عباس نقوی، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، علامہ طالب جوہری، ڈاکٹر شاداب احسانی،
ڈاکٹر کاظمی کے مکان پر۔



فراست رضوی، مولانا علی کرار نقوی، روحان رضوی، سید ابرار حسن، علامہ طالب جوہری،
محمد خان، عابد رضوی، سید ارتضیٰ عباس نقوی (سید ابرار حسن کے مکان پر ایک نشست کے بعد)



علامہ طالب جوہری اپنے کتب خانے میں۔ (نارتھ ناظم آباد)



علامہ طالب جوہری کی ایک نایاب تصویر۔



علامہ طالب جوہری اور مولانا ریاض جوہری اپنی صاحبزادی کے ساتھ





علامہ طالب جوہری کے عہدِ جوانی کے دو نایاب کتابچے

طالب جوہری

بسم الله الرحمن الرحيم

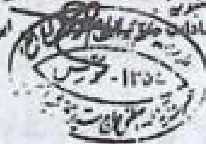
الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى وبعد فان رواية الاخبار
المروية عن ساداتنا الابرار سلام الله عليهم اجمعين مما لا يخفى شرفه
ولا يجهل فضله وعلى هذا كانت سيرة مشايخنا الماضين رضوان
الله تعالى عليهم اجمعين فممن احب الدخول في زمرتهم السيد الجليل
عمدة الخطباء وزبدة الاقران السيد قنبر علي الرضوي نجل السيد محمد
جعفر الرضوي فقد استجازني في الرواية كما هو دأب اهل العلم
والدراية حين تشرف للزيارة بالعتبة المقدسة للسيدة زينب
سلام الله عليها بدمشق فأجزت له ان يروي عني جميع ما صحت
لي روايته من الكتب الاربعة والجوامع المتأخرة باسانيدي المتصلة
المنتهية الى اهل بيت العصمة والطهارة صلوات الله وسلامه عليهم
اجمعين واوصيه بالدراية والتحقق فيما يرويه وبسلوك سبيل
التقوى والاحتياط وان لا ينساني في صالح الدعوات كتبه في جوار
الحرم الرضوي في مدرسة علمية امام رضا عليه وعلى آبائه السلام
والتحية في المشهد المقدس

جوهري

٣ شعبان ١٤٢١

بسمه تعالى
لقد حررت هذه الاجازة في مدرسة الامام الرضا عليه السلام
في مدينة مشهد المقدسة في يوم الخميس المصادف اليوم
الخامس من شهر شعبان المعظم من سنة احدى وعشرين
ومائة والف من الهجرة النبوية

ل 10 بلاك 20 سادات [illegible] اورنا كراچي هاتف 6361500 فاكس 6341400



مولانا سید قنبر علی رضوی کے لیے علامہ طالب جوہری کا اجازہ

سید ارتضیٰ عباس نقوی

مجلسِ ترحیم

آیت اللہ علامہ طالب جوہری

منعقدہ، ۲۸ رجون ۲۰۲۰ء مطابق ۶ رذیقعد ۱۴۴۱ھ امام بارگاہ دربارِ حسینی (ملیر)

"لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ"۔ (سورہ توبہ: آیت ۸۴)

آج کی مجلسِ عزا ایک ایسی شخصیت کے خراجِ عقیدت کے لیے منعقد ہے کہ جو دنیا میں آیا نہیں تھا بلکہ بھیجا گیا تھا۔ بہت سے لوگ دنیا میں آتے ہیں اور کچھ لوگوں کو بھیجا جاتا ہے پھر جب وہ آجاتے ہیں اور قدرت کی طرف سے مختلف منصب مل جائیں تو کسی منصب پر فخر نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو مولا علیؑ کی غلامی میں ہوتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ علامہ طالب جوہری صاحب (اعلی اللہ مقامہ) کی ذاتِ اقدس اپنی ایک ذات میں اتنی جامع الصفات تھی کہ ایک ہی وقت میں فلسفی بھی تھے۔ ایک ہی وقت میں منطقی بھی تھے۔ ایک ہی وقت میں خطیب بھی تھے، ایک ہی وقت میں آیت اللہ کے منصب پر بھی فائز تھے، ایک ہی وقت میں معقولات پر بھی گفتگو ہے، ایک ہی وقت میں منقولات پر بھی گفتگو ہے، ایک ہی وقت میں عربی ادب پر بھی بات ہے، ایک ہی وقت میں اردو ادب پر بھی بات ہے، ایک ہی وقت میں فارسی ادب پر بھی دسترس ہے، ایک ہی وقت میں قرآن پر بھی بات ہے، توریت پر بھی بات ہے، انجیل پر بھی بات ہے، زبور پر بھی بات ہے، ہندوؤں کی کتابوں پر بھی بات ہے، زرتشتیوں کی کتابوں پر بھی بات ہے ایسا شخص جس کو خدا اتنی فضیلتوں سے نواز دے وہ اپنے خطیب ہونے پر فخر نہیں کرتا، متکلم ہونے پر فخر نہیں کرتا، منطقی ہونے پر فخر نہیں کرتا، فخر کرتا ہے تو صرف حسینؑ کی غلامی پر۔ (نعرۂ حیدری)

ظاہر ہے علامہ صاحب کا رشتہ اس عزاخانے سے بہت گہرا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ

جو باب العلم اسٹوڈنٹ کی جانب سے آج علامہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے صحیح معنوں میں آج باب العلم اسٹوڈنٹ ہوئے ہیں اسی لیے کہ اس سے بڑے عالم کو خراج عقیدت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کون؟ کون؟ والد مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ، ان کے والد مولوی محمد مسلم اپنے زمانے کے سب سے بڑے حکیم، علامہ صاحب کے دادا اپنے عہد کے سب سے بڑے حکیم اور عالم اتنے بڑے تھے کہ ایک کتاب چھوڑ گئے جو سو (۱۰۰) کتابوں پر بھاری ہے اس کتاب کا نام ہے "عالم برزخ میں ہلچل" دنیا کی ہلچل نہیں ہے، عالم برزخ میں ہلچل اور ہلچل کیسے پیدا ہوتی ہے؟ یعنی انہوں نے ایسی کتاب لکھی جو پوری کتاب مکالمات پر مشتمل ہے اور مکالمہ دنیا میں نہیں ہے۔ بلکہ عالم برزخ میں ہے اور عالم یہ ہے کہ ابن سینا بیٹھا ہے، علامہ حلی بیٹھے ہیں، مولوی عبدالشکور بیٹھے ہیں، سر سید احمد خان بیٹھے ہیں اور جو گفتگو ہو رہی ہے وہ وہ گفتگو ہے جو انھوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے ان کی گفتگو کو نقل کرنا اور مذہب شیعہ کے دفاع میں جواب دینا ایسی کتاب عالم برزخ میں ہلچل اور ان کے فرزند، دو بیٹے مولوی محمد مصطفیٰ اور مولوی محمد مرتضیٰ۔ بڑے مصطفیٰ ہیں، چھوٹے مرتضیٰ ہیں، ایک علامہ صاحب کے والد ہیں دوسرے استاد ہیں۔ پہلے استاد علامہ صاحب کے مولوی محمد مرتضیٰ۔ اب سمجھ میں آیا مصطفیٰ کا بیٹا ہو، مرتضیٰ کا شاگرد ہو تب علامہ طالب جوہری جیسا عالم پیدا ہوتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اور عالم یہ ہے کہ لوگ نجف جا کر تعلیم کی ابتداء کرتے ہیں مگر یہاں یہ نہیں ہے بلکہ آدھا گھر پر پڑھا کر بھیجا گیا۔ جتنے بنیادی علوم تھے وہ اپنے چچا اور والد سے حاصل کئے اور اس کے بعد سن ۱۹۵۵ء میں نجف اشرف بھیجے گئے تو پندرہ برس کے تھے پندرہ برس کی عمر اور دس سال کا عرصہ نجفِ اشرف میں گزارا اور جب آئے تو پچیس برس سے ستائیس برس کے تھے اور جب آئے تو مجتہد ہونے کا اجازہ لے کر آئے۔ اچھا یہ باتیں زبانی تو ہو سکتی ہیں لیکن آپ اس کی آواز سن رہے ہیں جو اپنی آنکھوں سے اجازوں کو دیکھ چکا ہے۔ کس کے اجازے کی بات کروں آیت اللہ ابوالقاسم رشتی کا اجازہ، آیت اللہ سید علی فانی کا اجازہ، آیت اللہ مصطفیٰ نورانی کا اجازہ، اپنے وقت کے سب سے بڑے علماء سے اجازے کی

روایت کی، درایت کی سند لے کر آئے اور پھر معراج وہاں بھی ہوئی کہ جب آیت اللہ باقر الصدرؒ نے اپنی کتاب ''عروۃ الوثقیٰ'' پیش کی تو اس کے شروع میں لکھا ''قُرّۃ عَینی الشیخ علامہ طالب جوہری'' یعنی ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک'' میں نے اجازے دیکھے ہیں علامہ بھی لکھا ہے، آیت اللہ بھی لکھا ہے اور حجت الاسلام بھی لکھا ہے۔ ستائیس برس کی عمر میں جب اتنے اجازے لے کر پاکستان آئے، اجازہ ہونا بڑی بات نہیں ہے جو صلاحیت دماغ میں تھی اُس کی بات ہے۔ اجازے بہت سوں کے پاس ہیں مگر تربیت ہر کسی کے پاس نہیں ہے۔ پورے پاکستان کے علماء ایک ترازو میں ہوں اور علامہ طالب جوہری ایک ترازو میں ہوں تب بھی ان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ سب سے پہلے شاعر، قصیدے کے بہترین شاعر، قصیدہ کہنا مرثیہ کہنے سے زیادہ مشکل ہے اور ایسا قصیدہ کہا۔ یداللہ حیدرؔ صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ میری بات کی تائید کریں گے انھوں نے مرثیہ نگاری انہی کی تحریک پر شروع کی۔ یعنی ایک ہوتا ہے خود ادب میں اضافہ کرنا اور ایک ہوتا ہے صلاحیت والوں کو نکھارنا۔ اتنے بہترین قصیدے کہے کہ جب جوشؔ ملیح آبادی نے سنا تو کہا اس وقت اس سے بہتر قصیدہ کہنے والا پورے پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ سب سے پہلے شاعر، اس کے بعد مجتہد، مجتہد کے بعد خطیب اور عالم یہ ہے کہ جب ۱۹۶۵ء میں کراچی آئے تو اس وقت انہیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ مولانا مصطفیٰ جوہرؔ (اعلی اللہ مقامہ) اس وقت کھارادر میں رہتے تھے اور وہاں خوجہ حضرات کے جتنے جشن ہوتے تھے، جتنی مجالس ہوتی تھیں تو وہ سب مولانا مصطفیٰ جوہرؔ صاحب پڑھا کرتے تھے لیکن جب علامہ صاحب نجف سے آئے تو خوجوں نے چاہا کہ ہم بھی ان سے کچھ استفادہ کریں تو کچھ افراد بیٹھ کر ان سے سوالات کرتے تھے اور وہ سوالات ان کے علم کے دریا بن جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب لوگوں نے دیکھا کہ ان کے پاس تو بہت علم ہے تو لوگوں نے کہا کہ اب ہم ان کو موضوعات دیتے ہیں اور موضوعات کی بنیاد پر ان سے سوالات ہوں گے۔ علاماتِ ظہورِ مہدیؑ ایک مستقل عنوان جس پر ہر ہفتے ایک نشست ہوتی تھی اور صرف وہی سوالات ہوتے تھے جس کا تعلق یا صرف بارہویں امامؑ سے ہے یا علاماتِ ظہور سے ہے لیکن ایک سال ایسا ہوا کہ شعبان میں، ظاہر ہے چونکہ

پندرہ شعبان روز ولادتِ امام زمانہؑ ہے تو شعبان کے بعد جب رمضان آیا تو انھوں نے کہا چونکہ آپ اتنی علمی گفتگو کرتے ہیں تو کیوں نہ ماہِ رمضان میں تفسیر بیان کی جائے یعنی علمی نشستوں سے آئے تفسیرِ قرآن میں اور محمدی ویلفیئر سوسائٹی کھارادر میں تفسیر کا آغاز ہوا۔ سورۂ یوسفؑ پر پورے مہینے گفتگو ہوئی اور جب وہ گفتگو سنی تو لوگ سمجھ گئے کہ ایک انمول ہیرا ہمارے درمیان موجود ہے پھر محفلِ ابوالفضل العباس کھارادر کا پہلا عشرہ ملا، وہاں سے مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں پہنچے اب تک خوب جے سن رہے تھے اب مہاجروں کے کانوں میں آواز آئی۔ (نعرۂ حیدری)

اب ظاہر ہے جب تہذیب کی آوازیں ہندوستانیوں کے کانوں میں آجائیں تو وہ ہیرے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور جب یہ گفتگو یہاں تک آ گئی تو ایک جملہ اور سن لیجیے کہ علامہ صاحب کی حیثیت ہماری قوم میں ایسی تھی کہ جیسے ہندوستانی تہذیب کی انگوٹھی پر درِ نجف جڑا ہوا ہو۔ (نعرۂ حیدری)

مرکزی کی مجلسیں کامیاب ہوئیں ۱۹۷۳ء میں علامہ رشید ترابی کا انتقال ہوا اگلے سال علامہ عقیل ترابی منبر پر آئے، پہلا سال ہوا، دوسرا سال آیا تو ظاہر ہے کہ پہلے عشرے کے بعد دوسری اہم مجلس چہلم کی ہوتی تھی اس لیے طے کیا گیا کہ چہلم کی مجلس کے لیے اس سال ایک نئے خطیب کا انتخاب ہو تو منور عباس صاحب جو اشرف عباس صاحب کے والد تھے ان سے افتخار حسین خاں صاحب جو مولانا مصطفیٰ جوہرؔ کے دوست تھے انھوں نے کہا کہ علامہ طالب جوہری مرکزی امام بارگاہ میں تقریریں کر رہے ہیں اور بڑی مقبول ہو رہی ہیں آپ کچھ تقریریں سُن لیجیے اگر آپ کو سمجھ آئے تو چہلم کی مجلس ان کے حوالے کر دی جائے گی۔ تین مجلسیں انھوں نے سنیں اور تین مجلسیں سن کر فیصلہ کیا کہ نشتر پارک کا منبر سوائے اس نوجوان کے کوئی دوسرا نہیں سنبھال سکتا لہٰذا اس سال جو عشرہ ہوا اس کی تین مجلسوں کی بنیاد پر ۱۹۷۵ء کا پہلا چہلم نشتر پارک میں علامہ صاحب نے پڑھا اور وہ، وہ یادگار مجلس تھی جس کے سرنامے میں انھوں نے آیت رکھی تھی کہ اللہ کے لیے ایک اعلیٰ مثل موجود ہے اور اس میں انھوں نے گفتگو کی کہ مِثل اور ہوتا ہے مَثَل اور ہوتا ہے اور وہاں سے گفتگو کرتے ہوئے

سورۂ یٰسین کی آیتوں کی طرف آئے اور اس میں انھوں نے بتایا کہ قرآن میں دو مبین ہیں ایک عدوِ مبین ہے اور ایک امامِ مبین ہے اور اس کے بعد بتایا کہ جب عدوِ مبین غائب ہو کر گمراہ کر سکتا ہے تو امامِ مبین کیا غائب ہو کر ہدایت نہیں کر سکتا؟ (نعرۂ حیدری)

علم کے دریا بہہ رہے ہیں اور عالم یہ ہے کہ ایک طرف نشتر پارک اور دوسری طرف پی ٹی وی کا فہمِ قرآن جو نشتر پارک میں نہیں ہے وہ پوری دنیا میں فہمِ قرآن سُن رہا ہے اس لیے سب سے زیادہ شہرت نشتر پارک سے زیادہ فہمِ قرآن سے ملی۔ آپ تو یہی سمجھتے ہیں کہ جاتے ہوں گے پی ٹی وی کے دفتر، جا کر میز پر بیٹھ گئے، کیمرہ لگا ہے، تیاری کر کے آئے ہوں گے۔ پندرہ بیس منٹ کا پروگرام ریکارڈ کرایا اور گفتگو ختم اگر یہی بات ہے تو اوروں میں اور ہمارے علامہ صاحب میں فرق کیا ہے؟ مگر ہاں ایک بار ایسا ہوا کہ پورا پروگرام ایک آیت پر ریکارڈ کرایا۔ پچیس منٹ کا پروگرام ریکارڈ ہو گیا۔ پروگرام کے بعد جا کر دفتر میں بیٹھتے تھے۔ وہاں چائے، تواضع ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ پروگرام کے ڈائریکٹر ذوالفقار نقوی صاحب بھاگتے ہوئے آئے اور انھوں نے کہا حضور ایک مسئلہ ہو گیا۔ علامہ نے کہا کیا بات ہے کہا کیمرے میں ایک مسئلہ ہو گیا ہے جتنی گفتگو آپ نے کی ہے تصویر تو آ رہی ہے مگر آواز غائب ہے لہٰذا دوبارہ پروگرام ریکارڈ کروا دیجیے۔ پروگرام ریکارڈ کرنے والے زندہ ہیں نام لینے کی مجھے ضرورت نہیں ہے جا کر پوچھ لیجیے گا کہتے ہیں وہی موضوع تھا، وہی آیت تھی مگر عجیب یہ ہے کہ اُس سے پہلے جو پروگرام ریکارڈ کرایا تھا اس کا ایک لفظ بھی دوسرے پروگرام میں نہیں تھا۔ اس کو کہتے ہیں عالمِ دین، اس کو کہتے ہیں جو بزرگوں کی دعاؤں سے دنیا میں آئے۔ گوشے بہت ہیں اس سے پہلے بھی مجلس میں بیان کر چکا ہوں۔ میں دوہرانا نہیں چاہتا یاد رکھیے ایک ایسا گوہرِ نایاب ہمارے درمیان سے رخصت ہوا کہ ہم دوبارہ پا نہیں سکتے۔ ہم دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے۔ شیعہ قوم کی جان، شیعہ قوم کا فخر، چونکہ مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ دیکھیے حافظ تو سب کا ہوتا ہے۔ حافظہ ہونا بہت بڑی نعمت ہے اور علامہ صاحب کا حافظہ ایسا تھا کہ اگر ایک مرتبہ کسی کتاب کو پڑھ لیتے تھے تو دوسری دفعہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی یہ حافظے کا عالم تھا اور حافظے کا عالم یہ

ہے کہ ایک صاحب نے عربی کا قصیدہ آ کر سنایا مولانا مصطفیٰ جوہر قبلہ کے سامنے، ابھی گئے تھے کہ وہی قصیدہ کاغذ پہ لکھ کر مولانا جوہرؔ کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ نہیں غور فرمایا؟ پہلی ہی بار میں عربی شعر سن کر حافظے میں محفوظ ہو گئے اب خدا ہی جانے جب غلاموں کا حافظہ ایسا ہو تو آقا کا حافظہ کیسا ہوگا۔ (نعرۂ حیدری)

اور پھر نام کا انتخاب اتنا منفرد ہوا کہ نام ابوطالب اور تاریخی نام جشید رضا۔ عدد نکال لیں تاریخ آ جائے گی اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن میں صرف ایک ہی مقام پر لفظِ طالب آیا ہے پورے قرآن میں ایک ہی بار طالب لفظ ہے اور پروردگار نے سورۂ حج میں اُس موقع پر اس لفظ کا استعمال کیا کہ جب کافروں کے بتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا تو پروردگار نے کہا کہ ان کافروں سے کہہ دو اگر یہ سارے بت ایک جگہ جمع کر لیں تو یہ سارے بت مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر کوئی ایک مکھی چھین کر لے جائے تو یہ سارے بت مل کر اس ایک مکھی کو حاصل بھی نہیں کر سکتے اس کے بعد قرآن نے عجیب لفظ رکھا ان آیتوں کے بعد "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوب" (سورہ حج آیت نمبر: ۷۳)

طالب بھی ضعیف ہے۔ مطلوب بھی ضعیف ہے۔ نہیں سمجھے؟ طالب کون ہیں؟ پوجا کرنے والا اور مطلوب کون ہیں؟ بت، تو اللہ نے کہا مطلوب بھی کمزور ہے اور یہ طالب بھی کمزور ہے، کیوں؟ ایک مکھی تو پیدا کر نہیں سکتے۔ تخلیق کے درمیان کمزوری کا تذکرہ ہے اتنے ضعیف ہیں۔ اتنے کمزور ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے یعنی اگر ایسا ہو کہ طالب قوی ہو جائے اور مطلوب کمزور ہو جائے۔ دوسری منزل وہ کہ مطلوب قوی ہو جائے اور طالب کمزور ہو جائے، تیسری منزل وہ کہ طالب بھی قوی ہو، مطلوب بھی طاقتور ہو۔ شیعوں کا نہ طالب کمزور ہے نہ ابوطالبؑ کمزور ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اب اگر ابھی بھی بات واضح نہیں ہوئی تو میر انیسؔ کا یہ شعر بھی سن لیجیے:

خاک کو ہے خاک سے اُلفت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں، کربلا میرے لیے

طالب بھی مضبوط ہے مطلوب بھی مضبوط ہے۔ اب وہ الگ بات ہے کہ مطلوب خدا ہو

جائے طالب بندہ ہو جائے بلکہ نہیں طالب قنبر ہو جائے مطلوب علیؑ ہو جائیں۔ طالب سلمانِ فارسی ہو جائے مطلوب محمد مصطفیٰؐ ہو جائیں۔ طالب عزادار ہو جائیں مطلوب عزاداری ہو جائے مگر جب طالب بھی اپنے عروج پر ہو اور مطلوب بھی اپنے عروج پر ہو تو وہاں کمزوری کا کوئی تصور نہیں رہ سکتا تھوڑی دیر کے لیے سوچیے اگر مولانا مصطفیٰ جوہرؔ طالب ہیں اور زمانے کا امام اُن کا مطلوب بنے تب جا کے اس کائنات میں علامہ طالب جوہری آئے۔(نعرۂ حیدری)

طالب بھی کمزور، مطلوب بھی کمزور لیکن ہم وہاں ہیں جہاں طالب بھی قوی ہے اور مطلوب بھی قوی ہے لیکن نام آیا کہاں سے؟ ابو طالب سے نہیں، ایک ایسی شخصیت جس کو لوگ فراموش کر دیتے ہیں۔کون؟ مولا علیؑ کے بڑے بھائی طالبؑ۔ چار بھائی ہیں طالبؑ، عقیلؑ، جعفرؑ اور علیؑ، چاروں میں دس دس سال کا فاصلہ ہے دس سال بعد عقیلؑ، دس سال بعد جعفرؑ، دس سال بعد علیؑ تو چالیس سال میں جا کر چار بیٹے آئے اور بیٹیاں دو الگ ہیں تو اب دنیا مجھے یہ بتائے جب ابو طالبؑ کے گھر میں یہ اولادیں آ رہی تھیں تو دس دس سال کا فاصلہ تو تھا خود ابو طالبؑ کی عمر کیا تھی؟ اب جب تحقیق کی تو پتہ یہ چلا کہ جس عمر میں ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اسی عمر میں ابو طالبؑ کے ہاں علیؑ پیدا ہوئے بس فرق یہ ہے وہ کعبے کو بنانے والا ہے یہ کعبے میں آنے والا ہے۔ ابو طالبؑ یعنی طالبؑ کا باپ اور طالب کون؟ ابو طالبؑ کا بڑا بیٹا۔ دنیا یہ کہتی ہے طالبؑ کے بارے میں تو کچھ ملتا ہی نہیں ہے۔ کارنامے نہیں ملتے، حالات نہیں ملتے۔ اچھا! حضرتِ عقیلؑ، کتنی خدمات ہیں پوری اولاد کربلا میں ہے یا نہیں اور بھی بہت خدمات۔ جعفر طیارؑ، پورا افریقہ مسلمان کر دیا اور ساری خدمات ایک طرف اور علیؑ تو سب کے سامنے ہیں تو ہو سکتا ہے کوئی یہ کہے عقیلؑ کی خدمت تو ہے۔ جعفرؑ کی تو ہے، علیؑ کی تو ہے مگر طالبؑ نے کون سا بڑا کام کیا ہے؟ تو خدا کی قسم جو تاج طالبؑ کے سر پر ہے فضیلت کا وہ کسی اور کے سر پر نہیں ہے۔ سب کی فضیلتیں اپنے پاس ہیں۔ طالبؑ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ابو طالبؑ کا تعارف طالبؑ کے نام سے ہو گیا۔ ظاہر ہے بدر کے میدان میں لائے گئے کافروں کی طرف سے

زبردستی لائے گئے وہاں عقیلؑ بھی ہیں، وہاں طالبؑ بھی ہیں، وہاں عباس ابن عبدالمطلبؑ بھی ہیں اور سامنے لشکرِ اسلام ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جب آپس کے دو گروہوں میں لڑائی ہوجاتی ہے تو دشمن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کو اپنے ساتھ کرلو جو سامنے والوں کا سب سے قریبی ہو۔ انھوں نے دیکھا طالبؑ یہاں ہیں، عقیلؑ یہاں ہیں اور علیؑ سامنے ہیں کتنی عجیب کیفیت ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ کافروں کے لشکر میں تھے تو معاذ اللہ خود بھی کافر تھے۔ نہیں جب میدان میں آئیں گے تو آنا خود بتلائے گا کہ کس دین پر ہیں۔ اُدھر سے فوج چلی اور اِدھر سے لشکر چلا جب دونوں آمنے سامنے آئے تو آج بھی یہ جملہ سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے۔ اسلام میں سیرت کی پہلی کتاب، جب طالبؑ میدان میں آئے اور آتے ہی یہ رجز پڑھا کہ اے کائنات کے پالنے والے ان دونوں لشکروں میں اسے فتح دے جو حق پر ہو۔ مجھے دنیا بتائے کہ اب ابھی اگر توحید پر یقین نہیں ہے تو کون سے خدا سے باتیں ہورہی ہیں۔ جملہ ہلکا نہیں ہے اگر اب بھی یقین نہیں ہے تو کس خدا سے باتیں کررہے تھے؟ اچھا تو کافروں کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ حق کیا ہوتا ہے اور فتح کیا ہوتی ہے۔ آئے اور فتح کس کی ہوئی؟ فتح اسلام کی ہوئی یا نہیں؟ تو دعا کس کی قبول ہوئی؟ اسی لیے بدر میں راہِ خدا میں شہید ہوگئے اور جب راہِ خدا میں قتل ہوئے تو اسلام کے اولین شہیدوں میں کون ہوا؟ اسی لیے طالبؑ کا تذکرہ جنگِ بدر کے بعد نہیں ملتا یہ تو طالبؑ ہے جو اسلام کی بنیادیں رکھنے والا ابوطالبؑ کا بڑا بیٹا، ابوطالبؑ کی پہچان طالبؑ سے ہے اور یہاں عالم یہ ہے کہ طالبؑ سے ابوطالبؑ کی پہچان ہے اور ابوطالبؑ سے محمد مصطفیؐ کی پہچان ہے مگر یہ وہ طالب ہیں کہ محمد مصطفیؐ جوہر کی پہچان طالب جوہری سے ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اسی لیے ابوطالبؑ کا جنازہ سامنے رکھا ہے اور ابھی نمازِ جنازہ آئی نہیں ہے مگر جو آیت سرنامۂ کلام میں پڑھی سورہ توبہ کی آیت۔ بسم اللہ اس لیے نہیں پڑھی کیوں کہ آغاز منافقوں سے ہے۔ واحد سورہ ہے اور جہاں منافق آجائے وہاں نہ ب آتا ہے نہ ب کا نقطہ آتا ہے۔ کام ہی نہیں ہے وہاں پر اس لیے بسم اللہ رکھی ہی نہیں اور رسول اللہؐ سے ارشاد ہوا "لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ" یہ جو منافق بیٹھے ہوئے ہیں خبردار ایک کا بھی جنازہ نہ پڑھنا۔

''اَحَدٌ'' ایک کا بھی جنازہ نہ پڑھنا ''وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ'' ایک کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہونا۔ پتہ چلا منافق کی نمازِ جنازہ میں بھی نبی نہیں جاتا نہ منافق کی قبر پر جاتا ہے۔ آیت کو پلٹ دیجیے جس کے جنازے میں جائے گا وہی مومن ہے۔ جس کی قبر پر جائے گا وہی مومن ہے، جایا مومن ہی کی قبر پر جاتا ہے جہاں کوئی قبروں سے بھاگ رہا ہو ہمیں اس کی فکر نہیں ہے کہ منافق کی قبر پر جانا پہلے ہی منع ہے رسولؐ منافق کی قبر پر نہیں جائیں گے۔ رسولؐ منافق کا جنازہ نہیں پڑھائیں گے یہ پیغمبر اکرمؐ کے لیے حکم ہے مگر جو حکم پیغمبرؐ کے لیے ہے وہی وارثِ رسولؐ کے لیے بھی ہے اس لیے علیؑ نہ منافق کا جنازہ پڑھیں گے چاہے مدینے میں ہی کیوں نہ ہو۔ مدینے میں علیؑ ہوں اور جنازے میں نہ جائیں۔ خدا جانے پچیس سال میں کتنے جنازے ایسے تھے کہ علیؑ نے مدینے میں ہوتے ہوئے شرکت نہیں کی اسی لیے کہ منافق کے جنازے میں علیؑ کا جانا حرام ہے اور ایک وہ ہے کہ مرے مدائن میں تو علیؑ مدینہ چھوڑ کر مدین جنازہ پڑھانے چلے جائیں، منافق کے جنازے پہ علی نہیں جائیں گے، منافق کی قبر پر علی نہیں جائیں گے اور رسول کسی منافق کے جنازے پر نہیں جائیں گے، کسی منافق کی قبر پر جائیں گے، نہ قبر پر جانا ہے نہ جنازے پڑھنا ہے اب دنیا یہ بتا دے کہ ابوطالبؑ کی قبر میں اُترے یا نہیں اُترے؟ قبر پر جا کر کھڑے ہو جانا اور ہوتا ہے قبر کے اندر اُتر جانا اور ہوتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

جس کی قبر پر جائیں وہ صاحبِ ایمان ہوتا ہے اور جس کی قبر میں اُتر جائیں وہ کل ایمان کا باپ ہوتا ہے۔ اب تدفین میں پہلے پڑھ چکا ہوں اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ موضوع تبدیل ہو جائے گا۔ ابوطالبؑ کی قبر میں اُتر رہے ہیں اس کے بعد جب آیت آ گئی اب رسول کا عمل کیا ہے؟ آپ ایک منافق کا جنازہ نہیں پڑھیں گے تو کیا پہلے پڑھتے تھے؟ اب پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں لیکن صحاح ستہ میں یہ روایت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ بیان کر کے آگے بڑھ جاؤں۔ روایت یہ ہے کہ رسول اپنی زندگی میں دو طریقے سے جنازہ پڑھتے تھے جب منافق کا جنازہ ہوتا تھا تو تین تکبیریں ہوتی تھیں اور جب مومن کا جنازہ ہوتا تھا تو پانچ تکبیریں ہوتی تھیں لوگ تکبیروں کی گنتیوں سے پتہ لگا

لیتے تھے کہ مرنے والا مومن ہے یا منافق ہے مگر ہاتھ جوڑ کر یہ تو پوچھیے کہ منافق کے لیے تین ہی کیوں ہے اور مومن کے لیے پانچ ہی کیوں ہے؟ (نعرۂ حیدری)

یہ راز تو رسولؐ ہی جانتے ہیں مگر یہ بات بھی طے ہے کہ میں جو جنازہ پڑھوں گا اور ہوش و حواس میں پڑھ رہا ہوں کیوں کہ لوگوں کو جنازہ پڑھتے ہوئے ہوش نہیں ہوتا کبھی آپ کو پتہ ہے تکبیریں کتنی پڑھی ہیں آپ نے؟ نہیں، بس تکبیر ہوتی ہے جیسا جنازہ پڑھوں گا آگے ویسا ہی پڑھایا جائے گا نا؟ ہوگا یا نہیں؟ نسل در نسل سلسلہ چلنا ہے۔ آپ کہیں گے ہم نے انھیں دیکھا تھا، اس عالم کو دیکھا تھا، اس راوی کو دیکھا تھا، اس محدث کو دیکھا تھا اس نے جنازے پہ اتنی تکبیریں کہیں تھیں، اس نے اتنی کہیں تھیں اب تاریخ میں تو آ گیا کہ منافقوں کے یہاں تین ہوتی تھیں، مومنوں کے ہاں پانچ ہوتی تھیں آج جا کر مسجدوں میں دیکھ لو اوروں میں کتنی ہیں اور اور یہاں پر کتنی ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

بھئی جو جیسے جنازے تھے وہی سلسلہ چلا آ رہا ہے تو مومن کے ہاں پانچ، منافق کے ہاں تین تو ہر مومن کی پانچ، مگر جب فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کا جنازہ پڑھایا تو ستر تکبیریں کہیں اوروں کی پانچ ہیں علیؑ کی ماں کے لیے ستر ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ! سب کی پانچ علیؑ کی ماں کی ستر؟ کہنے لگے اس سے زیادہ کی حقدار تھیں اتنا تو پتہ چل گیا اُمت کا جنازہ اور ہے، بس یہیں تک لانا تھا اُمت کا جنازہ اور ہے علیؑ کی ماں کا جنازہ اور ہے۔ جنازہ خود جتلائے گا کون کتنا با فضیلت ہے۔ اب دنیا اپنے جنازے دیکھے اور علامہ طالب جوہری کا جنازہ دیکھے خود پتہ چل جائے گا کس کا تعلق کہاں سے ہے۔ مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ پریشانی کس بات کی تھی؟ اوروں کے ہاں پانچ تکبیریں اور علیؑ کی ماں کے ہاں ستر تکبیریں، حمزہؑ کے جنازے پر بھی ستر تکبیریں جو وی آئی پی (VIP) تھے ان کے لیے اضافہ ہوا کہ نہیں ہوا؟ میرا جملہ ضائع نہ ہو جو اوروں سے مختلف تھے، جن کی خدمات زیادہ تھیں جو اوروں جیسے نہیں تھے ان کے لیے اہتمام یہ ہے کہ جملے بڑھا دیے جاتے ہیں تاکہ خراجِ عقیدت پیش کیا جائے یہ واجب کفائی نماز ہے کیوں کہ واجب کفائی ہے اس لیے شریعت میں اجازت ہے کہ اگر کوئی قانون کے دائرے میں رہ کر مرنے والے کے لیے

کلمات خیر کا اضافہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اب جب اضافے کا حکم ہے تو علیؑ کی ولایت سے بڑا اعلان کیا ہوسکتا ہے۔ اس سے بڑا اعلان نہیں ہوسکتا۔ (نعرۂ حیدری)

بھئی جنازے میں پانچ تکبیریں ہیں اور پانچ کے درمیان تین پورشن (Portion) ہیں۔ ایک حمدِ الٰہی، رسالتؐ کی گواہی پہلا پورشن، دوسرا میت کے لیے ''اللھم لا نعلمہ منہ الا خیرا'' میت سے متعلق اور آخری پورشن دعا کا یہ جو آپ پڑھتے ہیں یہ نماز بھی اضافی ہے۔ نمازِ جنازہ کل تین جملوں میں ہے اگر تکبیریں ہٹا دیں، تین جملوں کا جنازہ ہے اور تین جملوں کا جنازہ تیس سیکنڈ کے اندر اندر پڑھ لیا جاتا ہے تو آپ تو پڑھتے ہیں پانچ منٹ کی نماز جنازہ تو جا کر مولوی سے پوچھیے جملے تو تین ہیں آپ نے اتنے سارے کیسے پڑھائے تو کہیں گے بڑھانے کی اجازت ہے تو سوال تو وہیں پر ہے جب یہ بڑھ سکتا ہے تو علیؑ کا ذکر کیوں نہیں بڑھ سکتا ہے؟ اور یہ نماز پڑھانے والے کی ذہانت ہے کہ جہاں تین حصے نماز جنازہ کے تھے اس میں پہلے علیؑ کی ولایت کا ذکر کیا اور آخری دعائیہ پیراگراف تھا۔ وہاں کہا ہمیں متمسک رکھ علیؑ کی ولایت سے تین تکبیروں سے لوگ پہچانتے تھے منافق ہے۔ پانچ سے پہچانتے تھے مومن ہے ہم نے علامہ صاحب کے جنازے سے پتہ لگایا ہے کہاں چھریاں چل رہی ہیں کس کے چہرے پر مسکراہٹ آرہی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اور پوری زندگی ولایتِ علیؑ کا پرچار کرنے والے، کوئی موقع ایسا نہیں آیا کہ جہاں ضرورت پڑی ہو اور علیؑ کی ولایت کا تذکرہ نہ آیا ہو، مجھے یاد ہے مجلس ہو رہی تھی نشتر پارک میں اور ایک بجے اذان کا وقت ہو گیا سامنے کی مسجد وہاں سے لاؤڈ اسپیکر کھڑکا، اذان بعد میں شروع ہوئی پہلی آواز یہ آئی اذان کا احترام کیجیے۔ اذان چلی جن کے گھر سے ہے جو پہلے مؤذن اسلام کے ہیں انھیں بتایا جائے گا احترام، حالانکہ انھیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ان کے لیے اذان اور ہوگی قرآن نے خود علیؑ کو اذان کہا ہے انھوں نے کہا اذان کا احترام کیجیے اب یہ جملہ کوئی شیعہ قوم کے باپ سے کہہ دے اگر وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جواب بھی ویسا ہونا چاہیے اور اگر، اب میں کیا کہوں آپ سے جو حقیقی باپ ہوتے ہیں نا؟ حقیقی مجازاً وہ واقعی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اور جو اِدھر اُدھر سے آکر بن

جاتے ہیں وہ ٹی وی پر آ کے دشمنانِ اہلبیتؑ کی تعریفیں کرتے ہیں۔ علامہ صاحب نے جب یہ آواز سنی کہ اذان کا احترام کیجیے، وہاں اذان شروع ہوئی اور یہاں مائک سے اتنی ہلکی آواز کہ جو نشتر پارک کا مجمع سُن لے انھوں نے کہا کہ آپ گنتے رہیے کہ اذان میں جملے کتنے ہیں اب مجمع گن رہا ہے اور وہاں سے اذان دی جا رہی ہے ادھر والوں کو خبر ہی نہیں ہے یہاں ہو کیا رہا ہے وہاں خبر ہی نہیں اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ، اشھد ان محمد الرسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔۔۔ پندرہ جملے تھے جب اذان ختم ہوئی علامہ صاحب نے وقفہ نہیں دیا فوراً جیسے ہی اذان ختم ہوئی کہنے لگے ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں جو اذان ہوتی تھی اس میں پندرہ نہیں انیس فقرے ہوا کرتے تھے۔ پندرہ نامکمل ہیں چار کا آنا ضروری ہے علیاً ولی اللہ، حی علی خیر العمل۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

پھر ایک سال ایسا ہوا کہ نشتر پارک کی کمیٹی نے کہا آپ فضائل نہیں پڑھیں گے۔ آپ دین بیان کریں، نماز سکھائیں، روزہ بتائیں شریعت بیان کریں اس لیے کہ اتنا مجمع آتا ہے اور جو باتیں معلوم ہونی چاہئیں وہ نہیں پہنچ پاتی لہٰذا اب آپ فضائل چھوڑ دیجیے اور شریعت کی طرف آ جایئے کوئی اور ہوتا تو موقع تو نہیں چھوڑتا اس لیے کہ بڑے منبر پر کون نہیں جانا چاہتا مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا معاہدہ ہوتا ہے امام حسینؑ سے اگرچہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں تو انسانوں سے تو غداری ہو سکتی ہے۔ شافعِ محشر سے تو نہیں ہو سکتی لہٰذا منبر پر آئے چھپا ہوا عشرہ موجود ہے سن ۱۹۹۸ء کا "تہذیبِ نفس اور تہذیبِ حاضر" اگر میری بات پر یقین نہ ہو چونکہ میں عجیب بات کہنے جا رہا ہوں تو جا کر چھپی ہوئی کتاب میں دیکھ لیجیے گا منبر پر آئے، تہذیب پر گفتگو کی اور اس کے بعد فرق بتایا تہذیبِ نفس کیا ہوتی ہے، تہذیبِ حاضر کیا ہوتی ہے اور اس کے بعد فوراً آ گئے حدیثِ کسا کے بیان پر کہا یہ گیا ہے کہ آپ فضائل نہیں پڑھیں گے اور پہلی مجلس ہے عشرے کی پہلی محرم اور ساری تقریر کرنے کے بعد حدیثِ کسا پر آئے اور آ کر کہا کہ اللہ ملائکہ سے پوچھ رہا تھا چادر کے نیچے

کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا، کیا ملائکہ نہیں جانتے تھے؟ بھئی روز کے جانے والے، اچھا پھر انھوں نے یہ بھی پڑھا کہ آپ سنتے رہتے ہیں خطبا سے اس موضوع پر جتنے نکتے پڑھے گئے ہیں وہ سب انھوں نے منبر پر سنائے اور سنانے کے بعد کہا آپ نے سنا ہے یا نہیں؟ سب نے کہا سنا ہے، کہنے لگے اب میں رد کر رہا ہوں اچھا بھائی کیا سنا ہے؟ سنا ہے فاطمہؑ الگ ہوتی تھیں، علیؑ الگ ہوتے تھے، حسنؑ اور حسینؑ کہیں اور ہوتے تھے یہ پانچ جب ایک ساتھ جمع ہوئے تو ملائکہ نے نہیں پہچانا یہ سنتے ہیں یا نہیں؟ کہنے لگے جبریل تو اس وقت بھی تھے جب بارہ کے بارہ نور نظر آ رہے تھے یہ تو تخلیقِ کائنات سے پہلے کی بات ہے جب اس وقت پہچان گئے تو چادر کے نیچے کیوں نہیں پہچانیں گے؟ پہلے یہ نقطہ بیان کیا پھر اس کے بعد عجیب بات کہی کہنے لگے کبھی کبھی سوال کرنے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ سامنے والے کو پتہ نہیں ہے، پہلے اس جملے کو ہضم کرلیں تاکہ آگے بڑھیں۔ سوال کرنے کا مقصد ہر وقت یہ نہیں ہوتا کہ تمھیں پتہ ہے یا نہیں پتہ ہے بلکہ اس لیے بھی سوال ہوتا ہے تاکہ اوروں کو بتا دیا جائے۔ سوال ہوا، اب جو جواب آئے گا وہ پورا مجمع سنے گا۔ فائدہ سوال کا ہوا یا نہیں؟ مثال کیا دی، موسیٰؑ سے اللہ نے پوچھا اے موسیٰؑ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ ساری داد علامہ صاحب کو جا رہی ہے۔ کیا اللہ کو نہیں پتہ ہاتھ میں کیا ہے؟ خود عصا دیا ہے، خود طریقہ بتایا ہے کس طرح سے استعمال کرنا ہے کیا کرنا ہے اور آج پوچھ رہا ہے موسیٰؑ "تمھارے ہاتھ میں کیا ہے۔ پوچھنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ خدا کے علم میں نہیں ہے بلکہ اللہ بتلانا چاہتا تھا کہ جب خدا پوچھے تمھارے ہاتھ میں کیا ہے تو موسیٰؑ "بتائیں پروردگار اس کو الٹاتا ہوں تو تکیہ بن جاتا ہے۔ رات کو لے کر چلتا ہوں تو روشنی دیتا ہے، درخت پر مارتا ہوں تو پھل توڑ کر دیتا ہے، کنویں میں ڈال دوں تو پانی دیتا ہے اب ایک سوال پر کتنی باتیں سامنے آ گئیں تاکہ اُمت کو پتہ چل جائے عصا کا کام کیا ہے۔ اب اللہ ملائکہ سے پوچھ رہا ہے چادر کے نیچے کون ہے کیا ملائکہ نہیں جانتے، نہیں بلکہ خدا چاہتا یہ تھا کہ اِدھر سوال کریں اُدھر ملائکہ کہیں، ہم نہیں جانتے خدا کہے یہ نہ ہوتے تو نہ سورج بناتا، نہ چاند بناتا، نہ ستارے بناتا انھوں نے کہا تھا فضائل نہ پڑھیے گا علامہ صاحب نے کہا خدا عرش پر خود اہلبیتؑ کے فضائل

پڑھ رہا تھا۔۔۔۔ (نعرۂ حیدری)

نکتہ یہاں ختم نہیں ہوا کہنے لگے اللہ ملائکہ کو بتانا چاہتا تھا کہ یہ جو پرواز کرتے رہتے ہو یہ سب بنا کس کے صدقے میں ہے؟ اس کے بعد کہنے لگے ملائکہ کا کام کیا ہے؟ دیکھیے خطابت ہوتی کیا ہے، ملائکہ کا کام کیا ہے؟ کھڑے ہیں تو عبادت میں، رکوع میں ہیں تو رکوع میں ہیں، سجدے میں ہیں تو سجدے میں ہیں فرشتوں کا کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔ کہنے لگے ملائکہ تو عبادت کی حالت میں تھے اب ذرا یہ بتائیے جس وقت اللہ پوچھ رہا تھا کیا اس وقت بھی عبادت میں تھے اب یا تو یہ مان لو کہ ذکر اہلبیتؑ عبادت ہے، اگلا جملہ ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا، چھپا ہوا موجود ہے حوالہ دے چکا ہوں۔ کہا یا تو یہ مانیے کہ ذکر اہلبیتؑ عبادت ہے یا یہ مانیے کہ اس ذکر کی اتنی عظمت ہے کہ خدا نے ملائکہ کی عبادت روک کے ذکرِ محمدؐ و آل محمد کیا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

کسی کی جرأت ہے یہ جملہ کہنے کی؟ اور علامہ صاحب کا گھرانہ وہ ہے جو حدیثِ کساء کا مرید ہے وہ خود یہ جملہ استعمال کرتے تھے دنیا سندوں پر اعتراضات میں لگی ہوئی ہے اور یہ ہر شب جمعہ پڑھ پڑھ کر برکتیں حاصل کر رہے ہیں۔ مولانا مصطفیٰ جوہر صاحب قبلہ ہفتے میں ایک دن نشست ہوتی تھی مغرب کی نماز کے بعد گھر پر لوگ جمع ہوتے تھے اور اس کی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ پوری زندگی مولانا مصطفیٰ جوہر قبلہ (اعلیٰ اللہ مقامہ) صرف حدیثِ کساء پر گفتگو کرتے رہے اور ہر نئی نشست میں ایک نیا نکتہ اگر اجازت ہو تو ایک نکتہ میں سنا دوں اس سے بہتر موقع نہیں ہے۔ علامہ صاحب کو بھی خراجِ عقیدت مولانا جوہر صاحب کو بھی خراجِ عقیدت ان کے دادا مولوی محمد مسلم اور پورے گھرانے کو خراجِ عقیدت، کہنے لگے جب پانچوں چادر میں آگئے تو شہزادی نے کیا کہا؟ ''فَلَمَّا اكْتَمَلْنَا جَمِيعاً تَحْتَ الْكِسَاءِ'' ترجمہ: ''یہ کہا جاتا ہے کہ جب سب کامل ہو گئے تو شہزادی نے کہا ''فَلَمَّا اكْتَمَلْنَا'' کامل ہو گئے، کہنے لگے کامل وہ ہوتا ہے جو پہلے ناقص ہو۔ عالم کی نظر عالمانہ ہوتی ہے۔ چاند کامل ہوتا ہے چودہ کو پہلے ناقص ہوتا ہے جب پورا ہو جاتا ہے کامل ہو جاتا ہے اس کا مطلب کامل ہونا بتلا رہا ہے پہلے نہیں تھا پہلے ناقص تھا تو اب کامل

ہے۔ کہنے لگے آلِ محمدؐ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کامل ہو گئے؟ نہیں اس کا مطلب معاذ اللہ کیا پہلے نہیں تھے؟ خدا کی قسم ایسا جملہ کہا ہے کہ اگر سونے کے پانی سے لکھ کر عزاخانوں میں لگا دیا جائے تب بھی اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کہنے لگے اس لفظ کی ایجاد کرنے والی ہیں جنابِ سیدہؑ یہ لفظ جنابِ سیدہؑ سے پہلے تاریخِ عرب میں استعمال کیا ہی نہیں گیا اس کی بنانے والی، ایجاد کرنے والی ہیں جنابِ سیدہؑ اب میں اپنا جملہ لگا رہا ہوں اس کا مطلب ہے اوروں کے لیے لفظ استعمال شدہ ہوتے ہیں آلِ محمدؐ کے لیے الفاظ ایجاد ہوتے ہیں۔

(نعرۂ حیدری)

پہلی مرتبہ حدیثِ کساء میں یہ لفظ آیا اب ترجمہ کیا ہوا؟ آخری جملہ تقریر کا۔۔۔اب ترجمہ کیا ہوا؟ نہیں، یہ نہیں ہے کہ جب ہم مکمل ہو گئے کہنے لگے ترجمہ یہ نہیں ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ جب کامل جمع ہو گئے جو پہلے سے کامل تھے وہ جمع ہو گئے۔ (نعرۂ حیدری)

اس کو کہتے ہیں علم، صدیاں گزر جاتی ہیں، برسوں کی ریاضتوں کے بعد، دنیا کیا سمجھتی ہے ایسے ہی علامہ طالب جوہری آ گئے کتنی راتیں سیاہ ہوئیں، سفر ہو کتاب ہاتھ سے نہیں چھٹتی، رات کے دو سے تین گھنٹے باوجود اس کے کہ طویل نشستیں ہیں لیکن جب تک کہ کتابوں کا مطالعہ نہ ہو جائے رات کو سوتے نہیں تھے اور محرم آنے سے تین مہینے پہلے ملاقاتیں ختم، اب کمرے میں اپنے بند اور جو مطالعہ ہوتا تھا میں بیان نہیں کر سکتا یعنی کہ شاید کسی کا دماغ پھٹ جائے اگر کوئی وہ محنت کرے جو علامہ صاحب کر کے گئے جب ہسپتال میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر نے اسکین (Scan) کیا تو اس نے رپورٹ میں جملہ لکھا۔ عمر اسی برس ہے دماغ نوے برس کا ہے۔ کیا کیا باتیں تھیں، کیا کیا نشستیں تھیں، کیا کیا علم کے گوشے، میں عشرے پڑھ سکتا ہوں علامہ صاحب کی شخصیت پر اگر بات کرنے پر آؤں ایک ایک عنوان پر عشرہ پڑھ سکتا ہوں اور انشاء اللہ ان کے چہلم سے پہلے ایک چھوٹی سی خدمت ہے ان کی بارگاہ میں کہ ایک ان کی سوانح حیات تقریباً پانچ سو صفحات پر جس میں ان کے پورے خاندان سے لے کر اور اب تک ان کی جتنی خدمات ہیں اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی وہ بھی آسان نہیں ہے بہرحال اب دوسرا ایسا نہیں آئے گا۔ اللہ اکبر!

علمِ رمل ہو، علمِ جفر ہو، علم فلکیات ہو، مشکل ترین علم کہ جس میں کوئی تصور کرنا بھی گوارا نہ کرے ایسا عالم جس کے پاس بہترین کتب خانہ، بہترین معلومات، بڑے بڑے اساتذہ سے پڑھا ہو اس نے کسی بات پر فخر نہیں کیا بلکہ یہی کہا کہ امامِ حسینؑ کے ذاکر ہیں، عالم بھی نہیں کہا، حسینؑ کے چھوٹے سے ذاکر، جب پہلی تقریر نشتر پارک کی ہوتی تھی تو واحد وہ خطیب تھے جو مصائب سے مجلس کا آغاز کرتے تھے مصائب سے شروع، فضائل اس کے بعد پھر مصائب اور مصائب میں ہر خطیب چاہتا ہے اتنا گریہ ہو کہ شورِ گریہ آسمان تک پہنچ جائے ہر ایک کی خواہش ہوتی لیکن میں نے علامہ صاحب کی زبان سے عجیب جملہ سنا۔

مصائب عروج پر ہیں آوازیں بلند ہیں ایک جملہ کہا۔ کہا کچھ دیر کے لیے اپنی آوازوں کو روک لو۔ خطیب چاہتے ہیں آوازیں بلند رہیں اور وہ فرما رہے ہیں آوازوں کو روک لو، خاموشی ہو جائے۔ کیا اس بات کی گارنٹی ہے کہ دوبارہ وہی رقت ہوگی مگر جو خلوص تھا امام حسینؑ سے اس میں اس سے زیادہ رُلاتے تھے اس سے زیادہ مصائب بیان کرتے تھے۔ مجلسیں ہوتی رہیں گی جتنا تذکرہ کیا جائے ہر انجمن ہر امام باڑا ہر مدرسہ ہر گھر میں علامہ صاحب کے بلندیٔ درجات کی مجلس ہونی چاہیے۔ یہ قوم اتنی مقروض ہے ہم پر اتنا احسان ہے کہ ہم پوری زندگی بھی ان کا ایصال ثواب کریں پھر بھی ہم حق ادا نہیں کر سکتے، عجیب شخصیت جہاں حضرت عباسؑ کا نام آیا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جہاں امامِ حسینؑ کا نام آیا آنکھیں نم ہو گئیں اور عباسؑ سے محبت کے واقعات ایک طرف مگر کسی نے ایک دن پوچھا کہ آپ کے استاد آیت اللہ محسن الحکیم کے بارے میں یہ واقعہ سنا ہے کہ ان کی آنکھوں سے خون آ گیا تھا وہ واقعہ سنایئے تو کہنے لگے میں نے اپنے دوست سے ملنا جو اس وقت موجود تھے اور وہ بیان کرتے ہیں کچھ لوگ آئے اور انھوں نے آ کر کہا کہ ہم نے زیارت ناحیہ میں پڑھا ہے کہ امام زمانہؑ اپنے جد کے لیے خون کے آنسو رو رہے ہیں تو یہ بتایئے کیا کوئی خون کے آنسو رو سکتا ہے کیا ایسا ممکن ہے؟ یہ جملہ سننا تھا آیت اللہ محسن الحکیم نے اپنا رومال آنکھوں پر رکھا اور جب آنکھ سے ہٹا کر دکھایا خون کے دھبے رومال میں موجود تھے تو بے اختیار کہا میں ادنیٰ سا حسینؑ کا نوکر جب اتنا رو سکتا ہوں جس کے گھر کا

غم ہو وہ زمانے کا امامؑ کتنا روتا ہوگا حسینؑ کے مصائب پر۔

خدا آپ کو کسی غم میں نہ رُلائے جس خطیب نے پوری زندگی رُلایا، جس عالم نے ساری زندگی مصائبِ حسینؑ بیان کیے آج اسے خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا ہے۔ حسینؑ رخصتِ آخر کے وقت خیمے میں آئے اور ایک جملہ کہا اے زینبؑ! میرا آخری سلام، اے اُمّ کلثوم! اے رُبابؑ! تم تک میرا آخری سلام پہنچے۔ ایک ایک بی بیؑ کو وصیت کی، خیمے سے جانے والے تھے کہ ایک مرتبہ سیّد سجادؑ کی یاد آ گئی بے اختیار پلٹے، عابدِ بیمار کے خیمے میں آئے غشی کی حالت میں دیکھا آگے بڑھ کر شانے کو تھاما اور بازو کو ہلا کر سورہ الحمد کی تلاوت کی، غشی سے بیمار کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک مرتبہ جب عابدِ بیمار نے بابا کے چہرے کو دیکھا تو دیکھ کر پہلا جملہ کہا۔ ارے بابا! یہ آپ کے چہرے کو کیا ہو گیا حسینؑ کا وارث ہے اگلا جملہ عجیب کہا بابا کیا چچا عباسؑ مارے گئے؟ کہا ہاں بیٹا چچا مارے گئے اس کے بعد کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئے اور اگلا جملہ کہا بابا! بھیا علی اکبرؑ کہاں ہیں۔ فرمایا بیٹا سیّد سجادؑ اب مردوں میں صرف تم باقی ہو یہ نہیں کہا کہ اکبرؑ مارا گیا کہا اب مردو میں تم باقی ہو کیوں اس لیے بھائی کا غم ہے بھائی برداشت نہیں کر سکتا حسینؑ نہیں چاہتے۔ عباسؑ نے کمر توڑ دی ہے عابدِ بیمارؑ کی بھی کمر ٹوٹ جائے اس کے بعد کہا بیٹا ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن لینا، پیروں میں بیڑیاں پہن لینا، گلے میں طوق پہن لینا اُمت کے لیے بددعا نہ کرنا اور اس کے بعد کہا تم نے کوفے اور شام کے بازاروں تک جانا ہے خطبے دیتے ہوئے جانا اور آخر میں کہا سکینہؑ کو زندان میں دفنا دینا۔ وصیت کر چکے مقتل کا ارادہ کیا خیمے سے باہر آئے ابھی دروازے ہی پر تھے ایک مرتبہ کچھ یاد آ گیا اب تصور کیجیے جب جا چکے ہوں اور پھر پلٹے اب کتنی عظیم وصیت ہوگی جسے ادا کرنے کے لیے حسینؑ واپس آئے آ کر ایک جملہ کہا بیٹا سجادؑ ایک وصیت رہ گئی کہا بابا کہیے کہا جب مدینے جانا شیعوں کو میرا سلام کہنا اور کہنا جب ٹھنڈا پانی پیو میری پیاس کو یاد کرنا، جب کسی غریب کو دیکھو میری غربت کو یاد کرنا اس کے بعد چلے خیمے سے باہر آئے۔ ذوالجناح خاموش کھڑا ہے، حسینؑ کے انتظار میں، کبھی دائیں دیکھا کبھی بائیں دیکھا ہے کوئی سوار کرانے والا؟ گنجِ شہیداں میں لاشے تڑپ گئے فرات

پر عباسؑ کا لاشہ تڑپا ایک مرتبہ خیمے کا پردہ ہٹا علیؑ کی بیٹی باہر آئی کہا بھیا تنہا نہ سمجھنا آج علیؑ کی بیٹی سوار کرائے گی، بازو کو تھاما، دوسرے ہاتھ سے رکاب کو تھاما بھائی کو سوار کرایا، کس انداز سے سوار ہوئے آج عباسؑ نہیں ہیں، آج اکبرؑ نہیں ہیں، عونؑ و محمدؑ نہیں ہیں، قاسمؑ نہیں ہیں، اب اکبرؑ زینبؑ نہیں، اے عباسؑ زینبؑ ہیں، اب قاسمؑ زینبؑ ہیں۔ بھائی کو سوار کرایا خیمے میں تشریف لے گئیں۔ اب حسینؑ بچپن کا وعدہ پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اب ارادہ ہے کہ نانا کا وعدہ پورا ہو ایک مرتبہ لجام فرس کو چھیڑا، ذوالجناح تھوڑا آگے بڑھا لیکن ایک منزل آئی کہ سواری رُک گئی اور وہی جملہ جو علامہ صاحب شامِ غریباں میں پڑھا کرتے تھے اے ذوالجناح کیا اس مصیبت میں ساتھ چھوڑ دے گا، گھوڑے نے اشارہ کیا، جب جھک کر دیکھا چار برس کی بچی سموں سے لپٹی ہوئی تھی جو سینے پر سونے والی ہو وہ ذوالجناح کے سموں سے لپٹ جائے خدا جانے کیا عالم ہوا ہوگا بے اختیار گھوڑے سے اُترے، شہزادی کو سینے سے لگایا اور اس کے بعد کہا:

فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر   سینے پہ سلائیں گی تمھیں رات کو مادر
وہ بولی کہ سوئیں گے کہاں پھر علی اصغرؑ   شہؑ نے کہا اب ضد نہ کرو صدقے میں تم پر

شب ہوئے گی اور دشت میں ہم ہوئیں گے بی بی
اصغرؑ میرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار   میں آپ سے بولوں گی نہ اب یا شہِ ابرار
اچھا نہ اگر کیجیے گا جلد آنے کا اقرار   مرجائے گی اس شب کو تڑپ کر یہ دل افگار

کیسی ہیں یہ باتیں میرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

اصغرؑ بھی ساتھ آپ کے اب تک نہیں سوئے   بہلا لیا اماں نے اگر چونک کے روئے
شفقت تھی مجھ ہی پر کہ یہ بے چین نہ ہووے   یہ پیار ہو جس سے اسے یوں ہاتھوں سے کھوئے

جیتے رہیں فرزند کہ سب لختِ جگر ہیں
میں آپ کی بیٹی ہوں وہ اماں کے پسر ہیں

شہ نے کہا اب صبر کرو باپ کی جانی کچھ دیتی ہو عباسؑ کو پیغام زبانی
او ولے ہیں لبِ لعل یہ ہے تشنہ دہانی ملتا ہے تو بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
محبوبِ الٰہی کے نواسے ہیں سکینہؑ
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہؑ

کوئی نہیں لکھ سکتا یہ مصرعے جو میر انیسؔ نے لکھ دیئے اور اس کے بعد کہا:

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہو اِدھر گھٹ گھٹ کر روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو اگر
پہلے پہل ہے آج شب فرقتِ پدر سو رہیو ماں کے سینے پہ راحت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گزر گئے یہ فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ لالہ فام بتلایئے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امامؑ کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عجیب ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

پوری اُمت کا باپ ہے فرزندوں کے لیے بھی تعزیت، بیٹیوں کے لیے بھی تعزیت مگر کتنے فخر کا مقام ہے کہ ایک ذاکرِ حسینؑ، ایک نوکرِ حسینؑ، ایک فقیرِ حسینؑ، بیماری کا زمانہ، گرمی کی شدت اس کے باوجود کتنا مجمع تھا جنازے میں ارے وہ جنازہ دیکھ کر سوچو گیارہ محرم کو جب سید سجادؑ باپ کا لاشہ دیکھ رہے تھے۔ آخری جملے مصائب کے، مقتل میں آئے حجت کو تمام کیا اس کے بعد کہا اگر دین کی بقا میرے قتل میں ہے تو اے تیروں آؤ، اے تلواروں آؤ، آؤ نیزوں آؤ اور میرے جسم کو چھان ڈالو ارے جس کے ہاتھ میں تلوار تھی وہ تلوار مار رہا ہے، جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا وہ نیزہ مار پھینک رہا ہے اور جس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے وہ پتھر اُٹھا کے پھینک رہا ہے۔ تنہا ہوتے چلے اور پھر وہ وقت آیا کہ زین سے زمین پر آئے عجیب جملہ۔۔۔۔۔ میرا اسلام ہو اس پر جو زمین پر آیا نہ زین پر تھا نہ زمین پر تیروں پہ لاشۂ حسین معلق ہو گیا، ذوالجناح کے گلے میں باہیں ڈالیں اور کچھ دیر کے لیے

بیٹھ گئے، خون بہہ رہا ہے اور وقت کا انتظار ہے اِدھر سورج اپنے موقع پر آئے اُدھر حسینؑ کو سجدہ کرنا ہے مگر عزادارو! وہی وقت تھا مشرق سے گرد اُٹھتی ہوئی نظر آئی جب گرد اُڑی تو لوگ پریشان ہو گئے یہ کون آ گیا جب گھوڑا سوار لشکر میں پہنچا تو پتہ چلا کہ بصرہ سے ایک پہلوان آیا ہے اور پہلوان یزید کے بلاوے پر آیا ہے کہتے ہیں کہ جب اپنے ملک سے چل رہا تھا تو چار برس کی بچی آ گئی اور آ کر کہا بابا کہاں جا رہے ہو؟ کہا باغی نے خروج کیا ہے بہت مالِ غنیمت ملے گا کچھ چاہیے تو بتاؤ۔ بچی نے ایک فرمائش کی کہا اگر عقیق کی ایک انگوٹھی مل جائے۔ یزید کے لشکر میں پہنچا سب نے کہا کچھ دیر آرام کر لو کہا نہیں وقت کم ہے جس کام کے لیے آیا ہوں وہ پہلے ہو گا ہتھیاروں کو اُتارا، مقتل میں حسینؑ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور ایک مرتبہ حسینؑ کو سلام کیا جب سلام سنا تو سر کو اُٹھا کر ایک جملہ کہا تو کون ہے جو اس غربت میں مجھے سلام کر رہا ہے۔ کہا میں بصرے کا پہلوان ہوں حسینؑ نے دیکھا اور دیکھ کر کہا واپس چلا جا اپنے ہاتھ میرے خون سے مت رنگ، واپس چلا جا کہا نہیں نہیں واپس نہیں جاؤں گا جس کام کے لیے آیا ہوں وہ کروں گا اگلا جملہ سنیں گے جب حسینؑ نے دیکھا کہ واپس نہیں جا رہا ایک مرتبہ عقیق کی انگوٹھی اپنی انگلی سے اُتاری اور بڑھا کر کہا تیری چار برس کی بیٹی کو میں یتیم نہیں دیکھنا چاہتا یہ انگوٹھی لے جا اور جا کے اپنی بیٹی کے حوالے کر دے جب انگوٹھی کا ذکر آیا بے اختیار تڑپ گیا اور کہا یہ بات تو یا میرا اللہ جانتا ہے یا میں جانتا ہوں اب بتاؤ تم کون ہو؟ تمھیں کس نے بتا دیا میری چار برس کی بچی نے انگوٹھی مانگی ہے۔۔۔۔

یا تو تم نبیؐ ہو یا تو تم امام ہو، اپنا نام بتاؤ کہا مجھے غریب کہتے ہیں مجھے بے کس کہتے ہیں، مجھے مسافر کہتے ہیں۔ کہا یہ نہیں اپنا نام بتاؤ۔ کہا مدینے کا نام سنا ہے۔ آخری جملے۔۔۔۔ کہا ہاں مدینے کو جانتا ہوں مدینے میں محمد مصطفیٰؐ رہتے تھے کہا میں محمدؐ کا کلمہ گو ہوں تم کیسی بات کر رہے ہو کہا اس محمدؐ کی ایک بیٹی تھی فاطمہؑ، فاطمہؑ کو جانتے ہو کہا میری شہزادی کا نام ہے۔ ذرا آہستہ لو۔ کہا تم فاطمہؑ کے بیٹے حسینؑ کو جانتے ہو؟ کہا میں نے حسینؑ کو کوفے میں اپنی جوانی میں دیکھا ہے کہا حسینؑ کو دیکھو گے تو پہچان لو گے؟ کہا پہچان لوں گا۔ ایک مرتبہ آگے

بڑھے، کہا نہیں پہچانا ارے فاطمہؑ کا بیٹا۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اس کے بعد کہا میں سمجھ سکتا ہوں تیرا درد کتنا گہرا ہے کہا فرزندِ رسولؐ کیسے؟ کہا تیری بیٹی بھی وطن میں ہے اور میری بیٹی فاطمہ صغراؑ مدینے میں میرا انتظار۔۔۔ یہ جملہ سنا، قدموں پر گرا، تلوؤں سے رخساروں کو ملا اور کہا مولاؑ جہاد کی اجازت دیجیے ایک مرتبہ پلٹا اور لشکر پر حملہ کیا۔ زخمی ہو کر گرا، حسینؑ نے کیا دیکھا محمد مصطفیٰؐ اس کا سر اپنی آغوش میں رکھے ہوئے ہیں۔ ارے میرے حسینؑ کا مجاہد ہے میرے حسینؑ پر جان نثار کرنے والا۔۔۔

بارِ الٰہی! اس ذکر کو قبول فرما، ان آنسوؤں کو قبول فرما یہ پوری مجلس، اس کا ثواب، اس کا اجر، اس کی برکتیں، اس کی فضیلتیں ہمارے علامہ صاحب کی خدمت میں پیش فرما۔ ان کی قبر کو مزید منور فرما، ان کے درجات کو مزید بلند فرما۔ انھیں سیّد الشہداءؑ کے قریب ترین ساتھیوں میں شمار فرما اور ہمیں توفیق دے ہم ان کے آثار کو محفوظ کر سکیں اور اس سے استفادہ کر سکیں حجتِ آخر کے ظہور میں تعجیل فرما۔۔۔۔

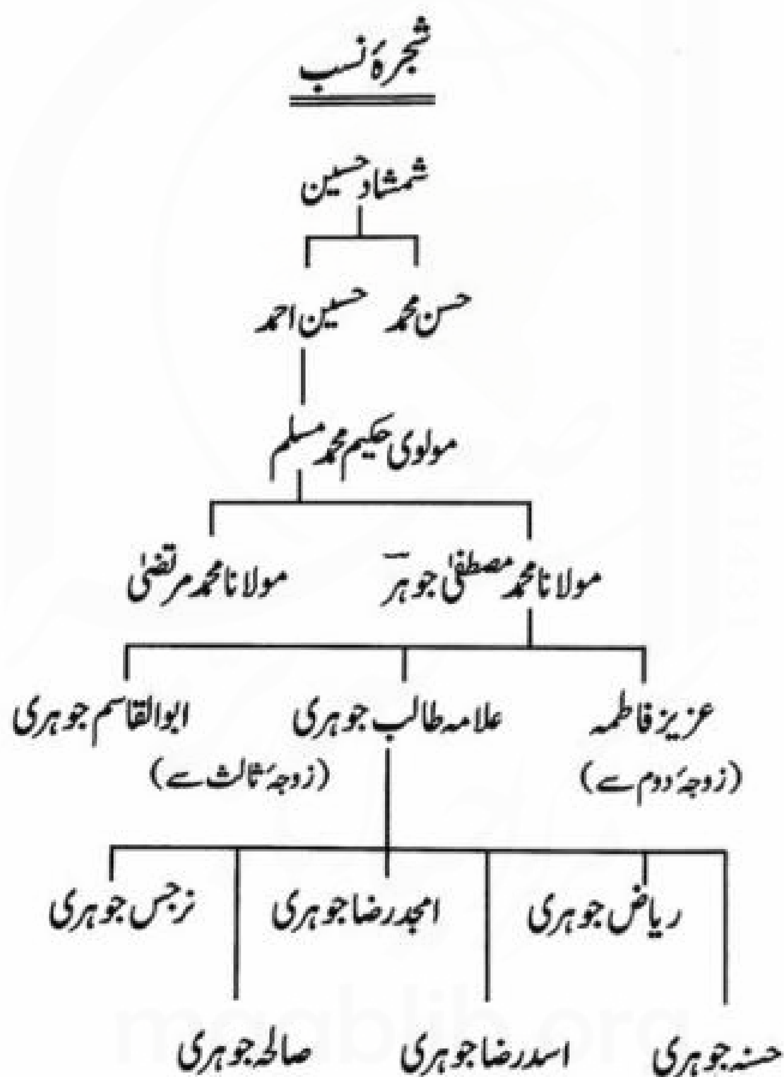
ایک مرتبہ سورہ فاتحہ تین مرتبہ سورہ اخلاص۔۔۔



باب۔۱

خاندانی پس منظر

شجرۂ نسب



آبائی سلسلہ

جوش ملیح آبادی نے آپ کو یادوں کی برات میں سید لکھا ہے۔

(یادوں کی برات کا قلمی نسخہ، مرتب ڈاکٹر ہلال نقوی، ص ۲۸۶، طبع اول)

اس کے حاشیے میں ڈاکٹر ہلال نقوی لکھتے ہیں:

"جوش صاحب نے علامہ محمد مصطفیٰ جوہر صاحب (۱۸۹۵ء۔۱۹۸۵ء) کو سید لکھ کر یاد کیا ہے۔ قبلہ جوہر صاحب کے صاحبزادے علامہ طالب جوہری صاحب کا بیان ہے کہ وہ نسلاً صدیقی ہیں۔ اس وضاحت کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جوش صاحب سے تسامح ہوا ہے۔"

(یادوں کی برات کا قلمی نسخہ، مرتب ڈاکٹر ہلال نقوی، ص ۲۸۶، طبع اول)

لیکن جب میں نے علامہ صاحب سے اس بیان کی تائید یا تصدیق چاہی تو انہوں نے اس کی شدت سے تردید کی۔ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم کے خلف مولانا سید حسین مرتضیٰ نقوی کا بیان ہے کہ انہوں نے علامہ صاحب کا قلمی شجرہ دیکھا تھا جس میں ان کا سلسلہ امام علی نقیؑ تک منتہی ہوتا تھا۔ ایسے دو شجرے علامہ صاحب کے گھر میں تھے جن کے دیکھنے والے اب بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ علامہ صاحب کا تعلق نقوی سادات سے ہے۔ آغا سلطان مرزا مرحوم نے بھی مولانا جوہر صاحب کو ایک جگہ سید لکھا ہے۔ رسالہ "نور" (مدیر مولوی سید ظفر حسن امروہوی) میں مولانا جوہر صاحب مرحوم کا ایک مضمون شائع ہوا تھا اس میں بھی انہیں سید لکھا گیا۔

علامہ صاحب کے آبائی وطن حسین گنج میں ساداتِ نقوی کے کئی خاندان آباد ہیں اور ان کے آبائی مکان کے اطراف میں بھی کئی نقوی سید آباد ہیں۔ اس سے اس بیان کی کسی حد تک تائید بھی ہوتی ہے۔

یہاں ایک اور بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہندوستان میں جو سادات "صدیقی" مشہور ہو گئے ان سے متعلق سید قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ انہیں خلیفہ اول کی وجہ سے صدیقیہ نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس گروہ کا ان سے کوئی رشتہ ہے البتہ عین ممکن ہے کہ شرِ اعدا سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو اس

لقب سے ملقب کیا ہو۔مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس لقب نے انہیں نواصب سے بچانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا اور وہ بے چارے ہمیشہ سے نواصب کے ڈھائے جانے والے مظالم کا شکار ہیں۔"

(مجالس المومنین، مجلس دوم، طبع آگرہ)

اور اگر بالفرض محمد بن ابی بکر کی نسل کی بات کی جائے تو ارباب علم پر مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ محمد بن ابی بکر کو حضرت جعفر طیارؑ کی اولاد بھی کہا گیا ہے کیونکہ محمد بن ابی بکر کی والدہ اسماء بنت عمیس ابوبکر کی زوجیت میں آنے سے پہلے حضرت جعفر طیارؑ کی زوجہ تھیں۔ فارسی میں اس موضوع پر کتاب چھپ چکی ہے اور اردو میں مولانا شفیق حسن ایلیا نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔

شمشاد حسین

شمشاد حسین کا زمانہ ہندوستان میں علوم وفنون کے شباب کا زمانہ تھا۔ مختصر یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ انیس و دبیر کے زمانے کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے اپنی آبائی زمین پر ایک شاندار مکان تعمیر کیا تھا جسے "شمشاد منزل" کا نام دیا گیا۔ علامہ صاحب کا بچپن کیونکہ اسی گھر میں گذرا تھا اس لیے خداداد حافظے کے سبب اس گھر کا خاکہ انہیں پاکستان آنے کے بعد تک یاد رہا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ انہوں نے نیو رضویہ میں جو مکان بنوایا تھا اس کا نقشہ بھی کسی حد تک شمشاد منزل سے مشابہ ہے۔ شمشاد حسین مرحوم سے متعلق زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا لیکن علامہ صاحب کے کتب خانے میں اب بھی بعض قدیم کتابوں پر ان کے نام کی مہر کی موجودگی اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ بھی ایک صاحب علم شخصیت تھے اور ان کے ذاتی کتب خانے میں بھی بے نظیر اور کمیاب کتابوں کا قابلِ ذکر ذخیرہ موجود تھا۔

حسن محمد اور حسین احمد

شمشاد حسین مرحوم کے دو فرزند تھے ان میں بڑے حسن محمد تھے۔ ان سے متعلق بھی زیادہ اطلاع نہیں لیکن ان کی علم پسندی اور خصوصاً قرآن سے اخلاص کا ثبوت بیتن وہ قلمی

نسخہ ہے جو حسن محمد مرحوم نے اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا۔اس کے آخر میں ۲۶ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کی تاریخ درج ہے۔نسخہ بہت صاف ہے۔ شنگرف کی جدولیں بنائی گئی ہیں۔ سوروں کے نام، آیات کے نشان اور حاشیے کی دیگر علامات بھی شنگرف کی ہیں۔ اس کا آخری ورق شاملِ کتاب ہے۔علامہ صاحب نے قرآن فہمی میں جو غیر معمولی جہتوں کا اضافہ کیا ہے اور قرآن سے جو اُن کو خاص علمی اور فکری نسبت رہی ہے وہ دراصل آبائی ہے جو کا ثبوت یہ نسخۂ قرآن ہے۔

حکیم مولوی محمد مسلم

مولوی حکیم محمد مسلم، مولانا مصطفیٰ جوہر کے والد گرامی اور علامہ صاحب کے جدِّ بزرگوار تھے۔ کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے اور زارؔ تخلص کرتے تھے۔اپنے عہد کے جلیل القدر حکماء میں شمار کیے جاتے تھے اور بے مثال مؤرخ تھے۔

مولانا سعید اختر کا بیان ہے کہ:

”مختلف جگہوں پر مطب کیا جن میں بھاگل پور بھی شامل ہے۔میرے والدِ ماجد مولانا حکیم، سیّد ابوالحسن صاحب قبلہ کے پرانے کاغذات میں مجھے طب کا وہ اجازہ ملا ہے جو اُن کے استاد نے حکیم محمد مسلم صاحب کو دیا تھا۔“

(خورشید خاور، ص ۳۹۷)

مولانا تقی ہادی لکھتے ہیں:

حکیم صاحب قبلہ مرحوم نے ابتدائی چند سال حسین گنج میں گزارے بعدہ بہ سبب علمی و دینی وجوہ کھجوہ ضلع سارن (بہار) نقلِ مکانی فرمایا اور پھر یہیں مستقلاً رہائش پذیر ہوئے۔

(جواہر، ص ۱۱)

جونپور کے نامور عالمِ دین سیّد رضی الدّین (فرزند مولوی گلشن علی مرحوم) آپ کے ہم جماعت تھے۔ یہ کچھ عرصہ کلکتہ میں بھی مقیم رہے۔دونوں میں قربت بہت تھی اس لیے ان ہی کی طلب پر کچھ عرصہ ملازمت کے لیے کلکتہ میں بھی گذارا تھا۔

مولوی محمد مسلم مجلسیں بھی پڑھتے تھے اور خاص طور پر علی نگر پالی میں بلائے جاتے تھے

جہاں ان کی خوب خاطر و تواضع کی جاتی تھی۔ اہالیان علی نگر پالی کا بیان ہے کہ آپ وقت کے بے حد پابند تھے اور بہت نازک مزاج تھے ان کے طعام و قیام کے معاملات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اہلِ علم کے درمیان بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

ان کی طبابت کے چرچے بہت تھے۔ علامہ صاحب نے ایک بار مہاراجہ مرشد آباد کا واقعہ سنایا تھا کہ مہاراجہ کی ران میں ایک پھوڑا نکل آیا جس کے علاج کے لیے مختلف شہروں سے حکیم و طبیب بلائے گئے لیکن کسی کے نسخے سے فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حکیم محمد مسلم سے علاج کروایا جائے۔ جب آپ تشریف لائے تو دیکھا کہ مہاراجہ کے آرام کے لیے چارپائی صحن میں زیرِ آسمان رکھی گئی ہے۔ پھوڑے کو دیکھا اور کہا کہ اس کے لیے چاند کی چاندنی سخت مضر ہے لہٰذا مہاراجہ کو سائے میں لٹایا جائے اور پھر اس زخم کے لیے مختلف اشیاء تجویز کیں جن میں بکری کی مینگنیاں بھی شامل تھیں انھیں پیس کر معجون تیار کیا گیا اور مہاراجہ کے پھوڑے پر لگایا گیا۔ اگلے ہی دن افاقہ ہوا اور دن بہ دن مہاراجہ روبہ صحت ہوتا گیا۔ آپ کو مہاراجہ کے حکم پر شاہی طبیب رکھ لیا گیا اور ایک مختصر مدت تک وہاں رہے۔ مہاراجہ کا کتب خانہ ان کی مکمل دسترس میں رہتا تھا جس میں سے چند کتابیں انھیں ہدیہ بھی کی گئیں۔ ان ہی میں ''تفسیر بیضاوی'' کا ایک عمدہ اور مطلا نسخہ بھی تھی جو میں نے دیکھا ہے جس کے آخر میں مہاراجہ کے کتب خانے کی مہر بھی تھی۔ یہ کتاب علامہ صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔

مولوی محمد مسلم بے بدل مورخ تھے۔ جس کا بیّن ثبوت ان کی مشہور تصنیف ''عالمِ برزخ میں ہلچل ہے'' جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک قسط وار پرچہ ''شیعہ'' کھجوا ضلع سارن میں چھپتی رہی۔ یہ اپنی نوعیت کی بے مثال اور منفرد تحریر ہے جس میں طنز و مزاح اور تاریخی مکالمات کا امتزاج ہے۔ اس کی جس قدر قسطیں چھپیں ان کی اشاعت کے بعد بعض اعدائے دین ان کے جانی دشمن ہو گئے تھے ایک بار ان کے قتل کی بھی کوشش کی گئی جو کہ بارآور نہ ہو سکی اور وہ محفوظ رہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ نے ان تمام قسطوں کو کاتب سے ایک جلد میں نقل کروالیا تھا اور اس کے آخر میں اس کا بقیہ غیر مطبوعہ حصّہ بھی شامل کر دیا جو کبھی شائع نہ ہو سکا۔ یہ قلمی جلد

علامہ صاحب کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی ایک نقل میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ رسالہ عبدالحلیم شرر کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

مولوی محمد مسلم کی شاعری

اس کا انکشاف ایک روز علامہ صاحب کی موجودگی میں قدیم اوراق دیکھنے کے دوران ہوا۔ شاعری کی طرف زیادہ مائل نہیں تھے لیکن کبھی کبھی طبع آزمائی ہو جاتی تھی۔ زائر تخلص کرتے تھے۔ ایک خستہ اور کرم خردہ ورق پر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تاریخ ملی جو انہوں نے مولوی حکیم علی اظہر اعلیٰ اللہ مقامہ کے لیے کہی تھی جب وہ سفر حج سے وطن واپس آئے تھے۔ اس ورق کی عبارت من وعن درج ذیل ہے:

''میں بتاریخ ۔۔۔۔ صفر کو وارِدِ مرشد آباد ہوا اور محلہ قطب پور مکان میاں نوروز میں جناب مولوی سیّد علی حسین صاحب پیش نماز کھجوہ کے ساتھ جو مرشد اباد کے رئیس کے مکان میں ۔۔۔ ماہانہ پر ملازم ہیں مقیم ہوا۔ آج ۲۳ رصفر ۱۳۲۴ھ کو ایک قطعہ تاریخ ورود حاجی سیّد محمد تقی صاحب و جناب حاجی حکیم سیّد علی اظہر صاحب قبلہ و جناب حاجی سیّد مظاہر حسین صاحب و جناب حاجی سیّد ناظم حسین صاحب کہ ہر چہار حضرات ایک ساتھ ۱۶ رشوال ۱۳۲۳ھ کو مکہ معظمہ کے بقصد حج روانہ ہوئے تھے اور ۱۸ رصفر ۱۳۲۴ھ کو مکان پر واپس آئے، نظم کر کے بذریعہ پوسٹ کارڈ جناب حاجی حکیم سیّد علی اظہر صاحب قبلہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ قطعہ یہ ہے:

للہ الحمد آئے حاجی گھر پہ اپنے لوٹ کر — ہو کے فارغ ہر طرح پر حج بیت اللہ سے
جتنے تھے اعمال کے سب انھیں بلائے بجا — ....اور پورے چاہ سے
آ رہی تھی سعیکم مشکور کی پیہم صدا — سنگِ اسود سے حرم سے اور مہر و ماہ سے
اے خوشا قسمت کہ پھر واں سے مدینہ کو گئے — جوش میں عشق نبی کے کیسی مشکل راہ سے
جب ہوئی زائر کو فکرِ سالِ تاریخ ورود — مانگی تب اس نے مدد روحِ ذبیح اللہ سے
خیریت سے آئے حاجی یہ ملا اس کا جواب — فضلِ خالق اور امدادِ رسول اللہ سے

محمد مسلم عفی عنہ''

مادۂ تاریخ کی جگہ خالی ہے جو شاید مکمل کر کے بھیج دیا گیا ہوگا۔

وفات اور قطعۂ تاریخِ رحلت

مولانا سعید اختر نے پرچہ ''اصلاح'' (کھجوا) سے ان کی تاریخ وفات ۶ ربیع الثانی غلط نقل کی ہے۔ اصل تاریخ ۲۵ اور ۲۶ ربیع الثانی کی درمیانی شب ہے۔ رسالہ ''اصلاح'' نمبر ۵ ماہِ جمادی الاوّل ۱۳۵۱ھ جلد ۳۶ اس وقت سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۸ پر سرخی ہے:

''عالمِ برزخ میں ہلچل کے مصنف کا انتقال

افسوس کہ ہماری قوم کے ایک ممتاز بزرگ جناب مولوی حکیم محمد مسلم صاحب ساکن حسین گنج ضلع سارن نے ۲۶ ربیع الثانی ۱۵ [۱۳۵۱ھ] کو دفعۃً مرضِ فالج سے انتقال کیا۔ ممدوح کی دلچسپ تحقیقی کتاب ''عالم برزخ میں ہلچل'' بہت مقبول و مشہور ہو چکی ہے۔ مرحوم انگریزی عربی، فارسی اور اردو سب کے ماہر تھے اور علمِ طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مذہب حق کی تبلیغ میں اکثر اوقات مشغول رہتے اور اس کی وجہ سے کسی نقصان کی پروانہیں کرتے تھے۔ خدا آپ کے خلف صالح جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب، صدر الافاضل مدرس اعلیٰ مدرسہ عباسیہ پٹنہ و مولوی محمد مرتضیٰ صاحب کو صبرِ جمیل دے۔ مومنین سورۂ فاتحہ کا ثواب مرحوم کی روح کو پہنچائیں۔''

مولوی حکیم محمد مسلم کے کچھ حالات مولانا محمد مصطفیٰ جوہر صاحب اعلی اللہ مقامہ نے ''عالم برزخ میں ہلچل'' کے قلمی نسخے کے آخر میں درج کیے تھے۔ میرے پاس اس کی نقل تھی جو آب رسیدہ ہونے کے سبب قابل پڑھ نہ رہی۔ اس کمی کو کسی دوسرے موقع پر پورا کر دیا جائے گا۔ البتہ مولوی محمد مسلم کی وفات پر کہا گیا ایک قطعہ تاریخ محفوظ رہ گیا وہ یہ ہے:

قطعہ تاریخ

جناب مولوی سید خورشید حسین صاحب قبلہ سارنوی

کس زباں سے میں کہوں عالمِ فانی کا حال　　اُف یہ دنیا بھی ہے اک رنج و مصیبت کا جال

ہائے سب اس میں ہوئے آ کے گرفتارِ الم　　کون ایسا ہے یہاں جس پہ نہیں بارِ الم

ہم بھی ہیں کشتۂ شمشیرِ جفائے دنیا　میرے حصے میں بھی آئی ہے بلائے دنیا
ہم بھی اس دہر میں ہیں موردِ آفات والم　دل میں ہر وقت ہے احباب واعزا کا غم
چین دنیا میں کوئی دم نہ ملا آہ ہمیں　آج کل بھی ہے نیا صدمۂ جانکاہ ہمیں
یعنی پٹنہ میں ہیں اک میرے عزیزِ ذیجاہ　نیر برج شرف اوج سعادت کے ماہ
چمنِ حکمت و دانش کے گلِ تر ہیں وہ　منزلِ فضل وشرف کے مہِ انور ہیں وہ
صاحبِ طبع رسا مالک دیہیمِ سخن　ماہرِ فن ادب خسروِ اقلیمِ سخن
ذاکر بے بدل و شاعرِ شیریں گفتار　عالم باعمل و کامل و مشہور دیار
مرکز فقہ و حدیث افسر زیبائے کمال　علم کی بزم میں گلدستۂ گلہائے کمال
قلزمِ علم و کمالات کے یکتا گوہر　..................اخلاق سراپا جوہر
رائج صدق و صفا حامیٔ دینِ اسلام　مصطفیٰ نام خدا نقشِ نگینِ اسلام
ہر طرف سے غمِ دنیا سے وہ آزاد رہیں　چمنِ دہر میں آباد رہیں شاد رہیں
فیض پاتے رہیں ہم اُن سے سراسر یارب　رہے آفاق میں تابندہ یہ جوہر یارب
آج کل ان کو ہے اک صدمۂ جانکاہِ عظیم　آہ شمشیرِ مصائب سے ہے دل ان کا دو نیم
اُن کے والد کہ جو تھے منبعِ اخلاق وکمال　صاحبِ علم و ہنر نیک سیر نیک خصال
انہیں کے فیض سے تھا نام ونشانِ حکمت　خسروِ کشورِ طب روحِ روانِ حکمت
شاعر سحر بیاں ماہرِ انشا و ادب　فاضل کامل و مداحِ شہنشاہِ عرب
ذی شرف ذاکر فرزندِ رسول الثقلین　عاشقِ نامِ علیؑ والہ و شیدائے حسینؑ
بندۂ صالحِ رب ناصرِ دیں، مومنِ خاص　مجلس افروزِ وفا ، شمعِ حریمِ اخلاص
نامِ نامی تھا زمانے میں محمد مسلم　دے جگہ ان کو خدا قربِ جناں میں دائم
ہوگیا وہ مہِ تابندہ اب آنکھوں سے نہاں　ہائے افسوس وہ دنیا سے گئے سوئے جناں
بست و پنجم چو رسیدہ ز ربیع الثانی　رفت آں مجمعٔ اوصاف ز دہر فانی
بود دوشنبہ و بست و دہم ماہِ اگست　وائے افسوس کہ رخصتِ سفر خود بربست
چھپ گیا زیرِ زمیں نیر تابانِ کمال　تیرہ و تار ہوا ہائے شبستانِ کمال

کیوں نہ اس غم میں دلِ حضرت جوہر تڑپے | اُٹھ گیا ہائے غضب باپ کا سایہ سر سے
صدمہ و غم انہیں جتنا ہو بجا ہے خورشید | اشک ہی درد و مصیبت کی دوا ہے خورشید
مگر آخر کوئی روئے بھی تو کیا حاصل ہے | بے قراری غم و اندوہ میں لا حاصل ہے
صبر لازم ہے کہ ہر درد کا چارا ہے صبر | جن کے اللہ ہے ساتھ ان کو گوارا ہے صبر
صبر لاریب دوائے دلِ غمگیں دارد | گریہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد
اب دعا یہ ہے کہ رحمت کی نظر ہو اک بار | بخش دے ان کے گناہوں کو خدائے غفار
تھے جو دنیا میں دل و جاں سے نثارِ شبیرؑ | پائیں فردوس میں مرحوم جوارِ شبیرؑ
صبر دے حضرت جوہر کو خداوند کریم | ان کو اس صبر و تحمل کا ملے اجر عظیم
ہم نے جس وقت سنی یہ خبر رنج و ملال | دل پُر درد میں آیا سنِ ہجری کا خیال
بول اٹھا سنِ تاریخ یہ کلکِ راقم | کہ ''گئے خلد میں اب پیشِ محمدؐ، مسلم''

۱۳۵۱ھ

عیسوی سال یہ رضواں نے کہا پھر بادب | شاہ مظلوم کے مہمان ہوں مسلم یارب

۱۹۳۲ء

سید احمد علی خاں علیم عظیم آبادی نے اس مصرع سے تاریخ نکالی:

چو ایں غم افزا خبر رسیدہ نوشت سالش علیم محزوں
کہ ''بود کامل حکیم مسلم برفت نزدِ حکیم مطلق''

۱۳۵۱ھ

مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ

ولادت اور تعلیم

مئی ۱۸۹۵ء میں آبائی وطن حسین گنج (بہار) میں ولادت ہوئی۔

آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا حکیم محمد مسلم صاحب قبلہ مرحوم نہ صرف اپنے زمانے کے ممتاز اطباء میں تھے بلکہ تاریخِ عالم بالخصوص تاریخِ اسلام کے صفِ اوّل کے محققین میں

بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کا رسالہ "عالمِ برزخ میں ہلچل" (بجواب شررؔ) آپ کی حیات ہی میں قبولیتِ عامۃ المومنین کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔

آپ کی والدہ ماجدہ کھجوہ کے ایک ممتاز خانوادۂ علمی سے تعلق تھیں۔ اسی خانوادے میں مولوی حکیم علی اظہر، مولوی محمد حیدر اور مولوی سید علی حیدر جیسی شخصیات تھیں جن کا رسالہ اصلاح، شیعہ، الشمس اور الکلام علمی جواہرات سے مالا مال ہے۔

اساتذہ

خاندانی روایات کے مطابق آپ نے تعلیم کی ابتداء اپنے والدِ ماجد حکیم محمد مسلم سے کی بعدہ عربی کی باقاعدہ تعلیم اپنے زمانے کے جیّد عالم مولانا حاجی سید محمد تقی سے حاصل کی جو مفتی محمد عباس صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے شاگرد رشید تھے۔

پھر لکھنؤ تشریف لائے اور سلطان المدارس میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا اور اسی درس گاہ سے صدر الافاضل تک تمام امتحانات درجۂ اوّل میں پاس کر کے اپنی فطرت، ذہانت اور موروثی استعداد کا وہ مظاہرہ فرمایا کہ لکھنؤ کے علمی حلقوں میں آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہ رہی۔

لکھنؤ مولوی سیّد باقر صاحب قبلہ، ظہور الملّت مولوی ظہور حسین صاحب قبلہ مولوی محمد رضا صاحب قبلہ فلسفی، مولوی وجاہت حسین صاحب قبلہ ناظم کے حلقۂ درس میں رہے۔

دورانِ قیام بہار مولانا راحت حسین صاحب قبلہ گوپالپوری سے بھی استفادہ کیا۔

آپ نے کلکتہ سے ہائی اسکول پاس کیا۔ نیز الہ آباد بورڈ اور پٹنہ یونیورسٹی سے علومِ شرقیہ کے تمام اعلیٰ امتحانات میں بھی بدرجہ اوّل کامیابی حاصل کی بلکہ فاضل عربی کے امتحان میں پٹنہ یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

غیر معمولی حافظہ

مطالعہ حیرت انگیز تھا اُس پر نورٌ علیٰ نور یہ کہ حافظہ بلا کا تھا۔ ہر کتاب کا حوالہ صفحہ نمبر کے ساتھ یاد تھا۔ کتاب کہاں رکھی ہے یہ بھی یاد رہتا تھا۔ جب بینائی چلی گئی تب بھی بعض ثقہ افراد کو بٹھا کر عبارات پڑھواتے تھے اور سب یاد تھا کہ کون سی کتاب کس الماری کے کس

خانے میں رکھی ہوئی ہے۔

مولانا تقی ہادی لکھتے ہیں:

''اُن آنے والوں میں آج بھی بہت سے ایسے حضرات موجود ہیں جو اس پر گواہ ہیں کہ اگر کسی موقع پر کسی مسئلہ کے بارے میں یا کسی روایت کے سیاق وسباق کے سلسلے میں سرکار مرحوم کی کُتب کثیرہ میں سے کسی کتاب سے رجوع کی ضرورت پیش آتی تو سرکار مرحوم فرماتے ''فلاں الماری کے فلاں خانے میں فلاں نمبر کی کتاب نکالیے جس کی جلد اس رنگ کی ہے۔اس کے فلاں صفحے پر سطر نمبر فلاں کو دیکھیے۔''

یہ صورت بینائی کے ضائع ہوجانے کے بعد بھی باقی رہی۔سبحان اللہ کیا حافظہ تھا اور کیا بصیرت''۔

(جواہر،ص ۱۷)

درس وتدریس

آپ نے ابتدأ مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) میں فریضۂ تدریس کا آغاز کیا۔بعدہ مدرسۂ عباسیہ (پٹنہ) میں صدرِ مدرس رہے۔کچھ عرصہ مدرسۂ باب العلوم (ملتان) میں بھی صدرِ مدرس رہے۔حیدرآباد دکن کے قیام میں مدرسۂ جعفریہ میں عرصہ دراز تک انہی فرائض کی بجا آوری میں مصروف رہے۔

پاکستان تشریف لانے کے بعد عرصے تک جامعہ امامیہ کراچی میں تدریس کی۔

اسی دوران آقائے شیخ محمد شریعت اعلیٰ اللہ مقامہ مرحوم کے ساتھ ابتدائی دینی تعلیم کے انتظامات پر توجہ دی اور یوں ''مدرسہ جعفریہ'' کا قیام عمل میں آیا جس کی شاخیں کراچی اور سندھ میں تھیں لیکن اب یہ مدارس بند ہوگئے۔

خطابت کا سلسلہ لکھنؤ ہی میں باقاعدہ شروع ہو چکا تھا۔

یہاں تک کہ آپ کی شہرت علمی نے اہلِ کانپور کو آپ کی جانب متوجہ کیا۔

مولانا تقی ہادی لکھتے ہیں:

''اس شہر کے مومنین کی شدید خواہش استفادۂ علمی کی تکمیل کے لیے یہاں تشریف

لائے اور ناصر علی کے چھتے میں ایک مومنِ بے عدیل جناب رضا حسین صاحب مرحوم کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ چند سال اس شہر کے مومنین کرام کو اپنے مواعظ و خطابت سے سرفراز کیا۔ کانپور کے بہت سے مومنین کرام جو سرکار مولانا مرحوم کے فیوضاتِ علمی سے اس دور میں مستفید ہوئے ہیں۔ آج بھی کراچی میں موجود ہیں۔ کانپور کے ان عقیدت کیش مخلصین و مومنین کے نمائندہ حیثیت میں ڈاکٹر محمد صادق صاحب قبلہ پی۔ ایچ۔ ڈی جو تقریباً پینتالیس چھیالیس سال بہ پابندی سرکار مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادۂ علمی کی سعادت سے مشرف ہوتے رہے ہیں۔ قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف آج بھی سرکار مولانا مرحوم کا نام سنتے ہی اظہارِ عقیدت کے طور پر گہر ہائے اشک کا نذرانہ پیش کرنے لگتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بجز سرکار مولانا اعلی اللہ مقامہ مرحوم کوئی اور قد آور علمی شخصیت میں سے ایسی نہیں پائی جو کسی بھی علم کے کسی بھی موضوع سے متعلق سوال کرنے والے کو اپنے جواب شافی سے اس درجہ مطمئن کر دے کہ سائل اس موضوع پر علمی تشنگی کی اذیت سے خود کو ہمیشہ کے لیے محفوظ خیال کرنے لگے۔

(جواہر، ص ۲۰)

پاکستان آمد

۱۹۴۹ء میں آپ پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی کو آپ کے مستقل مستقر کی سعادت حاصل ہوئی۔ ابتدا آپ رضا حسین صاحب ایڈووکیٹ کی رہائش گاہ ''رضا بلڈنگ'' مولجی اسٹریٹ کھارادر میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ قیام ۱۹۵۳ء تک رہا بعدہ ناظم آباد نمبر ۱ میں واقع اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہو گئے۔

مجالس سے خطاب

۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء لاہور میں بزرگ محترم رضا حسین صاحب ایڈووکیٹ کے برادر معظم علی حیدر صاحب قبلہ مرحوم کے یہاں مجالس محرم سے خطاب فرمایا۔

۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۳ء ڈھاکہ، چٹاگانگ کے مومنین کو آپ کے بیانِ بصیرت افروز سے

بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ اس کا سبب بھی علی حیدر صاحب قبلہ مرحوم کی ذاتِ گرامی تھی۔

۱۹۵۴ء سے ۸۳۔ ۱۹۸۲ء تک یعنی انتقال سے تین چار سال قبل تک جناب رضا حسین صاحب ایڈووکیٹ کے دولت خانے (فردوس کالونی) پر عشرہائے مجالس سے خطاب فرماتے رہے۔

غالباً ۱۹۵۵ء سے دو تین سال مسلسل بسلسلہ نشرِ علوم اہلبیتؑ و ترویجِ احکامِ شریعہ دارالسلام، تنزانیہ (افریقہ) تشریف لے جاتے رہے اور وہاں اس مختصر عرصۂ بیان میں وہ دیرپا اثرات چھوڑے کہ آج تک بزرگ مومنین آپ کے پرتاثیر بیان کا اپنے عمل سے ثبوت دے رہے ہیں۔

۱۹۶۹ء میں زیارتِ مقاماتِ مقدسہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف تشریف لے گئے اور یہاں بھی مجالس سے خطاب فرما کر بارگاہِ معصومین علیہم السلام سے اپنی نجاتِ اُخروی کی بلاواسطہ پروانے حاصل کئے۔

مولانا تقی ہادی ان کے طرزِ خطابت سے متعلق لکھتے ہیں:

”اگرچہ تقریروں پر فلسفہ اور علمِ کلام کا رنگ غالب تھا لیکن بیان تکلفات سے عاری اور خلوص سے لبریز ہوتا تھا اور تمام تر دلکشی رکھتا تھا۔ بالخصوص اہلِ علم کے لیے ایک مستقل ذریعۂ زیادتیِ علم تھا۔ بیشتر مجالس تبلیغی ہوتی تھیں جن میں پابندی سے مسائل شریعہ کی تشریح وتوضیح نہایت سہل انداز میں فرمایا کرتے تھے“۔

بقول بزرگ محترم رضا حسین ایڈووکیٹ:

”آپ کی تقریروں سے صدہا افرادِ قوم کو اصولِ دین کے حقائق و معارف اور فروعِ دین کے بنیادی تصورات و اساسی احکامات حاصل ہوئے اور ہم جیسوں نے نماز و روزہ کی درستگی آپ کے بیان ہی سے کی ہے۔“ یہ وہ حقیقت ہے کہ سرکار مولانا مرحوم کے جملہ سامعین اس کے مقر ہیں۔

بیان پر اس درجہ قدرت کہ ایک موقع پر اپ کے ایک عزیز مسعود صاحب نے آپ سے گزارش کی ”حضور! صرف پانچ منٹ بیان فرما دیجیے، آپ کا یہی بیان میرے لیے

شرف کا باعث ہوگا۔'' آپ نے فرمایا ''صرف پانچ منٹ؟ اچھا۔'' یہ کہہ کر منبر پر تشریف لے گئے خطبہ کے علاوہ صرف پانچ منٹ تقریر (تین ساڑھے تین منٹ فضائل اور ڈیڑھ منٹ مصائب) لیکن ایسی یادگار مجلس جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے عقیدت کیش عزیز عالی جناب محمد یحییٰ صاحب دیر تک جھوم جھوم کر تعریف کرتے رہے اور اشک افشانی بھی۔''

(جواہر، ص ۲۳)

محفل جعفری (کھارادر) میں ہفتہ وار یعنی بروز شنبہ درسِ عقائد و اصولِ دین کا بندوبست یہ سلسلہ کم وبیش بیس سال تک جاری رہا۔

انجمن خدام القرآن (کھارادر) میں ہر شب جمعہ ہفت روزہ اصلاحِ اخلاق و کردار کی نشستوں کا انعقاد یہ سلسلہ بھی عرصہ دراز تک چلتا رہا۔

تابوت کمیٹی (کھارادر) میں ماہِ مبارکہ صیام میں درسِ تفسیر کا آغاز جو تقریباً بیس سال تک جاری رہا۔

بعدہٗ اپنے دولت کدہ پر ہر شب جمعہ دینی نشست کا اہتمام فرمایا جس میں بعد نماز مغربین حدیثِ کساء ہوتی پھر سرکار مولانا مرحوم خود مسائلِ شریعہ و فضائلِ معصومینؑ بیان فرماتے تھے۔ آخر میں حاضرین مسائل سے متعلق سوال کرتے تھے۔ مومنین و مسلمین کی کثیر تعداد تقریباً پچیس سال تک ان نشستوں سے مستفید و مستفیض ہوتی رہی۔

(جواہر، ص ۲۵)

تصنیفات، تالیفات اور تراجم

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کے علمی آثار و باقیات کی فہرست یہ ہے۔ ان میں سے غیر مطبوعہ کتابیں میری نظر سے گزر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانائے مرحوم کے مضامین مطبوعہ و غیر مطبوعہ کا بھی وافر سرمایہ موجود ہے جس میں سے مطبوعہ مضامین کو میں نے مرتب بھی کیا ہے۔

۱۔ خدا کا ثبوت (مطبوعہ)

۲۔ اصولِ جعفریہ (مطبوعہ)

۳۔ عقائد جعفریہ (مطبوعہ)

۴۔ توحید و عدل (مطبوعہ)

۵۔ علمِ کلام (مطبوعہ)

۶۔ اجتہاد و تقلید (فارسی)

۷۔ فقہ استدلالی (عربی) نامکمل

۸۔ بعض مباحثِ رجال (عربی)

۹۔ ترجمہ "الغدیر" جلد اوّل

۱۰۔ تلخیص تہذیب اسلام (مطبوعہ)

۱۱۔ فضائلِ پنجتنؑ

۱۲۔ تفسیر سورہ حمد (فارسی)

۱۳۔ تفسیر آیات (فارسی)

۱۴۔ ترجمہ خطبہ فدک (مطبوعہ سیرت فاطمہ زہراؑ، آغا سلطان مرزا)

۱۵۔ ترجمہ زیاراتِ معصومین (دلیل الزائرین)

۱۶۔ محراب مجموعہ قصائد وسلام

آپ کی وفات کے بعد شعراء نے مرثیے بھی کہے جن کی تعداد ۹ ہے۔ اتنے شخصی مرثیے کسی کے لیے نہیں کہے گئے۔ یہ مرثیے جوہر آگہی (۱۹۹۱ء)، جواہر (۱۹۹۳ء) اور قدرِ جوہر (۱۹۹۸ء) میں آغا قمر حسنین جعفری کے زیر اہتمام شائع ہوئے تھے۔ بعد میں ان ہی کتابوں کو فرحان رضا نے جوہر شناسی (۲۰۱۸ء) میں یکجا صورت میں شائع کیا۔

ازواج واولاد

آپ نے تین عقد فرمائے تھے پہلی اہلیہ سے قاسم اور طاہر نامی فرزند تھے جن کی وفات بچپن ہی میں ہوگئی تھی کچھ عرصے بعد زوجہ اوّل کی بھی وفات ہوگئی۔ ان کے انتقال کے بعد عقد ثانی فرمایا ان کے بطن سے ایک دختر عزیز فاطمہ بحمد اللہ حیات ہیں۔ دوسری اہلیہ کے انتقال کے بعد اپنے عم محترم محمد رضا صاحب مرحوم کی دختر سے عقدِ ثالث فرمایا۔ جن سے پہلے علامہ جوہری کی ولادت ہوئی اور ان کے بعد ایک صاحبزادی ہوئیں جن کا بچپن میں

انتقال ہو گیا۔اس کے بعد ابوالقاسم جوہری پیدا ہوئے۔

وفات

آپ نے ۲۴/اکتوبر ۱۹۸۵ء بروز جمعرات رحلت فرمائی۔ محفلِ مرتضیٰ (کراچی) میں دو بجے شب غسل دیا گیا۔ صبح آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ پہلے نارتھ ناظم آباد میں واقع آپ کے مکان میں لایا گیا اور اس کمرے میں جہاں سرکار مرحوم کی کتابیں تھیں رکھا گیا۔ بعدہٗ جنازہ رضویہ امام بارگاہ لایا گیا نمازِ جنازہ یہیں ہوئی، نماز سے قبل مختصر مجلس ہوئی حکیم مولانا باقر حسنین صاحب قبلہ نے خطاب فرمایا تمال کے اعتبار سے یادگار مجلس تھی۔ بعدہٗ نمازِ جنازہ ادا کی گئی نماز کی امامت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد محسن نقوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے کی۔

میت سخی حسن قبرستان پہنچی۔ رضویہ امام بارگاہ سے قبرستان تک جو دلدوز و دلخراش مناظر دیکھنے میں آئے ان کے بیان کے ہنوز تاب وتواں نہیں۔ پہلے قبر میں حدیثِ کساء کی تلاوت کی گئی بعدہٗ سرکار مولانا مرحوم کو سپردِ قبر کیا گیا۔

(خلاصہ، جواہر، ص ۳۴)

مجلسِ سوئم مولانا ذیشان حیدر جوادی نے پڑھی اور چہلم کی مجلس علامہ طالب جوہری نے پڑھی۔

مولانا آغا مہدی لکھنوی کے نام خط

میرے کتب خانے میں مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ کے دو خط بھی موجود ہیں جو مولانا آغا مہدی لکھنوی کو لکھے گئے تھے۔ایک خط یہاں درج کیا جاتا ہے:

عبارتِ لفافہ: بگرامیٔ خدمت حضرت مولانا المحترم جناب سیّد آغا مہدی صاحب، قبلہ دامت برکاتہ

۲۰/جمادی الثانیہ ۸۵ھ

باسمہ سبحانہ

حضرت مولانا المحترم دامت افاداتکم العالیہ

تسلیمات زاکیات! عید ولادت خاتون محشر مبارک!

زندگانی حضرت بریر کا شکریہ! ابھی پوری کتاب پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے، پھر بھی سعیکم مشکورو اخلاصکم مبرور،

کسی غزوہ میں امیرالمومنینؑ کے ساتھ ایک کافر نے لعاب دہن سے بے ادبی کی تھی، اس کا سنّی حوالہ مطلوب ہے، مثنوی مولوی معنوی کی نظم ''او خیو انداخت برروئے علیؑ۔۔افتخار ہر نبی و ہر ولی'' کے علاوہ کسی تاریخ سے ہونا چاہیے۔ زحمت دہی معاف! مجھے ڈھونڈھنے میں دو دن لگ جائیں گے اور فرصت نہیں ہے۔

آپ کی ملاقات عید کا چاند بننا چاہتی ہے۔

مخلص

محمد مصطفیٰ عفی عنہ، جوہر

مولانا آغا مہدی لکھنوی نے اس خط کے نیچے لکھا ہے:

صدر مناقب صالح ترمذی کشفی و اوائل الفخری ملاحظہ نمایند۔ والسلام

مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کے اکلوتے بھائی تھے۔ سلطان المدارس لکھنؤ کے فارغ التحصیل اور صدر الافاضل کی سند کے حامل تھے۔ سند لینے کے بعد مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں مولانا مصطفیٰ جوہر کے ساتھ کراچی آ گئے اور تادمِ مرگ ان ہی کے ساتھ رہے۔ ۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔

(تذکرہ علمائے امامیہ ص ۳۲۸)

علامہ صاحب کی ابتدائی تعلیم ان ہی کی آغوش میں ہوئی۔ جس کا تذکرہ علامہ صاحب اکثر کیا کرتے تھے کہ نجف جانے سے قبل میرے صرف دو ہی استاد تھے ایک مولانا محمد مصطفیٰ جوہر دوسرے میرے چچا مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم۔

مولوی محمد مرتضیٰ نوحے بہت عمدہ کہتے تھے۔ قصیدے بھی کہے لیکن صرف ایک شعر محفوظ

ہے جو مجھے علامہ صاحب نے سنایا تھا۔ فردوس کالونی (ناظم آباد) میں ابوالحسن صاحب مرحوم کے گھر پر محفل تھے جس کی طرح یہ تھی کہ:

ہمیشہ چائے محفل کی طرح تمکین ہوتی ہے

علامہ صاحب نے قصیدہ کہہ کر انھیں دکھایا تو انھوں نے ایک شعر کا اضافہ کر دیا جس پر بے حد داد ملی تھی وہ شعر یہ تھا:

فرشتہ موت کا ساکت کھڑا ہے دیکھیے کیا ہو
دمِ آخر یہ کس کے نام کی تلقین ہوتی ہے



باب۔ ۲

علامہ طالب جوہری کے حالاتِ زندگی

نام

نام ابوطالب، تخلص طالب، مولانا محمد مصطفیٰ جوہر نے تاریخی نام جمشید رضا تجویز کیا۔ ایک مذہبی تقریب میں علامہ صاحب کی بے مثال تقریر سننے کے بعد جنرل ضیاء الحق نے اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ سرکاری دستاویزات میں ان کے نام کے ساتھ "علامہ" لکھا جائے اور یہی ہوا۔ ان کے پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور دیگر کاغذات میں یہی درج ہے۔ ابوطالب سے "طالب جوہری" کیسے ہوئے اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی تھی کہ جب وہ حصول علم کے لیے نجف تشریف لے گئے تو اقامے میں ان کا نام ابوطالب ابن محمد مصطفیٰ جوہر نام لکھا گیا۔ ایمیگریشن والوں کی نظر میں یہ نام خاصہ طویل تھا اس لیے تجویز یہ قرار پائی کہ نام کو مختصر کر کے لکھا جائے۔ جس پر نام کا درمیانی حصہ حذف کر کے ابوطالب جوہر لکھا گیا جس نے بعد میں عرف عام میں طالب جوہری کے نام سے شہرت پائی۔

ولادت

آپ کے سالِ ولادت سے متعلق محققین نے تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اس سلسلے میں مختلف بیانات لکھ دیئے گئے ہیں۔

ماہنامہ 'قیام' کراچی کے بیان کے مطابق '۲۷ اگست ۱۹۴۰ء کو گورکھپور ہندوستان میں پیدا ہوئے۔"

(قیام، کراچی، دسمبر ۱۹۷۸ء)

احمد حسین صدیقی نے لکھا ہے کہ:

"۱۹۳۹ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے جہاں ان کے نانا بسلسلۂ معاش مقیم تھے ان کا آبائی وطن حسین گنج سارن (بہار) ہندوستان تھا۔"

(دبستانوں کا دبستان، جلد دوم، ص ۳۱۳)

آج کل اخبارات میں جو مضامین آرہے ہیں ان میں بعض ۲۷ اور بعض ۳۰ راگست کی تاریخ بتارہے ہیں۔ یہاں تحقیقی شواہد کے ساتھ صحیح تاریخ درج کی جارہی ہے۔

آیت اللہ صادق کرباسی لکھتے ہیں:

"اسمہ۔ جمشید رضا و کنیتہ ابو طالب الا انہ عرف بطالب، و قد اتخذ من بین المتکلمین باللغۃ الاردویۃ الاسلوب العلمی للبحث"

ان کا نام جمشید رضا ہے اور ان کی کنیت ابوطالب ہے مگر انہیں طالب کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اردو زبان میں متکلمین کے درمیان انہوں نے بحث کا علمی انداز اپنایا ہے۔

(دائرۃ المعارف الحسینیۃ، معجم خطباء المنبر الحسینی ، جلد اول، ص ۷۲)

دراصل علامہ صاحب کا ابوطالب ہے اور تاریخی نام "جمشید رضا" ہے جس کے اعداد ۱۳۵۸ بنتے ہیں جو عیسوی حساب سے ۱۹۳۹ء بنتا ہے اور یہی صحیح سال ہے۔ جہاں تک تاریخ کی بات ہے تو علامہ صاحب کی ذاتی دستاویزات میں ۳۱ راگست کی تاریخ درج ہے جس کے مطابق علامہ صاحب کی ولادت ۳۱ راگست ۱۹۳۹ء مطابق ۱۵ ررجب ۱۳۵۸ھ کو شبِ جمعہ گورکھپور میں ہوئی جہاں ان کے نانا ملازمت کی وجہ سے مقیم تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

گھر کا ماحول خالصتاً علمی تھا۔ جب مولانا محمد مصطفیٰ جوہر جیسی اعلمِ وقت شخصیت کا سایہ سر پر ہو تو حصولِ علم کے لیے کسی دوسرے دروازے پر جانے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ علامہ صاحب کا بچپن حسین گنج، کانپور اور حیدرآباد دکن میں گذرا۔ اس دوران جتنی ذہنی اور فکری تربیت ہوئی اس کا مرکز و محور مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی ذاتِ اقدس تھی۔ مکمل دل جمعی اور انہماک کے ساتھ اپنے اکلوتے اور چہیتے فرزند کی تربیت کی۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ علامہ صاحب عقدِ ثالث سے اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کو ہمیشہ اس بات کی فکر لاحق رہتی تھی کہ میرے علم کا وارث کسی طرح آجائے۔ اس خواہش کے پیچھے کتنی دعائیں کتنے عملیات کتنے اعمالِ حسنہ کا اہتمام رہا ہوگا اسے ایسا باپ ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علامہ صاحب کی تربیت ابتدا ہی سے اس

نظریے کے تحت کی گئی تھی کہ وہ اپنے اجداد کے علمی ورثے کے محافظ بنیں اور اپنی علمی خدمات سے قوم کو مستفید کر کے اپنے اجداد کے سر کو فخر سے بلند کر دیں۔

اس لیے درسیات کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا مولوی محمد مرتضیٰ اور والدِ علام سے پڑھیں۔فاضل چچا نے دل وجان ایک کر کے اس گوہر نایاب کو خوب تراشا اور ایسا تراشا کہ بڑوں بڑوں کی نگاہیں خیرہ ہونے لگیں۔بس دیر اس بات کی تھی کہ ان کے لب باب مدینۃ العلم کی چوکھٹ کو بوسہ دے لیں اور ان کے دہن سے علم کا ایک آبشار بہہ نکلے۔بس وقت کا انتظار تھا۔

کانپور میں

مولانا مصطفیٰ جوہر کے قیام کانپور سے متعلق مولانا تقی ہادی کا بیان ہے کہ:

"المختصر چند سال کانپور قیام فرما کر اور اہلِ کانپور کے لیے اپنے فیوضاتِ علمی وروحانی سے تسکین اشتہائے قلبی وذہنی کے تمام تر اسباب فراہم کر کے حیدرآباد (دکن) کے مومنین کی علمی تشنہ لبی کے ازالے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔(افسوس یہاں کے قیام سے متعلق حالات معلوم نہ ہو سکے۔)"

(جواہر، ص۲۱، ۲۲)

کانپور کے ثقہ افراد کا بیان ہے کہ مولانا جوہر صاحب مرحوم کا قیام کانپور میں کرنیل گنج میں وقف ہادی بیگم میں رہتا تھا۔پٹکا پور کے امام باڑے میں ان کے علمی بیان اور مواعظات کی دھوم تھی اور ان کی موجودگی میں ان سے بڑی کوئی علمی شخصیت کانپور میں نہیں تھی۔عمائدین شہر حاضرِ خدمت ہو کر مستفید ہوتے تھے۔اس کا تذکرہ بعض کتابوں میں بھی آیا ہے۔علامہ صاحب اس وقت ۵ سے ۶ برس کے تھے لیکن حافظے کا یہ عالم تھا کہ انہیں کانپور کے قیام کے واقعات یاد تھے اور اکثر سناتے تھے۔انھوں نے ایک بار یہ بھی بتایا تھا کہ مولانا مصطفیٰ جوہر نے ایک سال وہاں عشرہ پڑھا تو پڑھوائی میں بانیٔ مجلس نے ایک نادر ترین قلمی کتاب پیش کی تھی۔

دکن میں

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کے دکن آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ میر عثمان علی خان کے زمانے میں ان کے کسی مقرب نے جو نواب تھے، مولانا کو ان کی مجالس کی علمی شہرت سن کر زحمت دی اور حضور نظام سے کہا تھا کہ ایسا عالم بلاؤں گا کہ آپ ان کا علمی بیان سن کر مطمئن ہو جائیں گے اور انھیں بے حد پسند کریں گے۔ مولانا محمد مصطفیٰ جوہر دکن آ گئے۔ علامہ صاحب کی عمر تقریباً ۷، ۸ برس کی تھی۔ مجالس ہونے لگیں حضور نظام مولانا کے گرویدہ ہو گئے۔

اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں جن میں علامہ صاحب بھی ساتھ ہوتے تھے۔ ایک دن (بقول علامہ صاحب) میر عثمان علی خاں نے انھیں گود میں بٹھایا اور بہت پیار سے مولانا جوہر سے کہا کہ مولانا اس کو عربی پڑھانا۔

مولانا مصطفیٰ جوہر تقریباً دو برس دکن میں رہے۔ ان کا دکن چھوڑنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مجلس میں رجواڑوں کے کچھ سنی روسا آ گئے اور مولانا جوہر مجلس میں ایسا استدلالی بیان جاری رکھے ہوئے تھے جسے بعض ناواقف تبرا کہہ سکتے ہیں حالانکہ ایسا نہ تھا۔ حضور نظام نے کہا کہ مولوی صاحب بیان بدل دیجیے۔ اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ نہیں اسی بیان سے میں ربط مصائب کروں گا۔ (مطلب یہ تھا کہ وہ اپنی وضع داری کے سبب اسے تبدیل نہیں کرنا چاہتے تھے اور بیان جاری رکھنا چاہتے تھے) یہ بات حضور نظام کو پسند نہ آئی اور اگلے دن اُن کے ترکِ دکن کرنے کا فرمان جاری کیا گیا اور اس کی اشاعت اخبار میں بھی ہوئی جیسا کہ دستور تھا کہ سرخی میں جلی خط میں ''فرمایا'' لکھا ہوتا تھا اور نیچے فرمان ہوتا تھا جس کی پاسداری رعایا پر واجب تھی خبر سنتے ہی مولانا ترکِ دکن پر تیار ہو گئے کچھ روسا حضور نظام کے پاس گئے اور انھیں سمجھایا کہ آپ مولانا کی بات سمجھ نہ سکے وہ ایک جلیل القدر عالم ہیں ان کا مقصد وہ نہ تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں اس پر حضور نظام نے اپنا فرمان واپس لیا اور اخبار میں معافی (معذرت) نامہ شائع ہوا۔ جب مولانا مصطفیٰ جوہر سفر کی تیاری کر چکے تو حضور نظام خود تشریف لائے لیکن مولانا نے کہا کہ سامان تیار کیا جا چکا ہے اب رکنے کا سوال ہی

نہیں رہا۔ وہاں سے بذریعہ پانی کے جہاز کے (جس کا نام وسنا تھا) بمبئی آئے وہاں ۲، ۳ ہفتے کا قیام رہا اس کے بعد کراچی تشریف لے آئے۔ علامہ صاحب کے بچپن کی جو تصویر اس کتاب میں شامل کی گئی ہے وہ اسی زمانے کی ہے۔

کراچی آمد

کراچی آکر نور باغ مسافر خانے میں اقامت اختیار کی۔ حاجی غلام حسین جیٹھا بھائی گوکل اس کے منتظم تھے۔ مولانا کی آمد پر بے حد خوش ہوئے چند ہفتے یہاں گذارے اس کے بعد کراچی ہی میں اپنے کسی عزیز کے یہاں منتقل ہو گئے۔ وہاں سے ''رضا منزل'' میں قیام ہوا۔

نور باغ کی مسجد میں اکثر نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے کیونکہ پہلی بار اس شہر مین وارد ہوئے تھے اس لیے عوام تو کیا خواص بھی ان سے اتنا واقف نہیں ہو سکے تھے ایک دن نماز کے لیے گئے تو وہیں کے کسی مولانا نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں تو کسی کو بھیج کر کہلوایا کہ مولانا آپ کو بلا رہے ہیں تشریف لائیں تا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو مولانا مصطفیٰ جوہر نے کوئی عذر فرمایا، وہ صاحب پیش نماز کے پاس گئے اور جواب پہنچایا۔ اس پر ان مولانا نے پوچھوایا کہ اُن سے کہو کہ مولانا کہاں سے تشریف لائے ہیں جواب میں تو مولانا جوہر نے کہلوایا کہ ہندوستان سے۔ جب نام پوچھا گیا تو کہا محمد مصطفیٰ، تو مولانا نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کہیں وہ لکھنؤ والے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر تو نہیں ہیں۔ آپ نے کہلا بھیجا جی ہاں میں ہی ہوں اس پر وہ مولانا خود دوڑے ہوئے آئے اور ان کا پُر تپاک استقبال کیا اور کہا کہ اب نماز آپ پڑھائیں گے۔ پھر شاید کچھ عرصے مولانا مصطفیٰ جوہر نے وہاں نماز پڑھائی۔ ان کی تقریروں سے خوجہ حضرات بے حد متاثر ہوئے اور محرم آنے پر پہلا عشرہ نور باغ کے عزاخانے میں پڑھوایا۔ اس سے مولانا کا علمی مرتبہ مومنین پر واضح ہو گیا اور انھوں نے اسی سال تابوت کمیٹی ہال میں رمضان کے مہینے میں تفاسیر قرآن کا اہتمام کیا اور مولانا جوہر نے علم کے دریا بہا دیے۔ یہ سلسلہ تقریباً ۲۰ برس تک جاری رہا۔

نجف اشرف روانگی

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طلاب نجف اشرف جا کر اپنی تعلیم کا آغاز بالکل ابتدائی مراحل سے کرتے ہیں جس کے سبب صَرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھنے میں ہی دو تین برس نکل جاتے ہیں تب جا کر مدرسہ کے نصاب کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ علامہ صاحب کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ ان کے والد علام اور چچا نے گھر ہی پر تمام ابتدائی کتابیں پڑھائیں تھیں اس لیے نجف یہی سوچ کر بھیجا گیا کہ جاتے ہی شرح لمعہ سے آغاز کر لیا جائے۔ ۱۹۵۵ء میں سفر نجف کے لیے روانہ ہوئے۔ مولانا مصطفیٰ جوہر ساتھ تھے۔ نجف پہنچ کر اپنی نگرانی میں تعلیمی انتظامات کرائے اور مولانا حکمت حسین کو پابند کیا کہ وہ علامہ صاحب کا خیال رکھیں۔ مجھ سے علامہ صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولانا مصطفیٰ جوہر نے نجف ہی میں المنجد کا ایک نسخہ خرید کر انھیں دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ کتاب پوری یاد ہونی چاہیے اس لیے خداداد حافظے اور حصولِ علم کے ذوق نے زیادہ دیر نہیں لگائی اور ابتدا ہی میں تقریباً پورا لغت حفظ ہو چکا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی وفات کے بعد نجف اشرف کی مرجعیت آیت اللہ محسن الحکیم طباطبائی کے پاس آ چکی تھی اور نجفی حوزے کا علمی وقار اپنے شباب پر تھا اور نجف کا چپہ چپہ کملاء اور علماء سے چھلک رہا تھا۔ ہر علم وفن کا ماہر وہاں موجود تھا اس لیے علامہ صاحب کو کسبِ فیض کے لیے وہ وہ اساتذہ میسّر آئے کہ آج کے زمانے میں جن سے ملاقات کا فقط تصور بھی محال ہے اور انھوں نے استاد اور شاگرد کے رشتے میں اتنے اخلاق کا مظاہرہ برقرار رکھا کہ تمام اساتذہ انھیں مثلِ فرزند کے محبت کرتے تھے۔

نجفِ اشرف کے اساتذہ

علامہ صاحب مختلف علوم میں مختلف علماء کے شاگرد رہے۔ ان کی حوزوی زندگی کا عرصہ تقریباً دس برس پر محیط ہے۔ ان کے تمام اساتذہ اپنے عہد کے جید اور جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ آیت اللہ محسن الحکیم طباطبائی

۲۔ آیت اللہ ابوالقاسم خوئی

۳۔ آیت اللہ سید باقر الصدر

۴۔ آیت اللہ سید روح اللہ خمینی

۵۔ آیت اللہ محمد جواد تبریزی طباطبائی

۶۔ آیت اللہ سید جمال ہاشمی گلپائگانی

۷۔ آیت اللہ سید علی الحسینی فانی

۸۔ آیت اللہ محمد حسنی بغدادی

۹۔ آیت اللہ ابوالقاسم رشتی

۱۰۔ آیت اللہ مصطفٰی نورانی

آیت اللہ خوئی نے آپ کو زبانی اجازۂ روایت دیا تھا جس کے راوی خود علامہ صاحب تھے۔ جن علماء کے نام لکھے گئے ہیں وہ علامہ صاحب کی ذہانت اور علمی صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں فرزند کی طرح چاہتے تھے۔ یہ محض لفاظی نہیں ہے اس کے ثبوت میں آیت اللہ باقر الصدر کی کتاب "بحوث فی شرح العروۃ الوثقیٰ" اب تک علامہ صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے جس پر انہوں نے "قرۃ العینی" لکھا ہے یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔

علامہ صاحب نے نجف اشرف کے تین نامور اور تاریخی مدرسوں مدرسۂ بغدادی، مدرسۂ بروجردی اور مدرسۂ خلیلی میں تعلیم حاصل کی۔

آیت اللہ خوئی کا درس صبح نو بجے مسجد خضراء میں ہوتا تھا اور شب کا درس مسجد عمران بن شاہین میں ہوتا تھا۔ آیت اللہ باقر الصدر کا اصول فقہ کا درس مختلف مدرسوں اور مسجدوں میں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے مختلف مجتہدین اور علماء سے انفرادی طور پر بھی علوم کی تحصیل کی تھی۔ مدرسۂ بغدادی کا تین منزلہ سرداب مشہور ہے جہاں گرمیوں کی راتیں بسر ہوتی تھیں۔ یہیں صدام کے زمانے میں آیت اللہ سید مہدی خرسان کی قلمی کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا جو حکومت کے مظالم کے سبب روپوش کی گئیں تھیں۔ ان کتابوں میں شیعہ اکابرین کے

بخطِ مصنف نسخے تھے جن کا علامہ صاحب تذکرہ کیا کرتے تھے۔

علامہ صاحب اپنی تعلیم و تلمذ سے متعلق خود لکھتے ہیں:

''میری فکری تربیت میں اگرچہ میرے ان اساتذہ کا بڑا حصّہ ہے جن کی علمی شہرت اور فکری ساکھ بین الاقوامی ہے لیکن قرآن فہمی اور طرزِ استدلال میں جتنا استفادہ میں نے اپنے والدِ ماجد اعلی اللہ مقامہٗ سے کیا وہ ہر استفادہ سے زیادہ ہے۔''

(احسن الحدیث، جلد اوّل ص ۲۴)

نجفی زندگی کے مشاغل

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر نے علامہ صاحب کو نجف پہنچانے کے بعد مولانا حکمت حسین کے حوالے کیا تھا جن کے واقعات علامہ صاحب اکثر سناتے تھے۔

مولانا حکمت حسین بلا کے بذلہ سنج واقع ہوئے تھے۔ اُداس محفل میں قہقہوں کے پھول کھلانا کوئی ان سے سیکھے۔ ایک صاحب کہنے لگے بولیے ''حیا دیا'' انھوں نے کہا ''حیا دیا'' پھر کہا بولیے ''دیا حیا'' انھوں نے کہا ''دیا حیا'' پھر بولے اب کہیے ''حیا دیا دیا حیا'' سامنے والے صاحب عاجز آگئے اور گھبراہٹ میں چلتے بنے۔

سید صادق علی عرفانی مدیر ماہنامہ ''شیعہ'' لاہور زیارت کے لیے نجف آئے ہوئے تھے انھوں نے اپنا رسالہ ''شیعہ'' پیش کیا جس کے ایک طرف انگریزی میں "SHIA" لکھا تھا۔ اسے دیکھ کر بولے کہ ''شیعہ'' کے آخر میں ''ہ'' ہے اس لیے "SHIA" کے آخر میں "H" ہونا چاہیے۔ اگلے شمارے میں لگا دیجیے گا۔ صادق علی عرفانی مرحوم خاموش ہو گئے جب وہ اگلے برس پھر نجف آئے تو ہر ملاقات میں مولانا فرماتے تھے آپ نے شیعہ کی "H" لگائی یا نہیں؟

جب پردیس میں گھر والے یاد آئیں اور طالب علم کا دل اُداس ہو جائے اور اسے مولانا حکمت حسین جیسا مرنجامرنج ساتھی مل جائے تو یقیناً اُداسی فرحت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے علامہ صاحب خصوصیت سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔

جب صدام نے غیر ملکیوں کو عراق سے نکلنے کا حکم صادر کیا تو مولانا حکمت حسین بھی اس

عتاب میں آئے۔ امیر المومنینؑ کی ضریح پر آئے اور اقامہ یا پاسپورٹ دکھا کر کہا کہ ہم تو مرنے کے لیے نجف آئے تھے اب یہ کیا ہو رہا ہے کیا آپ یہاں سے جانے دیں گے؟ مولانا شبیر نجفی مرحوم کہتے تھے کہ اسی رات گھر گئے اور صبح انتقال ہو گیا۔ میت نجف میں دفنا دی گئی۔

نجف کے ساتھی

اسے انتظامِ قدرت کہیے کہ علامہ صاحب کو حوزوی زندگی میں ان کے مزاج کے احباب میسّر آئے اور ان تمام احباب نے علمی دنیا میں بھی غیر معمولی شہرت پائی۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

مولانا صادق علی شاہ (دہلی)، مولانا ذیشان حیدر جوادی (الہ آباد)، مولانا مرزا محمد عالم لکھنوی (لکھنؤ)، مولانا حمید الحسن صاحب (لکھنؤ)، مولانا شمیم الحسن صاحب (بنارس)، مولانا باقر نقوی (برادر مولوی سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ)، مولانا محمود الحسن سلطان پوری اور مولانا محمد جعفر شامل ہیں۔ ایران اور عراق کے ہم جماعتوں میں آیت اللہ مہدی آصفی، آیت اللہ سیّد کاظم حائری، آیت اللہ بخت یاری اور سیّد محمود ہاشمی شاہرودی بہت زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے زمانے میں طلباء میں شاعروں کی تعداد بھی خاصی تھی اس لیے معصومینؑ کی ولادت کی تاریخوں میں طرحی مقاصدے ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح ایامِ شہادت میں مجالس بھی ہوتی تھیں اور طلاب جمع ہوتے تھے۔ گویا نجف میں رہ کر بھی ہندوستانی تہذیب کا ماحول میسّر تھا۔ علامہ صاحب کی شخصیت جہاں دیگر منفرد خصوصیات کی حامل تھی ان ہی میں اُن کا مزاح تمام احباب میں مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مزاح انسان کے ذوقِ لطیف اور تخلیقی صلاحیتوں کا غماز ہوتا ہے اور دنیا کی ذہین ترین شخصیات کا مزاح عالمی شہرت رکھتا ہے جس پر بسیط کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور خود علامہ صاحب کا مزاح ایک ایسا مستقل عنوان ہے جس پر کئی سو صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔ ان کا مزاح بھی علمی ہوتا تھا جس میں غور کرنے والوں کے لیے بصیرت افروز نکات شامل ہوتے تھے۔ مولانا روشن علی مرحوم جو ہندوستان کی نامور علمی شخصیات میں شمار کیے جاتے ہیں اور جن کے قلم سے متعدد کتابیں

قوم تک پہنچیں اور جنھوں نے عربی وفارسی کی چنیدہ کتابوں کے عمدہ تراجم بھی کیے۔ عملیات کے ماہرین میں تھے۔ ایک بار عملیات کی غرض سے ایک ہد ہد لے کر آئے جس کی شہرت تمام طلاب میں ہو گئی لیکن مولانا کسی کو دکھانے پر راضی نہیں تھے۔ بہر حال کسی طرح علامہ صاحب کی وہاں تک رسائی ہو گئی اور انھوں نے مولانا کے کمرے میں ہد ہد کے اعضاء دیکھے جن پر مختلف اوراد و وظائف کو دم ہونا تھا۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچی کہ مولانا روشن علی کی جانب سے ہد ہد کی مجلسِ سوئم کا انعقاد ہوگا۔ مجلس ہوئی جس میں علامہ صاحب نے ہد ہد کے حال کا عربی مرثیہ کہہ کر پڑھا اور مولانا ذیشان حیدر جوادی نے ہد ہد کی خصوصیات اور کمالات پر مشتمل عربی میں تعزیتی مضمون لکھ کر پڑھا۔

علامہ صاحب پوری زندگی مولانا ذیشان حیدر جوادی کی علمیت کے معترف رہے اور حقیقت یہ ہے کہ احباب میں بھی ان کی سب سے زیادہ قربت انہی سے تھی۔ مولانا جوادی نے بھی اپنی مختلف کتابوں میں علامہ صاحب کا ذکر کیا ہے۔

ترجمۂ قرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

”۹ بجے رات کے بعد میں اور علامہ طالب جوہری شہر سے باہر مدرسہ بغدادی واپس آتے تھے اور کھانے کا انتظام کرتے تھے۔ اس کے بعد صبح سے پھر اپنا اپنا کاروبار شروع ہو جاتا تھا۔“

(ص۹)

اکثر چھٹیوں کے دنوں میں احباب کے ساتھ عراق کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارات کے سفر بھی ہوتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر کا تذکرہ مولانا ذیشان حیدر جوادی نے کیا ہے لکھتے ہیں:

”نجف اشرف کے قیام کے دوران اکثر حلہ کے تذکرہ کے دوران حمزہ و قاسم کا نام سنا کرتا تھا لیکن ان حضرات کی شخصیت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ ایک تعطیل میں قبلہ محترم مولانا شمیم الحسن صاحب قبلہ بناری اور علامہ طالب جوہری (کراچی) کے ہمراہ حلہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا تو چاروں طرف گردش کرتے کرتے بمشکل تمام جناب حمزہ کی قبر تک پہنچا،

معلوم ہوا کہ یہ نسل حضرت عباسؑ میں ایک جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے اور ان کا روضہ آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔"

(قمر بنی ہاشم، مولانا ذیشان حیدر جوادی، ص ۳۶۱)

غرض یہ کہ علامہ صاحب کی حوزوی زندگی مکمل طور پر ایک روشن اور کامیاب زندگی تھی جس میں انھوں نے مکمل دلجمعی کے ساتھ علوم کی تحصیل کی۔ یہ علمی عرصہ دس برس پر محیط ہے۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں وہ نجف اشرف سے اجازۂ اجتہاد لے کر کراچی تشریف لے آئے۔

مستقل طور پر کراچی آنا اور رہائش گاہیں

۱۹۶۵ء میں نجف اشرف سے اجتہاد کی سند لے کر کراچی تشریف لائے۔ کراچی میں علامہ صاحب مختلف علاقوں میں رہائش پذیر رہے۔

پہلا گھر مرکزی مسجد کھارادر کے سامنے واقع عمارت میں تھا جس کا نام "ہری داس" بلڈنگ تھا جہاں پہلی منزل پر رہتے تھے۔ بعد میں یہی "رضا بلڈنگ" کہلائی۔

۱۹۵۲ء میں دوسرا گھر ناظم آباد ایک نمبر میں تھا جس کا پتہ 1E8/8 ناظم آباد نمبر 1۔

تیسرا گھر بھی ناظم آباد ایک نمبر میں تھا جس کا پتہ 1D1/11 ناظم آباد نمبر 1 ہے جہاں باقاعدہ طور پر مولانا مصطفیٰ جوہر کا کتب خانہ ترتیب دیا گیا اور اسی کے درمیان میں ان کا تخت بچھا رہتا تھا اور مولانا مرحوم مسلسل کتابوں کی فضا میں گھرے رہتے تھے۔

اس کے بعد تجبر ۲۳ر رمضان ۱۹۷۶ء میں نارتھ ناظم آباد کے مکان میں منتقل ہوئے جس کا پتہ بلاک F،53 / 1 نارتھ ناظم آباد ہے۔

اس کے بعد ۱۹ر جون ۱۹۹۲ء میں انچولی کے مکان B-16 / 20 فیڈرل بی ایریا میں منتقل ہوئے اور آخری مکان نیو رضویہ میں بنوایا تھا D-22 رضویہ II اس میں اپنے کتب خانہ کو منتقل کیا جو تقریباً پانچ وسیع کمروں پر مشتمل ہے۔ گھر میں ڈاکے کے واقعہ کے بعد کچھ عرصہ عابد ٹاؤن میں بھی گزرا۔ سید انیس عباس رضوی کا مکان اس گھر کے عقب میں تھا۔ مختصر عرصہ پی ای سی ایچ کے مکان میں بھی گزرا جہاں ۱۹۸۵ء میں مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی وفات ہوئی۔

شادی خانہ آبادی

اکتوبر ۱۹۶۶ء میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ آپ کی اہلیہ مہرالنساء کاظمی، سیّد علی رضا کاظمی کی دختر ہیں۔ جنھیں مولانا حافظت حسین بھیگپوری نے ''مولوی'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ عالم و فاضل شخصیت تھے اور ''نورِ ایمان'' کے مصنف مولوی خیرات احمد صاحب مرحوم کے بے حد چہیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے ''نورِ ایمان'' میں مکالماتی گفتگو کے لیے جو ''علی رضا'' نام پسند کیا ہے وہ ان ہی کی محبتوں کے سبب تھا۔

علامہ صاحب کی اہلیہ باپ کی طرف سے کاظمی سادات ہیں اور ماں کی طرف سے نواب وحیدالدین حیدر کی نسل میں ہیں جو شاہانِ اودھ کے وزیر تھے اور غالباً ان ہی کے خاندان کے تھے۔

جامعہ امامیہ میں پرنسپل کے فرائض

۱۹۶۵ء میں جامعہ امامیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے اور پانچ برس تک رہے۔ یہیں ان کی ملاقات جامعہ امامیہ کے کتب خانے میں محمود احمد عباسی سے ہوئی تھی۔ نیاز فتحپوری بھی یہیں ملے تھے۔ حالانکہ اس وقت ان کے نظریات و افکار سے بحث نہیں لیکن علامہ صاحب اپنی آزادخیالی اور کشادہ قلبی کے سبب ان کی باتوں کو سنتے ضرور تھے۔ ان کے رسالے نگار کے ''خدا'' نمبر کی بہت تعریف کرتے تھے اور اپنی تفسیر ''احسن الحدیث'' میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ نیاز فتحپوری کا مکان جامعہ امامیہ کے عقب میں تھا اس لیے جامعہ امامیہ سے فرصت پانے کے بعد علمی نشستیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح ابنِ صفی بھی قریب ہی رہتے تھے تو اکثر جامعہ امامیہ سے فرصت پا کر وہاں نشستیں جمتی تھیں۔ مولانا سیّد محمد دہلوی کی خدمت میں حاضری کے لیے مولانا مصطفیٰ جوہر کی تاکید تھی کہ واپسی پر ان کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے آنا تو اکثر مولانا دہلوی صاحب مرحوم کے یہاں بھی جانا ہوتا۔ مولانا، ہندوستان کے حالات و واقعات سناتے تھے۔ مولانا سیّد محمد دہلوی کا اندازِ گفتگو سنجیدگی کے ساتھ ساتھ ظریفانہ انداز بھی لیے ہوئے تھا جس میں ظرافت کافی حد تک غالب رہتی تھی۔

ایک دن کہنے لگے کہ اللہ نے انسانوں کو خلق کرنے کے بعد ان کی غذا کے لیے معدوں کو الگ خلق کیا اور ملائکہ کو حکم دیا کہ بڑے بڑے تھیلوں میں معدوں کو بھرا جائے اور ایک ایک انسان کے جسم میں لگا دیا جائے۔ ملائکہ نے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مالک معدے ختم ہو چکے ہیں لیکن ایک اُمت باقی ہے جن کے میدے لگنا باقی ہیں۔ خدا نے پوچھا کون سی اُمت ملائکہ نے کہا ملّت کے علماء ہیں، تو خدا نے حکم دیا کہ مزید معدے خلق کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تھیلے کہاں گئے جن میں معدے بھرے گئے تھے ملائکہ نے کہا کہ وہ تو موجود ہیں، تو خدا نے حکم دیا کہ جاؤ اور جا کر علماء کے معدوں کی جگہ تھیلے لگا دو۔

مولانا دہلوی مرحوم اس فن کے ماہر تھے اور اکثر اپنی مجالس میں بھی اس طرح واقعات سنا دیا کرتے تھے جو ان پر چپتا تھا اور سامعین محظوظ ہوتے تھے لیکن ان واقعات میں بھی لوگوں کے لیے نصیحتیں ہوتی تھیں۔

خیر بات ہو رہی تھی جامعہ امامیہ کی، یہاں سے علامہ صاحب کے جو شاگرد نکلے ان میں مولانا رضی جعفر نقوی صاحب اور مولانا ذوالفقار حسین نقوی صاحب اس وقت بحمد للہ حیات ہیں اور علامہ صاحب کے اس عہد کے واقعات کے راوی ہیں۔ مولانا ذوالفقار حسین نقوی صاحب کا بیان ہے کہ علامہ صاحب جب بھی کوئی کتاب پڑھاتے تھے تو اصل کتاب کو دیکھتے نہیں تھے بلکہ اس کا ابتدائی حصّہ طالب علم سے پڑھواتے تھے۔ ایک بار شرحِ لمعہ کا درس تھا تو علامہ صاحب نے کسی طالب علم سے کہا کہ فلاں مقام سے ابتدائی عبارت پڑھیں، اس نے پڑھی تو چند الفاظ سن کر اسے روک دیا اور اس کے بعد زبانی پوری عربی عبارت پڑھتے تھے اور بہت وضاحت کے ساتھ اس کے دقائق کو سمجھاتے تھے۔ ان کا بیان اتنا واضح ہوتا تھا کہ کسی بھی شاگرد کو حاجتِ سوال نہ رہتی تھی۔

اس زمانے میں مولانا ظفر حسن امروہوی اصولِ کافی کا ترجمہ کر رہے تھے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ مولانا ظفر حسن امروہوی مرحوم کا علمی مرتبہ اپنی جگہ لیکن وہ اکثر مقامات پر علامہ صاحب سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ علامہ صاحب تقریباً ۵ برس جامعہ

امامیہ کے پرنسپل رہے اور یہاں ان کی تنخواہ ۲۵۰ روپے تھی۔

کالج میں بحیثیت مدرس

تقریباً ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ کالج ناظم آباد میں اسلامیات کے لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہو گیا۔ یہاں ان کی تنخواہ ۲۰۰ روپے تھی اور اس زمانے میں پروفیسر منظر حسین کاظمی پرنسپل تھے۔ وہ مستقل مزاجی کے ساتھ یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے لیکن جب مجالس کے سبب مصروفیات میں اضافہ ہو گیا تو یہ سلسلہ رُک گیا۔ اس کے بعد وہ فلک بوس شہرت ملی کہ اس سلسلے کو جاری رکھنا کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔ جب کالج کی انتظامیہ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اب علامہ صاحب تشریف نہیں لائیں گے تو انھیں کئی سالوں کی تنخواہ کی پیشکش کی گئی جو ان کی عدم موجودگی کے سبب انھیں موصول نہیں ہو پائی تھی تو علامہ صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ وہ ان معاملات میں بھی شرعی احکامات کے تحت سے پابند تھے۔ ان کے زمانۂ تدریس میں جو شاگرد نکلے ان میں سے بعض آج بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں۔ علامہ صاحب کا معمول تھا کہ وہ تدریس کے دوران بھی شیروانی، ٹوپی میں ہوتے تھے۔

سفارت خانۂ اردن میں

یہ غالباً ۱۹۶۶ء کی بات ہے۔ بہت کم افراد اس سے واقف ہوں گے کہ علامہ صاحب نے پندرہ مہینے اردن کے سفارت خانے میں مترجم کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اخبار میں خبر شائع ہوئی کہ اردنی سفارت خانے کو اردو سے عربی اور عربی سے اردو کے لیے مترجم کی ضرورت ہے۔ سیّد ضیاء الحسن موسوی نے علامہ صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ کوشش کیجیے کہ یہ موقع آپ کو فراہم ہو جائے۔ اس زمانے میں علامہ صاحب کی مجالس کی شہرت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بہرحال انٹرویو کے لیے اپنے معمول کے لباس یعنی شیروانی ٹوپی میں تشریف لے گئے اور دورانِ گفتگو اپنی ٹوپی اُتار کر میز پر رکھی۔ انٹرویو لینے والے نے کہا کہ آپ یہاں انٹرویو دینے آئے ہیں اس طرح ٹوپی اُتارنا کچھ

نامناسب معلوم ہورہا ہے۔ جواب میں علامہ صاحب نے کہا کہ یہ فیصلہ انٹرویو کے بعد ہوگا کہ میری ملازمت یہاں طے ہے یا نہیں ابھی میں اپنے عمل کا مختار ہوں۔ دراصل یہ علامہ صاحب کی ذہانت کا امتحان تھا اسی کی بنیاد پر علامہ صاحب کو منتخب کرلیا گیا اور چند اخبارات کے تراشے دیئے گئے جن کا انھوں نے صحافتی اسلوب کی حامل عربی میں ترجمہ کردیا۔ تنخواہ ۷۰۰ روپے مقرر ہوئی۔ سفارت خانے کا منیجر ''امین سعیدی'' ان کی بہت تکریم کرتا تھا اور اکثر مذہبی موضوعات پر سوال کرتا تھا۔ علامہ صاحب وضاحت کے ساتھ ہر بات سمجھاتے جو اُس کے دل میں اُتر جاتی۔ ایک دن منیجر نے کہا کہ میرا تبادلہ ہوگیا ہے اور میں اُردن واپس جارہا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے ساتھ اُردن چلیں تو آپ معاشی طور پر بہت مضبوط ہوجائیں گے اور زندگی کا بقیہ عرصہ اُردن ہی میں گزاریں۔ علامہ صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اپنے گھر آئے اور اپنے والدِ گرامی سے اس کا تذکرہ کیا۔ مولانا مصطفی جوہر اس وقت وضو کررہے تھے کچھ دیر بعد جواب دیا کہ اگر آپ اُردن چلے جائیں گے تو جو تعلیم نجف میں حاصل کی تھی اس کا کیا ہوگا؟ یقیناً علامہ صاحب بھی ایسے اعلم وقت اور شفیق باپ سے اس جملے کی توقع رکھتے تھے اس لیے اس کے بعد کبھی اردنی سفات خانے نہ گئے۔ جب ۱۹۷۵ء میں نشتر پارک میں چہلم کی پہلی مجلس پڑھی اور اس کی تعریف مولانا مصطفیٰ جوہر صاحب سے کی گئی تو علامہ صاحب کو بلا کر کہا کہ آج مجھے یقین ہوگیا کہ میرے دل میں جو تمنا تھی وہ بر آئی اور مجھے میرے علم کا حقیقی وارث مل گیا۔

اردنی سفارت خانے میں علامہ صاحب کا عرصہ چند مہینوں پر مشتمل ہے۔

زندگی کی پہلی مجلس

محمدی ویلفیئر سوسائٹی کے ہال میں ریڈیو سے علامہ رشید ترابی کی مجلس شامِ غریباں سننے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ علامہ صاحب کو نجف سے آئے ہوئے چند ہی برس ہوئے تھے۔ اس زمانے میں مجالس کا آغاز نہیں کیا تھا۔ علامہ رشید ترابی کی مجلس شامِ غریباں سننے کے بعد سلیمان رحمانی جو محمدی ویلفیئر کے منتظم تھے انہوں نے کہا کہ کیا ہی بہتر ہو کہ اگر چند کلمات آپ بھی شامِ غریباں کے حوالے سے بیان کردیں تو ایک مختصر مجلس ہوجائے گی۔ علامہ

صاحب منبر پر گئے اور مختصر ذکر کے بعد مختصر مصائب پڑھے۔

سامعین نے پسند کیا اور طے ہو گیا کہ جب ایسی صاحب علم شخصیت ہو تو کیوں نہ ان سے فیض اُٹھایا جائے اس لیے اسی برس رمضان میں محمدی ویلفیئر سوسائٹی میں تفسیر قرآن کی مجالس رکھی گئیں اور علامہ صاحب نے ایک مہینہ تفاسیر کی مجالس سے تاریخ ساز خطاب فرمایا۔

یہ تقریباً ۱۹۶۷ یا ۱۹۶۸ء کی بات ہے۔

محمدی ویلفیئر سوسائٹی کی مجالس تفاسیر

محمدی ویلفیئر سوسائٹی وہ مقام ہے جہاں سے علامہ صاحب کا مرتبہ علمی لوگوں پر آشکار ہوا۔ سلیمان رحمانی اور حسین دامانی اس کے مہتمم تھے۔ ان مجالس کا وقت ۱۰ بجے کا ہوتا تھا اور رات ساڑھے ۸ بجے تابوت کمیٹی ہال میں مولانا محمد مصطفیٰ جوہر مجالس تفسیر سے خطاب فرماتے تھے۔ مجمع بہت زیادہ ہوتا تھا لیکن پھر بھی ایک بھرپور تعداد تھی جو علم پسند تھی اور علمی مجلسوں کو شوق سے سنتی تھی۔ زیادہ تر طبقہ خوجہ حضرات کا ہوتا تھا مہاجرین میں صرف سیّد علی کرار نقوی اور حسن عباس زیدی ہوتے تھے اس کی تصدیق خود علامہ صاحب نے کی تھی۔ تفسیر کے بعد زیرِ منبر تشریف فرما ہوتے اور لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔ تفاسیر کا یہ سلسلہ تقریباً تین برس تک رہا۔

کراچی میں پہلا عشرہ

مجالس تفسیر قرآن میں علامہ صاحب کے علمی وزن کی دھوم تو مچ ہی چکیں تھیں اور خوجہ حضرات کی بڑی تعداد آپ کی معتقد ہو گئی تھی اس لیے ۱۹۷۲ء میں محرم کا پہلا عشرہ آپ نے محفل ابوالفضل العباسؑ (کھارادر) میں پڑھا۔ یہ آپ کی زندگی کا پہلا عشرہ تھا جس میں مومنین نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ آپ کی خطابت سے عشرے کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۶ء تک جاری رہا۔ اس کے اشتہارات اس کتاب میں شامل ہیں۔

مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد کے عشرے

علامہ صاحب نے اردو داں طبقے میں جو پہلا عشرہ پڑھا وہ مرکزی امام بارگاہ لیاقت

آباد کا تھا۔ جس نے صحیح معنیٰ میں علامہ صاحب کو عروج بخشا۔ ان ہی مجلسوں کی کامیابی نے نشتر پارک کے منبر تک پہنچایا۔

۱۹۵۱ء کے شروع میں جب شیعوں کو مسجد اور امام بارگاہ کی تعمیر کے لیے دو ہزار مربع گز کا پلاٹ کمشنر آبادکاری نے الاٹ کیا تو یہ جگہ بالکل سنسان ایک لق ودق میدان میں تھی۔ نہ اس کے قریب کوئی سڑک تھی اور نہ ہی آبادی مگر حسنِ اتفاق سے یہ جگہ مین روڈ پر آ گئی اور اس کے چاروں طرف آبادی تیزی سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ اب لالوکھیت اور فیڈرل بی ایریا کے درمیان ایک مرکزی جگہ پر واقع ہے اور حقیقتاً مرکزی امام بارگاہ کہے جانے کی مستحق ہے۔ افسوس ہے کہ انجمن فلاح المومنین شروع میں کئی سال تک اس کی تعمیر وترقی میں خاصی دلچسپی نہ لے سکی اور صرف ایک چھوٹا سا سائبان بنا کر اسے چھوڑ دیا۔ چنانچہ انجمن کی نئی تشکیل ہوئی اور ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۹ء تک دو مرتبہ زمین کی توسیع کرائی گئی چنانچہ بجائے ۲ ہزار مربع گز کے اب یہ (۴۵۰۷) مربع گز کا قطعہ ہو گیا ہے۔ اس وسیع قطعہ پر نہ صرف چار دیواری تعمیر ہوئی بلکہ ایک خوبصورت مسجد تقریباً ۲۰ ہزار روپیہ کی لاگت سے اور چار دوکانیں بھی بنیں نیز عارضی طور پر عزاخانہ، دفتر اور خادم کے رہنے کے لیے کمرے تعمیر ہوئے۔ ۱۹۵۸ء سے پھر یہ محسوس ہوا کہ انجمن کماحقہ اپنے فرائض کو انجام نہیں دے رہی چنانچہ جلسۂ عام نے فیصلہ کیا کہ اس کا ٹرسٹ بنام "فلاح المومنین" ٹرسٹ بنا دیا جائے۔ یہ ٹرسٹ جنوری ۱۹۶۰ء میں رجسٹرڈ ہو گیا۔

اس امام بارگاہ میں شاندار مجالس ومحافل منعقد ہوتی تھیں اور نماز جماعت کے علاوہ مخصوص ایام متبرکہ میں اعمال وتلاوتِ قرآن مجید کے خصوصی انتظامات کئے جاتے تھے۔ اس امام بارگاہ کی مجالس میں اکثر مشہور واعظین وعلماء تقاریر فرماتے رہے ہیں جن میں علامہ رشید ترابی، مولانا ابن حسن صاحب نجفی، سیّد مظفر حسین صاحب طاہر جرولی، مولانا سیّد علی جعفری، مولانا نصیر الاجتہادی، مولانا عباس حیدر عابدی، علامہ طالب جوہری اور علامہ عرفان حیدر عابدی وغیرہ بھی شامل ہیں۔

علامہ صاحب نے یہاں جو عشرے پڑھے ان میں سے چند کے موضوعات درج

ذیل ہیں:

۱۹۷۶ء	اسلام میں عقیدے کا مرکز
۱۹۷۷ء	اسلام میں وسیلے کا تعین
۱۹۷۸ء	اسلام میں ولایت کا مفہوم
۱۹۷۹ء	ذکر اور اہل ذکر
۱۹۸۱ء	امر اور صاحب امر

مرکزی امام بارگاہ کیوں کہ مرکز تھا اور شہر کے مختلف علاقوں سے لوگ آتے تھے اس لیے علامہ صاحب کی آواز گھر گھر پہنچ گئی اور ایک جمِ غفیر اُمنڈ کر آنے لگا اور لوگ تعریف میں کہتے تھے کہ ایک نیا خطیب آیا ہے جو قرآن اس طرح سے پڑھتا ہے جیسے پورا قرآن ہی آلِ محمدؐ کی شان میں نازل ہوا ہو۔

علامہ صاحب کی محنتیں اپنی جگہ لیکن اس زمانے میں لوگوں میں عزائے امام حسینؑ سے اتنا خلوص تھا کہ کسی بھی ذاکر کی مجلس سننے کے لیے دُور دُور سے آجایا کرتے تھے اور انتہائی اخلاص کے ساتھ سماعت کرتے تھے اور گھر جا کر اہل و عیال اور احباب کو اس کے چیدہ چیدہ نکتے سناتے تھے جس کے نتیجے میں اگلے روز مزید تعداد بڑھ جاتی تھی۔ اب ایسے خلوص کی کمی سی محسوس ہونے لگی ہے۔

نشتر پارک کی پہلی مجلس

۱۹۷۵ء میں نشتر پارک کا عشرہ علامہ عقیل ترابی نے پڑھا اور یہ ان کی زندگی کا نشتر پارک کا آخری عشرہ تھا۔ نشتر پارک کی انتظامیہ کے سیکٹری ڈاکٹر منور عباس ایڈوکیٹ تھے ۔انہیں مجلس چہلم کے لیے نئے خطیب کی تلاش تھی جس کے لیے نواب افتخار حسین خاں نے انہیں مشورہ دیا کہ مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں علامہ طالب جوہری پڑھ رہے ہیں۔ آپ انہیں سنیں اُن کی مجالس بہت کامیاب ہو رہی ہیں۔ منور عباس ایڈوکیٹ نے تین دن علامہ صاحب کی مجلسیں سنیں اور طے کرلیا کہ یہی مجلس چہلم پڑھیں گے۔

علامہ صاحب نے جو مجلس پڑھی وہ مکمل اس کتاب میں شامل ہے۔ جس سے اندازہ کیا

جاسکتا ہے کہ مجلس کتنی تاریخی ہوئی ہوگی۔

نشتر پارک کا پہلا عشرہ

۱۹۷۶ء میں پہلا عشرہ پڑھا جس کا عنوان تھا ''قرآن اور برہان''۔ اس عشرے کا اشتہار اس کتاب کے آخر میں شامل ہے۔

علامہ رشید ترابی کی پہلی مجلسِ برسی

۱۹۷۴ء میں جب علامہ رشید ترابی کی پہلی برسی آئی تو ان کے فرزند علامہ عقیل ترابی نے علامہ صاحب سے مجلس کا وعدہ لیا۔ یہ مجلس حسینیہ سجادیہ میں ہوئی اور علامہ صاحب کی یادگار مجالس میں سے ایک ہے۔ اس میں انہوں نے ''تراب'' اور ''ترابی'' کو موضوع بنایا تھا اور اسی سے متعلق آیات اور روایات کا انتخاب کیا تھا اور ساتھ ہی علامہ رشید ترابی کی خدماتِ عزاداری پر روشنی ڈالی تھی۔

نشتر پارک کے عشرے

۱۹۷۵ء کے چہلم کی مجلس کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ۱۹۷۶ء سے عشرۂ مجالس سے خطاب کرتے رہے۔ یہ مجالس پاک محرم ایسوی ایشن کی جانب سے شام ساڑھے ۴ بجے ہوتی تھیں۔

۱۹۷۶ء	قرآن اور برہان	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۷۷ء	شریعت اور رسالت	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۷۸ء	ہدایت اور دینِ حق	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۷۹ء	اسلام اور میزانِ عقیدہ اور عمل	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۰ء	اتباعِ رسولؐ	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۱ء		نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۲ء		نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۳ء		نشتر پارک	عشرۂ اوّل

۱۹۸۴ء	کتاب اور سنت	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۵ء	قانونِ الٰہی کا تسلسل	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۶ء	علم اور عقیدہ	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۷ء	اسلام اور غیر اسلام	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۸ء	اسلام اور اس کے رہنما	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۰ء	کلمۂ طیبہ اور عملِ صالح	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۱ء	کا عشرہ نہیں پڑھا، اس سال عشرہ نیویارک میں خوئی سینٹر میں پڑھا۔		
۱۹۹۲ء	حیاتِ دنیا اور دارِ آخرت	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۳ء	قرآن اور صراطِ مستقیم	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۴ء	دین وشریعت کی عقلی تعبیر	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۵ء	قرآن اور کردارِ بشر	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۶ء	نظامِ حیاتِ انسانی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۷ء	انسانِ معاصر اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۸ء	تہذیبِ نفس اور تہذیبِ حاضر	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۹ء	عالمی معاشرہ اور قرآنِ مجید	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۰ء	حیات وکائنات کا اُلوہی تصور	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۱ء	انسانیت کا اُلوہی منشور	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۲ء	اساسِ آدمیت اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۳ء	میراثِ عقل اور وحیٔ الٰہی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۴ء	میزانِ ہدایت اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۵ء	اساسِ علم اور کتابِ الٰہی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۶ء	منصبِ ہدایت اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۷ء	اسلام اور مقصدِ حیاتِ انسانی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل

۲۰۱۴ء	مقامِ محمود اور صدق و حق	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۱۶ء	سبیلِ الٰہی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل

مولانا مصطفیٰ جوہر کی مجلس چہلم

۱۹۸۵ء میں مولانا مصطفیٰ جوہر کی وفات پر عظیم صدمے سے دوچار ہوئے۔ ان کی مجلس سوئم مولانا ذیشان حیدر جوادی مرحوم نے پڑھی تھی۔ علامہ صاحب نے اپنی والدۂ گرامی کے کہنے پر مجلس چہلم سے خطاب کیا۔ شعراء کی تعزیتی نظموں کے سبب تاخیر بہت ہوگئی اس لیے علامہ صاحب نے مجلس زیادہ طویل نہیں پڑھی لیکن مختصر مجلس ہی میں وہ شاندار بیان ہوا کہ لوگ عش عش کر گئے۔ بیان مصائب سے پہلے امام سجادؑ کا دربارِ دمشق میں دیا جانے والا یادگار خطبہ آب و تاب سے پڑھا۔

۱۹۸۳ء لاہور کا عشرۂ محرم ۔۔ امام بارگاہِ عطیہ اہلبیت

میری اب تک کی اطلاع کے مطابق علامہ صاحب نے عشرۂ اوّل میں کبھی کراچی سے باہر خطاب نہیں کیا ماسوائے دو عشروں کے۔

۱۹۸۳ء میں صبح کا عشرہ امام بارگاہ عطیہ اہلبیت، نکلسن روڈ لاہور میں پڑھا اور اسی سال نشتر پارک بھی پڑھا۔ رات کی فلائٹ سے لاہور جاتے تھے اور صبح مجلس پڑھتے تھے وہاں سے دن کی فلائٹ میں کراچی آتے تھے اور شام کو نشتر پارک پڑھتے تھے۔ یہ اپنی نوعیت کا انوکھا سال تھا۔

۱۹۹۱ء ۔۔ خوئی سینٹر امریکہ کا عشرہ

۱۹۹۱ء میں اپنے استاد گرامی قدر آیت اللہ خوئی کے حکم پر خوئی سینٹر میں عشرۂ اوّل پڑھا اور اس سال ایام عزا کا بیشتر حصہ امریکہ میں ہی گزرا اور وہاں کے مختلف شہروں میں مجالس پڑھیں۔

رضویہ امام بارگاہ کے عشرے

حصولِ پاکستان کے بعد حکومت اور عوام کے لئے آبادکاری کا ایک اہم مسئلہ تھا۔

چنانچہ قوم کے چند باصلاحیت افراد نے ۲۲ راگست ۱۹۴۷ء میں ایک کوآپریٹیو سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس کا نام رضویہ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ رکھا گیا۔ گورنمنٹ سے ۱۵۶ ایکڑ زمین حاصل کی گئی جس میں رہائشی مکانات، کمرشل ایریا، اسکول، اسپتال، کالج، پارکس، مسجد وامام بارگاہ وغیرہ سب کچھ شامل ہیں۔ رہائشی پلاٹ زیادہ ۱۲۰۰، ۶۰۰ اور کم سے کم ایک ۱۲۰ مربع گز کے ہیں۔

مسجد وامام بارگاہ کی تعمیر کے لئے ۸۸۰۰ آٹھ ہزار آٹھ سو مربع گز کا قطعہ اراضی مخصوص کیا گیا جس میں تین طرف مکانات کے پلاٹ اور ایک طرف پارک شامل ہیں۔ شومیٔ قسمت سے ۱۹۶۰ء تک مسجد وامام بارگاہ کی تعمیر نہ ہوسکی۔

۱۰ راپریل ۱۹۶۰ء کو مسجد وامام بارگاہ کا سنگِ بنیاد عالی جناب راجہ صاحب محمود آباد کے ہاتھوں رکھوایا گیا جس تقریب میں معززین شہر نے شرکت فرمائی۔ تاوقتِ رسمِ سنگِ بنیاد رضویہ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کے مسجد وامام بارگاہ فنڈ میں صرف ڈیڑھ ہزار روپے تھے جو ممبران سوسائٹی سے الاٹ شدہ پلاٹ پر ۵ آنہ مربع گز کے حساب سے وصول ہوئے تھے اور اس مد کی ایک بڑی رقم ممبران سوسائٹی کی طرف سے واجب الادا تھی۔

سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد کام اتنی تیزی سے شروع ہوا کہ ممبران سوسائٹی نے خود بخود مسجد وامام بارگاہ فنڈ کی واجب الادا رقم ادا کرنی شروع کردی اور اس کے علاوہ قریب پچھتر ہزار روپے سوسائٹی کے کمرشل پلاٹ کے نیلام سے مسجد وامام بارگاہ میں وصول ہوا۔ کام کو بڑھتا ہوا دیکھ کر مومنین شہر نے تعاون کیا اور سیٹھ حمید حبیب صاحب نے مسجد شاہ خراسان ٹرسٹ کی جانب سے ۳۵ ہزار کا گراں قدر عطیہ تعمیر مسجد وامام بارگاہ شاہ کربلا کے لئے مرحمت فرمایا۔

۱۹۵۶ء تک رضویہ کالونی میں مجالس ومحافل وغیرہ کا کوئی مناسب انتظام نہ تھا لہٰذا ۱۹۵۶ء میں رضویہ کالونی کے باشندوں نے ''انجمن راہ نجات رضویہ کالونی'' قائم کی۔ اس انجمن نے مجالس ومحافل کا سلسلہ اور غسل وکفن کا انتظام باقاعدگی کے ساتھ شروع کیا۔ اس کے علاوہ تعمیر مسجد وامام بارگاہ وتاسیس شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ کالونی میں مجلس انتظامیہ رضویہ کو

آپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔

یہاں ۲۱ سے ۳۰ محرم تک علامہ رشید ترابی کا عشرہ مجالس شہرۂ آفاق تھا۔ آخری مجلس میں خصوصیت کے ساتھ جناب زینبؑ کا دربار یزید کا خطبہ پڑھا کرتے تھے۔

علامہ صاحب کی اس امام باڑے سے بہت زیادہ یادیں وابستہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسی علاقے میں ان کی جوانی گزری۔ دوسرا یہ کہ اسی زمانے میں ایصال ثواب کی مجالس یہاں کثرت سے پڑھتے تھے۔ ۱۹۷۵ء کا رضویہ ٹرسٹ کی جانب سے لکھا گیا خط میرے ذخیرے میں موجود ہے جس میں علامہ صاحب کو کسی جشن کی صدارت کے لیے دعوت دی گئی تھی۔ علامہ صاحب نے یہاں جو عشرے پڑھے ان کی تفصیل یہ ہے۔

یہ عشرے شاہِ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی کی جانب سے ہوئے۔ اس کا وقت رات ۹ بجے کا تھا۔ کبھی کبھی بعد مغرب سوا سات بجے بھی مجالس ہوئیں۔

۱۹۹۴ء	اسلام میں عدل واحسان کی تعبیر	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اوّل
۱۹۹۵ء	کرامتِ انسانی	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اوّل
۱۹۹۶ء	فطرتِ انسانی اور اسلام	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اوّل
۲۰۰۰ء	ہدایت ورحمت	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اوّل
۲۰۰۱ء	اتباعِ ہدایت اور قرآن	امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ	عشرۂ اوّل
۲۰۰۲ء		امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ	عشرۂ اوّل
۲۰۰۷ء	برہانِ رب اور قرآن	امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ	عشرۂ اوّل

امام باڑہ شاہِ نجف مارٹن روڈ کے عشرے

یہ پاکستان کا پہلا امام باڑہ ہے۔ پاکستان کی مرکزی حکومت کے ملازمین کی بستیوں جہانگیر روڈ اور مارٹن روڈ کے قلب میں واقع اس امام باڑہ کا آغاز ایک چہاردیواری سے ہوا اور آج اس کی خوبصورت مسجد اور شاندار گنبد والا پھاٹک دیکھ کر سب خوش ہوتے ہیں۔

انجمن سفینۃ المومنین اس امام باڑہ کا انتظام کرتی تھی۔ یہاں ہندوستان اور پاکستان کے جید علماء خطاب فرما چکے ہیں۔

علامہ صاحب نے یہاں دو سال عشرہ پڑھا۔ ان مجالس کا وقت ۹ بجے شب کا تھا۔

۱۹۹۲ء	کتاب ہدایت اور فلاح	امام بارہ شاہِ نجف	عشرۂ اوّل
۱۹۹۳ء	ہدایت و عقائدِ اسلام	امام بارگاہِ شاہِ نجف	عشرۂ اوّل

کھارادر کے عشرے

''ہم کھارادر کے بڑے امام باڑے سے بول رہے ہیں جہاں مجلس شامِ غریباں منعقد ہورہی ہے اور علامہ رشید ترابی خطاب کرنے والے ہیں۔''

ریڈیو پاکستان کے قومی پروگرام میں شارٹ ویو اور میڈیم ویو پر ایشیاء، افریقہ اور یورپ تک کے سننے والے یہ آواز سنا کرتے تھے۔ اس طرح کراچی کے اس قدیم ترین مرکز کا نام ساری دنیا جان چکی ہے۔

اس عزاخانے کی تاریخ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ تقریباً ایک صدی قبل جب کراچی کے خوجہ جماعت کے لوگ اسماعیلی اور آغاخانی تھے تو موجودہ بڑے امام باڑے کے قریب ان کا تعزیہ خانہ تھا جس میں مجالس ہوا کرتی تھیں جن میں ایران کے میرزا محمد جعفر، میرزا محمد صادق، میرزا محمد شفیع اور سندھ کے ذاکر تجل شاہ بھی بیان کرتے تھے ان مجالس میں دیگر اقوام کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے اور موجودہ ہزہائی نس کریم آغاخان کے پردادا علی شاہ بھی شرکت کرتے تھے۔

۱۸۷۶ء میں کراچی کے ایک مدرس نصرت علی شاہ ابن عارف علی شاہ جو نارووال (پنجاب) کے باشندے تھے درس قرآن مجید دیا کرتے تھے۔ آغا علی شاہ اور اُن کے ہمنواؤں نے اس درس قرآن اور مجالسِ عزاء کی مخالفت شروع کی مگر مرحوم لالن علی دینا نے جو امام باڑے کے بانی تھے اس اچانک اختلاف کو تسلیم نہ کیا یہ بات مستقل اختلاف کا سبب ہوگئی اور آخر کار نصرت علی شاہ کو ۱۸۹۷ء میں قتل کر دیا گیا۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے قدیم جگہ کو ترک کر کے جناب لالن علی دنیا، جناب غلام حسین چاگلا، جناب عبداللہ جاگن اور تھادر تھاریانی صاحبان نے جو اسماعیلیہ جماعت ترک کر کے اثناء عشری جماعت میں آچکے تھے موجودہ امام باڑے کی جگہ خریدی اور ۱۸۷۸ء میں اُس پر ایک عمارت کا

سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ چند سال بعد زلزلہ کی وجہ سے یہ عمارت گرا کر تقریباً ۱۹۱۵ء میں موجودہ عمارت تعمیر ہوئی۔

جب ضروریات میں اضافہ ہوا تو ملحقہ ایک مکان اس عمارت میں شامل کیا گیا جس کے بعد اس امام باڑے کی وہ صورت ہوئی جو آج نظر آتی ہے اور جو اب کراچی کی عظیم ترین مجالس کا مرکز ہے۔

علامہ صاحب کا بچپن اسی علاقے کی گلیوں میں گزرا۔ یہیں مولانا جوہر صاحب مجالس و محافل پڑھا کرتے تھے۔ یہیں سے تابوت کمیٹی اور محمدی ویلفیئر سوسائٹی کی مجالس تفاسیر مقبول ہوئیں اور یہیں سے بارگاہِ ابوالفضل العباسؑ میں پہلا عشرہ پڑھا۔

یہاں علامہ صاحب نے جو عشرے پڑھے ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۹۷۶ء	نور و کتاب	بڑا امام باڑہ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	قرآن اور آلِ محمدؐ	محفل شہدائے کربلا، کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۸۴ء	دین کے تقاضے	بڑا امام باڑہ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۸۹ء	دین کے تقاضے	بڑا امام باڑہ کھارادر	عشرۂ اوّل

محفل شاہِ خراسان کے عشرے

محمد علی جمانی مرحوم کی قائم کردہ یہ محفل جس کو حبیب خاندان کی خدمت کا بھی تسلسل حاصل رہا ہے اس میں کیسی شاندار مجالس ہوتی تھیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد نیوٹاؤن کی نئی آبادی میں یہ محفل قائم ہوئی اور عزاخانہ کے علاوہ ایک چھوٹی مگر خوبصورت مسجد اس کے ساتھ تعمیر ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ مرکز وسیع ہوتا گیا اور اس میں قاسم علی ہال بھی ہو گیا جہاں آج تک وہ ضریحیں رکھی ہوئی ہیں جو حبیب کسارے والا خاندان جنت البقیع میں چڑھانا چاہتا تھا۔ اس محفل کا شفاف فرش اس کے صاف ستھرے ایوان اور صحن اس کا باقاعدہ انتظام وقت کی پابندی ولادت وشہادت آئمہ معصومینؑ کی محافل ومجالس تقسیم طعام وکتب یہ سب چیزیں قابلِ دید ہیں۔

دولت مند ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر حبیب خاندان کے افراد نے اپنی دولت کو جس سلیقے

سے مذہبی مراسم کے لیے صَرف کیا وہ قابلِ تحسین ہے کارکن ہر ادارے میں ہوتے ہیں مگر حسین علی جمانی اور سرفراز علی جمانی ایسے کارکن جو محفلِ خراسان کو حاصل ہوئے قابلِ تقلید ہیں۔

اس محفل میں علامہ رشید ترابی نے سب سے پہلے بڑی مجالس میں خطاب شروع کیا اور عرصے تک یہ محفل اُن کی شہرت کا مرکز رہی۔ خطیب اعظم مولانا سیّد محمد صاحب قبلہ دہلوی، مولانا سیّد علی جعفری ایم اے صدر الافاضل اور مولانا اظہر حسن زیدی اور دوسرے مشاہیر ذاکرین کے عشرے اس محفل میں یادگار ہیں متفرق مجالس میں پاکستان اور ہندوستان کے اکثر علماء اور خطیب بیان کرتے رہے ہیں۔ علامہ صاحب نے جو عشرے یہاں پڑھے ان میں سے چند کی تفصیلات یہ ہیں:

۱۹۷۷ء	قرآن اور آیاتِ بینات	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۴ء	ذکرِ معصوم	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۶ء	اتباعِ ہدایت	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۷ء	کتاب اور اتمامِ نعمت	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۹ء	قرآن اور اتمامِ نعمت	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۹۰ء	امرِ الٰہی اور صاحبِ امر	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۲۰۰۳ء	حیاتِ انسانی اور قرآنی ضابطہ	محفلِ شاہِ خرسان	عشرۂ اوّل

انچولی اور اسلامک ریسرچ سینٹر کے عشرے

یہ عشرے خیر العمل ٹرسٹ اور انجمن الذوالفقار کی جانب سے منعقد ہوئے۔ بعد میں انجمن الذوالفقار نے انفرادی طور پر بھی ۱۰ عشرے کیے۔

۱۹۹۹ء		امام بارگاہ شہدائے کربلا، انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۰۶	دعوتِ اسلام	اسلامک ریسرچ سینٹر	عشرۂ اوّل
۲۰۰۸ء	صراطِ مستقیم اور اتمامِ نعمت	اسلامک ریسرچ سینٹر	عشرۂ اوّل
۲۰۰۸ء		امام بارگاہ شہدائے، انچولی	عشرۂ اوّل

۲۰۰۹ء	حیاتِ ظاہری اور لقائے الٰہی	امام بارگاہ شہدائے کربلا، انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۱۰ء	وحیٔ الٰہی اور بنی آدم	امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۱۲ء	نظامِ نبوت اور قرآن	امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی	عشرۂ اوّل

حسینیہ ایرانیان کے عشرے

یہ عزاداری کے اکثر بڑے جلوسوں کی آخری منزل ہے یہ عظیم مجالس ومحافل کا مرکز ہے اور دیگر تقاریب مذہبی کے لئے بھی مشہور ہے۔

نگری گراؤنڈ جو اب محمد علی پارک کہلاتا ہے اور کبھی اچل سنگھ پارک کہلاتا تھا اُس سے متصل یہ عمارت قیامِ پاکستان سے عزائے حسینؑ کا عظیم مرکز ہے اور اگرچہ تمام ایرانی اور مقامی باشندوں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے لیکن آقائے میرزا مہدی پویا کا نام ہمیشہ اس کے ساتھ زندہ رہے گا جن کی خاموش قیادت اور مساعی نے وہ روایات قائم کی ہیں جو آج تک زندہ نظر آرہی ہیں۔ اصل عمارت دوگنی ہو چکی ہے اور یہ ہال اب بیس ہزار حاضرین کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اس کے صحن اور جوار میں ہزاروں عزادار جمع ہوتے ہیں جن کی تعداد بعض ایام میں دو لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔

حسینیہ ایرانیان کے ساتھ ہی اس کے مخلص کارکن جناب سیف شادانی کا تصور ذہن میں آتا ہے جن کی شب و روز کی خدمت اور انتظامات مثالی بن گئے ہیں۔

اس حسینیہ میں آقائے پویا کی عالمانہ تقاریر کے علاوہ جو آپ اپنی نظیر ہوتی تھیں۔ علامہ رشید ترابی اور دیگر مشاہیر خطاب فرماتے رہے۔ ایرانی مجالس اور ماتم بھی اس کی خصوصیات میں سے تھا اور جس شیرینی سے ایرانی مومنین تقسیم طعام، چائے اور فاقہ شکنی وغیرہ کرتے تھے۔

علامہ صاحب نے یہاں جن عشروں سے خطاب فرمایا ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۹۹۵ء	کتابِ ہدایت	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۱۹۹۶ء	اصولِ دین اور قرآن	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۱۹۹۷ء	نعمتِ الٰہی	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل

۱۹۹۹ء	سبیل الٰہی	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۲۰۰۰ء	نصرت اور دین الٰہی	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۲۰۰۷ء	علم و ہدایت	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۲۰۰۹ء	کتاب و عترت	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل

سید احمد حسن مرحوم کا عشرۂ صفر

سید احمد حسن مرحوم کریم آباد کے سامنے فیڈرل بی ایریا میں رہتے تھے۔ یکم سے دس صفر تک ان کا عشرہ نے حد مقبول تھا جس سے کئی برس مولانا محمد بشیر انصاری نے خطاب فرمایا۔ علامہ صاحب نے یہاں جو عشرے پڑھے ان میں سے دو کی اطلاع مجھے ہو سکی۔ عشرہ ۹ بجے رات کا تھا۔

۱۹۷۶ء	منصب ہدایت اور قرآن	مکان سید احمد حسن، فیڈرل بی ایریا
۱۹۷۷ء	خیبر	مکان سید احمد حسن، فیڈرل بی ایریا

مرزا فتحیاب صاحب مرحوم کا عشرہ

ناظم آباد، کراچی میں غالب لائبریری سے متصل سڑک پر، داہنے جانب مرزا فتحیاب صاحب مرحوم کا مکان تھا۔ جہاں ۱۵ سے ۲۴ محرم تک امام زین العابدینؑ کی یاد میں عشرہ منعقد ہوتا تھا۔ ۲۵ رمحرم کو آخری مجلس الگ سے ہوتی تھی۔ عشرے کا وقت ساڑھے ۸ بجے شب تھا۔ اس عشرے کی آخری مجلس میں جلوس برآمد ہوتا تھا جو مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد پر اختتام پذیر ہوتا تھا۔ مولانا محمد بشیر انصاری مرحوم نے برسوں یہ عشرہ پڑھا۔ ایک سال مولانا سید علی نقی نقوی لکھنؤ سے تشریف لائے وہ عشرہ بھی یادگار رہا تھا۔ کچھ عرصے بعد یہ عشرہ خمسے میں تبدیل ہو گیا اور آخر میں تین مجالس رہ گئیں تھیں۔ ان مجلسوں میں لوگ بہت چاہت کے ساتھ ذکر سید سجادؑ سننے تشریف لاتے تھے۔ ان یادگار مجالس کے آخری چار یا پانچ برسوں میں علامہ صاحب نے مجالس پڑھیں۔

ہندوستان کا ایک سفر اور جمیل مظہری سے ملاقات

علامہ صاحب ۱۹۸۰ء کے اوائل میں بہار (ہندوستان) گئے تھے جہاں ایک مجلس سے خطاب فرمایا۔ مجلس توحید کے موضوع پر تھی۔ اس مجلس میں اکابرین شہر کے ساتھ ساتھ جمیل مظہری بھی موجود تھے۔

اس دوران جمیل مظہری سے متعدد نشستیں ہوئیں۔ علامہ صاحب نے ان کی مشہور غزل ''بقدرِ پیمانۂ تخیل سُرور ہر دل میں ہے خودی کا''۔۔۔ کی زمین میں اپنی غزل سنائی تو بہت خوش ہوئے اور تعریف کی اور کہا کہ آپ نے اس زمین میں اضافے کیے ہیں۔

غالباً ان ہی اشعار کا ذکر ڈاکٹر محمد رضا کاظمی سے اپنے ایک خط میں یوں کیا ہے:

''طالب سلمہ، کا کلام سننے کے بعد اب تو اور بھی یہ جی چاہتا ہے کہ مر جاؤں۔ جیوں گا تو بچوں کے ہاتھوں پگڑی سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔''

(کائنات، جمیل مظہری نمبر، اپریل تا جون ۱۹۸۲ء، ص ۵۳۱، عالمی ادارہ سفینۃ الہدایہ، مرزا پور)

ہندوستان کے سفر

حیدر آباد دکن میں شہادتِ فاطمہ زہراؑ کی مجالس کے لیے بلائے گئے۔ ان مجالس کا سال مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس میں شہادت جناب سیدہؑ کی تین روزہ مجالس منعقدہ یکم تا ۳ جمادی الثانی پر خطاب کے لیے دکن بلائے گئے۔ یہ مجالس عزا خانہ زہراؑ میں ہوئیں اور تاریخی مجمع اُمنڈ آیا جس نظیر دکن کی تاریخِ عزاداری میں مشکل سے ملے گی۔ اس سفر میں عمائدینِ شہر نے خصوصی ملاقاتیں کیں۔ شاہی خاندان کے افراد نے وہ تصویر بھی دکھائی جس میں علامہ صاحب نظام دکن میر عثمان علی خان کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے اور ساتھ ہی مولانا جوہر صاحب تشریف فرما تھے۔ کاش یہ تصویر مل جاتی تو اس کتاب میں شائع ہوتی لیکن ممکن ہے کہ نظامِ دکن کے باقی ماندہ نوادرات میں یہ تصویر محفوظ ہو اور کوئی محقق بعد میں تلاش کر کے شائع کر دے۔

نظام دکن کے خاندان کے بعض معمر افراد محبت میں چلغوزے لے کر آئے اور کہا حضور

تناول فرمائیں۔ امام سجادؑ سے منسوب ایک زنجیر جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ حالتِ اسیری میں آپ پہنے تھے، اس کا ایک حصّہ جو شاہی خزانے میں تھا اس کی زیارت کرائی گئی اور اسے تبرکاً اُن کی کلائی میں کچھ دیر کے لیے باندھا گیا۔ شہید یار جنگ کی ڈیوڑھی میں امام سجادؑ کا جامہ مبارک تھا اس کی زیارت کرائی گئی۔ دکن کے سارے عاشور خانے اور آثارِ قدیمہ دیکھے۔ شہر بھر کے علماء جن میں مولانا جوہر کے شاگرد مولانا تقی حسن وفا مرحوم بھی تھے۔ سب نے ملاقاتیں کیں۔

۱۹۹۷ء میں بجھر ضلع اعظم گڑھ میں تین روزہ مجالس کا اہتمام کیا گیا۔ ایک مجلس علامہ صاحب کے لیے مقرر تھی۔ باقی سے مولانا ذیشان حیدر جوادی اور دیگر خطباء نے خطاب کیا۔ علامہ صاحب کا ہندوستان میں یہ طویل عرصے بعد اُن کا سفر تھا۔ ہندوستان کے مختلف شہروں سے باذوق سامعین اعظم گڑھ پہنچے تھے۔ وہ اعظم گڑھ سے مجلس خطاب کرنے کے بعد اپنے وطن حسین گنج (بہار) گئے اور وہاں سے واپسی میں لکھنؤ آئے۔ انھوں نے لکھنؤ میں تین دن قیام کیا۔ اسی دوران مدرسۃ الواعظین (لکھنؤ) کا دورہ بھی کیا تھا جہاں انھیں مرزا ہادی رسوا کی ''تحفۂ سنیہ'' دیکھنے کا اشتیاق تھا جو دنیا کا واحد نسخہ تھا۔

مولانا معصوم رضا اس وقت مدرسۃ الواعظین سے نکلنے والے ماہنامہ ''الواعظ'' کے مدیر مسئول بھی تھے اور مدرسہ کی لائبریری کے نگراں بھی۔ علامہ صاحب نے اسی دوران مولانا معصوم رضا کو اشارے سے بلایا اور کہا:

میں ''مرزا محمد ہادی رسوا کی کتاب ''تحفۂ سنیہ'' دیکھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰ حسین فاضل نے مطلع انوار میں اس کے قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے کہ اس کی ۱۵ جلدیں ہیں اور وہ مدرسۃ الواعظین کی لائبریری میں ہیں یہ کتاب مرزا محمد ہادی رسوا نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب ''تحفہ اثنا عشری'' کے جواب میں تحریر کی تھی۔ مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے ''مقالات عبدالماجد'' میں مرزا محمد ہادی رسوا کے معتدل اور خوشگوار اسلوب کی تعریف کی ہے۔''

مولانا معصوم رضا نے کہا کے قبلہ میں معذرت خواہ ہوں قلمی نسخوں والی الماریوں کی

چابیاں راجہ صاحب کے پاس ہیں۔ان کا اشارہ بانی پاکستان راجہ صاحب محمود آباد راجہ امیر احمد خاں مرحوم کے فرزند راجہ امیر محمد خاں عرف سلیمان میاں کی طرف تھا۔ جو فی الوقت مدرسۃ الواعظین کے سربراہ ہیں۔ علامہ صاحب نے کچھ اور کتابیں اور رسالے دیکھے۔

کتب خانۂ ناصریہ میں علامہ صاحب سے ملاقات کے لئے صاحب "مہذب اللغات" سیّد محمد میرزا مہذب لکھنوی کے فرزند میرزا مجرب لکھنوی تشریف لائے علامہ صاحب نے ان سے مہذب اللغات کی ۱۴ جلدیں منگوائیں تھیں اس لغت کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے علامہ صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ اردو کا سب سے معتبر لغت ہے۔

اس میں تقریباً ایک لاکھ الفاظ ہیں اور یہ ۷ ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اس لغت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر الفاظ کے معنی کی تفہیم کلاسیکل شعراء کے اتحاد کے ذریعہ کی گئی ہے اس لغت میں تقریباً ۶۰ ہزار اشعار ہیں جنھیں مہذب لکھنوی نے الفاظ کی تفہیم میں بطور تمثیل پیش کیا ہے اس موقع پر انھوں نے ضمناً نسیم امروہوی کی لغت "نسیم اللغات" کا بھی تذکرہ کیا اور کہا اس میں بھی یہی طریقہ استفہام اختیار کیا گیا ہے الفاظ کی تفہیم اشعار اور محاوروں کے ذریعے کی گئی ہے۔

علامہ طالب جوہری آخری بار جون ۲۰۰۹ء میں ہندوستان علامہ عقیل الغروی کے والدِ محترم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید سبط حسن رضوی المعروف قائم حسین نجفی طاب ثراہ کے چالیسویں کی مجلس سے خطاب کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔وہاں بنارس اور دہلی میں مجلس پڑھی اور جامعہ ملی دہلی میں ان کے اعزاز میں ایک تقریب بھی کی گئی تھی۔

بیماریوں کے حملے

علامہ صاحب پوری زندگی منبرِ حسینؑ سے مخلص رہے۔ انھوں نے اپنی خطابت کو چمکانے کے لیے جو ریاضت کی تھی اس کی مثال لانا مشکل ہے۔ پھر دورانِ تقریر ان کی آواز گلے سے نہیں بلکہ سینے سے نکلتی تھی اور وہ لہجے کے زیر و بم کے ساتھ مکمل طاقت سے مجلس پڑھا کرتے تھے۔ جس کے لیے جسم کے ساتھ ساتھ دماغ کی توانائی کی بھی اشد

ضرورت ہے۔ مطالعے کی کثرت، تفکرات کا دباؤ، اہم ترین ذمہ داریوں کی بجا آوری غرض یہ کہ ان ہی کے سبب دماغ پر کافی زور پڑتا تھا جس کے سبب ۲۰۰۴ء میں اسٹوک ہوا اور معالجے کے لیے امریکہ گئے۔ وہاں دو مہینے سے زیادہ عرصہ قیام رہا اور شفایابی کے بعد پہلی مجلس امریکہ ہی میں پڑھی۔ اس کے بعد ۲۰۱۶ء میں دوبارہ اسٹوک ہوا جس نے ۲۰۱۸ء کے شدید ترین اسٹوک کے لیے راہ ہموار کی۔ جب ۲۰۲۰ء میں مرض کی شدت بڑھی اور ان کے دماغ کی عکس بندی کی گئی تو ڈاکٹر نے کہا کہ کثرتِ تفکرات کے سبب دماغ کی رگوں میں اتنا اُلجھاؤ ہے کہ ۸۰ برس کی عمر ہونے کے باوجود ۹۰ برس کا دماغ ہے۔ ۱۸ صفر ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۱۹ء کے اسٹوک کے بعد طبیعت ناساز ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ان کے اس دنیا سے جانے کی راہ ہموار ہوگئی۔

پانچ برس بعد یادگار مجلس

طویل علالت کے بعد جب تندرسی کے آثار دیکھے اور علامہ صاحب نے خود محسوس کیا کہ اب وہ مجلس پڑھ سکتے ہیں تو ۴؍اپریل ۲۰۱۹ء میں ۲۷؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ کی تاریخ مخصوص کی گئی اور اعلان ہوگیا کہ علامہ صاحب امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی میں مجلس سے خطاب کریں گے۔ میں اس دوران سفرِ عراق پر تھا اور میں نے وہ مجلس براہِ راست موبائل پر سنی تھی۔ ایک جمِ غفیر تھا جو ٹوٹ پڑا تھا۔ پورے امام باڑے میں تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ علمائے کرام منبر کے اردگرد تشریف فرما تھے۔ لوگ اس روز علامہ صاحب کو سننے کم دیکھنے کے لیے زیادہ آئے تھے۔ وہ منبر پر آئے، خطبہ پڑھا، سرنامے کی آیت اتنی طویل پڑھی کہ وہیں سے داد و تحسین کا شور بلند ہوگیا۔ خطبہ تمام کرنے کے بعد ابتدائی جملے کہے:

''عزیزانِ محترم ایک طویل عرصے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اس دوران جو میں حاضر نہ ہوسکا اس دوران مجھ پر مختلف قسم کی زحمتیں گزریں مختلف قسم کے آزار آئے، مختلف مسائل سے میں آشنا ہوا لیکن اس کے باوجود میں قسم کھا کر آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی میں اتنے آزار اور اتنی مصیبتوں کے باوجود

کبھی عقل و ہوش پر شبہ نہیں ہوا اور کسی وقت بھی ہذیان۔۔۔۔‘‘

ایک خطیب کے لیے دو سیکنڈ کی داد بھی بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن علامہ صاحب کو ان یادگار جملوں پر بلا مبالغہ ڈیڑھ منٹ تک فلک شگاف داد ملی۔ اس کے بعد پوری دلجمعی اور انہماک کے ساتھ مجلس پڑھی اور سفرِ امام حسینؑ کے مصائب پر مجلس کا اختتام ہوا۔ یہ مجلس علامہ صاحب کی یادگار مجالس میں سے ایک تھی۔

المحسن ہال میں شبوں کی مجالس

اسی برس ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء میں ماہِ رمضان کی ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ ویں تاریخ کو شہادت حضرت علیؑ کی یادگار مجالس پڑھیں۔ جس کے بعد لوگوں کو لگا کہ اب شاید علامہ صاحب اسی آب و تاب سے ماہِ محرم کے عشرۂ اوّل میں بھی منبر کو رونق بخشیں گے اس لیے کہ لوگوں کے کان آپ کے علم افروز بیانات کو سننے کے لیے ترس گئے تھے اور وہ آپ کو اسی آب و تاب کے ساتھ منبر پر دیکھنا چاہتے تھے۔

ماہِ محرم کے عشرے کا اعلان

ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ میں علامہ صاحب کے ۱۴۴۱ھ کے عشرۂ مجلس کا اعلان ہو گیا۔ یہ مجالس المحسن ہال میں منعقد ہونی تھیں۔ پہلی محرم کی مجلس پڑھی۔ مجمع کثیر تعداد میں موجود تھا۔ اسی دن طبیعت کی خرابی کے سبب ہسپتال میں داخل کیے گئے۔ اس کے بعد ۷، ۸ اور ۹ محرم کو مجالس پڑھیں یہ اُن کا آخری عشرہ تھا۔

اربعین کی تین مجالس اور زندگی کی آخری مجلس

صفر، ۱۴۴۱ھ کی ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ تاریخ کی مجالس کا اہتمام امام بارگاہِ آلِ عبا، گلبرگ میں کیا گیا۔ علامہ صاحب نے ۱۷ اور ۱۸ کی مجلس خوب خوب پڑھی لوگ ورطۂ حیرت میں تھے کہ اتنی بیماری کے باوجود اتنی استقامت اور اعتماد کے ساتھ کامیاب مجالس ہوئیں۔ اس کا سبب ذکرِ امام حسینؑ سے اُن کا اخلاص تھا۔ شاید وہ منبر ہی پر واصل بحق ہونا چاہتے تھے اور اُن کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی۔

طبیعت کی خرابی

۱۸ رصفر کی مجلس پڑھ کر گھر تشریف لائے تو دماغ میں خون کی رکاوٹ کے سبب اسٹوک کا حملہ ہوا۔ بے ہوشی کے عالم میں اسپتال منتقل کیا گیا اس کے دو دن بعد گھر آ گئے طبیعت قدرے بہتر تھی کہ اچانک دوبارہ دماغ کی رگ پر حملہ ہوا تو علاج میں تیزی آ گئی۔ اس کے بعد دن بدن نقاہت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اولادوں نے خدمت میں کسی طرح کی کمی نہیں چھوڑی۔ ہر طرح کا علاج چاہے ماڈی ہو یا روحانی، کوششیں جاری رہیں، میری اُن سے آخری ملاقات یکم شوال ۱۴۴۱ھ کو ہوئی تھی وہ عام طور پر طویل نشستوں کے عادی تھے لیکن اس روز جلدی نشست برخاست کی اور کہا کہ ''بس اب میں تھک گیا ہوں۔'' اس کے بعد اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ دن بہ دن طبیعت بگڑتی چلی گئی یہاں تک کہ ۱۳ر جون کو مزاج میں نقاہت اور کمزوری کے سبب فوری طور پر ہسپتال منتقل کیے گئے۔ ایک طرف کورونا کا خوف کیوں کہ اس وقت ہر ہسپتال میں داخل کیا جانے والا مریض اِس موذی مرض کا شکار ہو رہا تھا اور علامہ صاحب کی صحت اس کی متقاضی نہ تھی۔

ہسپتال میں داخلہ اور حالت کی خرابی

۱۳ رجون کو سینے میں انفکشن اور گردوں کی کمزوری کے باعث حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ سانس لینے میں دشواری تھی۔ ہسپتال کے عملے نے کورونا کے وارڈ میں منتقل کیا اور انتہائی سنجیدہ اور نگہداشت کے کمرے میں رکھے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر نے اسی وقت جواب دے دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ نو دن تک حیات رہے۔ ان کی طبیعت کی خرابی کی خبر سن کر پوری دنیا میں ایک ہلچل مچ گئی اور قوم اپنے عظیم محسن کے لیے سراپا دعا ہو گئی۔ ہر مسجد اور ہر مجلس میں ان کی صحت کی دعائیں کی گئیں۔ شعراء نے نظموں کے ذریعے دعائیں کیں، علماء نے دعائے صحت کے پیغامات جاری کیے، کچھ بدبختوں کو ان کی زندگی گوارا نہ تھی اس لیے ان کے انتقال کی خبریں بھی بار بار نشر ہوئیں اور عقیدت منداس غلط فہمی کو دور کرتے رہے۔ بعض نادان عقیدت مند پھر بھی متفکر رہے کہ حقیقت کیا ہے۔ مجھے

ہسپتال میں داخل ہونے کے ایک دن بعد خبر ملی اسی وقت اسپتال گیا۔ اعزا سے ملاقات ہوئی ہر شب مخصوصین کا حلقہ بنا رہتا تھا اور رات گئے تک علامہ صاحب کے فضائل و کمالات کا بیان ہوتا تھا۔

ڈاکٹروں کی جانب سے انتہائی نگہداشت کے سبب ملاقات پر پابندی تھی۔ایک دن مولانا اسدرضا جوہری اور مولانا امجد رضا جوہری ان کے کمرے میں ملاقات کے لیے گئے اور ان کے سرہانے دعائے عدیلہ پڑھی گئی تو امام زمانہؑ کے تذکرے پر علامہ صاحب نے سر کو جھکا کر سلام کیا۔ مولانا امجد رضا جوہری نے آئمہؑ کے اسمائے گرامی کا ورد کیا تو ہر نام پر لبوں کو جنبش ہوتی تھی گویا وہ درود پڑھ رہے تھے اور امام زمانہؑ کے نام آنے پر سر جھکا کر سلام کیا۔ اس وقت وہ شدید کرب کی حالت میں تھے اور نزع کا وقت بھی شروع ہو چکا تھا۔ انسان واقعی اپنے رہنماؤں سے مخلص ہو تو وہ شدید ترین وقت میں بھی انہیں فراموش نہیں کرتا علامہ صاحب کی تو پوری زندگی ان کی خدمت میں بسر ہوئی تھی۔

ایسا لگتا ہے کہ انتقال سے پہلے ان کی چشم بصیرت وا ہو گئی تھی اور برزخ کے مناظر کو دیکھ رہے تھے کیونکہ کچھ واقعات ایسے ہیں جن سے اس بات کو تقویت ملتی ہے جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔

وفات حسرت آیات

۲۱ رجون ۲۰۲۰ء کا دن پوری قوم کے لیے منحوس ترین دن ثابت ہوا۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ یہی دن سال کا طویل ترین دن بھی ہے اور دنیا بھر میں یوم پدر کے طور پر منایا جاتا ہے۔ شام کو میری مجلس تھی۔ دوپہر میں مولانا اسدرضا جوہری سے گفتگو ہوئی انھوں نے بتایا کہ طبیعت بہت زیادہ خراب ہوتی جارہی ہے۔ میں نے کہا مجلس پڑھتے ہی ہسپتال آجاؤں گا۔ وعدے کے بعد مطابق پہنچا۔ مغربین کی نماز وہیں ادا ہوئی۔ علامہ صاحب کی شخصیت گفتگو کا عنوان تھی۔ دوسری جانب تقدیر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اس رات دنیا کا عظیم ترین عالم، مجتہد، خطیب، شاعر، فلسفی، مدرس، جلیل القدر انسان ہم سے جدا ہو جائے۔ رات پونے ایک بجے انتقال کی خبر آئی۔ لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ خبر آگ کی طرح پوری دنیا میں

پھیل گئی۔ کسی کو یقین نہیں آیا تھا کہ واقعی علامہ صاحب سب کو روتا چھوڑ کر چلے گئے۔ جسدِ مبارک امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی لایا گیا۔ مومنین بڑی تعداد میں پہلے ہی موجود تھے۔ علامہ صاحب کو جب ایمبولینس سے باہر لایا گیا تو دوسری جانب شدید ماتم اور گریہ کے شور میں نوحہ شروع ہوا۔ ''رن کو جاتے ہوئے سر جھکائے ہوئے شہ نے رو کر کہا الوداع الوداع'' مومنین میں کہرام تھا۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ شیعہ قوم پر سوگ کے بادل چھا گئے تھے۔ رات گئے قبر کا تعین کیا جاتا رہا۔ امام باڑے میں تدفین نہ کرنے کی وصیت تھی۔ سخی حسن کے قبرستان میں مولانا مصطفی جوہر کے پہلو میں دفن کرنا خطرے سے خالی نہ تھا اور وہاں تدفین سے اہانتِ قبر کا خدشہ تھا۔ علامہ صاحب کی اولادوں کے مشورے پر انہی کے بنا کردہ مدرسہ واقع رضویہ سوسائٹی فیز II میں تدفین کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۲/ جون کا سورج طلوع ہوا۔ انچولی کے امروہہ گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ کی تیاریاں جاری تھیں۔ مومنین جوق در جوق آرہے تھے۔

غسل و کفن اور نمازِ جنازہ

علامہ صاحب کی آخری رسومات میں ہر طرح کے شرعی پہلو کو ملحوظ رکھا گیا۔ ان کی صحبت سے مستفید ہونے والے مستند اور خوش عقیدہ علماء غسل و کفن میں شریک ہوئے۔ مولانا اسد جوہری، مولانا امجد جوہری، مولانا ریاض جوہری، مولانا غلام رضا روحانی، مولانا مصطفی وکیل، مولانا مجتبیٰ حسن جیوانی اور مولانا ساجد وکیل، مولانا محمد عرفان، سجاد کمالیا اور عباس ویرانی شریکِ غسل ہوئے اور ہر مستحبات و واجبات کا خیال کرتے ہوئے بہت اہتمام سے غسل دیا گیا۔ تغسیل و تکفین کے بعد غسل خانے ہی میں چند نوحے پڑھے گئے جن سے کہرام مچ گیا۔ باہر مومنین منتظر تھے کہ کب جنازہ باہر آئے۔ انجمن شباب المومنین نوحہ خوانی کے لیے حاضر تھی۔ علامہ صاحب کے اعزا نے میری تجویز کو پسند فرمایا کہ جنازے پر علمائے عراق و ایران کی روایت کے مطابق عمامہ رکھا جائے اور جنازہ حضرت عباسؑ کے علم کے سائے میں مدفن تک جائے اور وہی ہوا۔ جب جنازہ غسل خانے سے باہر آیا تو ماتم کی آوازوں سے پوری فضا سوگوار تھی۔ امام حسینؑ کی حضرت زینبؑ سے رخصت سے متعلق

نوحہ تھا جس پر کلیجے منہ کو آرہے تھے۔ یقین نہیں تھا کہ واقعی یہ علامہ صاحب کا جنازہ ہے۔ جنازہ پہلے امام بارگاہ شہدائے کربلا کی شبیہ روضہ امام حسینؑ میں لایا گیا اس کے بعد امروہہ گراؤنڈ انچولی پہنچا جہاں ہزاروں کی تعداد میں مومنین موجود تھے۔ ورثا کی جانب سے تجویز ہوئی کہ نماز جنازہ مولانا مصطفیٰ وکیل پڑھائیں گے۔ آگے کی صف میں علماء تھے ان کے پیچھے مومنین کا اژدہام تھا۔ نماز جنازہ کے کلمات یہ تھے۔

نماز جنازہ

(پہلی تکبیر) اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْراً وَّ نَذِيْراً بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ وَ اَشْهَدُ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَ الْاَئِمَّةَ الْمَعْصُوْمِيْنَ حُجَجُ اللهِ

(دوسری تکبیر) اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ ارْحَمْ مُحَمَّداً وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَاَفْضَلِ مَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ وَ تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ صَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ جَمِيْعِ عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ

(تیسری تکبیر) اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ اَلْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَ الْاَمْوَاتِ تَابِعْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ بِالْخَيْرَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(چوتھی تکبیر) اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْمُسَجّٰى قُدَّامَنَا عَبْدُكَ وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ اَمَتِكَ نَزَلَ بِكَ وَ اَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اِلَّا خَيْراً وَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ

مِنَّا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِناً فَزِدْ فِي اِحْسَانِهٖ وَاِنْ كَانَ مُسِيئاً فَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَاغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ فِي اَعْلٰى عِلِّيِّينَ وَاخْلُفْ عَلٰى اَهْلِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَارْحَمْهُ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوِلَايَةِ عَلِيٍّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الطَّالِبِيْنَ بِثَارِهٖ مَعَ وَلِيِّهِ الْاِمَامِ الْمُنْتَظَرِ

(پانچویں تکبیر) اَللّٰهُ اَكْبَرُ

فاتحہ

نمازِ جنازہ میں ولایت امیرالمومنینؑ کی گواہی تھی جس نے دنیا بھر کے موالیانِ امیرالمومنینؑ کے دل موہ لیے۔ نمازِ جنازہ کے بعد ہفتوں اس کا تذکرہ رہا اور کئی مومنین نے وصیت کی کہ ان کی نمازِ جنازہ بھی اسی طرح پڑھائی جائے۔ البتہ بعض جہلاء کے کلیجوں پر خنجر بھی چل گئے۔ نمازِ جنازہ کے بعد علامہ صاحب کی مجلسِ شامِ غریباں کے مصائب ان ہی کی آواز میں سنائے گئے۔ جس پر وہ شورِ گریہ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس روز رو رو کر آنکھیں پھٹ بھی جاتیں تو کم تھا۔ لوگوں کو تڑپتے ہوئے دیکھا گیا۔ لوگ علامہ صاحب کی جدائی میں جان کھو رہے تھے۔ قیامت کا منظر تھا۔ شاید اب کسی کے جنازے میں ایسا کہرام نہ مچے۔

تدفین

تدفین کے لیے ان کے مدرسے (واقع نیو رضویہ سوسائٹی، کراچی) کو پسند کیا گیا۔ ایران اور عراق کے علماء کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ اپنے مدرسوں اور کتب خانوں میں بھی دفن ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے علمی طبقے سے اس عمل کو بہت پسند کیا۔ جب جنازہ مدرسے پہنچا تو مومنین کا کثیر مجمع وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ تدفین سے قبل علامہ صاحب کا جنازہ ان کے کتب خانے میں لایا گیا جو اسی مدرسے سے قریب واقع ہے۔ یہی عمل مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی وصیت کے مطابق ان کے جنازے کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ یہ علماء کے راز

ہیں جنہیں وہی بہتر جانتے ہیں۔ علامہ صاحب کا جنازہ مدرسے لایا گیا اس وقت وہاں لاؤڈ اسپیکر سے ان کی مجلس روزِ عاشور کے مصائب کی آواز آرہی تھی۔ اشک بار آنکھوں کے ساتھ قبر میں اُتارا گیا۔ مولانا اسد رضا جوہری نے تلقین کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا امجد رضا جوہری بھی قبر میں موجود تھے۔ علامہ صاحب کی وصیت کے مطابق ان کی جمع کردہ قدیم خاکِ کربلا قبر میں رکھی گئی۔ بعض نادر دعائیں قبر میں پڑھی گئیں۔ اس کے بعد چند نوحے ہوئے جن پر ماتم کیا گیا۔ آخر میں مولانا ریاض جوہری نے سورۂ یسین کی تلاوت کی۔ تدفین کے بعد زیارتِ عاشورہ پڑھی گئی اور سوئم کی مجلس کا اعلان کیا گیا۔

مجلسِ سوئم

۲۵ رجون کو مجلس سوئم امام بارگاہِ شہدائے کربلا انچولی میں منعقد ہوئی۔ مومنین کثیر تعداد میں تھے۔ شہر کا نمائندہ مجمع تھا۔ علماء، شعراء، دانشورانِ ملت بھی تھے۔ سید اسد جہاں نے اپنے مخصوص انداز میں سلام پڑھا۔ اس کے بعد ریحان اعظمی نے بہترین تعزیتی نظم پیش کی۔ مجلس سے تاریخی خطاب مولانا اسد رضا جوہری نے کیا اور یادگار مجلس پڑھی۔ جس میں خدا سے متعلق دہریوں کے عقائد کی تردید میں دلائل پیش کئے گئے اور ساتھ ہی فضائل اہلبیتؑ کا بیان ہوا۔ اس مجلس کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس کے آخری حصے میں جنابِ سیدہؑ کا تذکرہ عجب معجزاتی انداز سے آیا اور آپ نے یہ جملہ کہا کہ منصب کے سبب انسان کی شخصیت اختلافی ہو جاتی ہے اور اختلافی شخصیت کبھی کسی حق بات کے اثبات کے لیے دلیل نہیں بنتی اسی لیے جنابِ سیدہؑ کو نبوت یا امامت کی طرح کوئی منصب نہیں دیا گیا تاکہ وہ میدانِ مباہلہ میں نبوت کی دلیل بنیں اور خلافت میں امامت کی دلیل بنیں۔

مجلس کے بعد کئی دیر نوحہ خوانی و ماتم ہوا۔ غرض یہ کہ یادگار مجلس ہوئی۔

دسویں کی مجلس

دسویں کی مجلس ۲ رجولائی کو علامہ صاحب کے مدرسے میں قبر کے پاس ہوئی اور امام علی رضاؑ کی ولادتِ پُرنور کے سبب اسے جشن میں تبدیل کر دیا گیا۔ مولانا مصطفیٰ وکیل نے خطاب فرمایا۔

بیسویں کی مجلس

۱۱ر جولائی کو بیسویں کی مجلس ہوئی جو اپنی نوعیت کی منفرد مجلس تھی۔ سید یداللہ حیدر نے ایک ہفتے کی مختصر مدت میں علامہ صاحب کا شخصی مرثیہ ''فکر'' کے عنوان پر لکھا۔ سید ضیغم زیدی، نیر اسعدی اور کوثر نقوی نے سلام پڑھے۔ مرثیے پر خوب داد دی گئی اور تاریخی مجلس ہوئی۔ اس مجلس میں پڑھا جانے والا مکمل مرثیہ اس کتاب میں شامل ہے۔

مجلسِ مسالمہ

۱۸ر جولائی کو علامہ صاحب کے مدرسے ہی میں مجلسِ مسالمہ منعقد ہوئی اسے ان کے تیسویں کی مجلس سمجھنا چاہیے۔ علامہ صاحب کے مرثیے بعنوان 'ہدایت' کے مشہور مصرع:

یہ شوق ہے میرا مری پہچان نہیں ہے

پر طبع آزمائی کی گئی۔ اس مسالمے میں مندرجہ ذیل شعرا نے خراج عقیدت پیش کیا:

ڈاکٹر ہلال نقوی، کوثر نقوی، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، سید یداللہ حیدر، نیر اسعدی، عباس حیدر زیدی، ڈاکٹر شاداب احسانی، فراست رضوی، ڈاکٹر ریحان اعظمی، آصف عابدی، آصف رضوی، شاعر حسین شاعر، مظہر عابدی، شجاعت زیدی، سہیل شاہ، میر تکلم، ارتضیٰ جونپوری، ڈاکٹر ندیم نقوی، ظہیر عباس، ڈاکٹر زین اعظمی، سراج حیدر سراج، اریب ہادی اور ذیشان حسن عابدی۔

مجلسِ چہلم

۲۵ر جولائی کو امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی میں مجلس چہلم ہوئی۔ شاد الہ آبادی، اسد آغا اور سہیل شاہ نے سلام پیش کئے اور مولانا امجد رضا جوہری نے خطابت کا حق ادا کیا اور بہترین مجلس پڑھی۔ مجلس کے بعد مختلف انجمنوں نے نوحہ خوانی کے فرائض انجام دیئے۔

اکلوتے بھائی ابوالقاسم جوہری

۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ سن کے اعتبار سے آپ میں اور علامہ

صاحب میں ۱۷ برس کا فرق ہے۔ ۱۹۸۱ء میں انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ میں ملازمت ہوئی اور بتدریج ترقی کے بعد اسی ادارے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

آپ کے ایک فرزند حسن عسکری جوہری اور دو صاحبزادیوں ہیں۔

آپ نے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی خستہ بیاض کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے محفوظ کیا اور بار بار مولانا جوہر کی موجودگی میں اصلاح کرائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مولانائے مرحوم کا بیشتر مذہبی کلام ''محراب'' کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

اولاد

علامہ صاحب نے تین لائق ترین فرزند اور تین صاحبزادیاں چھوڑیں۔ جن میں حسنہ جوہری، صالحہ جوہری اور نرجس جوہری صاحبزادیاں ہیں۔ حسنہ جوہری شاعری بھی کرتی ہیں اور ان کے چند سلام رثائی ادب (کراچی) کے شماروں میں شائع بھی ہوئے ہیں۔

فرزندوں میں مولانا ریاض جوہری، مولانا اسد جوہری اور مولانا امجد جوہری ہیں۔

ریاض جوہری

نام ثاقب رضا، تاریخی نام مسلم رضا لیکن ریاض جوہری کے نام سے پوری دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔ امریکہ میں مختلف شہروں میں مجالس سے خطاب بھی کیا لیکن پاکستان واپسی کے بعد باقاعدہ طور پر ۲۰۰۹ء میں خطابت کا آغاز کیا اور بہت ہی جلد کامیاب ترین مجالس پڑھ کر شہرت حاصل کی۔

۲۰۱۷ء میں پہلی بار نشتر پارک میں شہادتِ جناب سیدہؑ کی مجلس سے خطاب کیا اور اسی سال ۲۱ر رمضان شہادتِ حضرت علیؑ کی مجلس سے خطاب فرمایا اور یادگار مجلس پڑھی۔ ہر سال ماہِ محرم کے پہلے عشرے میں کراچی کے نمائندہ عشروں سے خطاب فرماتے ہیں۔ آپ سے متعلق علامہ صاحب کہا کرتے تھے ''ریاض صاحب خطابت کی طرف دیر سے آئے لیکن آنا تو تھا اس لیے کہ ایک بار مولانا محمد مصطفیٰ جوہر نے انھیں گود میں لے لیا تھا یہ اس کی

برکت کا اثر ہے۔''

آپ نے بڑا امام باڑہ کھارادر، امام باڑہ شاہ نجف مارٹن روڈ اور قصر مسیب کے مرکزی عشروں سے خطاب بھی کیا جو علامہ صاحب بھی پڑھ چکے تھے۔ منطق اور فلسفے کی کچھ کتابیں علامہ صاحب سے پڑھیں لیکن ان کی علالت کے سبب یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔ خطابت کا سفر ہنوز جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

اسد رضا جوہری

نام اسد رضا، تاریخی نام اقدس رضا، ۱۰ راگست ۱۹۷۰ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں مولانا محمد مصطفی جوہر کے علمی بیانات سے کان آشنا رہے۔ جب جوان ہوئے تو تحصیلِ علوم اسلامیہ کے لیے ۱۹۸۷ء میں خود علامہ صاحب انھیں قُم لے گئے۔ اس زمانے میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ غیر ممالک سے جو طلباء تعلیم حاصل کرنے آتے تھے انھیں اصفہان کے نزدیک ایک علاقے نجف آباد میں بھیج دیا جاتا تھا تا کہ ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد علوم اسلامیہ کی طرف آجائیں۔ سات آٹھ مہینے مدرسہ خاتم الانبیاء نجف آباد میں گزارے۔ ۱۹۸۸ء میں پھر قُم آگئے یہ ایران وعراق کی جنگ کا زمانہ تھا وہاں ایک دن چھت پر میزائل کا ٹکڑا گرا جس سے یہ خبر پھیل گئی کہ قُم پر حملہ کر لیا گیا ہے۔ علامہ صاحب تک خبر گئی تو فوراً بذریعہ جہاز قُم آگئے۔ اس کے بعد مشہد تشریف لے گئے وہاں مدرسہ آیت اللہ خوئی میں باقاعدہ علوم کی تحصیل کا آغاز کیا۔ آپ یہاں چھ برس تک رہے یہاں آغائے فہیمی (فلسفہ و منطق)، آغائے محمد رضا بختیاری (فقہ و اصول)، آغائے غلام رضا محمی (شرح لمعہ و دیگر کتب)، مقبرۂ حُر عاملی میں مولانا شبیر نجفی سے ادبیات عرب کا آغاز کیا اور کئی برس ان کے شاگرد رہے ان سے ادبیاتِ عربی کی غیر مروّجہ اور نادر کتابیں پڑھیں جس نے فکری اور ذہنی تربیت میں صیقل کا کام کیا۔ ۱۹۹۶ء تک ایران میں رہے۔

دورانِ طالب علمی مجالس پڑھنا شروع کر دی تھیں اور ان ہی دنوں میں جب کراچی آتے تھے تو متفرق مجالس پڑھا کرتے تھے۔ پہلی مجلس ۱۹۸۹ء میں اپنے نارتھ ناظم آباد والے مکان میں پڑھی۔ پہلا عشرہ ۱۹۹۶ء میں سرپارک چکوال کے امام باڑے میں پڑھا۔

پھر شاہ گردیز ملتان میں کئی سال عشرے پڑھے۔ علم کلام، منطق (ابتدائی کتاب علامہ صاحب سے پڑھی) اور ادبیات عرب ان کے پسندیدہ علوم ہیں۔ مجالس میں توحید، نبوت، امامت وولایت پر علمی نکات خصوصیت سے بیان کرتے ہیں۔ بیرونِ ممالک بھی خطاب کئے۔ ۱۹۹۷ء میں قطر میں پہلے عشرے سے خطاب کرچکے ہیں۔ ایک سال امام بارگاہ علی رضا (شارجہ) میں عشرۂ چہلم پڑھا۔

۱۹۹۵ء میں آیت اللہ سیستانی نے آپ کے سر اپنے ہاتھ سے عمامہ رکھا اور اسی روز آیت اللہ سید مہدی خرسانی نے بھی عمامہ رکھا۔

خطابت کے سفر کو ۲۴ برس ہوچکے ہیں اور تا حال یہ سفر اپنی آب وتاب سے جاری ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔

طبیعت ذوقِ شعر بھی رکھتی ہے چند شعر یہاں درج کئے جارہے ہیں:

اپنے پلنگ پہ تنہا بیٹھا ماضی کی کچھ سوچ لیے
سورج جانے کب ڈوبا کب جانے صبح عید ہوئی

کب سے تھکے ہارے بیٹھے ہو منزل کی امید میں تم
اُٹھ کر دیکھو کشتی اب تو ساحل سے نزدیک ہوئی

امجد رضا جوہری

نام امجد رضا، تاریخی نام فضیلت عابد، یکم جون کو ستر کی دہائی کے اواخر میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت پر مولانا مصطفٰی جوہر نے یہ شعر کہا تھا:

اپنی آمد کا کرشمہ سن رکھو امجد میاں
تم ہوئے پیدا تو جوہر جدِّ امجد ہو گئے

آپ کا بچپن، علامہ صاحب کے عروج کا دور تھا۔ مولانا محمد مصطفٰی جوہر کی آغوشِ علمی سے سرفراز رہے۔ بچپن میں فہمِ قرآن کے پروگراموں میں شرکت کی۔ ۱۹۹۶ء میں حصول علومِ آلِ محمدؐ کے لیے مشہد مقدس تشریف لے گئے۔ آپ کے اساتذہ میں آغائے حجت ہاشمی خراسانی، آغائے محمد رضا بختیاری، آغائے سید علی جوہری، آغائے فہیمی، آغا سید جواد

حسین اور آغائے غلام رضا قمی ہیں۔ فقہ، علم الکلام، منطق، فلسفہ اور علوم العربیہ کی تحصیل کی۔ پانچ برس مدرسہ آیت خوئی اور پانچ برس مدرسہ علمیہ امام علی رضاؑ میں گزارے اس طرح دس برس تک مشہد میں رہے۔

۱۹۹۴ء میں علامہ صاحب سفرِ زیارت پر جا رہے تھے تو اپنا عمامہ نکال کر خود باندھا اور ان کے سر پر رکھا اور کثرت علم کی دعا کی۔ ۱۹۹۶ء میں آیت اللہ باقر شیرازی نے عمامہ رکھا اور ۲۰۱۲ء کے سفرِ زیارت میں نجف اشرف میں آیت اللہ سید مہدی خرسان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی برکت کے لیے ان کے سر پر عمامہ رکھا۔

۲۰۰۵ء میں واپس آ گئے۔ ۱۹۹۹ء میں پہلی مجلس اپنے گھر میں پڑھ کر خطابت کا آغاز کیا۔ پہلا عشرہ ناصر العزا (کوئٹہ) میں پڑھا پھر چکوال میں تین سال عشرہ پڑھا پھر اسلام آباد G-6/2، پھر ۲۰۰۶ء سے لاہور میں آغاز کیا اور پہلا عشرہ مبارک حویلی میں پڑھا۔ امام بارگاہ باب العلم (نشاط کالونی لاہور جس کی بنیاد علامہ صاحب نے رکھی تھی) میں ۹ برس تک عشرہ اوّل پڑھا۔ پانچ برس سے گلشنِ زہراؑ بھیکے وال (لاہور) کے مرکزی عشرے سے خطاب فرما رہے ہیں اور تا حال سفر جاری ہے۔ ۲۰۱۳ء میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ بیٹی کی ولادت پر علامہ صاحب نے نام کے لیے استخارہ کیا تو "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" والی آیت آئی تو راضیہ جوہری نام تجویز کیا۔

حکمت و کلام اور تفسیر قرآن پسندیدہ موضوعات ہیں۔ گھر کی ایک نشست میں راغب مرادآبادی نے ان کے لیے ایک رباعی اور قطعہ کہا:

قطعہ

محترم علامہ طالب جوہری کے ہیں پسر
نامِ نامی آپ کا راغبؔ ہے، امجد جوہری
ان کی آنکھوں میں ذہانت کی ہے کچھ ایسی چمک
مانگتا ہے بھیک جن سے آفتابِ خاوری

۲۶ر جولائی ۲۰۰۰ء

رباعی

خوش بخت ہیں بالیقین جناب امجد
فضلِ ربی سے ہیں، مقیم مشہد
قدموں میں بچھائیں گے ہم ان کے آنکھیں
جب آئیں گے لے کر یہ فضیلت کی سند

۲۶؍جولائی ۲۰۰۰ء



مولانا امجد رضا جوہری کے اجازے

بسم الله الرحمن الرحيم

قد استجازني الفاضل [illegible]
عالم الفضال فضيلة الشيخ
امجد صاحب جوهري نجل
[illegible] خطيب الشهير [illegible] الجوهري
في نقل احاديث المروية عن
الائمة المرضية فقد اجزت له
اجازة عن العلامة الطهراني
[illegible] مشايخنا العظام
الى ائمة الكرام بالسلسلة
المتصلة [illegible] الله الملتقى
وصلى الله على سيدنا محمد
وآله اجمعين
٣ شوال المكرم ١٤٢٦
[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله [illegible]

آیت اللہ محمد رضا بختیاری

تاریخ ۴ شوال ۱۴۲۳

۱۳۸۱/۹/۱۴

بسم الله الرحمن الرحیم

مخفی نماند آنکه جناب مستطاب عمدة الفضلاء
آقای امجد رضا جوهری فرزند علامه طالب
جوهری از محصلین واقعی حوزه علمیه خراسان
هستند و مدتی هم در نزد اینجانب داشتند که
با حضور و تحقیق و تفهم و دقت در نکات شرکت
نمودند امید است در آینده ایشان مانند پدر
بزرگوارشان منشأ نشر علوم و معارف اسلامی
و خدمات تبلیغ و ترویج دین و شریعت بوده باشند و
از هر جهت آینه درخشانی داشته باشند
الاحقر محمد رضا العلوی البختیاری



آیت الله محمد رضا بختیاری

بسمه تعالی شأنه العزیز

الحمد لله رب العالمین وصلی الله علی محمد وآله الطاهرین واللعنة علی اعدائهم اجمعین

وبعد بر شیوه مخفی نیست بر ارباب بصیرت واصحاب شریعت که مایه سعادت و

منشأ نظم امور دنیا و دین حضرت شارع مقدس دو خلیفه رسول اعظم و دو کتاب

صامت و ناطق و دو ثقل اکبر و اصغر است یعنی قرآن مجید و عترت طاهره

و در هر عصری از اعصار و در هر مصری از امصار رجالی بوده که ترویج قرآن و احادیث

اهل بیت نموده و در ترویج و تبلیغ آنها نهایت جدیت را بکار برده و در هدایت

خلق کوشیده و رنجها کشیده و یکی از آنها در این عصر جناب فاضل سامی و طالب واقعی

جناب مستطاب مروج الاحکام آقای امجد رضا جوهری که سالهای متمادی در حوزه

علمیه مشهد مقدس مشغول به تحصیل علم قرآن و حدیث و خوانده در نزد حقیر و سایر علماء

بوده و میباشد و قابل تبلیغ و ترویج گردیده و چون از انا اجازه روایتی خواسته لذا

ایشان را اجازه داده از طرق مشایخ خویش در باب روایت چون حضرت آیة الله العظمی

مرعشی نجفی و آیة الله شیخ محمد رضا کلباسی و غیر آنها و از عده است با ملاحظه کتب

معتبره و معروفه و مناسبه و غیر آنها از تفاسیر قرآن و احادیث ترویج و تبلیغ نماید

با ملاحظه احتیاط فقد ورد و علیه اجره

محمد باقر ... خراسانی

۱۴۲۳ ق

آیت اللہ حجت ہاشمی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وصلواته وسلامه على سيد الكائنات وعلى آله
الطيبين الطاهرين، وبعد فإن من معالي الشرف الانتساب إلى السادة
من آل محمد صلوات الله عليهم بنقل أحاديثهم وتحمل آثارهم والدخول في
سلسلة الرواة ونقل المأثورات عنهم ولذا فإني قد أجزت الأخ الجليل الماجد
النبيل فخر الأماثل والأعاظم ونخبة الفضلاء الأكارم الشيخ أحمد رضا جوهر [illegible]
أن يروي عني ما صحت لي روايته عن مشايخي الكرام والعلماء المحدثين
الأعلام منتهية إلى حجج الملك العلام بطرقي المتعددة التي منها أرويه
عن آية الله العظمى الفقيه الورع السيد صادق الحسيني الشيرازي عن
والده المقدس آية الله العظمى السيد ميرزا مهدي الشيرازي وعن
الفقيه الكبير آية الله العظمى الإمام السيد عبد الهادي الشيرازي
وعن شيخ الإجازات آغا بزرك الطهراني، وعن سيد الإجازات آية
الله العظمى السيد شهاب الدين المرعشي النجفي، ومنها عن طريق آية الله
السيد مرتضى القزويني عن أساتذته ومشايخه الثلاثة وهم العلامة
المحقق سيد العلماء المجاهدين السيد عبد الحسين شرف الدين
العاملي والعلامة الفقيه المتبحر آية الله العظمى السيد محمد هادي
الميلاني والعالم العليم الكبير والمؤلف الشهير آغا بزرك الطهراني عن
مشايخهم وكلها تنتهي إلى العلماء ومشايخ الإجازات المثبتة والطرق
المنتهية إلى الأئمة المعصومين صلوات الله عليهم أجمعين وتفاصيل
الطرق موجودة في كتب الإجازات المعروفة، وأوصيه أيده الله بما أوصاني
به مشايخي وسادتي الأجلاء بالاحتياط والدقة في النقل فإنه سبيل النجاة
وأن لا ينساني من الدعاء.

في مظان الإجابة ٣ شوال المكرم / ١٤٣٦هـ

والحمد لله رب [illegible]



آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری

باب ۔ ۳

فہم قرآن کے تاریخی پروگرام

پاکستان ٹیلی ویژن سے ''فہم قرآن'' کا آغاز ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہوا۔ جنرل ضیاالحق کا زمانہ تھا ان کی خواہش تھی کہ ایک ایسے پروگرام کا اجرا کیا جائے جس میں ایک ماڈرن اسلام کا تاثر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو۔ اسی لیے ان پروگراموں میں بچوں، نوجوانوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی شرکت کو بھی یقینی بنایا گیا۔ اس کا پہلا پروگرام حیدر امام رضوی نے ریکارڈ کیا جس میں مولانا سید محمد رضی مجتہد نے گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد کے سارے پروگرام سید ذوالفقار نقوی نے نشر کیے۔ اُن کا بیان تھا کہ انہوں نے علامہ صاحب کے کُل ۳۷ پروگرام ریکارڈ کیے تھے۔

ایک پروگرام میں علامہ صاحب نے کسی بات کی وضاحت میں میر تقی میر کا یہ شعر پڑھا:

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

حیدر امام رضوی کی علامہ صاحب سے قربت تو تھی ہی اس لیے اپنی تسکین کے لیے انہوں نے اعتراض کیا کہ یہ ''کسو'' نہیں ''کسی'' ہے۔ جس پر بحث ہوگئی اور اگلے پروگرام میں علامہ صاحب کلیاتِ میر کا قدیم ترین نسخہ لے گئے اور ان کی غلط فہمی کو دور کیا۔ آج بھی حیدر امام رضوی کو اس کا اعتراف ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ صاحب کسی بھی بات کے بیان کرنے میں انتہائی محتاط تھے اور اصل متون کو دیکھے بغیر کوئی بات نہیں کہتے تھے۔

ایک دن پروگرام کی ریکارڈنگ کے بعد پی ٹی وی کے دفتر ہی میں تشریف فرما تھے کہ انجینئر دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ تکنیکی خرابی کے سبب ریکارڈ کردہ پروگرام صحیح طرح ریکارڈ نہیں ہو پایا ہے اس لیے دوبارہ ریکارڈنگ کرنا ہوگی۔ علامہ صاحب نے کہا ٹھیک ہے اس بعد اسی موضوع اور اسی آیت پر دوبارہ پروگرام ریکارڈ کرایا لیکن پچھلے پروگرام کا ایک لفظ بھی

اس میں شامل نہیں تھا۔
فہم قرآن کے نشر ہونے کے وقت تمام مکاتب فکر کے علماء اس سے مستفید ہوتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب کو نشتر پارک کے بعد ان ہی پروگراموں سے شہرت ملی اور آپ نے اس کے موضوعات اتنے عام فہم رکھے جن کا تعلق روزمرہ سے ہے اور اس کے بیان میں فلسفہ، منطق، قرآن، احادیث اور روایات سے بحث کی۔ قارئین کی تشفی کے لیے اس کتاب میں پانچ پروگرام پہلی بار شائع کیے جا رہے ہیں تاکہ علامہ صاحب کی قرآن فہمی اور علمِ تفسیر کی صحیح ترجمانی ہو سکے اور اس کو بھی تحقیق کا موضوع بنایا جائے۔

سورۃ الکافرون کی تفسیر

اعوذ باللہ من الشیطن اللعین الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم !الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذی نستطفی۔ اما بعد فقد قال اللہ سبحانہ اللہ و تعالیٰ فی محکم کتابہ المبین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ؕ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۧ

عزیزانِ محترم! سورۃ کافرون کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا۔ آج کی ترتیب کے اعتبار سے یہ سورہ قرآن مجید کا ایک سوتواں سورہ ہے اس سورۃ مبارکہ میں چھ آیتیں ہیں اور ایک خاص قسم کا اعلان ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ اے حبیب کہہ دو، قل یعنی کہہ دو، کیا کہہ دو؟ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ اے کفر اختیار کرنے والو، لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ جس کی تم عبادت کرتے ہو، اُس کی میں عبادت نہیں کرتا۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اُس کی عبادت تم نہیں کرتے، وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ اور جس کی عبادت میں کرنے والا ہوں تم اُس کی عبادت نہیں کرو گے۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ؕ اور جس کی

میں عبادت کرتا ہوں تمھیں اُس کی عبادت سے انکار ہے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

چھ آیتوں کے اس سورۂ مبارکہ میں پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو یہ حکم دیا کہ کافروں تک یہ بات پہنچا دو کہ تمہاری عبادت اور ہے اور میری عبادت اور، قبل اس کے کہ ان جملوں پر ہم غور وفکر سے کام لیں، یہ ضروری ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کی شانِ نزول دیکھی جائے کہ کس سلسلے میں یہ سورہ نازل ہوا۔ لکھا ہے علمائے تفسیر نے کہ پیغمبر اکرم کی تحریک کے زمانے میں آغاز نبوت میں مشرکین کو ابھی یہ یقین نہیں ہوا تھا کہ پیغمبر اپنے اصرار پر اور اپنی شدت پر قائم رہیں گے، تو اکثر و بیشتر سردارانِ قریش اور سردارانِ مکہ جو مشرک تھے وہ بیٹھ کر یہ سوچا کرتے تھے کہ کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ ہم اس شخص کے پیغام سے بھی بچ جائیں اور کسی تصادم کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

ایک وفد بنا جس میں ابوجہل تھا، عاص ابن وائل سہمی تھا، ابولہب تھا، عبدابن ابی یہود تھا، اور دوسرے سردارانِ قریش تھے اس وفد کے اندر، اُس وفد کی تشکیل ہوئی اور اُن سردارانِ مکہ نے آکر پیغمبر اکرم سے یہ کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی منافرت اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو، اس لیے ہماری خواہش یہ ہے کہ کچھ آپ اپنی جگہ سے ہٹیں، کچھ ہم اپنے مقام سے ہٹیں اور کسی تیسری جگہ پر ہم دونوں کا اشتراک ہو جائے، آپ نے تشریح پوچھی کہ بھئی اس جملے کا مطلب کیا ہے؟ تو مشرکینِ مکہ نے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کریں، اس کے جواب میں ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے۔ یہ ہے اس سورۂ مبارکہ کا پس منظر اور اس سورۂ مبارکہ کی شانِ نزول۔

اگر میرے محترم سننے والے قرآنِ مجید کے دوسرے سوروں سے مانوس ہوں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ اس قسم کی ایک بات سورۂ نون والقلم میں بھی ہے، فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ حبیب خبردار تکذیب کرنے

والوں کی اطاعت نہ کرنا، مکذبین کی اطاعت نہ کرنا۔ ان مکذبین کی خواہش یہ ہے تم تھوڑی سی مداھنت کرو، پھر یہ بھی اُس کے مقابلے میں تھوڑی سی مداھنت اختیار کریں گے، یعنی کچھ تم آگے بڑھو، اور کچھ وہ آگے بڑھ کے آجائیں، تم اپنے مکمل اسلام پر قائم رہو اور نہ وہ اپنے مکمل شرک اور کفر کے اوپر قائم رہیں، حبیب خبردار کسی جھوٹی قسم کھانے والے کی اطاعت نہ کرنا۔ مَّهِينٍ جو کم ظرف ہو، اُس کی اطاعت نہ کرنا۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ جو عیب کی تلاش میں رہتا ہو، جو عیب جو ہو اُس کی اطاعت نہ کرنا، جو چغل خور ہو اُس کی اطاعت نہ کرنا، مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ جو انسان کو خیر سے روکے اُس کی اطاعت نہ کرنا، مُعْتَدٍ جو اپنی حد سے آگے بڑھ جائے اُس کی اطاعت نہ کرنا۔ أَثِيمٍ جو گنہگار ہو اُس کی اطاعت نہ کرنا، عُتُلٍّ جو سرکش ہو، حبیب خبردار اُس کی اطاعت نہ کرنا۔ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ اور حبیب جس کے شجرے میں کوئی خرابی ہو خبردار تم اُس کی اطاعت نہ کرنا۔ تو ان آیات کے درمیان میں جو ٹکڑا ہے وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ان کی خواہش یہ ہے کہ کچھ تم آگے بڑھو اور کچھ یہ آگے بڑھیں، تو خبردار حبیب عقیدے پر اور توحید پر کسی قسم کی مصالحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہی حکم اس سورۂ مبارکہ میں دیا گیا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ حبیب کہہ دو اے کافروں، اے کفر اختیار کرنے والوں، نہ میں تمہارے طریقۂ عبادت کو قبول کروں گا، نہ تم میرے طریقۂ عبادت کو قبول کرو گے، نہ میں تمہارے طریقۂ عبادت کو قبول کرتا ہوں، اور نہ تم میرے طریقۂ عبادت کو قبول کرتے ہو۔ تمہارا دین تمہارے پاس رہے اور میرا دین میرے پاس رہے۔

دیکھئے! وہ جو پیغام لے کے آئے تھے مشرکینِ مکہ، وہ پیغام یہ تھا کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کریں، اس کے جواب میں ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے یہ جو مطالبہ ہے مشرکینِ مکہ کا، اس مطالبے نے مشرکینِ مکہ کو ایکسپوز (expose) کر دیا۔ اُنہیں کھول کے سامنے رکھ دیا، وہ اس طریقے سے کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کریں، اس کے جواب میں ہم کیا کریں گے؟ ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے تو اگر مشرکینِ مکہ کو سو فیصد اعتبار ہوتا اپنے بتوں پر اور تو

وہ کبھی اس بات کو قبول نہ کرتے۔ مشرکین مکہ کو اگر سو فیصد اعتبار ہوتا اپنے بتوں پر اور اُن کی طاقت پر، اُن کی توانائیوں پر، اُن کی پشت پناہی پر تو وہ کبھی اس بات کا اقرار نہ کرتے کہ ہم ایک سال آپ کے خدا کی عبادت کریں گے، یہ ایک نفسیاتی رُخ تھا جو مشرکین مکہ کا سامنے آیا، دوسرا نفسیاتی رُخ جو اسی جملے سے نکل کر آ رہا ہے، وہ جملہ یہ ہے کہ عربی زبان کی ایک مثل ہے، المرء یقیس علی نفسہ انسان دوسرے کو اپنے ہی نفس پر قیاس کرتا ہے، یعنی انسان اگر اچھا ہے تو اُس کے دماغ میں جو سامنے والا انسان ہے نا وہ بھی اچھا ہی ہوگا، انسان اگر فطرتاً برا ہے تو دوسرے کے متعلق بھی وہ بُرا ہی سوچے گا۔

اب یہ ایک ایسی منزل آگئی ہے کہ میں چاہوں گا کہ تفسیر کا ایک مرحلہ میرے سُننے والوں کے ذہن میں محفوظ ہو جائے، دیکھیے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا، ان دونوں کو شیطان نے کسی نہ کسی صورت میں ورغلایا۔ یہ ایک مستقل سبجیکٹ (subject) ہے کہ نبی ورغلایا جا سکتا ہے یا نہیں، اس پر بھی میں کسی موقعے پر عرض کروں گا آپ کی خدمت میں، لیکن اتنا ہے فازلھما الشیطان (سورۂ بقرہ آیت: ۳۶) یطان نے اُنہیں ہلا دیا، اب سوال دماغوں میں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ جو مقامِ عصمت پر فائز ہو، وہ شخص جو مرتبہ نبوت پر فائز ہو، وہ انسان جو اس کائنات کا پہلا ہدایت کرنے والا انسان ہو، اُسے شیطان نے ہلایا کیسے؟ کیا دل میں گھس گیا، الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ لے آدمؑ کے دل میں گھس کے وسوسہ پیدا کر دیا؟ اگر یہ بات مانی جائے تو یہ مقامِ نبوت کے منافی ہے۔ تو بات کل اتنی سی ہے کہ قرآنِ مجید نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے اک مقام پر ایک جملہ رکھا، اُس جملے میں ایک لفظ ہے فقط اُس ایک لفظ کو پیش کرنا چاہ رہا ہوں وَقَاسَمَهُمَآ ابلیس نے قسم کھا کر آدمؑ و حواؑ کو اپنی بات کا یقین دلایا۔ ابلیس نے آدمؑ و حواؑ کو قسم کھا کر اپنی بات کا یقین دلایا۔

اب چونکہ آدمؑ و حواؑ انتہائی مقدس تھے، حضرت آدم معصوم تھے، وہ یہ سوچ بھی نہ پائے کہ کوئی جھوٹی انسان قسم کھا سکتا ہے۔ اُنہوں نے اُسے اپنے نفس پر قیاس کر لیا اور اُسے سچا سمجھے اور سمجھنے کے بعد اُس پر آپ نے عمل فرمایا۔

تو اب یہ بات جو میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا تھا اُس کو بطورِ دلیل لانا چاہ رہا تھا کہ انسان جیسا ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ مشرکینِ مکہ چونکہ اپنے دین سے سنسیئر (Sincere) نہیں تھے، اپنے عقائد کے ساتھ مخلص نہیں تھے، تو انہوں نے یہ سوچا کہ یہ شخص جو ایک خدا کی توحید کا اور ایک خدا کی وحدت کا پرچم بلند کر رہا ہے ہو سکتا ہے یہ بھی نعوذ باللہ اپنے دین سے مخلص نہ ہو تو ہم ایک سال اس کے خدا کی عبادت کر لیں گے، یہ ایک سال ہمارے بتوں کو پوج لے گا۔ تو اس ایک جملے ہی سے یہ بات ثابت تھی کہ نہ وہ اپنے دین میں مخلص تھے، نہ اپنی بات میں مخلص تھے، نہ اپنے کردار میں مخلص تھے۔

اب ڈیلیگیشن (Deligation) آیا اور اس مطالبے کے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، جس میں بڑے بڑے سردار ہیں، صاحبانِ دولت ہیں، صاحبانِ عزت ہیں، جن کا اثر و رسوخ پورے معاشرے کے اوپر ہے۔ اب پیغمبرِ اسلام یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر میں براہِ راست انکار کر دوں، بھئی انکار تو کرنا ہے نا، اس لیے کہ وہ نبی مرسل، وہ خاتم النبیین، وہ پیغامِ توحید کو پہنچانے کے لیے آیا ہے وہ کمپرومائز (Compromise) تو کر نہیں سکتا، مصالحت نہیں ہو سکتی عقیدہ توحید پر، تو اب اگر ٹھکرا دے اُن کے پیغام کو تو ان میں انتقام کی کیفیت پیدا ہو گی، منتقمانہ ذہن ان کے اندر پیدا ہو جائے گا، اور اگر قبول کرلے تو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ تو ادھر پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سوچ کر خاموش ہوئے، یعنی میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں ، ادھر رسالت خاموش ہوئی ، اور اُدھر قرآن نے آواز دی ، قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اے حبیب کہہ دو، تم نہیں بول رہے ہو ناں، اب ہم بول رہے ہیں۔ حبیب کہہ دو، کیا کہہ دو؟ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اے کفر اختیار کرنے والوں، اے کافرو! دیکھیے عزیزانِ محترم! یہ کافر کوئی گالی نہیں ہے۔ کوئی سب یا شتم نہیں ہے، کافر کے معنی ہیں انکار کرنے والا، اور کفر کے معنی ہیں انکار، یہ لفظ آیت الکرسی کے بعد ایک اچھے مفہوم میں بھی استعمال ہوا، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۟ یہ دو آیتیں میں نے متواتر میں نے تلاوت کیں آپ کی خدمت میں، یہاں پہ کفر کس سلسلے میں استعمال ہوا؟ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا وہ جو عقائد اسلام کا انکار کر رہے ہیں وہ ہیں کافر لیکن یہیں پہ ایک ٹکڑا رکھا، جسے میں پیش کر رہا ہوں، فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۟ جس نے طاغوت کا کفر کیا اور اللہ پر یقین کا اعلان کیا۔ تو اب یہاں ہے طاغوت کا کفر، کافر کے معنی ہیں انکار کرنے والا، چاہے وہ ایمان کا انکار کر دے چاہے وہ کفر کا انکار کر دے تو يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۟ کوئی گالی نہیں ہے، يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۟ کے معنی ہیں اے وہ لوگ جو اسلام کے عقائد کے منکر ہو، یہ ہے مفہوم۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۟ میں وہ عبادت نہیں کرتا ہوں جو عبادت تم کرتے ہو۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۟ اور تم وہ عبادت نہیں کرتے ہو جو عبادت میں کرتا ہوں، آغاز ہے سورۂ مبارکہ کا لفظ قُلْ سے، يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۟ حبیب کہہ دو۔ قُلْ کے معنی تو حبیب کہہ دو کے ہیں نا، حبیب کہہ دو!

اب میرے سارے محترم سننے والے یہ بتائیں کہ قُلْ کو اگر نکال لیا جائے اس سورۂ مبارکہ سے، مفروضے کے طور پر قُلْ کو اگر ہٹا لیا جائے، تو پورے (سورۂ مبارکہ کے) پیغام میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے؟ پورا پیغام مکمل ہے۔ بھئی قُلْ جو ہے کہہ دو! یہ عبد اور معبود کے درمیان کا رشتہ ہے۔ پروردگارِ عالم حکم دے رہا ہے، پیغمبر اُس کی اطاعت فرمائیں گے، تو اُس قُلْ کا ربط براہِ راست ہم سے نہیں ہے، قُلْ کو اگر ہٹا دیں تو يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۟ سے بات مکمل ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۟ تک۔ پھر یہ قُلْ کیوں محفوظ ہوا۔ تو مجھے آپ کی خدمت میں یہی جملہ عرض کرنا تھا۔ کہ یہ قُلْ نہ ہمارا مسئلہ ہے، نہ آپ کا مسئلہ ہے، یہ قُلْ مسئلہ ہے پیغمبر اسلام کا، کہہ دو یہ حکم خاص ہے اُن کے لیے، اُس کے باوجود اُنہوں نے اس لفظ قُلْ کو قیامت تک کے لیے قرآن میں محفوظ فرمایا، تو وہ رسول جو اتنا امین ہو، یہی میں عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔ کہ وہ رسول جو اتنا امین ہو کہ ایک لفظ قُلْ کو بھی اپنے مقام سے

نہ ہٹائے اُس کے متعلق یہ سوچنا کہ اُس نے دین میں کوئی خیانت کی ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کا کوئی امکان نہیں ہے، یہ دلیل ہے عصمتِ رسول پر اور امانتِ رسولؐ پر کہ جو لفظِ قُلْ کو اپنے مرضی سے ہٹائے وہ دین میں اپنی مرضی سے کوئی ترمیم کردے، اپنی مرضی سے کوئی تبدیلی کردے یہ ممکن نہیں ہے۔ جیسا دین اُس نے دیا ویسا دین اُس نے بندوں تک پہنچادیا۔

قُلْ حبیب کہو يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ اے کفر اختیار کرنے والو! اب دیکھیے یہ چار جملے براہِ راست آرہے ہیں اور متواتر آرہے ہیں، اے کفر اختیار کرنے والوں، لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ یہ چار جملے ہیں نا؟

عزیزانِ محترم! میں اگر آپ سے یہ جملہ کہوں کہ میں آپ کے گھر نہیں آؤں گا اور آپ میرے گھر نہیں آئیں گے، اور میں آپ کے گھر نہیں آؤں گا، اور آپ میرے گھر نہیں آئیں گے، اور میں آپ کے گھر نہیں آؤں اور آپ میرے گھر نہیں آئیں گے، اگر میں یہی کہتا رہوں تو آپ کو میری دماغی صحت پہ شبہ ہو جائے گا۔ یعنی فصاحت و بلاغت تو بہت دُور کی بات ہے، فصاحت و بلاغت بہت دُور کی بات ہے کہ کلام فصیح ہے یا غیر فصیح ہے۔ نہیں آپ میری دماغی صحت پہ شبہ کریں گے کہ بھئی یہ ایک ہی جملہ ہے اسے بار بار دہرا کیوں رہے ہیں۔ تو یہ چار جملے جو پروردگارِ عالم نے اس مقام پر رکھ دیے ہیں، ظاہر ہے ان چاروں جملوں کا کوئی نہ کوئی مفہوم تو ہوگا، علماء بیٹھے، تفسیر لکھنے والے بیٹھے، بڑے بڑے مفسرین بیٹھے، اور بیٹھنے کے بعد اُنہوں نے اس مسئلے کو حل کیا، اب جو لکھا ہے علمائے تفسیر نے، اُن میں سے ایک بات تو یہ لکھی کہ موضوع کی اہمیت پہ تکرار ہوتی ہے۔ تکرار یہ بتلاتی ہے کہ کون سا موضوع کتنا اہم ہے، جیسے پروردگارِ عالم نے سورۂ رحمٰن میں فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ بار بار ریپیٹ (Repeat) کیا ہے۔ جیسے پروردگار نے سورہ انشراح میں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا دو مرتبہ مکرر استعمال فرمایا۔ جس طریقے سے پروردگار نے سورۂ التکاثر میں كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ رکھا ہے۔ جیسے سورۂ النباء میں پروردگارِ دو عالم نے ایک ہی جملے کو دو مرتبہ فرمایا ہے۔ تو بتلانا یہ مقصود تھا کہ جہاں بات

میں شدت ہو، جہاں بات میں وزن ہو، اور جہاں اصرار کی کیفیت ہو، وہاں پروردگار عالم تکرار سے کام لیتا ہے۔ یہ تو ہے ایک مفہوم جو مفسرین نے دیا۔

اب دوسرا مفہوم آپ کی خدمت میں عرض کروں جو ذرا سا ٹیکنیکل (Technical) ہے۔ دو لفظ ہیں نفی کے لیے ایک ہے لفظ لا اور ایک ہے لفظ ما۔ دونوں کے معنی ہیں نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، ما اس کے معنی بھی نہیں کے ہیں، وما محمد الا رسول، محمد کچھ نہیں ہیں فقط رسولؐ ہیں، اب دونوں لفظ ہیں نا، لا بھی نفی کے لیے آتا ہے اور ما بھی نفی کے لیے آتا ہے۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ فرق عزیزانِ محترم یہ ہے کہ لا اگر صیغہ مضارع پر داخل کیا جائے، تو وہ مستقبل کے معنی دیتا ہے۔ اور ما اگر صیغہ مضارع پر داخل کیا جائے تو وہ حال کے معنی دیتا ہے، یہ ذرا سی بات ٹیکنیکل (Technical) ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرا پیغام پہنچا تو آیتوں میں جو یہ تکرار ہے یہ واضح ہو جائے گی۔ صیغہ ماضی عَبَدَ اُس نے عبادت کی۔ صیغہ مضارع یَعْبُدُ وہ عبادت کرتا ہے، اور عبادت کرے گا، تو صیغہ مضارع میں حال بھی ہے اور استقبال بھی ہے، اب اگر صیغہ مضارع استعمال کیا جائے تو یہ کیسے پتہ چلے کہ یہ حال ہے یا استقبال، تو اب اگر لَا اور مَا سے تشخیص ہوگی کہ اگر لَا آ گیا تو اُس میں ماضی کے معنی نہیں ہوں گے، حال کے معنی نہیں ہوں گے بلکہ مضارع کے معنی ہوں گے۔ اور اگر مَا آ جائے تو حال کے معنی ہو جائیں گے، اگر میں اس بات کو واضح کر سکا تو میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اُن آیاتِ مبارکہ کو پھر پیش کر رہا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ اب ترجمہ یہ ہوگا، کہ حبیب کہہ دو کافروں سے، کہ اے کافرو تم جس کی عبادت کرتے ہو میں اُس کی عبادت نہیں کرتا ہوں، اور میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم اُس کی عبادت نہیں کرتے، اور تم جس کی عبادت کرتے رہو گے میں اُس کی عبادت نہیں کروں گا، اور میں جس کی عبادت کرتا رہوں گا تم اُس کی عبادت نہیں کرو گے۔

تو میں چونکہ تمہارے مافی الضمیر سے واقف ہوں اور تمہارے مستقبل سے واقف ہوں، اس لیے میں یہ جان رہا ہوں کہ قیامت تک تمہارے خدائے واحد کی عبادت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ تو دو جملوں کا تعلق حال سے تھا اور دو جملوں کا تعلق استقبال سے تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات واضح ہوئی کہ یہ جو جملے پروردگار عالم نے چار رکھے ہیں ان جملوں میں اُس قسم کی تکرار نہیں ہے کہ میں آپ کے گھر نہیں آؤں گا، آپ میرے گھر نہیں آئیں گے۔ اس قسم کی تکرار نہیں ہے، بلکہ دو جملوں کا تعلق حال سے ہے، کہ نہ تم عبادت کرتے ہو میرے معبود کی، اور نہ میں عبادت کرتا ہوں تمہارے معبودوں کی، نہ تم عبادت کرو گے میرے معبود کی، اور نہ میں عبادت کروں گا تمہارے معبودوں کی۔ اس لیے یہ تکرار نہیں ہے بلکہ یہ مختلف اور الگ الگ مفہوموں کے اوپر ان جملوں کو دال بنا کے پروردگار عالم نے نازل فرمایا۔

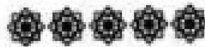
لیکن میرے محترم سُننے والے اگر ذرا سی توجہ فرمائیں ایک لفظ کی طرف، ایک دقیق منزلِ فکر کی طرف بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ اور وہ ہے لفظ مَا۔ ابھی میں آپ کی خدمت میں مثال پیش کر رہا تھا، لَا اور مَا کی، اب میں ایک لفظ مَا پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مَا کے معنی ابھی میں نے کیا عرض کیے؟ نہیں! مَا کے معنی اس کے علاوہ بھی لغت عرب میں ہیں۔ اور میں فقط دو معنی کی طرف اپنے سُننے والوں کو متوجہ کروں گا۔ مَا ہے مصدریہ اور مَا ہے موصولہ۔ اب ان دونوں کی میں ذرا سی وضاحت کر دوں، یہ جو مَا آتا ہے نا اس مَا کا مفہوم کبھی مصدر کا مفہوم ہوتا ہے اور اس ما کے معنی کبھی جو کہ، عربی میں ما جسے کہتے ہیں وہ اُردو میں ہو جاتا ہے جو کہ! اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، تو جب مصدر کے معنی میں استعمال ہو تو اُس ما کو کہتے ہیں مصدریہ، اور جب جو کہ کے معنی میں استعمال ہو تو اس ما کو کہتے ہیں موصولہ۔ اب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں کہ ان چاروں آیتوں میں ما کتنی بار استعمال ہوا؟ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ چار مرتبہ لفظ ما استعمال ہوا ہے نا؟ تو میں بتانا صرف یہی چاہتا تھا

اپنے محترم سُننے والوں کو آج کی حد تک کہ ہمیں فقط یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کتنے ما موصولہ ہیں اور کتنے ما مصدر یہ۔ تو سمجھ میں آئے گا کہ یہ تکرار بے محل نہیں ہے۔ خدا کی قسم یہی معجزہ ہے قرآن مجید کا کہ ایک لفظ کو اُٹھاؤ اور اُس کو اُس کی صحیح قیمت پر استعمال کریں۔ قرآن مجید کا معجزہ یہی ہے کہ لفظ کو اُٹھانے کے بعد اُس کے صحیح ترین مفہوم میں اور صحیح ترین قیمت کے اندر اُس کو استعمال کریں۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ اے حبیب کہہ دو، میں عبادت نہیں کرتا اُن کی جن کی تم عبادت کرتے ہو، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ اور تم عبادت نہیں کرتے ہو اس کی جس کی عبادت میں کرتا ہوں، یہ دونوں جملے واضح ہوئے، میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور اب پھر جملہ مکرر آیا اور جو طریقہ عبادت تمہارا ہے اُس طریقے سے میں عبادت نہیں کرتا ہوں، اور جو طریقہ عبادت میرا ہے اُس طریقہ سے تم عبادت نہیں کرتے ہو۔ تو دو جملے جو تھے وہ معبود سے متعلق تھے اور دو جملے جو تھے وہ طریقہ عبادت سے متعلق تھے۔ کہ نہ معبود میں شرکت ممکن ہے اور نہ طریقہ عبادت میں شرکت ممکن ہے۔ مشرک اور مواحد کے درمیان، نہ معبود مشترک ہو سکتا ہے، بہت توجہ فرمایئے گا، مشرک اور مواحد کے درمیان نہ معبود مشترک ہو سکتا ہے، اور نہ طریقہ عبادت مشترک ہو سکتا ہے۔

بس یہی تو وہ بات ہے کہ جب کفار یہ مطالبہ لے کر آئے کہ ایک سال تم ہمارے خداؤں کی عبادت کرلو تو ہم ایک سال تمہارے خدا کی عبادت کریں گے۔ تو اُس کے بعد ایک جملہ کہا کفار نے، اور وہ جملہ یہ کہا کہ بنی ہاشم کے جوان اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں عرب کا اقتدار دے دیں، تو دے دیں گے، اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے قدموں پر سونے اور چاندی کے ڈھیر لگا دیں، پورے عرب کی دولت دے دیں تو دے دیں گے، اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے شریک زندگی کے طور پر عرب کی حسین ترین عورت تمہارے نکاح میں آ جائے تو ہم وہ بھی فراہم کر دیں گے، تم اپنے اس مطالبے سے باز آ جاؤ۔

تینوں طاقتیں آ گئیں یا نہیں، تینوں خواہشیں انسان کی، اقتدار کی بھی خواہش ہے،

دولت کی بھی خواہش ہے، عورت کی بھی خواہش ہے، اور یہ تینوں خواہشیں اس مطالبے کے اندر موجود ہیں۔ اب پیغمبر اکرم ﷺ نے جواب کیا دیا؟ بے اختیار ارشاد فرمایا پیغمبر اکرم ﷺ نے، کہ اگر تم میرے داہنے ہاتھ پر سورج رکھ دو، اور میرے بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو، جب بھی میں اعلانِ توحید سے باز نہیں آؤں گا، دیکھئے کتنی عجیب وغریب بات ہے؟ پیغمبر اکرم ﷺ کا جواب کتنا عجیب وغریب ہے۔ تم دولت کی بات کرتے ؟اقتدار کی بات کرتے ہو؟ تم اچھی اور خوبصورت شریک زندگی کی بات کرتے ہو؟ بھئی ان کا تعلق نفس سے ہے نا؟ پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کی نفی فرمادی، یعنی اب یہ ہے توحید خالص کا کمال، کہ ماسوا اللہ کی بھی نفی ہوگئی، اپنی ذات کی بھی نفی ہوئی، اپنی خواہش کی بھی نفی ہوئی۔ اگر تم میرے داہنے ہاتھ پہ سورج رکھ دو اور اگر تم میرے بائیں ہاتھ کے اوپر چاند بھی رکھ دو تو میں اعلانِ توحید سے باز نہیں آؤں گا۔ بھئی عرب نہ میں رکھ سکتے تھے، نہ پیغمبر اکرم ﷺ چاند اور سورج کو اپنے ہاتھوں رکھوا سکتے تھے، یہ مثال کیوں دی؟ ناممکن کی مثال ہے، یعنی سورج چاند ہاتھوں پہ نہیں رکھے جا سکتے، نہ رکھوانے والا رکھوا سکتا ہے، نہ رکھنے والا رکھ سکتا ہے، تو جتلانا یہ تھا، پیغمبر اکرم ﷺ جتلانا یہ چاہ رہے تھے کہ جتنا ناممکن ہے سورج اور چاند کا ہاتھوں پہ رکھنا اُتنا ہی ناممکن ہے میرا اعلانِ توحید سے باز آجانا۔ تو پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک ناممکن شے سے مثال دی نا؟ قدرت کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قدرت نے طے کیا کہ اے حبیب جب تو نے کہی کہ تمہارے ہاتھوں پر انہی ناممکنات کو ممکن بنا دوں، ایک ہاتھ سے چاند کو تڑا دوں، دوسرے ہاتھ سے سورج کو پلٹوا دوں۔ وآخر دعونا عن الحمد للہ رب العالمین۔



سورۃ الھب کی تفسیر

اعوذ باللہ من الشیطٰن اللعین الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذی نستطفی۔ اما بعد فقد قال اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فی محکم کتابہ المبین بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○

عزیزانِ محترم! سورۃ لہب کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا جو آج کی ترتیب کے اعتبار سے ایک سو گیارہواں سورہ ہے، اس سورۃ مبارکہ میں پانچ آیتیں ہیں۔ اور اس شان سے گفتگو کی گئی ہے اس سورے میں کہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ وَّتَبَّ اور خود ابولہب ہلاک ہو جائے۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ اُس کے مال نے اور اُس کی کمائی نے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ اور اُس کی عورت، اُس کی بیوی لکڑیاں چننے والی ہے۔ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○ اور اُس کی گردن میں خرمے کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔

پانچ آیتوں کے اس سورۃ مبارکہ میں وہ الفاظ جو قابلِ غور ہیں وہ چند ہیں۔ ان کے معنی اگر واضح ہو جائیں تو یہ سورۃ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔

تَبَّتْ، تَبَّ، اَبِيْ لَهَبٍ، حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، جِيْدِ، حَبْلٌ اور مَّسَدٍ یعنی سات وہ الفاظ ہیں اگر وہ سمجھ میں آجائیں تو سورے کا مفہوم بہت واضح ہو سکتا ہے۔ تبت اور تب ان کا مصدر ہے تباب اور تباب کے معنی ہیں ہلاکت۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ دو مرتبہ آیا نا، ایک مرتبہ مونث ہے تَبَّتْ ایک مرتبہ مذکر ہے تَبَّ۔ چونکہ عربی زبان میں يَدَآ یعنی ہاتھ مونث ہے اس لیے تَبَّتْ کا لفظ استعمال ہوا۔ اور دوسری مرتبہ جو

لفظ تبّ ہے چونکہ ابولہب سے متعلق ہے اس لیے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا۔ تو تَبَّتْ کے معنی ہلاک ہوگیا، ہلاک ہوگئی، ہلاک ہوجائیں۔ تب کے معنی ہلاک ہوگیا۔ مَا کَسَبَ یعنی کمائی انسان جو کماتا ہے اُسے عربی زبان میں کسب کہا جاتا ہے، اور مَا کَسَبَ یہ صیغہ ماضی ہے، اُس نے جو کمایا۔

دیکھئے عجیب بات یہ ہے کہ عربی زبان میں دو لفظ ہیں مال اور کسب۔ بھئی آپ جو کما کے لائیں گے وہ کسب ہے، کمائی ہے آپ کی، تو مال بھی تو ہے۔ لیکن عربی زبان کی یہ باریکیاں ہیں کہ مال اور کسب میں لغوین نے، ماہرین علم لغت نے فرق کیا ہے۔ مال وہ جو انسان کو میراث میں ملے، کسب وہ جو انسان خود اپنے قوتِ بازو سے کمائے۔ تو اب دو لفظ استعمال کئے نہ قرآن نے، مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ اُس کا مال اور اُس کی کمائی اُس کے کام نہیں آئی۔ کمائی کا ایک مفہوم لغتِ عرب میں اور بھی ہے اور وہ ہے اولاد۔ اگرچہ بڑی عجیب سی بات لگتی ہے کہ اولاد کو کمائی کہا جائے۔ لیکن خود آپ کی اُردو زبان میں بھی یہ لفظ اولاد کے لیے بولا گیا ہے۔ میر انیسؔ نے اپنے ایک مرثیے میں ایک مصرعہ کہا ہے:

عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

یہاں کمائی کا مفہوم کیا ہے؟ فاطمہؑ کی اولاد سے ہوشیار۔ تو کمائی کا لفظ اُردو میں بھی اولاد کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور عربی زبان میں بھی ایک محارہ ہے کہ ماکسب کے معنی ہیں اولاد۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ لکڑیاں چننے والی۔ حَطَبِ کے معنی لکڑی اور حَمَّالَةَ کے معنی ہیں لاد کے لانے والی، لکڑیاں چُن کر لاد کر لانے والی۔ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔ جید! گردن، حبل! رسی، مسد! خرمے کی چھال۔ یہ تھی الفاظ کی تشریح۔

یہ جو سورہ مبارکہ نازل ہوا اس سورہ کا پس منظر کیا ہے؟ اور کس سلسلے میں یہ سورہ آیا، جسے ہم ٹیکنیکلی (Technically) شانِ نزول کہتے ہیں۔ اصطلاح میں لکھا ہے ہمارے مفسرین نے، علمائے تاریخ نے بھی یہ واقعات لکھے ہیں کہ جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی سورۂ شعرا کی۔ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ (سورۂ شعرا: ۲۱۴) حبیب اپنے قریب

ترین رشتے داروں پر اپنے عشیرے اور قبیلے والوں پر اپنی نبوت کا پیغام پہنچا دو، اُن کا انذار کردو۔ تو پیغمبر اکرم ﷺ نے کوہِ صفا کے قریب جا کر آواز دی کہ میری بات سُننے کے لیے جمع ہو جاؤ۔ دستور تھا کہ اگر کوئی ہنگامی حالت ہو جائے، کوئی پریشانی ہو جائے، تو لوگ آواز دیا کرتے تھے اور ایک بڑا مجمع جمع ہو جایا کرتا تھا، اب پیغمبر اکرم ﷺ نے جو آواز دی تو جوق در جوق لوگ آئے۔ کہ آخر بات کیا ہے، یہ شخص آج بہت عجیب طریقے سے لوگوں کو پکار رہا ہے، لوگ جب جمع ہو گئے، تو پیغمبر اکرم ﷺ کوہ صفا کی چوٹی پر بلند ہوئے، اب کوئی بہت لمبا چوڑا پہاڑ نہیں ہے، صفا اور مروہ کے درمیان جو سعی کی جاتی ہے تو سعی کرنے والوں نے اُس پہاڑ کو دیکھا ہوگا۔ بہت چھوٹا سا ایک پہاڑ ہے، تو کوہ صفا کی چوٹی پہ بلند ہوئے، اور آپ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان فرمایا اور پروردگارِ عالم کی وحدانیت کا اعلان فرمایا۔ لوگ تو یہ سوچ کے آئے تھے کہ کوئی بہت اہم اور بری گھمبیر سی بات ہوگی، اب جو پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ بات فرمائی اور اس شان کے ساتھ فرمائی۔ کہ یہ بتلاؤ کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک رسالہ، فوج کا چھوٹا سا دستہ، تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟ اُس پورے مجمعے نے کہا کہ ہاں اگر تم کوئی بات کہو گے اور یہ کہو گے کہ لشکر حملہ کرنے والا ہے تو ہم تمہاری بات کا یقین کر لیں گے، اس شان کے ساتھ۔ یعنی کہ پہلے آپ نے اعتراف کروالیا کہ تم میری بات کا یقین کرو گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا کو ایک مانو، اور مجھے اُس خدا کا رسول تسلیم کرلو۔ بس یہ سُننا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے، اور ابولہب نے جھنجھلا کر اور جھلا کر یہ کہا تبن لك ما جمعتنا الا لهذا۔ تبن تو ہلاک ہو جائے، تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، نعوذ باللہ من ذالك، تو برباد ہو جائے، تُو نے ہمیں اس کام کے لیے جمع کیا تھا۔ تو ایک گروپ مؤرخین کا اور مفسرین کا اس واقعے کو لکھتا ہے، دوسرے گروپ نے یہ لکھا کہ جس میں امام فخر الدین رازی بھی شامل ہیں اور دوسرے مفسرین بھی شامل ہیں۔ طنطاوی جوہری جیسے ایک مشہور و معروف مفسر بھی شامل ہیں۔ اُنہوں نے لکھا کہ جب یہ ذوالعشیر ہ کی آیت نازل ہوئی اور پیغمبر اکرم ﷺ نے ذوالعشیر ہ کی دعوت کے بعد کھڑے ہو کر

تقریر فرمائی، مختصر ترین خطبہ دیا، اور لوگ جب جانے لگے تو ابولہب نے مُڑ کر یہ کہا تھا کہ تبّاً لکَ تم پر وائے ہو، تو نعوذ باللہ برباد ہو جائے، تو تباہ ہو جائے، تو ہلاک ہو جائے، تو نے اس کام کے لیے ہمیں جمع کیا تھا، تو دو واقعے ملتے ہیں تفسیروں میں، اس سورۂ مبارکہ کے شانِ نزول کے سلسلے میں۔ لیکن اگر آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ تاریخ نے اور سیرت کی کتابوں نے مختلف مقامات پر ابولہب کے اس جملے کو محفوظ کیا ہے، فقط کوہِ صفا کا واقعہ یا ذوالعشیرہ کا واقعہ نہیں، اور مختلف مقامات پر ابولہب نے بار بار لفظِ تب کا استعمال کیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہ تُو نعوذ باللہ ہلاک ہو جائے، تباہ ہو جائے، تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، تو ناکارہ ہو جائے کہ یہ باتیں ہم سے نہ کر سکے۔ اُن جملوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُنتے رہے، یعنی فقط دو واقعے نہیں اور بھی واقعات ہیں تاریخ کے اندر۔ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ردِ عمل کا کوئی مظاہرہ نہیں فرمایا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لیے اور اُس کی زبان بند کرنے کے لیے پروردگارِ عالم نے اس سورے کو نازل فرمایا۔ یہ ہے اس کی بیک گراؤنڈ (background) اور اس کا پس منظر۔ ذرا ذہن میں ان باتوں کو محفوظ کرتے چلے جائیں، اور اس شان کے ساتھ یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوا کہ نام لیا تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ اور ابولہب ہلاک ہو جائے، یا ابولہب ہلاک ہو گیا۔ دونوں ترجمے اس لفظ تب کے ممکن ہیں۔ اس لیے دونوں ترجمے عرض کر رہا ہوں، ابولہب کنیت ہے نام نہیں ہے۔ نام اُس کا تھا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب، اُس کی کنیت ہے ابولہب۔ لہب کے معنی شعلہ۔ اور ابولہب کے معنی شعلے والا۔ تو لکھا ہے مفسرین نے اور علمائے لغت نے، کہ یہ کنیت اس لیے رکھی گئی تھی کہ اُس کے رخسارے سُرخ تھے، اس لیے رخساروں کی مناسبت سے اُسے ابولہب پکارا گیا۔

لیکن اگر آپ توجہ فرمائیں گے، تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ قرآن ایک عالمگیر کتاب ہے، قرآن ایک آفاقی کتاب ہے، اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم کے موافقین اور مخالفین جو اُن کے عہد میں پائے جاتے تھے۔ اُن میں سے سوائے دو کے کسی کا نام قرآن نے نہیں لیا، مخالفین میں ابولہب کا نام لیا، سورۂ لہب میں اور موافقین میں حضرتِ زید

بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا، سورۂ احزاب کے اندر۔ اس کے علاوہ نام نہیں ہے قرآن مجید میں۔ کیوں؟ اس لیے کہ قرآنِ مجید کا اُصول یہ ہے کہ آیت کسی بھی شخص کے لیے نازل ہو، کتاب آفاقی ہے، کتاب عالمگیر کتاب ہے، اُسے ٹائم اور اسپیس (time and space) کے اوپر محیط ہو جانا ہے، قرآن مجید کو زبان اور مقام پر محیط ہو جانا ہے۔ تو اب یہ جو ذاتی قصے اور نجی قصے آ رہے ہیں، اگر یہ اپنے ہی عہد تک کے لیے ہوں تو اس عالمگیر کتاب میں کیوں رکھے گئے جو قیامت تک رہنے والی ہے؟ ہر آیت کے لیے اُصول یہ ہے کہ اگر چہ وہ کسی خاص قصے میں نازل ہوئی ہو، لیکن جہاں تک وہ صفتیں جائیں وہاں تک اُس آیت کی رینج (range) بھی جائے۔ تو چونکہ ابولہب کا مفہوم ہے شعلے والا۔ غیظ غضب کی کیفیت رکھنے والا۔ ہر بات پر بگڑ اُٹھنے والا، تو اب جہاں تک یہ مزاج جائے، اور دشمنی رسولؐ جائے، اس سورے کا رینج (range) بھی وہاں تک جائے گا، یہ ہے اُصول، کہ اب یہ سورہ فقط ابولہب پر نہیں رُکے گا، جہاں تک بھی ابولہبیت جائے، وہاں تک اس سورے کے حدیں بھی جائیں گی۔ اچھا تو پروردگارِ عالم نے یہ نام کیوں استعمال کیا، نام نہیں استعمال کیا۔ عبدالعزیٰ نہیں کہا، ابولہب کہا۔ صرف اس لیے کہ وہ صفت رہے اور صفتیں منطبق ہوتی رہیں قیامت تک۔ مستشرقین یورپ جو اسلام دشمنی کے نام پر تحقیق کے فریضے کو انجام دیتے ہیں، اُنہوں نے یہ لکھا کہ یہ ابولہب کا نام لے کر اُسے بُرا کہنا یہ نعوذ باللہ من ذالک رسولؐ کی منتقمانہ ذہنیت کو بتلاتا ہے۔ کہ اُنہوں نے نعوذ باللہ انتقام لے لیا۔

لیکن عزیزانِ محترم! یہ جو تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی کی جاتی ہے، اب ظاہر ہے کہ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے، کبھی ہم اس موضوع پر آپ کی خدمت میں اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔ تو حقیقت میں یہ تحقیق نہیں ہے، ابھی میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، کہ مخالفین میں سے کل ایک شخص کا نام ہے قرآنِ مجید میں، یعنی اُس کو پرسنی فائی (personify) کیا، اُس کو مشخص کیا۔ صرف ایک شخص ابولہب کو۔ بھئی اُس سے بڑا مخالف بھی تو موجود تھا نا ابوجہل، عاص ابن وائل سہمی، مغیرہ۔ اور بہت سے لوگ تھے۔ آپ کو نام مل جائیں گے تاریخوں میں، جو انتہائی شدید دشمنی رکھتے تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، تو کیوں نہیں آیا

قرآن مجید میں اُن کا نام۔ یہ فقط ابولہب کو کیوں منتخب کیا گیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی منتقمانہ ذہنیت کام نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اس کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی بلیغ مصلحت پوشیدہ تھی اور وہ بلیغ مصلحت یہ پوشیدہ تھی کہ ابولہب چونکہ بہت بڑا سردار تھا، اور اُس کی پشت کے اوپر سینکڑوں اور ہزاروں کا مجمع تھا دشمنِ رسالت کے لیے۔ تو اُسے نام لے کر رسوا اور بدنام کیا گیا، تا کہ وہ اُس محاذ سے ہٹ جائے۔ تو وہ جب اُس محاذ سے ہٹ جائے تو کم از کم دشمنی رسول کا ایک کونہ تو ٹوٹ جائے، ایک محاذ تو ٹوٹ جائے۔ تو اس لیے ابولہب کا نام لیا گیا اور دشمنوں کے مقابلے میں۔ دوسرا سبب جو مفسرین کی سمجھ میں آیا، وہ سبب یہ تھا کہ بڑے اعلیٰ قبیلے کا انسان تھا، شجرۂ نسب کے اعتبار سے ابولہب کے قبیلے کو آپ دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ انتہائی اعلیٰ ترین قبیلے سے، خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلے کا ہے، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ترین رشتے داری رکھتا ہے۔ تو بتلانا یہ تھا کہ ابوجہل کا نام نہیں لیا، مغیرہ کا نام نہیں لیا، عاص ابن وائل سہمی کا نام نہیں لیا، امیہ ابن ابی خلف کا نام نہیں لیا، جو شدید ترین دشمن تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ ابولہب کو منتخب کیا، تو یہ بتلانا تھا، کیونکہ رشتے دار کی بات رشتے دار کے حق میں بڑی معتبر سمجھی جاتی ہے نا، اگر میں کوئی بات اپنے رشتے دار کے سلسلے میں کہوں تو میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ آپ کیا جانیں وہ تو میرا رشتے دار ہے میں زیادہ بہتر جانتا ہوں، تو اس لیے ابولہب کو بدنام اور رسوا کیا گیا کہ اُس کی بات کا اعتبار ختم ہو جائے اور دنیا والے یہ سمجھ لیں یہ رشتے دار نہیں ہے بلکہ دشمن ہے۔

اور تیسرا اور آخری خیال جو مفسرین نے اس سلسلے میں لکھا ہے۔ وہ خیال یہ ہے کہ ابو لہب کو سارے دشمنوں میں سے منتخب کر کے پروردگارِ عالم یہ بتلانا چاہ رہا تھا کہ راہِ حق میں ہم رشتے داریوں کو ترجیح نہیں دیا کرتے۔ راہِ حق میں رشتے داری کی ہماری نگاہ میں کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر وہ سگا رشتہ دار ہو اور راہِ حق سے ہٹ جائے تو ہم اُسے ابولہب قرار دیں گے۔ اور اگر وہ ایمان اور عملِ صالح کی منزل پر ہو اور راہِ حق پر آ جائے تو ہم اُسے اپنے سینے سے لگا لیں گے۔ یہ تھا وہ پس منظر جس کی بنیاد پر پروردگارِ عالم نے ابولہب کو منتخب کیا، اور ابولہب کو منتخب کرنے کے بعد ایک پورا سورہ نازل کیا اُس کے نام پہ اور کس

شان سے وہ سورہ آیا۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ٝ ٹوٹ جائیں ابوجہل کے دونوں ہاتھ۔ وَتَبّ اور وہ بھی ہلاک ہو جائے، اور دوسرا ترجمہ وہ ہلاک ہو گیا۔ بھئی میں اپنے سارے محترم سُننے والوں سے یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ سورۂ کافرون میں کیا شان ہے، قل یا ایھا الکافرون۔ حبیب کہہ دو، قل۔ کیا کہہ دو، یا ایھا الکافرن۔ بھئی کیا یہاں ہے قل؟ قل نہیں ہے۔ ڈائریکٹ (direct) کہا، یعنی وہ جملہ جو کافروں سے کہا پروردگار نے، وہ خود نہیں کہا پیغمبر سے کہلوایا۔ اور یہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ٝ یہ پروردگار نے خود کہا، اس میں قل نہیں ہے۔ تو اب یہ فرق کیوں آیا؟ بھئی کافر ہیں خداوند عالم کے دشمن! اور ابولہب کے پیغمبر اکرم ﷺ کا دشمن! تو پروردگارِ عالم نے یہ پالیسی (policy) طے کر دی کہ اے حبیب اگر میرا دشمن ہوگا تو تُو اُس سے بات کرے گا، اور جو تیرا دشمن ہوگا اُس سے تُو بات نہیں کرے گا میں بات کروں گا۔

یہ ہے اُصول جس پر پروردگار نے سورۂ تبت کو نازل فرمایا۔ اب دیکھیں کہ کس شان کے ساتھ یہ جملے آگے بڑھیں۔ اور کس بلاغت کے ساتھ اعلانِ جنگ بھی کیا۔ اور جنگ کے اعلان کے بعد نتیجے کا بھی اعلان کر دیا۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ٝ ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ۔ یہ تو بددعائیہ جملہ ہے نا، وَّ تَبَّ اور وہ ہلاک ہو گیا۔ بھئی کہاں ہلاک ہوا ابھی تو زندہ موجود ہے، سامنے ہے۔ کیا نزولِ سورہ کے وقت وہ ہلاک ہو گیا تھا؟ ہلاک نہیں ہوا تھا۔ تو پہلے ٹکڑے میں اعلانِ جنگ ہے، کہ ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ، وہ ہمارے حبیب کو کہتا ہے اور جواب میں ہم اُس کو کہتے ہیں۔ اور وہ تو صرف کوسنے دے کے رُک گیا، اور ہم جو کہیں گے وہ امر ہو گا نا۔ اور وہ جو امر ہوگا وہ ہر حال میں پورا ہو کے رہے گا، تَبَّ وہ ہلاک ہو گیا، ہم نے اُس کی تقدیر میں، اُس کی سرنوشت میں ہلاکت لکھ دی۔ اُس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

یہ کون ہے ابولہب؟ بڑے قبیلے والا، یہ بات طے ہے۔ اور سردار بھی ہے۔ یہ بھی طے ہے اپنی جگہ پر، تو دو طاقتیں اپنے پاس رکھتا ہے نا، ایک قبیلے کی طاقت رکھتا ہے اور ایک سرداری کی طاقت رکھتا ہے۔ اور پھر یہ ہمارے حبیب کے مقابلے پر آ رہا ہے۔ تو جب تو

یہی کہ اس کی دونوں طاقتوں کو ہم توڑ دیں۔ قبیلے طاقت بھی ٹوٹے گی اور سرداری کی طاقت بھی ٹوٹے گی۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ نہ اُس کا مال اُس کے کوئی کام آئے گا، اور نہ اُس کی کمائی، یعنی اولاد اُس کے کام آئے گی۔ تو جہات مبذول رہیں مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آئے گا، اور نہ اُس نے جو کمایا ہے، جو دولت کمائی ہے یا جو اولاد ہے اُس کی وہ اُس کے کام نہیں آئے گی۔

بھئی میں پوچھنا یہ چاہ رہا ہوں اپنے سارے سُننے والوں سے! یہ جو جلال کی کیفیت ہے تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ بھئی تاریخِ اسلام سے، اور تاریخ کی کتابوں سے کبھی آپ نے پوچھا، کہ ابولہب کا وہ کریکٹر (character) کیا تھا، جس پر پروردگارِ عالم کو اتنا جلال آ گیا۔ کیا کل یہ دو واقعے، کوہِ صفا کا ایک واقعہ اور ذوالعشیرہ کا دوسرا واقعہ۔ ان دو واقعوں پر اتنا جلال آیا؟ یا دو چار جگہوں پہ اس نے اور کہہ دیا نعوذ باللہ تو ہلاک ہو جائے، تو کیا اُس پر جلال آیا؟ نہیں سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ ہے۔ اور اگر اُس واقعے کو ذہن نشین فرمائیں گے تو یہ آیت، بہت کھل کر سامنے آجائے گی۔ سیرت نگاروں نے لکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ آپ جب موسمِ حج میں مجمع خانۂ کعبہ کے چاروں طرف جمع ہو جایا کرتا تھا، تو تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ دیکھیے حج جاہلیت میں بھی تھا، اُن کے اپنے طریقے سے، اُن کی اپنی رسمیں تھیں، اپنے روایات تھے، لیکن وہ ایک موسمِ حج میں اجتماعات کیا کرتے تھے اور حج کرتے تھے اپنے طریقے سے۔ چونکہ ایک بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس اجتماع کو استعمال فرماتے تھے تاکہ اُن کا پیغام پوری دنیا میں پھیل جائے اُن حج پہ آنے والوں کے ذریعے۔ تشریف لے جاتے تھے۔ عکاظ کے میلے میں تشریف لے جاتے تھے، گلی کوچوں میں اعلانِ توحید فرماتے رہتے تھے۔ لکھا ہے سیرت نگاروں نے کہ ادھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سیرت تھی مستقل۔ کہ وہ گلیوں میں اور کوچوں میں جا کے تبلیغ کریں، اور حاجیوں کے پاس جائیں اور اُن کے سامنے اعلانِ توحید کریں اور دوسری طرف ایک طریقہ تھا ابولہب کا۔ کہ وہ دو جھولیاں لے کر اُن میں پتھر بھر لیا کرتا تھا، اور

اُنہیں اپنے دونوں کندھوں سے لٹکا لیتا تھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے پتھر نکال کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلیوں کو مارتا تھا، یہ تاریخ ہے، عجیب وغریب بات ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرم کی ساق ہائے مبارک زخمی ہوجایا کرتی تھیں، اب تو بات کچھ کھل کے سامنے آئی نا۔ دونوں ہاتھ دشمنیٔ رسالت میں انوالو(involve) ہوئے۔ دونوں ہاتھوں سے اُس نے پتھر پھینکے۔ اور دونوں ہاتھوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساق ہائے مبارک کو زخمی کیا۔ اب پروردگارِ عالم کو جلال آیا۔ اور اُس نے کہا کہ یہ دونوں ہاتھوں سے ہمارے حبیب کی پنڈلیوں کو زخمی کرتا ہے، جب تو سہی کہ ہم قیامت تک کے لیے اسے رسوا کردیں قرآن کے اندر، ہمیشہ رہنے والی کتاب میں، اور قیامت تک کے لیے یہ فیصلہ کردیں کہ ان کے ہاتھ بھی ٹوٹ گئے، ان کے اولاد بھی ختم ہوگئی، ان کا مال بھی تباہ وبرباد ہوگیا، اور اسے ہم ثابت کرکے دکھلا دیں گے۔ تو اب مجھے جملہ کہنے کی اجازت ہے کہ اُس نے پنڈلیوں پر زخم لگائے۔ ابولہب نے پنڈلیوں پر زخم لگائے، یعنی جسم محمدؐ سے دشمنی کی ابولہب نے تو پروردگار کو اتنی بری لگی، اتنا ناگوار گزرا تو اُس نے قیامت تک کے لیے ابولہب کو قرآن میں بدنام کردیا۔ رسوا کردیا، ذلیل کردیا، خوار کردیا۔ تو جسم محمدؐ سے جو دشمنی کرے اُس کا حشر قرآن میں یہ ہے، اور اب اگر کوئی عظمتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کرلے تو اُس کا حشر دنیا و آخرت میں کیا ہوگا۔ اس سے قیاس کریں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے کو۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ یہ عنقریب سین اور سَوْفَ یہ دو حروف ہیں عربی زبان میں، جو مستقبل کے لیے استعمال ہوتے ہیں، سین عنقریب سَوْفَ ذرا سا دُور، تو یہاں ہے سین، سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ عنقریب یہ ایک بھڑکتے ہوئے شعلوں کے گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیں گے؟ کہ قرآنِ مجید کی یہ پیشن گوئی کس طرح پوری ہوئی، عجیب بات ہے جو ہلاک ہوجائے، بس ہوگیا ہلاک، ہلاک تو ہوا، اُس کا مال اُس کے کام نہ آئے، اُس کی اولاد اُس کے کام نہ آئے، اب یہ تینوں باتیں جو اس سورہ مبارکہ

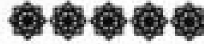
میں آئی ہیں، تینوں باتوں کو آپ ملاحظہ فرمائیں۔ وہ ہلاک ہو جائے، اُس کا مال اُس کے کام نہ آئے، اُس کی اولاد اُس کے کام نہ آئے۔

جنگِ بدر کے ساتویں روز یہ تاریخ لکھتی ہے۔ جنگ بدر کے ساتویں روز، ابولہب طاعون کے مرض میں ہلاک ہوا، اور چونکہ طاعون متعدی مرض ہے، اس لیے اُس کی اولاد اُس کے قریب نہیں گئی۔ تاریخ اُٹھا کے دیکھ لیں، تین دن تک اُس کی لاش پڑی رہی گھر کے اندر کوئی اُس کے قریب نہیں جاتا تھا، اولاد قریب نہیں گئی۔ لوگوں نے یہ کوشش کی کہ مالِ کثیر دے کر مزدوروں سے اُٹھوا کر پھینک دیا جائے، یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ تو کچھ حبشی غلام جو خاندان ہی کے تھے، اُنہوں نے اپنی پُرانی شرافت کی بنیاد پر اُسے اُٹھا کر ایک گڈھے میں لے جا کر پھینک دیا، یہ ہے تاریخ، تو نہ مال کام آیا، نہ دولت کام آئی، اور وہ ہلاک ہو کے رہا۔ اس طریقے سے قرآن مجید کی پیشن گوئی پوری ہوا کرتی ہے۔ اب سورۂ مبارکہ اور آگے بڑھا، وَّ امۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ اُس کی بیوی۔ زوجتہٗ نہیں ہے۔ اُس کی بیوی، اُس کی عورت۔ یہ تحقیر کا لفظ ہے۔ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ لکڑیاں چننے والی، دیکھئے ایک ہے لغت، ایک ہے تاریخ، ایک ہے محاورہ۔ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ کے لفظ کو لغت میں بھی دیکھیں، تاریخ میں بھی دیکھیں، محاورے میں بھی دیکھیں۔ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ کے معنی لکڑیاں چننے والی، لکڑیاں اُٹھانے والی۔ مفہوم یہی ہے۔ لغت میں اس لفظ کے معنی ہیں لکڑیاں چننے والی اور لکڑیاں اُٹھانے والی، انتہائی مال دار خاندان کی عورت، انتہائی مالدار خاندان میں بیاہی ہوئی، لیکن اُس کی خباثت اور اُس کے بخل کا یہ عالم تھا، کہ وہ اپنے گھر کے ایندھن کے لیے جنگل میں جا کے لکڑیاں اکٹھی کیا کرتی تھی۔ یہ ہے لغوی مفہوم۔ تاریخی مفہوم یہ ہے کہ وہ جو لکڑیاں چُن کے لایا کرتی تھی، اُن کے کانٹے اُٹھا کے بچا کے رکھ لیا کرتی تھی، اور رات کے وقت، چونکہ دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی پیغمبر اکرم ﷺ کے گھر سے، تو رات کے وقت دروازے کے اوپر پھینک دیا کرتی تھی۔ کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ اپنے دولت سرا سے باہر تشریف لائیں تو اُن کے پائے مبارک زخمی ہو جائیں۔ یہ ہے مفہوم حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ کا۔ عجیب و غریب طریقے سے قرآن مجید نے اس

ایک لفظ کو رکھا ہے۔ یعنی لغت کے اعتبار سے بھی سامنے آگئی بات، اور تاریخی حقیقت بھی ایک سامنے آئی۔ اور اب تیسرا مفہوم حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا۔ اُٹھا کے دیکھ لیں عربی زبان کی جو محاوروں کی لغت ہے، اُس میں اُٹھا کے آپ دیکھ لیں، حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کے معنی اِدھر کی بات اُدھر پہنچانے والا۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کے معنی عیب تلاش کر کے دوسروں تک منتقل کرنے والا۔ اور اس عورت کا کمال ہی یہ تھا کہ یہ اپنے معاشرے میں عیب جُو اور چغل خور مشہور تھی۔ تو یہ تینوں مفاہیم اُس ایک عورت کی ذات کے اندر موجود ہیں، اور اُس کے اوپر پوری طریقہ سے منطبق ہوتے ہیں، وہ بخیل بھی تھی، وہ پاپائے مبارک کو زخمی بھی کرنا چاہ رہی تھی اور وہ چغل خور بھی تھی۔ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اُس کی عورت لکڑیاں چُننے والی۔ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ اور اُس کی گردن میں خرمے کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔ اُس کی گردن میں تھا کیا؟ آپ کے علم میں ہے کہ اُس عہد میں عربوں کے معاشرے میں عربوں کا جو قیمتی ترین ہیرے اور جواہرات کا ہار ہو سکتا تھا وہ اُمِ جمیل کے گلے میں تھا۔ اُس عورت کی کنیت تھی اُمِ جمیل۔ تو کیا ہے؟ ہیرے کا ہار ہے۔ اور قرآنِ مجید کیا ارشاد فرما رہا ہے، فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ اُس کے گلے میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔

اب قرآن کریم کی پیش گوئیاں خدا کی قسم اس طریقے پوری ہوتی ہیں کہ مؤرخین نے لکھا، اور مفسرین نے سورہ لہب کے ذیل میں یہ لکھا کہ ایک دن لکڑی کا ایک بہت بڑا بوجھ، گٹھا اپنے سر پہ لیے ہوئے وہ آ رہی تھی، اور اُس بوجھ کو اُس گٹھے کو جس رسی سے اُس نے باندھا تھا وہ کھجور کی چھال کی رسی تھی، اور اُس رسی کو اُس نے اپنی گردن میں آویزاں کر لیا تھا تا کہ وہ سر کے اوپر محفوظ رہے۔ آرام کرنے کے لیے وہ ایک پہاڑ کے قریب بیٹھی، اور اُس نے اُس بوجھ کو اُٹھا کر ایک چھوٹے سے ٹیلے پر رکھ دیا۔ کسی ناگہانی طریقے سے، وہ بوجھ گرا اور وہ رسی کھنچی اور اُسی مقام پر دم گھٹنے سے اُس کی موت واقع ہوگئی۔ تو کس طریقے سے قرآن مجید کی پیش گوئی پوری ہوئی؟ بس یہی میری گفتگو کی آخری منزل ہے۔ کہ یہ طریقہ پروردگارِ عالم کا نہیں ہے، یہ طریقہ قرآن مجید کا نہیں ہے، اور یہ طریقہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں ہے کہ مصلحتوں کو دیکھ کر اعلانِ حق میں کمی کی جائے، ہم مصلحتوں کو دیکھ کر

اعلانِ حق میں کمی نہیں کرتے۔ چونکہ ہم مستقبل کو دیکھ رہے ہیں، اور ہمارے پاس پوری کائنات کا غیب ہے تو ہم یہ جان رہے ہیں کہ نہ ابولہب اسلام لائے گا نہ یہودی قیامت تک تمنائے موت کرے گا۔ وآخر دعونا عن الحمد للہ رب العالمین۔



کتاب اور میزان

اعوذ باللہ من الشیطن العین الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

!الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذی نستطفی. اما بعد فقد قال اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فی محکم کتابہ المبین بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

عزیزانِ محترم سورۂ حدید قرآن مجید کا ستاونواں سورہ ہے، اور سرنامۂ کلام میں اُس سورے کی پچیسویں آیت کے ابتدائی جز کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا، اس آیہ مبارکہ میں پروردگارِ عالم نے کئی موضوعات پر گفتگو فرمائی ہے۔لیکن میں اس آیت کے فقط ایک جز کی طرف اپنے محترم سننے والوں کو متوجہ کرنا چاہ رہا ہوں۔ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ پروردگارِ عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ بھیجا، معجزات کے ساتھ بھیجا۔ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ اور ہم نے اُن رسولوں کے ساتھ کتاب نازل کی، اور میزان نازل کی۔ ترازو نازل کی۔ہم نے رسول بھیجے، ہم نے کتاب نازل کی، ہم نے میزان نازل کی، ہم نے رسولوں کو معجزات دیئے، کیوں؟ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ تاکہ انسان عدل و انصاف پر اپنے معاشرے کو چلا سکے، یعنی عجیب بات ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء، بہت سی کتابیں، میزان، معجزات، ہدایت کا سلسلہ، یہ سب کیوں ہے؟ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ تاکہ انسان عدل و انصاف پر اپنی زندگی کو گزار سکے ،یعنی ظلم کے خلاف اس سے بڑی تحریک نہیں ہو سکتی، کہ پروردگارِ عالم نے انبیاء نازل کیے عدل کے لیے، یعنی اُن کی مخالفت کے لیے۔ کتابیں نازل کیں عدل کے لیے، کہ عدل قائم ہو، میزان نازل کی تاکہ عدل قائم ہو۔دیکھیے یہ جو ظلم ہے نا، تصور فقط یہ ہے کہ ظلم کے معنی ہیں کسی غیر کے ساتھ وہ کام انجام دے دینا جو اُس کے مناسب حال نہ ہو، یہ ہے ظلم کا مفہوم، کسی غیر کے ساتھ، وہ کام انجام دینا جو اُس کے مناسب حال نہ ہو، تو ہمیشہ یہی سوچا جاتا ہے

کہ جب دو ہوں تو جب ظلم ہوگا۔ یعنی ایک ظالم بنے ایک مظلوم بنے، جبھی تو ظلم ہوگا نا، تو یہ ہے عام تصور۔ جو ہر انسان کے ذہن میں ہے، بھئی کم سے کم دو ہوں، جبھی ظلم ہوگا، ورنہ اگر اکیلا انسان پوری دنیا میں کھڑا ہوا ہو تو وہ کیا ظلم کرے گا؟ لیکن انسان ظلم کے تصور میں اس بات کو بھول جاتا ہے کہ وہ اکیلا بھی ظلم کر سکتا ہے، اور وہ ظلم ہے اپنی جان پر اور اپنے نفس پر، بھئی آپ دوسرے کے ساتھ ظلم نہیں کر سکتے، کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو دوسرے پر حقِ تصرف نہیں ہے۔ اسی طریقے سے آپ کا نفس اور آپ کی جان جو آپ کو ودیعت کی گئی ہے یہ امانت ہے اُس کی، جب امانت ہے تو آپ کو حق نہیں ہے کہ آپ اس کے ساتھ ظلم کریں، تو ظلم کے دو درجے ہیں۔ دوسرے کے ساتھ ظلم کرنا، اپنے ساتھ ظلم کرنا۔ اچھا اب یہ نہ سمجھیے گا کہ اپنے اوپر ظلم کرنا، یا اپنے ساتھ ظلم کرنا یہ فقط دین کی طرف سے ممانعت رکھتا ہے، نہیں دنیا کے ہر معاشرے میں یہ دونوں ظلم اور ان دونوں کے خلاف ایجی ٹیشن (agitation) یہ رائج ہے، دوسرے کے ساتھ ظلم نہ کرو، سب جانتے ہیں۔ خودکشی دنیا کے بہت سے معاشروں میں اک جرم ہے۔ بھئی میری چیز ہے، میری جان ہے میں اُسے رکھوں یا اُسے تلف کر دوں آپ کو کیا اعتراض ہے؟ لیکن یہ وہ واحد جرم ہے نا کہ اگر کامیاب ہو جائے تو اس کی سزا نہیں ہے۔ اور اگر ناکامیاب ہو جائے تو پھر پکڑا جاتا ہے زندہ بچ جاتا ہے۔ واحد جرم ہے ایسا۔ اچھا میری جان تھی، میں اسے ختم کر دوں، ہلاک کر دوں، توڑ دوں، پھوڑ دوں آپ کو اعتراض کیا ہے۔ نہیں چونکہ یہ جان آپ کو امانتاً دی گئی ہے، اب چاہے حاکم مانے یا نہ مانے، اُس کے لاشعور میں یہ بات ہے کہ جان میری اپنی ذاتی نہیں ہے، مجھے امانتاً چونکہ دی گئی ہے، مجھے اُتنا ہی حق تصرف ہوگا جتنا اختیار ہمیں دیا گیا ہے، اور جو ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے ہم اُتنا حق تصرف استعمال نہیں کر سکتے۔ تو اب ان دونوں ظلموں کو ختم کرنے کے لیے پروردگر نے کیا کیا؟ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ ہم نے پیغمبر بھیجے اور وہ پیغمبر بھیجے بینات کے ساتھ۔ بہت ٹھنڈے دل کے ساتھ سماعت کرتے جائیں۔ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ یہ بینات کیا ہے؟ یہ بینات ہے جمع بین کی، بین کے معنی کیا ہیں؟ روشن دلیل۔ ایسی دلیل جسے رَد نہ کیا جا سکے۔ ایسی دلیل جس سے حقیقت کھل کر سامنے آجائے، مثلاً کوئی شخص عدالت کے سامنے

دعویٰ لے کے گیا، کوئی اپنا ایک دعویٰ، عدالت نے اُس دعوے کو قبول نہیں کیا۔ دیکھیے میں فقہ اسلام کی اصطلاح استعمال کر رہا ہوں۔ بینات کیا ہے؟ عدالت نے اُس کے دعوے کو قبول نہیں کیا، وہ اپنے معاشرے سے، اپنے سماج سے، اپنے محلے سے، دو انتہائی عادل، ثقہ، معتبر، مسلمان، متقی اور پرہیزگار شخصوں کو لے کے گیا۔ دو عادل گواہ۔ اُس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں دو عادل گواہوں کو عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔ اب فقہ اسلام کی اصطلاح میں یہ کہا جائے گا، کہ عدالت پر اور اُس کے دعوے پر بینا قائم ہوگیا، اب بینا کے معنی کیا ہیں؟ بینا اتنی روشن دلیل جسے جھٹلایا نہ جاسکے، بینا ایسی واضح بات جس سے دعوے کی حقیقت سامنے آجائے۔ تو پروردگرِ عالم نے تمام انبیا اور مرسلین کو بینا دے کے بھیجا۔ اور اس بینا کو ہم اُردو کی اصطلاح میں اور دین کی اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ اچھا بھئی بینا کیا ہے؟ معجزہ، معجزہ وہ روشن دلیل جس کے بعد آپ کسی نبی کے دعوے کو جھٹلا نہ سکیں۔ کسی نبی کے دعوے کی تردید نہ کرسکیں۔ آج کے عہد میں اُن معجزات کی حقیقتیں زیادہ واضح ہو رہی ہیں، بھئی کل کا واقعہ تھا نا، سلیمانؑ علیہ السلام اپنی بساط پر، اپنے قالین پر بیٹھ کر پرواز کرتے تھے، ہوائی جہاز نے اُس کے امکان کو بہتر بنا دیا نہیں؟، ذہنوں کے اندر روشن ہوگیا، ہوائی جہازوں نے بساطِ سلیمانؑ کو روشن کیا۔ واضح کیا۔ یہ کل کا واقعہ تھا کہ عیسیٰؑ نے مادر زاد اندھے کو اچھا کر دیا، آج قرنیہ کی تبدیلی سے اندھے کو آنکھ دی گئی یا نہیں دی گئی؟ کل ایسا ہوا کہ مُردے کو عیسیٰ علیہ السلام نے زندہ کر دیا، اور آج دل پر مالش کر کے کچھ دیر کے لیے مُردے کو زندہ کر دیا جاتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہ جاتا ہے۔ تو سوچنے والا یہ سوچ سکتا ہے، کہ بھئی کل کے بساطِ سلیمان میں اور آج کے ہوائی جہاز میں فرق کیا ہوا؟ کل کی بینائی عطا کرنے میں اور آج کے قرنیہ تبدیل کرنے میں فرق کیا ہوا؟ کل مردہ زندہ ہوگیا، آج ہم نے دل پہ مالش کر کے اُسے زندہ کر دیا، فرق کیا ہوا؟ تو بات یہ ہے کہ جس کے اسباب معلوم ہو جائیں، جس عمل کے اسباب معلوم وہ جائیں، وہ عمل معجزے کے مشابہ تو ہوگا لیکن معجزہ نہیں ہوگا۔ اور جس کے اسباب معلوم ہی نہ ہوسکیں کہ یہ کس سبب سے ظہور پذیر ہو رہا ہے اُسے معجزہ کہا جائے گا۔

یعنی میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں اپنے محترم سننے والوں کی خدمت میں یہ جملہ پہنچانا چاہ رہا ہوں کہ بھئی چاند پر پہنچ جانا اور ہے، چاند کو توڑ دینا اور ہے۔ سورج کی شعاعوں کو اسیر کر کے اُس کی قوتوں کو استعمال کرنا اور ہے، سورج کو پلٹا دینا اور ہے۔ دُور ترین سیارے پر اُتر جانا اور ہے اور قاب قوسین پر پہنچ جانا اور ہے، تو ہم نے اپنے پیغمبروں کو ایسے محیر العقول کارنامے دیئے، ایسے محیر العقول اعمال و افعال عطا کیے کہ وہ روشن دلیل بن جائیں۔ اُن کے وجود پر، اُن کی نبوت کے وجود پر، اب اگر یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہیں سے سلسلہ فکر آگے چلے گا۔ اچھا پیغمبروں کو کیا دیا؟ بینات دیئے، اور بینات دے کر بھیج دیا۔ اب کیا نازل کیا؟ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ ہم نے اُن رسولوں کے ساتھ کتاب نازل کی، اور کیا نازل کی؟ میزان۔ میزان کے معنی ہیں ترازو۔ یہ ذہن میں محفوظ رہے، کتاب آئی، حضرتِ داؤد علیہ السلام پہ زبور آ گئی، حضرتِ موسیٰ علیہ السلام پہ توریت نازل ہوئی، حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام پہ انجیل نازل ہوئی، پیغمبر اکرم ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا، اور صحوف بھی رسولوں پہ نازل ہوئے، کتابیں تو ہیں، اب تحریف شدہ ہی سہی، توریت تو ہے۔ کتنی بھی اُس میں انسانی ہاتھ نے تحریفیں کی ہوں، لیکن بہر حال توریت ہے، انجیل ہے، زبور موجود ہے۔ اور یہ ایک بائبل کے اندر آپ کو مل جائے گی، اچھا اور انبیا ملاکی نبی، حیقوق نبی، یرمیاہ، یسیع اُن کے صحیفے موجود ہیں، تو کتابیں تو ہیں، کبھی آپ نے کسی اُمت میں سُنا کہ میزان بھی موجود ہو۔ کسی نبی کی؟ داؤد کی زبور تو ہے، داؤد کی میزان نہیں ہے۔ اچھا موسیٰ علیہ السلام کی توریت ہے، موسیٰ کی میزان بنی اسرائیل میں کہیں محفوظ ہو؟ نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے، میزان نہیں ہے۔ تو قرآن تو کہتا ہے ہم نے رسول پر کتاب بھی نازل کی اور میزان بھی نازل کی۔ تو بھئی وہ میزان کہاں گئی؟ چلو وہ پچھلے نبی تھے، ہو سکتا ہے اُن کی اُمتوں نے جیسے کتاب میں تحریف کی، میزان کو کہیں توڑ کے پھینک دیا ہو، لیکن ہمارا نبی جس کی کتاب محفوظ ہے، جس کا دین محفوظ ہے اور جس کی کتاب اور دین کو قیامت تک محفوظ رہنا ہے اُس کی میزان کہاں گئی؟ اچھا اگر آپ یہ کہہ دیں کہ اچھا جناب اُس کی تھی گم ہوگئی۔ تو بھئی ذکر تو آتا، وہ نبی جس کے اعضاء کی ڈیٹیلز (details) سیرت

کی کتابوں میں موجود ہے، جس کے لہجے کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہے، جس کے اُٹھنے بیٹھنے کی ساری تفصیلات کتابوں میں موجود ہے۔ اُس نبی کی کتاب تو ہے ہمارے پاس میزان کدھر گئی؟ ہے نا قابل غور بات؟ یہ بھی طے ہے کہ دنیا میں عدل کا معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ دو چیزیں نہ ہوں، اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ ہم نے رسولوں پر کتاب نازل کی اور کیا نازل کیا؟ میزان۔ کیوں؟ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ تاکہ ان دونوں کے سہارے انسان عدل پہ قائم ہو سکے، تو تنہا کتاب کافی نہیں ہے عدل پہ قائم ہونے کے لیے، تنہا میزان کافی نہیں ہے، عدل پر قائم ہونے کے لیے، کتاب تو ہے تو میزان کہاں ہے۔ اچھا نعوذ باللہ گم ہو گئی ہو، تو کہیں کوئی ذکر تو آتا، کوئی سیرتِ ابن اسحٰق میں لکھ دیتا، کوئی ابن ہشام میں ہوتا، کوئی کسی کتاب میں ہوتا، پیغمبر کی میزان تھی فلاں تاریخ تک رہی، اور پھر گم ہو گئی۔ تو اصل میں بات یہ ہے کہ لفظ میزان کو لغت سے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ یہ جو سارا پرابلم کریئٹ (problem creat) ہوا ہے نا، اُس کا سبب یہ ہے کہ لفظ میزان کو لغت کی کتاب سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ وقت طلب بات جو اس لفظ میں تھی اُس کی طرف توجہ نہیں کی گئی، بھئی میزان ہے کیا؟ المیزان ما یوزن بہ میزان اُس شے کو کہتے ہیں جس پر کسی چیز کو وزن کیا جائے۔ اسے ذہن میں رکھیے گا۔ اس لیے کہ معنی سمجھنے کے لیے تو لغت کا سہارا لینا پڑے گا۔ لیکن مفہوم تک جانے کے لیے ہم لغت کو ایک طرف رکھ دیں گے۔ اب ہم یہ معنی معلوم کر رہے ہیں، کیا ہے بھئی میزان، جس کے ذریعے کوئی چیز تولی جائے۔ طے ہو گئی بات؟ اب آپ نے ترازو بہت دیکھے ہوں گے، اُس پہ تولا جاتا ہے۔ یہ پتھر ملتے ہیں، نیلم ہے، ہیرا ہے، ان کے تولنے کی میزان الگ ہے، چھوٹی سی، مختصر سی۔ اُس میزان پر آپ آٹا، دال یا چاول نہیں تولیں گے۔ تو آٹے کے لیے دال کے لیے چاول کے لیے ایک ترازو الگ سے چاہئے۔ بات واضح ہو گئی؟ ہیرے کے لیے، سونے کے لیے میزان الگ، اجناس کے لیے میزان الگ۔ اچھا روئی تولنے کے لیے میزان ہے، لوہا تولنے کے لیے ایک میزان ہے، لکڑی تولنے کے لیے ایک میزان ہے، اچھا اب آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب یہ ساری

میزانیں تو گنوادیں، لیکن حقیقت میں تو میزان ایک ہی ہے، کوئی چھوٹی ہے، کوئی بڑی ہے لیکن میزان تو ایک ہے، یہ کہہ سکتے ہیں آپ۔ تو اب میں ایسی مثال دوں جس میں میزان تبدیل ہو جائے، بھئی نیلم کی میزان چھوٹی ہو گی لیکن دو پلے تو ہوں گے، تولی جائے گی چیز اُس کے اوپر، آٹے دال کی میزان ہو گی، لکڑی کی ہو گی، وغیرہ وغیرہ۔

اب میں اپنے محترم سُننے والوں سے ایک سوال کرنا چاہ رہا ہوں، ابھی میں نے کچھ دنوں پہلے کسی روزنامے میں پڑھا کہ بلوچستان میں زلزلہ آیا، آپ نے بھی پڑھا ہو گا، آیا تھا نا؟ بلوچستان میں زلزلہ آیا، اُس نیوز میں یہ ڈیٹیل (detail) تھی، اتنی طاقت کا زلزلہ تھا، اور اُس کا مرکز فلاں جگہ تھا، یہ طاقت کس میزان پہ آپ نے تولی؟ وہ ہیرے والی میزان کے اوپر؟ یا جس پہ آٹا تولتے ہیں اُس میزان کے اوپر؟ تو طاقت کس میزان پہ تلی، تو کوئی میزان ایسی ہے جس پہ طاقت تلتی ہے، کسی میزان پہ آٹا تلا، کسی پہ دال چاول تلے، کسی پر ہیرا تلا، کسی پر لوہا تلا، کسی پر لکڑی تلی، کسی پر زلزلہ تل گیا۔ اچھا بخار ہے۔ بھئی کتنا بخار ہے، کچھ ہے، ۱۰۲ ہے، ۹۹ ہے، ۱۰۱ ہے۔ کس میزان پہ تول دیا آپ نے؟ تو یہ میزان اُس زلزلے والی میزان سے الگ ہے۔ اچھا آپ ہوا کا دباؤ پریشر (presrure) تولتے ہیں، کہ ہوا کا دباؤ اتنا تھا ہوا میں نمی کا تناسب اتنا تھا، یہ میزان کون سی ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اب ہوا میں نمی بھی تل رہی ہے، اُس کی بھی کوئی میزان مخصوص اور معیّن ہے۔

دیکھیے اب آپ مشاعرے میں کہتے ہیں کہ فلاں شاعر نے ناموزون شعر پڑھ دیا۔ یہ ناموزون و موزون جو ہے نا یہ نکلا ہی وزن سے ہے۔ یعنی اُس کا شعر وزن سے باہر تھا، تو اب معلوم یہ ہوا کہ فقط جنس نہیں تلتی، فقط زلزلہ نہیں تلتا، فقط ہوا نہیں تلتی، فقط بخار نہیں تلتا، لفظ بھی تلتے ہیں۔ لفظوں کی بھی ایک میزان ہے۔ اگر میری یہ بات واضح ہو رہی ہے تو مجھے یہیں پہ آگے جانا ہے، اچھا تو لفظوں کی ایک میزان ہے نا؟ اُس کا نام ہے علمِ عروض۔ مثلاً بحرِ مضارع۔ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفاعیلُ۔ پُرانے اُردو کے استاد شاعر نے کہا اپنے دوسرے اُستاد شاعر پہ اعتراض کرتے ہوئے۔

بحرِ ہزج میں ڈال کے بحرِ رمل چلے

تو بحرِ مضارع ہے، بحرِ ہزج ہے، بحرِ رمل ہے۔ اور ان بحروں پر لفظوں کو تولا جاتا ہے اور ان بحروں پر جو لفظ مطابق اُتر آئے وہ شاعری کے معیار پر صحیح اور موزون قرار دیے جاتے ہیں۔ تو لفظوں کی بھی ایک میزان ہے۔ اچھا اب عجیب بات یہ ہے کہ علم منطق ایک علم ہے دنیا کا۔ فلسفہ پڑھنے کے لیے یہ علم ضروری ہے۔ لوجِک (logic) سے انگریزی میں کہتے ہیں۔ عربی زبان میں اس علم کا نام ہے علم المیزان۔ اچھا منطق کیا ہے؟ دو جملے منطق کے بارے میں سنتے جائیں، منطق اُس علم کو کہتے ہیں جس علم کے ذریعے انسان کی فکر کو پرکھا جاتا ہے کہ وہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ فقط لفظ نہیں تلتے، انسان کی فکر بھی تلتی ہے۔ انسان کی فکر کو بھی وزن کیا جاتا ہے، اور اُس کے لیے میزان الگ ہے۔ تو اب اللہ نے انبیاء کے ساتھ کتاب نازل کی، اور میزان نازل کی۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کس چیز کی میزان ہے، جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ کس چیز کی میزان ہے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہے کیا؟ تو کیا تُلنا ہے۔ تُلنا ہے اعمال کو، لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم نے نبی بھیجے، رسول بھیجے، اور اُن رسولوں کو معجزات دیے، اُن کے ساتھ ہم نے کتاب نازل کی، اُن کے ساتھ ہم نے میزان نازل کی، بھئی کیوں نازل کی؟ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ تاکہ انسانیت عدل پہ قائم ہو جائے، تو انسانیت کو عدل پہ قائم ہونا ہے نا؟ تو اب ایک ایسی میزان کی ضرورت ہے جس پر انسانی اعمال کو تول کے دیکھا جائے کہ کتنا عدل سے بڑھ گیا ہے، کتنا عدل سے گھٹ گیا ہے، یا عدل کے بالکل مطابق ہے، بات واضح ہوئی نا؟ اب ایسے معیاری اعمال و افعال کا دنیا میں ہونا ضروری ہے جن کے اوپر ہمارے اعمال و افعال تولے جائیں۔ اُس معیاری میزان کا نام ابھی میں روک رہا ہوں، کہ اُس کا نام کیا ہے۔ لیکن ابھی فقط اتنا سمجھ لیں کہ ہمارے کردار کو تُلنا ہے میدانِ حشر میں، ہم نے نماز پڑھی کیسی پڑھی؟ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ تو کوئی آئیڈیل (ideal) ہونا چاہئے نا کہ منطبق کر کے دیکھ لیا جائے کہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ اچھا ہم نے زندگی گزاری عدل کے ساتھ گزاری، اب عدل کا جو معیار خالق کی نظر میں ہوگا اُس کے مطابق تھی یا نہیں تھی، تو ایک ایسے عادل کا مجسمہ

ضروری ہے جس پر ہمارے عدل کو تول کر دیکھا جائے، مفسرین نے لکھا کہ اس میزان سے مراد خود قرآن ہے۔ **الکتاب الذی ھو المیزان**۔ میں اس تفسیر کو مان لیتا اگر بات پوری ہو جاتی۔ تو جہ رہے۔ کہنے لگے میزان سے مراد کیا ہے؟ قرآن۔ اچھا میزان کس کی ہوتی ہے؟ بھئی میں دکان پہ گیا، اور میں نے ایک سیر چاول خریدا، دوکان دار نے مجھے ایک تھیلے میں چاول بھر کے دے دیا۔ میں نے چیلنج کر دیا کہ سیر بھر نہیں ہے۔ یہ تو تین پاؤ ہے۔ اُس نے کہا نہیں یہ سیر بھر ہے، فیصلہ کیسے ہوگا یہ بتایئے۔ اختلاف ہو گیا نا دونوں میں، فیصلہ ہوگا کہ تول کر میزان پہ دیکھ لو۔ وہ جو باٹ رکھا ہوا ہے نا سیر بھر کا اگر اُس کے مطابق ہو جائے تو صحیح دکاندار کی بات، اگر مطابق نہ ہو تو پھر میری بات صحیح ہے۔ بات واضح ہو رہی ہے نا؟ تو ترازو، یعنی میزان اختلاف کو حل کرتی ہے۔ اگر قرآن سے اختلاف حل ہو جاتے تو ہم کہتے قرآن میزان ہے۔ بات واضح ہوئی نا؟، اگر قرآنِ مجید سے اختلافات حل ہو جاتے تو ہم یہ مان لیتے کہ قرآن مجید میزان ہے۔ لیکن ہم کیا کریں کہ قرآنِ مجید کہتا ہے **اقیمو الصلوٰۃ**۔ نماز پڑھ، اچھا حکم تو ہے قرآن میں نماز پڑھو، میں اپنی مرضی سے پڑھ لوں اپنے طریقے سے، آپ اپنی مرضی سے پڑھ لیں، تیسرا آدمی اپنے طریقے سے پڑھ لے، کتنے اختلافات ہو جائیں گے؟ تو قرآن کے حکم میں چونکہ اجمال ہے۔ اس لیے اُس نے اختلاف کو رفع نہیں کیا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ کہ جس کا راستہ کھلا ہو جو مستطیع ہو، وہ خانہ کعبہ کا حج کرے۔ اچھا میں اپنی مرضی سے کر لوں، آپ اپنی مرضی سے کر لیں، اختلاف تو ہو جائے گا۔ اس لیے کہ قرآن نے تو حکم حج کا دیا ہے، تفصیلاتی مسئلہ ہے۔ اجمال ہے۔ قرآن نے کہا واتوالزکوۃ، زکوۃ دو، تو نصاب کیا ہوگا؟ کتنے دنوں کے بعد زکوۃ دو، کچھ نہیں ہے نا۔ تو اختلافات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب تک تفصیل نہ ہو اجمال میں اختلافات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تو قرآن یہ کہہ کے رُک گیا کہ **اقیمو الصلوٰۃ** کہ تم نماز پڑھو۔ بات تو واضح ہوئی نا۔ قرآن یہ کہہ کے رُکا کہ تم نماز پڑھو، اب ایک ایسی میزان کی ضرورت ہے کہ وہ ہمارے سامنے ہو اور ہم اُس میزان کو دیکھ کے نماز پڑھیں، تا کہ اللہ کی بارگاہ میں اُس کے مطابق قبول کی جائے۔ اسی لیے قرآن نے

کہا اقیمو الصلوٰۃ۔ نماز پڑھو اور پیغمبر اکرم ﷺ نے کہا، صلوا کما رایتمونی اُصلی۔ جیسے میں پڑھ رہا ہوں ویسے پڑھو۔ میزان میں ہوں قرآن نہیں ہے۔ قرآن صامت ہے میں ناطق ہوں۔ جیسے میں پڑھ رہا ہوں اُس طریقے سے تم نماز پڑھو تو کردارِ محمد عربی میزان ہے۔ ہر نبی کا کردار اپنے زمانے میں میزان، ہمارے لیے اور اُمت اسلامیہ کے لیے محمد عربی ﷺ کا کردار خود میزان ہے۔ اب میں اپنے سُننے والوں سے پوچھنا چاہ رہا ہوں، بھئی کس کا کردار میزان ہے؟ ہمارے رسول ﷺ کا، کتاب قرآن، میزان کردارِ محمد ﷺ۔ بات واضح ہوئی نا۔

تو اب میں پوچھنا چاہتا ہوں اپنے سارے سننے والوں سے کہ بھئی اختلاف ہو گیا میرے اور آپ کے درمیان، میں کہتا ہوں سیر ہے، آپ کہتے ہیں نہیں تین پاؤ ہے، چیز کیسے تلے گی؟ ترازو پہ تول لو، اچھا جو باٹ تھا نا باٹ، وزن جو رکھا گیا ہے، وہ میں اپنے گھر کے اندر سے نکال کے لے آیا ایک لوہے کا ٹکڑا۔ آپ اُسے تسلیم کریں گے؟ نہیں مانیں گے، ضروری ہے رفع اختلاف کے لیے کہ وہ باٹ سرٹیفائیڈ (certified) ہو، تصدیق شدہ ہو۔ میں آپ کے باٹ کو نہیں مانوں گا، آپ میرے باٹ کو نہیں مانیں گے، رفع اختلاف کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی بڑی پاور (power)، کوئی بڑی طاقت، اُسے سرٹیفائی (certify) کرتی ہو کہ یہ باٹ مستند ہے اور واقعاً ایک سیر کا ہے۔ اب جس کے اعمال کو پروردگارِ عالم، جس کے کردار کو، جس کی پوری زندگی کو، پروردگارِ عالم میزان بنا رہا ہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے قول اور عمل پر پروردگارِ عالم کی مہر لگی ہوئی ہو۔ بھئی یہی سبب ہے کہ انسان یا قول ہے یا عمل ہے۔ میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں، آپ دیکھ لیجئے گا اور پوری زندگی کو دیکھیے گا، ہر انسان کو میں ریکوسٹ کرتا ہوں کہ وہ چیک کرے۔ یا کرے گا یا کہے گا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، بھئی آپ سُن رہے ہیں کر رہے ہیں، سنیں گے کریں گے کام ہے، جاگیں گے کام ہے، اُٹھیں گے کام ہے، ملازمت کریں گے کام ہے، جو کریں وہ کام ہے، بولے قول ہے، تو پوری زندگی انسان کی یا قول ہے یا عمل ہے۔ بات واضح ہوگئی۔

قولِ رسولؐ کے لیے سورۂ نجم میں کہا: وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ اُس کا قول اُس کی خواہش کا قول نہیں ہے وحیِ الٰہی ہے۔ تو قول پہ مُہر لگا دی، قولِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مہر لگائی کہ وہ وحیِ الٰہی ہے۔ اور سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا: اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ؕ رسول کہہ دو کہ میں جو بھی کرتا ہوں وہ تابع وحیِ الٰہی ہے، تو قولِ محمد وحیِ الٰہی، عملِ محمدؐ وحیِ الٰہی، تو اور انسان ہے کیا یا قول ہے یا عمل ہے۔ تو جس کی پوری زندگی پر وحیِ الٰہی کی مہر لگی ہوئی ہو وہاں خطا تو بڑی چیز ہے لغزش کا بھی امکان نہیں ہے۔ بات تو واضح ہو رہی ہے نا، یہی سبب ہے کہ پروردگار نے کبھی کردارِ رسولِ عربی کو میزان کہا، کبھی کردارِ رسولؐ عربی کو اُسوۂ حسنہ کہا، کبھی کردارِ رسولِ عربی کو صراطِ مستقیم کہا۔ و آخر دعونا عن الحمد للہ رب العالمین۔



مقصدِ تخلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم ! الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذی نستطفی۔ اما بعد فقد قال اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فی محکم کتابہ المبین
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (سورۃ المومنون:۱۱۵)

عزیزانِ محترم ! اس مقدس اجتماع کے لیے سورۂ مومنون کی ایک آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا۔ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سورۂ مومنون کا نشان تیئس ہے۔ تیئسواں سورہ قرآنِ مجید کا۔ اور وہ آیہ مبارکہ جس کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا ہے وہ اس تیئسویں سورے کی ایک سو پندرھویں آیت ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں کفار کو مخاطب کیا، اور مخاطب کرنے کے بعد یہ ارشاد کیا اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ کیا تم یہ گمان کرتے ہو "ہم نے تمہیں بے مقصد اور عبث خلق کیا ہے" وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ اور کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم ہماری بارگاہ میں پلٹ کر نہیں آؤ گے؟ اس آیہ مبارکہ میں کافروں کا یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ یہ دنیاوی زندگی ہے، اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ اُسی کو پروردگارِ عالم نے ایک سوال کی صورت میں اُن کے سامنے پیش کیا۔ کہ تمہارا خیال یہ ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور عبث خلق کیا ہے؟ یعنی ایک گروہ وہ ہے جس کا نظریہ وہ ہے کہ یہ کائنات بے مقصد خلق ہوئی، اور ہماری تخلیق بھی بے مقصد ہے۔ اور اسی آیہ مبارکہ سے یہ نظریہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خود قرآن کی نگاہ میں اور خود پروردگارِ عالم کی نگاہ میں اس کائنات کا ایک مقصد ہے۔ تو وہ لوگ جو اس کائنات میں مقصدیت کے قائل نہیں ہیں اُن کے قول کو پروردگارِ عالم نے سورۂ الجاثیہ میں نقل فرمایا۔ سورۂ الجاثیہ قرآنِ مجید کا پینتالیسواں سورہ ہے

۔ اور اُس سورے میں دھریوں کی بات نقل کی، وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا ان یہ دہریے کہتے ہیں، منکرینِ خدا کہ اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کچھ نہیں، اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا بس جو کچھ بھی ہے بس یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے، نَمُوْتُ وَ نَحْیَا ، پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں، مرتے ہیں پیدا ہوتے ہیں یہ ایک سلسلہ چل رہا ہے۔ وَمَا یُهْلِکُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ اور ہمیں جو موت آتی ہے، ہم جو ہلاک ہوتے ہیں تو ہلاک کرنے والا ہمیں کوئی خدا نہیں ہے بلکہ زمانہ ہلاک کر رہا ہے، ہم زمانے کی تخلیق ہیں اور زمانہ ہی ہمیں موت دیتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اُن کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ وہ فقط ایک گمان کر رہے ہیں۔ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ○ یہ اُن کا قیاس ہے، یہ اُن کی تخمین ہے، یہ اُن کا ظن ہے اور یہ اُن کا گمان ہے۔

میں اس مرحلۂ فکر پر اپنے سارے سُننے والوں کو روکنا چاہ رہا ہوں کہ دہریوں کا خیال ہے کہ بس جو کچھ بھی ہے وہ دُنیا ہے۔

ہم اس میں پیدا ہوئے، رسد لی، جو حصہ کائنات میں ہمارا معین تھا وہ حاصل کیا، اور ہم اس دنیا سے چلے گئے، اب جو چلے گئے تو عدم میں گئے، گھپ اندھیرے میں چلے گئے، اب ہماری نہ کوئی ایکٹی ویٹی activity ہے، نہ کوئی جزا ہے، نہ کوئی سزا ہے۔ اس مرحلے پر میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا اگر اس نظریے کو مان لیا جائے کہ فقط یہ دنیا ہے، کیا اربوں کھربوں سال کی اس طویل وعریض کائنات میں ہر انسان کا حصہ اُس کی فقط عمرِ طبعی ہے، پچاس سال، سو سال، پچھتر سال، نوے سال، اتنی تو عمر ہوتی ہے نا انسان کی۔ تو کیا کھربوں سال کی کائنات میں تمہارا اور میرا حصہ، ایک ایک انسان کا، الگ الگ حصہ کُل اتنا ہے کہ آپ کو پچاس سال کی نعمتیں مل جائیں یا سو سال کی نعمتیں مل جائیں، دوسرا سوال جو پھر پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ہم جانوروں کی زندگی گزارنے کے لیے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ اور تیسرا سوال جو اسی سوال سے نکلتا ہے وہ یہ کہ پھر ہمیں عقل دینے کی ضرورت کیا تھی؟ ہم جانوروں کی طرح آتے زندگی گزارے، جانوروں ہی کی طرح اس دنیا سے واپس چلے جاتے، عقل دینے کی ضرورت کیا تھی؟ چوتھا سوال پھر ایک پیدا ہو جاتا ہے،

کہ اگر کوئی آخرت نہیں ہے، کوئی جزا و سزا نہیں ہے، فقط یہ دنیا ہی دنیا ہے تو ضرورت کیا ہے کہ ہم کسی بھی قانون کی پابندی کریں۔ یعنی میں نہ آپ کے مذہب کی بات کر رہا ہوں، نہ دین کی، فقط عقلی اور نفسیاتی بنیادوں پر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ دنیا ہے اور ہمارا حصہ اس دنیا میں فقط سو سال، نوے سال ہے، پچانوے سال ہے، یعنی maximum جو عمر آج کل انسانوں کی ہوتی ہے۔ تو ضرورت کیا ہے کہ ہم کسی بھی قانون کی پابندی کریں، اسی لیے کہ مرنے کے بعد قانون کی پابندی کرنے والا اور قانون کو توڑنے والا دونوں برابر ہوں گے، تو جب دونوں برابر ہوں گے تو ضرورت کیا ہے اس بات کی کہ کوئی قانون کی پابندی کرے اور اپنی پوری زندگی کو کسی بھی لگے بندھے اصولوں کے تحت گزارے، اگر یہ باتیں واضح ہوئیں تو پھر ایک سوال اس کے اوپر اور کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ میری اور آپ کی جو رسد ہے اس دنیا سے، وہ سو سال کے اندر اندر ہے، تو ضرورت کیا ہے کہ میں اس دنیا کی تعمیر کروں مستقبل کے لیے، آپ اس دنیا کی تعمیر کریں مستقبل کے لیے، اس لیے کہ آپ کو جو حصہ ملنا تھا وہ مل گیا، اب اگر آپ نے انسانیت کو سدھار دیا، معاشرے کی آپ نے کوئی خدمت انجام دے دی، تو اُس معاشرے کی خدمت سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ کچھ بھی نہیں پہنچنے والا، اگر فقط یہ دنیا ہی ہے، تو یہ ایک نظریہ ہے، جسے قرآنِ کریم نے سوال کی صورت میں انسانوں کے سامنے پیش کیا، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ ہم نے تجھے عبث پیدا کیا؟ بے مقصد پیدا کیا؟ وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ اور تم ہماری بارگاہ میں واپس نہیں آؤ گے؟

تو اگر واقعاً یہ طے کر لیا جائے کہ ہم عبث خلق ہوئے اور ہمیں کسی کی بارگاہ میں جانا نہیں ہے، تو جتنے بھی سوالات میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں اُن میں سے ایک بھی سوال کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل قرآنِ مجید نے جو نظریہ دیا اُس نظریے کا نام ہے نظریہ یومُ الدین۔ یا نظریہ یومُ الآخر۔ وہ نظریہ کیا ہے؟ وہ نظریہ یہ ہے کہ یہ کائنات انسان کا مکمل دستورِ عمل نہیں ہے، یہ کائنات انسان کا مکمل زاویہ فکر نہیں ہے، یہ کائنات انسان کا مکمل منطقی نتیجہ نہیں ہے۔ تو پھر ہے کیا؟ ایک یوم الدین ہے، اور اُس یوم

الدین کو قرآن نے کبھی یوم قیامت کے نام سے یاد کیا، کبھی ساعہ کے نام سے سے یاد کیا، کبھی یوم الدین کے نام سے یاد کیا، کبھی کچھ اور ناموں سے بھی اُسے یاد کیا، ایک یوم الدین ہے جزا کا دن، اگر وہ یوم الدین تمہارے حلق سے اُتر گیا اور تم نے اُسے قبول کر لیا اپنے شرح صدر اور اسنانِ نفس کے ساتھ، تو تم ان سارے مسائل کا جواب دے سکتے ہو، اب وہ یوم الدین کیا ہے؟ تو سورۂ انفطار میں ارشاد فرمایا، تیسویں پارے کا ایک مشہور سورہ ہے، وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۙ تم کیا جانو کہ یوم الدین کیا ہے؟ ثُمَّ مَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ؕ اور پھر سنو تم کیا جانو کہ یوم الدین کیا ہے؟ وہ دن ہے کیا؟ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـئًا اس دن کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر اختیار نہیں ہوگا، اس دن کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے کام نہیں کر سکے گا، وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۠ اور سارے اُمور، سارا administration، ساری طاقتیں، اُس وقت مخصوص ہوں گی پروردگارِ عالم کے ساتھ۔ تو یہ ہے یوم الدین کہ کوئی انسان کسی کے کام نہ آسکے، اور سارا اقتدار اور سب کچھ اللہ کے کنٹرول (control) میں ہو۔ بھئی اختیار تو آج بھی اُس کے کنٹرول (control) میں ہے۔ لیکن چونکہ انسان کو پروردگارِ عالم نے اختیار دیا ہوا ہے تو کچھ باتیں ہمارے بھی اختیار میں ہیں، لیکن وہ جو یوم الدین ہوگا اُس یوم الدین میں کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوگا، اور سارے اختیارات پروردگارِ عالم کے پاس ہوں گے، تو یہ ہے یوم الدین۔ اچھا اس یوم الدین کی اہمیت کیا ہے، قرآنِ مجید میں کم و بیش پچیس مقامات پر پروردگارِ عالم نے اُس یوم الدین کو ایمان باللہ کے ساتھ رکھا۔

اب اگر میں ساری آیات آپ کی خدمت میں پیش کروں تو بڑا وقت درکار ہے۔ فقط دو آیتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا جاؤں۔ سورہ بقرہ کی باسٹھویں آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔ بھئی دیکھو ایمان لاؤ اللہ پر، ایمان لاؤ یومِ آخر پر، قیامت پر۔ یہ باسٹھویں آیت۔ پھر اسی سورۂ مبارکہ میں ایک سو ستترویں آیت میں فرمایا: لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَ

النَّبِيّٖنَ" بھئی نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف اپنے سروں کو جھکا دو، اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف جھکاؤ، یہ نیکی نہیں ہے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ نیکی یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ، روزِ قیامت پر ایمان لاؤ، ملائکہ پر ایمان لاؤ، کتابوں پہ ایمان لاؤ، انبیاء پہ ایمان لاؤ۔ تو پہلا ایمان کیا ہے؟ توحید، دوسرا ایمان کیا ہے؟ یومِ آخر، قیامت۔ تو اگر دین کو پھیلائیں تو اُس میں اُصولِ دین ہیں، فروعِ دین ہیں، نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، کتابوں پہ ایمان لانا ہے، انبیاء و مرسلین پہ ایمان لانا ہے، اور اگر دین کو سمیٹیں تو دو لفظوں میں ختم ہو جائے گا، توحید اور قیامت۔ آغاز ہے دین کا توحید، انجام ہے قیامت۔ یہاں میں اپنے سُننے والوں کو روک رہا ہوں، وہ یہ کہ ان دو سروں کے درمیان ہے پورا دین، توحید اور قیامت، یعنی نبوت ان کے درمیان، کتابیں ساری ان کے درمیان، جو کچھ بھی آپ کے اعمال و افعال ہیں دینی، وہ سارے کے سارے ان کے درمیان ہیں۔ اگر غور فرمائیں تو اندازہ ہوگا کہ توحید کے فوراً بعد پروردگار نے قیامت کا تذکرہ کیا، یعنی توحید سے مراد اللہ کو ایک ماننا اور قیامت سے مراد روزِ جزا و سزا۔ توحید کے فوراً بعد نبوت کا ذکر نہیں ہے، توحید کے فوراً بعد نماز کا ذکر نہیں ہے، بلکہ توحید کے فوراً بعد قیامت کا تذکرہ ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ سارے اعمال و افعال سارے ایمان ان دو سروں کے درمیان میں ہیں۔ یعنی توحید کا لازمی نتیجہ ہے عقیدۂ قیامت۔ جس شخص کو توحید پر یقین نہیں ہوگا، جس شخص کا ایمان خدا پر نہیں ہوگا، وہ قیامت کو تسلیم ہی نہیں کرے گا، اور جس کا ایمان خدا پر ہوگا وہ قیامت کو تسلیم کرے گا، یہی سبب ہے کہ جو منکرینِ خدا ہیں وہ قیامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور جو جو خدا کے اعتراف کرنے والے ہیں، خدا کے ماننے والے ہیں، وہ عقیدۂ قیامت کو تسلیم کرتے ہیں، اب ان دونوں میں ربط کیا ہے؟ کہ توحید سے ہی قیامت اسٹیبلش (establish) ہوتی ہے، اس میں ربط کیا ہے؟ یہ ربط اگر میں واضح کر سکا تو میں سمجھوں گا کہ میری آج کی محنت سوارت ہے۔ دیکھیے اگر خدا کا وجود ثابت نہ ہو اور خدا نہ ہو تو قیامت کی واقعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی کو میں واضح کرنا چاہ رہا ہوں آپ کی خدمت میں، اب کیسے پتہ چلائیں کہ خدا ہے یا نہیں؟ اگر خدا نہیں ہے تو

قیامت نہیں ہے۔ اگر خدا ہے تو قیامت ہے، اب یہ کیسے طے کریں؟ تو دیکھیے قرآنِ مجید کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ جب توحید کی کوئی دلیل دے تو فلسفے یا منطق کی باتیں کرے، اگر قرآنِ مجید اپنی دلیلوں میں فلسفہ یا منطق استعمال کرتا تو وہ کتاب ارسطو کے کام تو آ سکتی تھی، افلاطون کے کام آ سکتی تھی، لیکن عام اکثریت جسے فلسفے اور منطق سے کوئی ربط نہیں ہے، اُس کے لیے وہ کتاب بیکار ہو جاتی، جب کہ خود اس کتاب کا اعلان ہے کہ یہ کتاب کسی ایک گروہ کے لیے ہدایت نہیں ہے۔ ھُوًی لِلنَّاس پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے، تو جب پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے تو اس میں دلیلیں ایسی ہونی چاہئیں کہ جو ہر انسان کے ذہن میں داخل ہو سکیں، اور جنھیں ہر انسان سمجھ سکے، تو اب ایک چھوٹا سا پیراگراف ہے، سورۂ نحل میں، ابتدائی پیراگراف، جس کے اندر پروردگار نے اپنے وجود پر دلیل اسٹیبلش (establish) کی، ارشاد فرمایا ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡہُ شَرَابٌ وَّ مِنۡہُ شَجَرٌ فِیۡہِ تُسِیۡمُوۡنَ ○ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا، اُسی سے تم اپنی پیاس بجھاتے ہو، اُسی سے تمہارے درخت سیراب ہوتے ہیں، اور اپنے مویشیوں کو اُنھیں سبزہ زاروں میں چراتے ہو، جو پانی سے پرورش پا کے اُگے ہیں۔ یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ○ اور اُسی پانی کے ذریعے اللہ پھل پیدا کرتا ہے، زیتون پیدا کرتا ہے، انگور پیدا کرتا ہے، ساری دنیا کے پھل اور ساری دنیا کے پھول پیدا کرتا ہے، اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ○ۙ اور اللہ نے تمہارے لیے مسخر کیا رات کو، تمہارے لیے مسخر کیا دن کو، تمہارے لیے اُس نے مسخر کیا سورج کو، تمہارے لیے اُس نے مسخر کیا چاند کو، اور سارے کے سارے ستارے اُس کے امر پر مسخر ہیں، اس میں نشانیاں ہیں صاحبانِ عقل کے لیے۔ وَ مَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ ○ اور دیکھو پانی کا رنگ ایک، پانی کا مزاج ایک، مٹی کا رنگ ایک، لیکن اب یہ

ہماری طاقت ہے کہ جب پھل نکلے اور پھول نکلے تو ایک رنگ کے نہ نکلیں، مختلف رنگوں کے نکلیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ اس میں نشانی ہے صاحبانِ نصیحت کے لیے۔ صاحبانِ تذکر کے لیے، صاحبانِ ذکر کے لیے۔ وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ یعنی عجیب و غریب طریقے سے پروردگار نے اپنے وجود پر دلیلیں قائم کیں، وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْہُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا وَ تَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ اور دیکھو اللہ ہی وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ تا کہ تم اُس سمندر سے اپنے لیے تازہ گوشت حاصل کر سکو۔

میں چاہ رہا ہوں کہ یہ آیہ مبارکہ میرے سننے والوں کی سماعت کے اندر محفوظ ہو جائے، وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْہُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا اور ہم نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا، تا کہ تم اُس میں سے تازہ گوشت نکالو اور نکالنے کے بعد کھاؤ۔ اُس سے زیور نکالو اور نکالنے کے بعد اُنھیں استعمال کرو۔ اور سمندر کے ذریعے تم فضل خدا کو تلاش کرنے کے لیے، رزقِ خدا کو تلاش کرنے کے لیے اُدھر سے اُدھر جا سکو۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ اور ہم نے اس سمندر کو اس لیے مسخر کیا تا کہ تم ہماری بارگاہ میں ہدیہ تشکر پیش کر سکو۔ اب ان ساری آیتوں میں، آیتوں کا سلسلہ طویل تھا میں نے چھوڑ دیا۔

ان ساری آیتوں میں پروردگارِ عالم نے اپنے وجود کی طرف متوجہ کیا، کہ ہے کوئی ہے۔ کہ جو پانی کا رنگ ایک رکھتا ہے، مٹی کا رنگ ایک رکھتا ہے۔ لیکن جب پھل پھول اُگاتا ہے تو مختلف رنگوں کے۔ کوئی ہے جو پانی کو اتنی طاقت عطا کرتا ہے کہ وہ تمہیں بھی حیات دے سکے، تمہارے مویشیوں کو بھی حیات دے سکے، اور تمہارے پودوں کو، تمہاری نباتات کو بھی زندگی بخش سکے، کوئی ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ اس دلیل میں پروردگار نے فرمانا کیا چاہا؟ اس دلیل کا نام ہے نظم، اسے پوری طرح محفوظ فرمائیں تو آگے جانے میں آسانی ہو جائے، بھئی دیکھیے سنگلاخ چٹانیں ہیں پہاڑوں کی۔ اگر میدانوں میں آپ نکل جائیں تو پہاڑ ہی پہاڑ آپ کو نظر آئیں گے، حدِ نگاہ تک۔ ان پہاڑوں کو اگر آپ توجہ سے

دیکھیں تو کوئی اونچا ہے، کوئی نیچا ہے، کوئی چھوٹا ہے، کوئی چپٹا ہے۔ ہر ایک کی ایک الگ شکل ہے، میں اگر آپ سے یہ کہوں کہ جناب یہ پہاڑ فلاں انسان نے بنائے ہیں تو آپ تسلیم نہیں کریں گے۔ آپ کہیں گے نہیں جناب یہ اُن کی فطری ساخت ہے، جو نظر آ رہی ہے یہ کسی انسان کی بنائی ہوئی شکل نہیں ہے بلکہ یہ اُن کی فطری ساخت ہے۔ لیکن اُسی میدان میں جس کے آخری سرے پہ پہاڑ ہیں، چُنے ہوئے پتھر اگر رکھے ہوئے ہوں ایک کے اوپر ایک، تو اُن پتھروں کے متعلق میں ایک لاکھ قسمیں کھا کر کہوں کہ ان کو ترتیب سے کسی انسان نے نہیں رکھا، تو کیا آپ میری بات تسلیم کریں گے؟ نہیں مانیں گے۔

بس یہی وہ راز ہے جہاں سے وجودِ خدا ثابت ہوتا ہے، یعنی آپ نے پہاڑوں کو دیکھا اور میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا صاحب یہ پہاڑ فلاں انسان نے تراشے ہیں، آپ کبھی نہیں مانیں گے، کہیں گے نہیں جناب یہ فطری طریقے، اسی طریقے سے پیدا ہوئے۔ لیکن اگر کسی مقام پر ترتیب سے چُنے ہوئے پتھر رکھے ہوں اور اُن کا مقصد یہ ہو مثلاً کہ راستہ بتلایا جائے، راستے کی نشاندہی کے لیے ترتیب سے رکھ دیے جائیں، تو میں لاکھ قسمیں بھی کھاؤں تو آپ تسلیم نہیں کریں گے کہ یہ خود بخود ترتیب سے ہیں۔ بلکہ آپ کہیں گے کہ کسی انسان کا ہاتھ اُس میں انوالو (involve) ہے۔ تو اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ فرق آپ نے کیسے کیا؟ بس یہی موضوعِ گفتگو کا ماحصل ہے۔ تو فرق آپ نے اس طریقے سے کیا کہ بھئی اُن پہاڑوں کی مقصدیت واضح نہیں ہے، لیکن یہ پتھر جو ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں لگتا ایسا ہے کہ ان کا کوئی مقصد ہے۔ تو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان کا کوئی مقصد ہے تو راستہ بتلانا مقصود ہے، کوئی اور کام مقصود ہے تو پتہ یہ چلا کہ کسی باشعور انسان نے انہیں تلے اوپر آ کر چُن دیا ہے، تو اگر اس کائنات میں آپ کو مقصد نظر آئے، اس کائنات میں ترتیب نظر آئے، اس کائنات کے اندر ریاضی کے دقیق ترین عوامل نظر آئیں۔ انسان کے لیے نظامِ تنفس ہو، زمین میں نہ اتنی زیادہ کشش ہو کہ پاؤں کھینچ لے، نہ اتنی کم ہو کہ انسان اُچھل جائے، زمین نہ اتنی سخت ہو کہ کھیتی باڑی نہ کر سکیں، نہ اتنی نرم ہو کہ اُس میں دھنس جائیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ایک ترتیب پائی جاتی ہے،

ایک نظم پایا جاتا ہے، ایک مستقل بالذات ارادہ اس کائنات کے پیچھے ہے۔ وہ ترتیب دینے والا، وہ نظم دینے والا، وہ مستقل بالذات ارادہ رکھنے والا، سوائے اس خالق کائنات کے اور کوئی نہیں ہے۔ انسان بے مقصد دنیا میں نہیں آیا، انسان آیا عبادت کے لیے، انسان آیا امتحان دینے کے لیے۔

اچھا جناب! میں نے پھر روک لیا اپنے سارے محترم سُننے والوں کو! انسان آیا ہے عبادت کے لیے، تو اللہ سجدے مانگ رہا ہے؟ یہی ہے نا؟ سجدے کیا ووٹ (vote) ہیں؟ جو دے کر اُس کی کبریائی میں اضافہ کرنے کا سبب بنیں گے؟ نہیں ہیں، اُسے سجدہ کریں جب بھی وہ اُتنا ہی بڑا ہے، جتنا بڑا اُس وقت ہوگا جب سجدہ نہ کریں، تو سجدے کا فائدہ اُسے نہیں پہنچے گا، خود اُس شخص کو پہنچے گا جو سجدہ کرنے والا ہے۔ تو پہلی جو غرض ہے نا، کہ آپ اُسے سجدہ کریں، اُس کی عبادت کریں، تو اُسے آپ کے سجدوں سے کوئی غرض نہیں ہے، وہ غنی مطلق ہے، وہ غنی مطلق ہے تو سجدے کا الٹی میٹلی (ultimately) فائدہ آپ کو ملنے والا ہے۔ دوسرا مقصدِ تخلیق امتحان، میں امتحان کیوں لیتا ہوں؟ آپ امتحان کیوں لیتے ہیں؟ اس لیے کہ نہیں معلوم اس کی علمی صلاحیت کیا ہے؟ تو کیا وہ نعوذ باللہ جاہل ہے؟ نہیں اُس امتحان کا فائدہ بھی اُسے نہیں پہنچنے والا، اُس امتحان کا فائدہ بھی انسان ہی کو پہنچنے والا ہے، تو جب یہ بات طے ہوگئی کہ سجدے کرو فائدہ تمہیں ہوگا، امتحان دو فائدہ تمہیں ہوگا، تو اب فقط یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا وہ فائدہ یہی ہوگا، یہی مصیبتوں والی دنیا؟ آلام کی دنیا، آلائشوں کی دنیا، پریشانیوں کی دنیا، آفات کی دنیا۔ تو ہم نے سجدے کیے، اُس کے عوامل پہ عمل کیا، اُس کے منہیات سے بچے رہے، زندگی بھر دین کے مطابق زندگی گزارتے رہے، ملا کیا؟ اور وہ جو سجدے نہیں کر رہا تھا، وہ جو متقی نہیں تھا، وہ ہم سے بہتر زندگی گزار گیا، تو یہ عدلِ الٰہی کے عین خلاف ہوگا، کہ ایک فاسق و بدکار تو زندگی سے لذتیں حاصل کر جائے اور ایک متقی اور پرہیزگار انسان آلام و مصائب میں زندگی کو گزار دے۔ اور اُس سے زیادہ خلافِ عدل یہ ہوگا کہ مسلم اور مجرم میں نے اصطلاحیں قرآن کی استعمال کیں۔ مسلم وہ جو خدا کے مطابق زندگی گزارے، خدا کے حکم کے مطابق جو زندگی

گزارے وہ ہے مسلم، اور جو سرکشی کرے، نافرمانی کرے وہ ہے قرآن کی اصطلاح میں مجرم۔ تو مسلم اور مجرم اس دنیا میں ہیں۔ مسلم وہ جو دنیا کی ساری لذتوں سے پرہیز کر رہا ہے اللہ کے لیے۔ شراب نہیں پیتا، جوا نہیں کھیلتا، اور دوسرے بُرے کام نہیں کرتا۔ حالانکہ اُن میں لذتیں ہیں، کیوں نہیں کرتا؟ کیونکہ اللہ نے منع کیا ہے اور ایک وہ ہے جو اللہ کی بات کا نوٹس (notice) نہیں لیتا۔ اور ہر کام کر رہا ہے دونوں اگر اندھیرے میں جمپ لگا رہے ہیں، موت کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں ہے تو دونوں برابر ہو گئے نا؟ تو یہ عین عدل کے خلاف ہے۔ کہ مسلم اور مجرم دونوں اس دنیا کے بعد ایک صف میں کھڑے ہو جائیں، بلکہ مسلم کی زیادہ حق تلفی ہوئی۔ اس لیے کہ اُسے اس دنیا میں موقع ملا کہ وہ اُن لذتوں سے فائدہ حاصل کر سکے جس سے مجرمین حاصل کر رہے تھے، لیکن اُس نے اپنے نفس پہ کنٹرول (control) کیا۔ تو اب ایک ایسے زمانے کی ضرورت ہے جس زمانے میں پروردگارِ عالم انسان کو اُس کے اعمالِ صالحہ کی جزا عطا کرے اور اُس کے اعمالِ بد کی سزا عطا کرے۔ وہ دن اصطلاحِ قرآنی میں یومُ الدین ہے۔ وہ دن اصلاحِ قرآنی میں یومُ آخر ہے۔ اور وہ دن اصطلاحِ قرآنی میں یومُ القیامہ ہے، اگر یہ بات واضح ہوگئی تو آخرِ کلام میں آپ کی خدمت میں ایک جملہ عرض کروں، کہہ رہا ہے کہ یہ ہڈیاں کیا زندہ ہوں گی، اپنی خلقت کو بھول گیا؟ یہ ہے کلیدی جملہ کیا مطلب؟ وہ مٹی تھا ہم نے اُسے کھینچ کے عرق کی صورت میں نکالا، اور اُس عرق کو ہم نے صلبِ پدر میں رکھا، صُلبِ پدر سے ہم نے بطنِ مادر میں منتقل کیا، بطنِ مادر میں منتقل کرنے کے بعد ہم نے العقا بنایا، مسغا بنایا، ہڈیاں اُگائیں، گوشت چڑھایا، اُس پہ کھال منڈھی، اور کھال منڈھنے کے بعد ہم نے اُسے خلقِ آخر بنا کے دنیا میں بھیج دیا۔ تو وہ اللہ جو مٹی کو ترتیب دیتا ہوا، اور مٹی کو ارتقا دیتا ہوا انسان بنا سکتا ہے، کیا دوبارہ مٹی میں ملا کے اُسے زندہ نہیں کر سکتا؟ و آخر دعونا عن الحمد للہ رب العالمین۔



سورۂ الحمد

دوسرا نام فاتحۃ الکتاب ہے اور تیسرا نام سبع مثانی اور یہ وہ سات آیتیں جو مکرر دہرائی جائیں، اب چونکہ ہر نماز میں دو مرتبہ یہ سورہ دہرایا جاتا ہے، یعنی سات سات آیتیں دہرائی جاتی ہیں۔ اس لیے سورۂ حجر میں ارشاد ہے" وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ "اے حبیب ہم نے تمھیں سبع مثانی عطا کیا اور قرآن مجید کو عطا کیا۔ یعنی یہ اتنی اہم شے ہے سورۂ الحمد، یہ سات آیتیں اتنی اہم ہیں، یعنی قرآن کا تذکرہ الگ ہے اور ان سات آیتوں کا تذکرہ الگ ہے، اگر آپ توجہ فرمائیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ پروردگارِ عالم نے اس سورۂ مبارکہ کو جو اہمیت دی ہے اس کا سبب کیا ہے۔ پہلی آیت جو قرآن مجید کی واقعاً ہر اعتبار سے پہلی آیت ہے" بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "اس آیت میں ایک حرف ہے "ب" اور اسم اللہ رحمٰن رحیم، یہ چار اسم ہیں، ایک حرف اور چار اسم، ان چار اسموں میں سے ایک ہے لفظِ اسم، اسم کے معنی نام، اور اب اُس کے بعد اللہ، یہ پروردگارِ عالم کا ذاتی نام، ابھی اُس کی تشریح عرض کروں گا، اور اسمِ ذات کے فوراً بعد پرورگارِ عالم کی ہزاروں صفتوں میں سے کل دو صفتیں، رحمٰن اور رحیم۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہوں گا آپ کی خدمت میں کہ اللہ نے رحمٰن اور رحیم میں فرق کیا رکھا۔ دیکھیے پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں اپنے اوصاف بڑی تعداد میں بیان کیے ہیں، وہ غفار ہے، وہ قہار ہے، وہ جبار ہے، وہ متکبر ہے، وہ مصور ہے، صفتیں ہیں، لیکن اللہ کے بعد پروردگار عالم نے نہ غفار کہا، نہ ستار کہا، نہ قہار کہا، نہ جبار کہا، نہ متکبر کہا، لفظ اللہ کے بعد رحمٰن اور رحیم ہے، اگر اللہ سمجھ میں آ گیا تو لفظِ رحمٰن اور لفظِ رحیم دونوں سمجھ میں آ جائیں گے، اللہ کیا ہے؟ دیکھیے خدا رازق ہے، جب آپ یہ فرماتے ہیں کہ خدا رازق ہے، تو آپ کے ذہن میں فقط ایک صورت رزق کی ہوتی ہے، اس میں یہ نہیں ہے کہ خدا خالق بھی ہے، فقط رازق ہے، جب آپ نے کہا خدا خالق ہے، تو فقط خالقیت سامنے ہے، اب فقط رزق سامنے نہیں ہے، خدا قہار ہے، قہار قہر کرنے والا، تو ایک صفت آپ کے سامنے ہے، خدا رحمٰن بھی ہے، یہ

قہاریت میں شامل نہیں، تو خداوندِ عالم کے ایک ہزار اسمائے حسنیٰ جب دعاؤں میں اور قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں، اُن میں سے ہر اسم اُس کی ایک صفت کا مظہر ہے، کوئی اسم قہاریت کا مظہر ہے، کوئی غفاریت کا مظہر ہے، کوئی رزق کا مظہر ہے، کوئی خلق کا مظہر ہے، کوئی فنا کردینے کا مظہر ہے، کوئی دوبارہ لوٹا دینے کا مظہر ہے، تو ہر نام اللہ کا ایک صفت کا مظہر ہے، اب اگر اُن سارے اوصاف کو اور سارے صفات کو ایک لفظ میں کہنا چاہا تو بہت مشکل ہو جائے گا، اُس کے لیے پروردگارِ عالم نے لفظ استعمال کیا، لفظ اللہ۔ رازق یعنی ایک صفت، خالق یعنی ایک صفت، معید ایک صفت، اور جب اللہ آپ نے کہا تو جتنی بھی صفتیں ہیں کمال کی اور جتنی بھی صفتیں پروردگارِ عالم میں پائی جاتی ہیں وہ ساری کی ساری لفظ اللہ میں سمٹ کے آگئیں، تو آغاز کیا پروردگارِ عالم نے اپنی کتاب کا اپنے نام سے، جو اُس کا اسمِ ذات ہے، جس میں ساری صفتیں سمٹ کے آجاتی ہیں، اور اب اپنے نام کے فوراً بعد اُس نے یہ نہیں کہا کہ یہ وہ اللہ ہے جو غفار ہے، جو قہار ہے، جو ستار ہے، جو متکبر ہے، جو غفور ہے، نہیں! اللہ کے فوراً بعد دو صفتیں دیں، یہ رحمٰن ہے، یہ رحیم ہے، یعنی اپنے Proper noun کے بعد، اپنے ذاتی نام کے بعد پروردگار عالم نے قرآن مجید میں سب سے پہلے جن صفتوں کا تعارف کرایا وہ دو صفتیں ہیں، رحمانیت، رحیمیت، رحمٰن کے معنی وہ بلا تفریق مذہب وملت ہر ایک کو نعمت دیتا ہے، یہ رحمٰن کا مفہوم ہے۔ وہ نہیں دیکھتا کہ فرعون ہے یا موسیٰؑ، وہ دونوں کو رزق دیتا ہے، دونوں کو نعمتیں دے رہا ہے، اور رحیم کے معنی، انسان کے کمال کو اور انسان کی حیثیت کو اور انسان کے استحقاق کو دیکھ کر نعمتیں دینے والا، تو دنیا میں وہ حضرت موسیٰؑ کو بھی رزق دیتا ہے، فرعون کو بھی رزق دے رہا ہے، نمرود کی بھی پرورش کرتا ہے، حضرت ابراہیمؑ کی بھی پرورش کرتا ہے، یہ ہے رحمانیت، قیامت میں وہ فقط اُن لوگوں کو نعمتیں عطا کرے گا جو اُس کی راہِ کمال پر چلتے ہوئے کامیاب ہوئے، اس کا نام ہے رحیم، رحیم جو استحقاق کو دیکھ کے نعمت دے، رحمٰن جو بلا استحقاق اور بلا تفریق مذہب وملت نعمت عطا کرے، اب آپ نے توجہ فرمائی کہ اُس کا جذبہ رحمت اُس کے جذبہ قہر پر، جذبہ غضب پر، جذبہ انتقام پر اگر حاوی نہ ہوتا تو پروردگارِ عالم لفظ اللہ کے بعد

ان دو صفتوں کو نہ رکھتا۔ تو ہمارا اللہ کے نام کا جو رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے، اب سورۂ مبارکہ نے ترقی کی، فوراً بعد کہا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' حمد ہے اُس اللہ کی جو عالمین کا، سارے جہانوں کا اور ساری کائنات کا پالنے والا ہے، فوری طور پر اس مقام پر جو سوالات اس ذہنِ انسانی میں پیدا ہو سکتے ہیں وہ دو سوال ہیں، حمد کے معنی ہیں تعریف، حمد کے معنی ہیں شکریہ، تعریف کر رہے ہیں مقامِ شکر ہے، حمد ہے اللہ کی، فوری طور پر انسان کے ذہن میں دو سوال پیدا ہوں گے، تو بھئی جس اللہ کی آپ حمد کر رہے ہیں وہ ہے بھی یا نہیں، پہلا سوال۔ دوسرا سوال جو ذہنِ انسانی میں آئے گا کہ ہوگا، ہم کیوں حمد کریں، ہمارا اُس سے تعلق کیا، خدا کی قسم! یہی بلاغتِ قرآنی کا اعجاز ہے کہ ادھر آپ کے ذہن میں دو سوالات پیدا ہو گئے، اور اُدھر قرآنِ مجید نے انہی لفظوں میں جواب دیا الحمد للہ، حمد اللہ، سوال آیا ذہن میں کہ بھئی ہے بھی یا نہیں، فوراً جواب دیا، یہ اللہ وہ ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے، بھئی فضا میں اگر Ball کو پھینکو تو جب تک تمہارے ہاتھ کا فورس (force) باقی رہے گا، اُدھر تک Ball ہوا میں رہے گی، گیند ہوا میں رہے گی، اور جدھر فورس (force) ختم ہوا، وہ نیچے آجائے گی، صحیح ہے ناں۔

تو ایک ہے علتِ ایجاد اور ایک ہے علتِ بقاء، یہ دو چیزیں آپ کی توجہ کی طلبگار ہیں، علتِ ایجاد کا مطلب، ایک آدمی نے ایک سائیکل ایجاد کر دیا، یہ میز بنا دیا ایک انسان نے، اب وہ ٹھیکیدار تو نہیں ہے کہ اس کو باقی بھی رکھے، ہو سکتا ہے پانی سے، دھوپ سے، سردی سے، گرمی سے یہ چیز ٹوٹ جائے، تو بنانے والے کا کام بنا دینا ہے، باقی رکھنا، اُسے Maintain کرنا یہ بنانے والے کا کام نہیں ہے، تو کہہ سکتا تھا کوئی کہ کائنات کا کوئی خالق ہوگا، لیکن کیا ضروری ہے کہ اب وہ ہو، ممکن ہے مر چکا ہو، کہا نہیں، وہ رب العالمین ہے، اس وقت اگر مریخ، زہرہ، عطارد، سورج، چاند، زمین اگر باقی ہے تو کوئی اس کا باقی رکھنے والا ہے، پہلا سوال جو ذہنِ انسانی میں آ سکتا تھا کہ بھئی وہ ہے یا نہیں، اُس کا جواب دیا کہ رب العالمین، اگر عالمین قائم ہے تو اُس کا رب قائم ہے۔ دوسرا سوال کہ بھئی ہوگا، ہم اُس کا شکریہ ادا کیوں کریں؟ اُس کا جواب اُس سے آگے بڑھ کے دیا ہے کہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ دنیا

میں بھی نعمتیں دینے والا ہے اور آخرت میں بھی نعمتیں دینے والا ہے، تو اگر نعمت کی تمنا ہے تو حمد کرو اور اگر تمنا نہیں ہے تو حمد نہ کرو، اب ایک سوال پھر ذہنِ انسانی میں پیدا ہوا کہ بھئی نعمت کی تو دے رہا ہے ناں وہ، اب تمنا کریں جب بھی دے گا اور نہ کریں جب بھی دے گا، ضرورت کیا ہے کہ ہم اُس کی حمد کریں، ہوگا، یقیناً ہوگا، ہم نے تسلیم کرلیا، اب وہ دنیا میں نعمت دے رہا ہے، لیکن یہ کہ ہم اُس کی نعمت کا شکریہ ادا کریں، ہمیں اُس سے فائدہ کیا پہنچے گا، فوراً بعد کہا، دیکھئے آیتوں کا دوسری آیتوں کے ساتھ...... فوراً بعد کہا ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' یہ نعمتیں فقط دنیا میں ختم نہیں ہوں گی، نعمتوں کا سلسلہ قیامت تک جانے والا ہے، یہ یومِ دین کا مالک ہے، تو اب اگر قیامت میں لازوال نعمتیں چاہییں تو اُس کی حمد کرو، نہیں چاہیے تو نہ کرو۔ اب پھر ایک سوال ذہنِ انسانی میں پیدا ہوسکتا ہے اور بڑا عجیب وغریب سوال ہے کہ ہم اُس کی حمد کے لیے تیار ہیں، لیکن حمد کا وہ طریقہ کیا ہو جو اُس خالق کو پسند ہو، تو فوراً جواب آیا ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' پروردگار ہم تیری عبادت کرتے ہیں، عبادت کے ذریعے تیری حمد کو تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اب پھر ذہنِ انسانی میں سوال پیدا ہوا کہ عبادت کے طریقے کو کون بتلائے۔ ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' پروردگار مدد بھی تجھ سے ہے، طریقہ عبادت تو بتلائے، اب پروردگار طریقہ عبادت کو بتلائے تو کیسے بتلائے، تو فوراً ایک اور آیت دے دی کہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' دعا مانگو ہماری بارگاہ میں کہ پروردگار ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کر، سیدھے راستے کی طرف ہماری ہدایت کر۔ جب سیدھے راستے کی طرف ہدایت کا جواب دے دیا، تو جب بھی ہدایت آئے گی، جب بھی کوئی ہدایت پروردگار کی طرف سے آئے گی تو عوام الناس میں اور انسانوں میں دو متضاد ردِ عمل پیدا ہو گئے، دیکھئے اب آیت کا اختتام ہو رہا ہے، جب بھی ہدایت آئے گی پروردگار کی طرف سے تو انسانوں میں دو متضاد ردِ عمل پیدا ہو گئے، کچھ لوگ اُس ہدایت کو قبول کریں گے، کچھ لوگ اُس ہدایت کو ٹھکرا دیں گے، جو قبول کرنے والوں میں ہوں گے اُن کا نام ہے ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' اور جو ٹھکرانے والوں میں ہوں گے اُن کا نام ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ''۔

باب۔ ۴

علامہ طالب جوہری بحیثیت مفسرِ قرآن

یہ ایک ایسا مشکل عنوان ہے جس کی شرح کے لیے ضخیم کتاب درکار ہے۔ علامہ صاحب کی پہچان بنیادی طور پر ایک مفسر قرآن کی حیثیت سے تھی اور اسی بنیاد پر ان کی خطابت کی عمارت استوار تھی ۔ ان کی تفاسیر کے نمونے کئی طرح سے ہمارے سامنے ہیں جن کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے:

۱۔ فہم قرآن میں تفسیر

فہم قرآن کے اہم ترین موضوعات میں سورہ الحمد، سورہ کوثر، سورہ لہب، سورہ جمعہ، سورہ علق، مقصد تخلیق، حمدِ الٰہی، قرآن ایک زندہ معجزہ، سورہ کافرون، سورہ نور، مفہوم نعمت، دین انسانیت، ذکر کیا ہے قرآن کی روشنی میں، کتاب اور میزان وغیرہ جیسے عنوانات ہوتے تھے۔

فہم قرآن میں تفسیر کا انداز بین الاقوامی ہوتا تھا اور تقریر میں ایسے استدلال اور براہین ہوتے تھے جو غیروں کے لیے بھی قابل قبول ہوں۔ اکثر اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے اشعار کا بھی سہارا لیتے تھے جیسے ایک پروگرام میں ''کسب'' کے بیان میں اس سے مراد اولاد بھی لی تھی جس کے ثبوت میں انیس کا مصرع سنایا تھا کہ:

عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار

غرض یہ کہ یہ اندازِ تفسیر بالکل منفرد اور قابل قبول تھا۔

۲۔ خطابت میں تفسیر

مجالس کیونکہ ذکر اہلبیتؑ سے منسوب ہوتی تھیں اس لیے ان میں تفسیر کا انداز قدرے مختلف تھا۔ اس میں حاصل گفتگو میں فضائل آل محمدؐ کے نکتے ہوتے تھے۔

علامہ صاحب نے قرآن سے سینکڑوں عنوانات نکال کر عشرے پڑھے اور موضوعات کا

حق ادا کیا ہے۔ قرآن اور برہان، قرآن اور آلِ محمدؐ، منصبِ ہدایت اور قرآن، قرآن اور اتمامِ نعمت، قرآن اور صراطِ مستقیم، قرآن اور کردارِ بشر، انسانِ معاصر اور قرآن، عالمی معاشرہ اور قرآن، اساسِ آدمیت اور قرآن، حیاتِ انسانی اور قرآنی ضابطہ، نظامِ نبوت اور قرآن، اس طرح کے عمدہ عمدہ عنوانات پر آیاتِ قرآنی سے استدلال کر کے اردو تفسیر کے مواد میں خاطر خواہ اضافہ کیا اور اردو خطابت کو ایک نیا آہنگ عطا کیا۔

علامہ صاحب کی خطابت میں قرآنی استدلال اور اس کی تفہیم اتنا وسیع موضوع ہے کہ اس کتاب کے محدود صفحات اس پر تبصرے کے لیے ناکافی ہیں۔ انشاء اللہ دوسری جلد میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

۳۔ خود اُن کی لکھی ہوئی تفسیر

علامہ صاحب کی تفسیر ''احسن الحدیث'' کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی مصروفیات کے سبب یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی اس کے اسلوبِ نگارش اور مواد سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ یہ تفسیر مکمل کر لیتے تو یہ اردو کی وقیع اور نمائندہ ترین تفاسیر میں شمار ہوتی۔

دوسری جلد میں اس پر تفصیلی تبصرہ شامل ہوگا۔

۴۔ رمضان کی مجالس تفسیر

علامہ صاحب نے محمدی ویلفیئر سوسائٹی کھارادر سے مجالس تفسیر کا آغاز کیا۔ اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ محفلِ مرتضیٰ کی مجالس تفسیر قابلِ توجہ ہیں۔ ان مجالس کا اسلوب لیکچر جیسا ہوتا تھا۔ علامہ صاحب کو مسلسل سننے والا ان کی مجلس اور رمضان کی تفسیر میں آسانی سے امتیاز کر سکتا ہے۔ مجھے بہت تلاش کے بعد محفلِ مرتضیٰ کی ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء کی چند تفاسیر کے کیسٹ مل سکے جن میں سے ایک تقریر یہاں پیش کی جا رہی ہے تاکہ ان کے اسلوبِ تفسیر ماہِ رمضان کا اندازہ کیا جا سکے۔ یاد رہے علامہ صاحب کی اس طرح کی کوئی تقریر پہلی بار شائع ہو رہی ہے جس سے قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والے یقیناً محظوظ ہوں گے۔ کتاب کے آخر میں اس کا ایک اشتہار بھی شامل کیا گیا ہے۔

محفلِ مرتضیٰ کی مجلسِ تفسیر

۱۴ رمضان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۱ء

شبِ ولادتِ امام حسنؑ

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

چونتیس (۳۴) سے اکتالیس (۴۱) تک سورۂ نازعات کی آٹھ آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا۔ ارشاد ہوا ''فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى'' جب وہ مصیبت کا دن اور قیامت کی گھڑی آجائے گی۔ ''يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى'' تو ہر انسان اس قیامت کے دن اپنے ان اعمال و افعال کو یاد کرنے لگے گا جو وہ دنیا میں انجام دے کر آیا ہے ''وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى'' اور جہنم کی بھڑکائی ہوئی آگ دیکھنے والوں کے سامنے ہوگی ''فَاَمَّا مَنْ طَغٰى'' تو وہ شخص جس نے دنیا میں سرکشی اختیار کی ''وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا'' اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ''فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى'' اس کی پناہ گاہ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ''وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ'' لیکن وہ شخص جو خوفِ الٰہی سے بارگاہِ خدا میں کھڑا تھا ''وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى'' اور اپنے آپ کو خواہشِ نفس سے روکتا تھا ''فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى'' تو یقیناً جنت ایسے انسان کا ٹھکانہ ہوگی۔ ایک مرتبہ پھر پروردگارِ عالم نے سورہ نازعات میں قیامت اور قیامت کے انجام پر گفتگو فرمائی۔ جیسا کہ میں پچھلی تقریروں میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ جتنے بھی مکی سورے ہیں ان میں سب سے زیادہ زور دو عقیدوں پر دیا گیا ہے۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ قیامت اور اس کا سبب یہی ہے کہ مکی سورے جس سماج اور جس معاشرے میں آئے ایسے سماج میں نہ خدا کو

ایک مانا جاتا تھا اور نہ قیامت کا کوئی تصور پایا جاتا تھا۔ اسی لیے بار بار توحید الٰہی اور عقیدۂ قیامت پر زور دیا گیا، یہ سورہ جس کی تفسیر کا شرف حاصل کر رہا ہوں اور آج کی حد تک چونتیسویں آیت تک پہنچ چکا، اس سورہ میں آپ نے ظاہر ہے کہ توجہ فرمائی ہوگی، مختلف مقامات پر بار بار قیامت کا تذکرہ ہوا۔ قسمیں کھائیں، پھر قیامت کا تذکرہ کیا، پھر موسیٰؑ و فرعون کا واقعہ بیان کیا، پھر قیامت کا تذکرہ کیا، پھر توحید پر گفتگو کی اور اب پھر قیامت کا تذکرہ کیا اور اس گفتگو میں قیامت کو یاد دلاتے ہوئے اور قیامت کو جتلاتے ہوئے انسانوں کے انجام پر بھی گفتگو فرمائی گئی۔ اعلان ہوا کہ وہ بڑی مصیبت کا دن ہوگا، وہ دن ایسا ہوگا کہ جب لوگ اپنے اعمال و افعال کو یاد کر کے پریشان ہو رہے ہوں گے اور وہ دن اتنا عجیب ہوگا کہ جہنم کی آگ بھڑکی ہوئی سامنے موجود ہوگی۔ تین آیتوں میں جہنم اور قیامت کا نقشہ ہے اور اب پانچ آیتوں میں پروردگار عالم نے آغاز پر اور انجام پر گفتگو کی جو آغاز میں دنیا کی محبت رکھتا تھا، اس کا انجام جہنم ہوگا جو آغاز میں اپنی خواہش نفس سے بچا کرتا تھا، اس کا انجام جنت ہوگا۔ ''فَاَمَّا مَنْ طَغٰى '' جو بھی دنیا میں سرکش تھا ''وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا'' اور جو حیاتِ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیا کرتا تھا، یہ حیاتِ دنیا کیا ہے؟ اگر حیاتِ دنیا سمجھ میں آجائے تو پھر جہنم بھی انسان کو سمجھ میں آجائے گی۔ میں انتہائی معذرت کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ جملہ عرض کر رہا ہوں، یہ حیاتِ دنیا جس پر قرآنِ مجید میں تین سو (۳۰۰) مقامات پر گفتگو کی گئی کہ خبردار! حیاتِ دنیا میں دل نہ لگاؤ۔

خبردار! آخرت پر حیاتِ دنیا کو ترجیح نہ دو۔ خبردار! حیاتِ دنیا میں گم ہو کر نہ رہ جاؤ۔ یہ حیاتِ دنیا ہے کیا؟ سورہ حدید قرآنِ مجید کا مشہور و معروف سورہ آیت کا نشان بیس (۲۰) سورہ کا نشان ستاون ''اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ '' سنو کہ حیاتِ دنیا کیا ہے۔ ''اِعْلَمُوْٓا '' جان لو ''اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ '' یہ دنیا کی زندگی کھیل ہے، بازی ہے ''لَعِبٌ '' ہے یعنی تماشا ہے '' زِيْنَةٌ '' زینت ہے ''وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ '' ایک دوسرے پر دنیاوی دولت اور سرمائے کے ذریعے فخر جتلانا ہے یعنی دنیا کی زندگی کیا ہے؟ زندگیِ دنیا...... زندگی کو تماشے پر خرچ

کردینا، کھیلوں پر خرچ کردینا، اپنی ظاہری زندگی کی زینتوں پہ وقت کو صرف کردینا، یہ حیاتِ دنیا ہے "وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ" اور ایک دوسرے پر فخر کرنا کہ ہمارے پاس دولت زیادہ ہے۔ یہ حیاتِ دنیا ہے "وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ" اور ہر روز مال کے زیادہ ہونے کی ہوس کرنا، یہ حیاتِ دنیا ہے اور "وَالْأَوْلَادِ" اور کثرتِ اولاد کی خواہش کرنا، یہ حیاتِ دنیا ہے، تو حیاتِ دنیا کو سمجھاتے ہوئے پروردگار عالم نے اعلان کیا کہ خبردار! لعب زندگی میں نہ آنے پائے، زینتیں حد سے بڑھ کر نہ ہوں، ایک دوسرے پر تفاخر نہ کرو، مال و دولت کے بڑھنے کی تمنا نہ رکھو اور شب و روز اس کی فکر میں نہ رہو، کثرتِ اولاد کی فکر نہ کرو، یہ ساری چیزیں دنیاوی زندگی سے متعلق ہیں، یہ تو ہے قرآن کی آیت اور اگر میرے سننے والے برداشت کرسکیں تو میں چند روایتیں سناتا ہوا گزر جاؤں کہ یہ دنیا ہے کیا؟ پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: یہ دنیا جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اور جسے حاصل کرنے کے لیے شب و روز خرچ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ارشاد فرمایا "حُبُّ الدُّنْيَا رَاسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ" یہ دنیا جتنے بھی گناہ ہو رہے ہیں، جتنے بھی گناہ ہو رہے ہیں ان سب کی بنیاد دنیا کی محبت ہے تو اب اگر کسی شخص کے دل میں محبتِ دنیا نہ ہو تو وہ گناہ سے قریب نہیں ہوگا۔ ایک روایت، مورخین نے لکھا کہ پیغمبرؐ ایک مقام سے گزر رہے تھے، کچھ دوست پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ تھے، راستے میں پیغمبرؐ کو ایک مردہ بکری نظر آئی، مری ہوئی اور سڑی ہوئی بکری، اس بکری کو دیکھنا تھا، سڑی ہوئی ہے، پیغمبرؐ اسی مقام پر کھڑے ہوئے اور بے اختیار ارشاد فرمایا "والذی نفسی بیدہ ان الدنیا عند اللہ علی اھلھا" سنو آج تم کو ایک بات جتلا دوں، اللہ کی نگاہ میں دنیا کی، پوری دنیا کی اہمیت اس سڑی ہوئی بکری سے بھی کم ہے۔ یہ ہے دنیا، یاد رکھو اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ پروردگار عالم کی نگاہ میں اس پوری دنیا کی قیمت اس مردار بکری سے بھی کم ہے۔ یہ پیغمبرؐ کا جملہ اور اب علی ابن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا "هٰذِهِ دنياك......من......" لے جاؤ اپنی دنیا کو لے جاؤ، یہ ساری دولت لے جاؤ، یہ سارا مال لے جاؤ، جانتے ہو کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نزدیک اس دنیا کی اہمیت کیا ہے؟ علیؑ اس دنیا کو ایسا سمجھتا ہے کہ جیسے کسی جگالی

کے ہاتھ میں سور کی ہڈی آ گئی ہو۔ کتنی شدید روایتیں ہیں۔ اُدھر قرآن کی آیت، دوسری طرف پیغمبرؐ کا فرمان، تیسری طرف امیرالمومنینؑ کا ارشاد۔ یہ آخر بات کیا ہے؟ تو عزیزو! ذرا سی توجہ..... یہ دنیا ہے کیا..... لفظ دنیا کے معنی کیا ہیں؟ ہر لغت میں اور ہر زبان میں درجے بتانے کے لیے تین ڈگریاں ہیں، بھئی اچھا، بہتر، اس سے اچھا، بہترین اس سے اچھا۔ بد برا، بدتر بہت برا، بدترین اس سے بھی زیادہ برا تو یہ جو لفظ ہے بدترین، یہ سُوپرلیٹو (Superlative) ڈگری ہے۔ بہت توجہ کیجیے گا "علی" بلند، "دنی" پست، اعلیٰ بلند، ادنیٰ پست، علیا کے معنی انتہائی بلند دنیا کے معنی انتہائی پست، تو اگر یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو کہ دنیا انتہائی پست شے کو کہتے ہیں، ہے نہ لفظی ترجمہ۔ دنیا کے معنی انتہائی حقیر و پست شے، انتہائی پستی میں جانے والی شے، تو اب مجھے جملہ کہنے کی اجازت دے دیں کہ جو اعلیٰین جیسے ہوں وہ ظاہر ہے کہ پست شے کی تمنا نہیں کر سکتے جو اعلیٰین ہوں جو بلند ہو وہ ظاہر ہے کہ پستی کی طرف نہیں جائیں گے، اسی لیے ان میں کہ ایک علیؑ نے کہا " یادنیا غرّی غیری قد طلقتك ثلاثاً" علیؑ نے ارشاد فرمایا: دنیا میرے پاس سے چلی جا۔ اس لیے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دے دیں۔ دنیا چل جا میں نے تین طلاقیں دیں، یہ تین طلاقوں کا مفہوم کیا ہے۔ تین ہی تو محبتیں ہیں یا اولاد کی محبت یا مال کی محبت۔ یا اپنی جان کی محبت۔ دنیا چلی جا میں نے اولاد کی محبت بھی ختم کی، سرمائے کی محبت بھی ختم کر دی اور جان کی محبت بھی ختم کر دی ہے۔ یہ مفہوم آلِ محمدؐ کی نگاہوں میں دنیا کا تو اب جو بھی دنیا کی طرف جائے گا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دے گا" فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ " جہنم اس کا انجام ہے۔ جہنم اس کا ٹھکانہ ہے۔ اب کوئی مال دنیا پر غرور نہ کرے، کوئی اپنی سرمایہ داری پر گھمنڈ نہ کرے۔ کیوں؟ اس لیے کہ معیار جنت دنیا نہیں ہے۔" فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ " جو شخص بھی بارگاہِ الٰہی میں کھڑا رہے اور اپنے دل میں خوف خدا رکھتا ہو اور اپنے نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے باز رکھے" فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ " جنت اسی انسان کا ٹھکانہ بنے گی، تو اب اگر جنت میں جانا ہے تو دل میں خوف الٰہی پیدا کرو اور اگر جنت میں جانا ہے تو خواہشِ نفس سے پرہیز کرو۔ دو بنیادیں بتلائیں۔ خوف الٰہی پیدا کرو، خواہشِ نفس سے

پرہیز کرو تو جو پرہیز کرے وہ جنتی، جو سرکشی اختیار کرے اور دنیا کو ترجیح دے وہ جہنمی۔
عزیزو! بات تو واضح ہو رہی ہے؟ میں اسی منزل سے گفتگوئے تمہید کو ختم کر رہا ہوں۔ کیا بتلایا، ایک طرف سرکش ہے، دنیا کی محبت رکھنے والا، دوسری طرف متقی خوفِ خدا رکھنے والا اور اپنے نفس کی خواہشوں کو کنٹرول کرنے ولا، یہ خواہشِ نفس اتنی خراب شے ہے، نفس کی خواہش، بہت توجہ فرمایئے گا کہ ملک بھی اس سے نہ بچ سکا، انبیاء و مرسلین بھی اس خواہش سے نہ بچ سکے۔ میں نے تمہید ختم کی لیکن بڑی دقیق منزل ہے، تفسیر کی اس لیے میں یہ چاہوں گا کہ بات واضح تر ہو کر سامنے آئے، دیکھو خبردار! اپنی خواہش پر عمل نہ کرنا اور تمہارے دل میں کوئی ایسی خواہش نہ آنے پائے جو مرضئ الٰہی کے خلاف ہو، ہمیشہ اپنی خواہش کو مرضئ الٰہی کے تابع رکھو، اتنی بری شے کہ نہ ملک بچا، نہ نبی بچا، جب خلافتِ آدم کا اعلان ہوا ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً'' تو ملک کے دل میں خواہش آئی یا نہیں کہ یہ خلافت ہمیں مل جائے، خواہش تو آئی، یعنی اگرچہ مرضئ الٰہی کے خلاف تھی، یہ بات اللہ خلافت آدمؑ کو دینا چاہتا تھا اور ملک کے دل میں، فرشتہ ہے معصوم ہے، اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ خلافت ہمیں مل جائے تو مرضئ الٰہی کے خلاف خواہش آئی یا نہیں آئی۔
ایک مرتبہ ڈانٹ پڑی کہ خبردار ''اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، چپ ہو جاؤ۔ ملک کے دل میں خواہش آئی، خواہش کے معنی کسی تصور کا آجانا، اپنی مرضی کے مطابق اس کے دل میں خواہش آئی، خیال آیا کہ اس پوری کائنات میں مجھ سے زیادہ عبادت کرنے والا کوئی فرشتہ نہیں ہے، یہ خواہش اور یہ خیال ملک کے ذہن میں پیدا ہوا۔ فطرس اس فرشتے کا نام ہے۔ ایک مرتبہ بال و پر نوچ گئے، ایک ویران جزیرے میں چھوڑ دیا گیا تو عمل میں معصوم تھا لیکن خواہش میں لغزش ہوئی یا نہیں، بہت توجہ فرمایئے گا، یہ بڑی دقیق منزل ہے کہ عمل میں معصوم ہے، فرشتہ عمل میں معصوم ہے لیکن خواہش میں لغزش ہوئی، آدمؑ کے مقابلے پہ بھی ہوئی اور عبادت کی منزل پہ بھی ہوئی، اور مثال آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ حضرت موسیٰؑ اولوالعزم نبی ہیں، صاحبِ کتاب، صاحبِ شریعت دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس وقت دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی پڑھا لکھا موجود

نہیں ہے، سب سے بڑا عالم میں ہوں، فوراً یہ حکم ہوا کہ جاؤ موسیٰ خضرؑ کے پاس، ہمارا ایک بندہ ملے گا جو تمہیں بہت سے علوم کی تعلیم دے گا، موسیٰ عمل میں معصوم لیکن خواہش ناپسندیدۂ الٰہی ٹھہری یا نہیں؟ بڑی عجیب منزل ہے جہاں پر ذہنوں کو لے جا رہا ہوں، کسی کام کو کرنے کے لیے چار اسٹیج ہیں، پہلا اسٹیج اس بات کا علم ہو، دوسرا اسٹیج اس کام کو کرنے کی خواہش ہو، تیسرا اسٹیج پھر وہ کام کو کرنے کا ارادہ کرے، چوتھا اسٹیج وہ کام کو کرے، چار درجے ہی ہیں نا؟ کام کا علم ہو، پہلا اسٹیج، پھر اسے کرنے کی خواہش ہو، دوسرا اسٹیج خواہش دوسرے درجے میں، پھر ارادہ کرے، تیسرا درجہ، پھر عمل کو کرے، چوتھا درجہ تو اب فرق کو بتلانا چاہتا ہوں کہ انبیا و مرسلین عمل کے درجے میں معصوم، فرشتے عمل کے درجے میں معصوم، اسی لیے کہ نہ انبیا سے خطا کا امکان، نہ فرشتوں سے خطا کا امکان، لیکن خواہش انبیا کے ہاں بھی ملی، خواہش فرشتوں میں بھی ملی، تو اب فرق دیکھیں انبیا میں اور آلِ محمدؐ میں بات کو ذرا سا اور واضح کروں، تاکہ گفتگو بالکل واضح ہو جائے۔ معصوم کسے کہتے ہیں؟ جس کا عمل غلطی سے محفوظ رہے، جس کے عمل میں کوئی گناہ نہ ہو تو پہلے انسان جانے گا، پھر اس کی خواہش کرے گا، خواہش دوسرے درجے میں ہے، پھر اس کا ارادہ کرے گا، پھر اس کا عمل کرے گا، تو انبیا و مرسلین ہوں یا ملائکہ مقربین، وہ عمل کے درجے میں معصوم ہیں، یعنی خواہش ناپسندیدہ ہو سکتی ہے۔ نعوذ باللہ! ارادہ فرشتہ کا ناپسندیدہ ہو سکتا ہے لیکن عمل میں معصوم ہوگا اور اب آلِ محمدؐ کی منزل کیا ہے۔ ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' تمہاری خواہش وہی ہے جو پروردگارِ عالم کی خواہش ہے۔ یعنی یہ بڑی دقیق منزلِ فکر تھی کہ انبیا ہوں یا فرشتے وہ درجۂ عمل میں معصوم ہیں اور آلِ محمدؐ کی منزل یہ ہے کہ وہ درجہ خواہش میں معصوم، خواہش معصوم، ارادہ معصوم، عمل معصوم، تو تین معصومیتیں آئیں یا نہیں۔ بہت توجہ کیجیے گا۔ ان کی خواہش معصوم، ان کا ارادہ معصوم، ان کا عمل معصوم ہے، تین عصمتیں آئیں، اسی لیے آیت تطہیر میں تین لفظ رکھے، اگر بات واضح ہوگئی تو مجھے ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آیت کا ترجمہ کر دیتا ہوں، تاکہ بات واضح ہو جائے۔ آیت کیا ہے؟ ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا'' اے اہلِ بیت! اللہ نے طے کر لیا کہ نجاست کو تم

سے دور رکھے گا، جس سے دور رکھے وہ طاہر ہو گیا یا نہیں، طہارت تو طے ہو گئی، یعنی اب آگے کہنے کی ضرورت نہیں ہے" لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ "ہم رجس کو تم سے دور رکھیں گے، طہارت ثابت ہو گئی اور اب "یُطَھِّرَکُمۡ " تمہیں طاہر رکھے گا۔ یہ دوسرا لفظ ہوا کہ نہیں ہوا، پھر تیسرا لفظ کیا "تَطۡھِیۡرًا" جو حق ہے، طاہر رکھنے کا تو یہ تین درجے آیت تطہیر میں کیوں رکھے۔ اس لیے کہ بتلانا یہ تھا کہ یہ اس مقامِ عصمت پر فائز ہیں جہاں خواہش بھی معصوم، ارادہ بھی معصوم اور عمل بھی معصوم۔ اس لیے آیت میں درجے بھی تین ہی آئیں گے۔ (درود پڑھیں محمدؐ وآلِ محمدؐ پر) تو خواہشِ نفس سے بچتے رہو۔ "وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ " جو اپنے رب کی اہمیت اور اپنے رب کے مقام کو سمجھ کر اس کا خوف اختیار کرے وہ جنتی ہے اور جو ہوائے نفس سے، خواہشِ نفس سے اپنے ارادے کو اور اپنی خواہش کو محفوظ رکھے نفس کی بھڑکائی ہوئی باتوں سے، جو اپنی خواہش کو محفوظ رکھے وہ جنت میں جانے والا ہے۔ تو ایک طرف جہنمی جن کا مزاج یہ کہ وہ سرکشی کرتے ہیں، جن کا مزاج یہ کہ وہ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، دوسری طرف جنتی ان کا مزاج یہ کہ وہ خواہش نفس کو کچل دیتے ہیں تو جنت میں جانے والا کون؟ جو نفس پہ کنٹرول حاصل کرے۔ بہت دقیق منزل ہے اور میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو اس بات کو صحیح طریقے سے کنوے (Convey) نہیں کر پا رہا ہوں، جس بات کو مجھے آپ تک کنوے کرنا ہے۔ یہ میری بھی مجبوری ہے اور آپ کی بھی مجبوری ہے لیکن ایک مرتبہ اور آیت کو سنتے ہوئے چلیں "فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی " جو سرکشی کرے "وَ اٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا " جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے وہ جہنمی ہے "وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی " اور وہ جو اللہ کا تقویٰ رکھے اور اپنے نفس کو بری خواہشوں سے روکے، دنیاوی خواہشوں سے روکے وہ جنتی ہے تو ایک طرف جہنمی، مقابلے میں جنتی، جہنمی وہ جو سرکش ہے، جنتی وہ جو متقی ہے، جہنمی وہ جو دنیا کو ترجیح دے، خواہشات دنیا کو ترجیح دے، جنتی وہ جو خواہش نفس پر کنٹرول رکھے۔ تو نفس پر کنٹرول رکھنے والا جنتی، اب آپ سے سوال اتنا ہے جو نفس پہ کنٹرول رکھے وہ جنتی، تو اب اگر کوئی ایسا نکلے جو نفس کو بیچ کر مرضی لے لے۔ تو کیا اسے فقط جنت ملے گی، کوئی ایسا بھی تو ہو سکتا

ہے جو نفس کو بیچے، اب اس کے پاس نفس نہیں ہے، قرآن نے یہی کہا تھا کہ نفس کو خواہشوں سے روکو، نفس ہے ہی نہیں تو اب ایسا شخص اگر میدان میں آجائے، جو متقی بھی ہو اور نفس بیچ آیا ہو تو کیا وہ بھی فقط جنتی ہی ہوگا، تو پھر متقی میں اور امام المتقین میں فرق کیا ہوگا۔ تقویٰ اختیار کرنے والے میں اور نفس کو بیچنے والے میں فرق کیا رہے گا، تو فرق یہ ہے متقی وہ جسے قیامت میں جنت مل جائے اور امام المتقین وہ جسے قیامت میں حق شفاعت مل جائے کہ جسے چاہے جنت میں داخل کرو، جسے چاہو روک لو، ظاہر ہے کہ دونوں ایک درجے میں نہیں رکھے جاسکتے۔ جو متقی ہو اسے بھی اور جو امام المتقین ہو دونوں ایک درجے میں ہوں، دونوں ایک درجے میں نہیں ہو سکتے، تو اب پروردگارِ عالم نے تقابل کیا، ادھر متقی اُدھر سرکش اِدھر نفس کو کنٹرول کرنے والا، اُدھر دنیا کی محبت رکھنے والا، ایک دوسرے کے مقابل ہیں یا نہیں تو اب مجھے ایک جملہ کہنے کی اجازت دیں کہ اگر ایک طرف متقی آئے تو اس کے مقابلے میں جو بھی آئے وہ سرکش ہوگا اور اگر ایک طرف جنت میں جانے والا آئے تو اس کے مقابلے میں جو بھی آئے وہ جہنمی ہوگا، ظاہر ہے کہ میں بہت احتیاط سے بات کر رہا ہوں، فقط اس لیے میں نے کبھی کسی بہت بڑی تقریر میں ایک شعر عرض کیا تھا کہ:

دل میں کئی طرح کے سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

اس لیے جتنا میں کنوے کرسکوں اتنا میں کنوے کروں گا، اور جتنا نہ کرسکوں اتنا سمجھنا آپ کا کام، تو دو انسانوں کا تقابلی مطالعہ ایک طرف جنتی ہے، دوسری طرف جہنمی ہے، اگر متقی کے مقابلے میں آئے تو جہنمی، اگر خوفِ خدا رکھنے والے کے مقابل آئے تو جہنمی تو بس یہیں فیصلہ ہو جائے جو متقی کے مقابلے میں آئے وہ جہنمی ہے تو اب جو امام المتقین کے مقابلے میں آئے، گفتگو۔۔۔ گفتگو اس منزل تک جائے گی، لیکن ایک تھوڑے سے وقفے کے بعد گفتگو کو اس منزل تک لے جانا چاہ رہا ہوں جس کا آپ کو بھی انتظار ہے، ایک طرف متقی ہے دوسری طرف فاسق و فاجر، اب تمیز کیسے ہو کہ کدھر متقی ہے اور کدھر فسق و فاجر ہے دنیا کو بیچ میں رکھ کے دیکھ لو، دنیا کو بیچ میں رکھو، دنیا کو معیار بناؤ، اب جدھر دنیا ادھر فاسق و فاجر، اور جدھر دنیا سے بیزاری

ہوگی ادھر تقویٰ تو دور جانے کی ضرورت نہیں ہے یا علیؑ ہو یا علیؑ کا بیٹا ہو، کردار دونوں کا یہی ہے کہ اگر تم حکومت پہ لڑنے آئے ہو تو لے جاؤ اس حکومت کو، اگر تم حکومت پہ لڑنے آئے ہو تو لے جاؤ، اس حکومت کو لے جاؤ اس لیے کہ ہم جس پہ فخر کرتے ہیں وہ یہ حکومتِ دنیا نہیں ہے اور وہ جو چیز چھینی نہیں جاسکتی اس پر ظاہر ہے کہ نہ تمہارا کوئی جھگڑا ہے نہ ہمارا کوئی جھگڑا ہے۔ خدا کی قسم ایک جملہ کہہ کے آگے بڑھوں تاکہ یہ بات بھی میری دوستوں کے ذہن میں رہے کہنے والوں نے کہا اس آیت کے سلسلہ میں کہ "وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی" دُرِ منثور سیوطی علامہ جلال الدین سیوطی کی مشہور تفسیر کہ جو خوفِ خدا رکھتا ہو جو نفس پہ کنٹرول رکھتا ہو جو بارگاہِ الٰہی میں تقوے کے ساتھ کھڑا ہوا ہو، جنت کی ملکیت اس کے ہاتھ میں ہوگی، درِ منثور میں علامہ سیوطی نے اتنالیس راویوں کے ذریعے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان آیات سے مراد علی ابن ابی طالبؑ کی ذات ہے۔ دور جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان آیتوں سے مراد علی ابن ابی طالبؑ کی ذات ہے تو پھر ان آیات سے مراد ۔۔۔۔ نہ تحقیق کی ضرورت ہے، نہ تفاہم کی ضرورت ہے، نہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے، فقط ایک کو معلوم کرلو، دوسرا خود کھل کر سامنے آجائے گا، عجیب بات یہ ہے کہ اسی مقام پر ان روایات کو اتنالیس راویوں کے ذریعے ان روایات کو لکھنے کے بعد امام سیوطی نے ایک جملہ لکھا اور اسی جملے کو سنانا، آج مقصود ہے اُنہوں نے جملہ یہ لکھا کہ یقیناً اس آیت سے مراد علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ یقیناً ہیں لیکن لوگ یہ دھوکہ نہ کھائیں کہ علیؑ میں فقط کمال ہی کمال تھا اور بلندیاں ہی بلندیاں تھیں ہمارا دعویٰ ہے نا علیؑ کے معنی بلند تو اب اس کے اندر کوئی پستی موجود نہیں ہے۔ علیؑ میں کوئی پستی نہیں ہے تو انہوں نے لکھا کہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں کہ علیؑ میں کوئی پستی تھی نہیں، وہ انسان تھے، وہ بشر تھے، ان سے غلطیاں بھی نعوذ باللہ ہوسکتی تھیں تو اگر کمالات اور بلندیاں تھیں تو اس کے ساتھ ساتھ پستیاں بھی تھیں۔ خدا کی قسم ہمیں قبول ہے کہ اگر علیؑ میں بلندیاں تھیں تو علیؑ میں پستیاں بھی تھیں ہمیں قبول ہے اس لیے کہ بشر ہے، وہ بلند بھی ہو سکتا ہے اور وہی بشر پست بھی ہوسکتا ہے، ہم نے کبھی انکار نہیں کیا کہ علیؑ بشر نہیں ہیں وہ بشر ہیں، اس میں بلندی بھی ہے، اس میں پستی بھی ہے لیکن ایک اضافے کے ساتھ کہ ایسی بلندی کہ ا

گر بلند ہوں تو دوشِ رسالت پہ چلا جائے، میں چاہتا ہوں کہ آج علیؑ کی بلندی بھی سامنے آ جائے اور علیؑ کی پستی بھی سامنے آ جائے، ایسا بلند کہ اگر بلند ہو تو پاؤں مہر نبوت پر آ ئیں، اور ایسا پست کہ اگر پست ہو تو بائے بسم اللہ کے نیچے کا نقطہ بن جائے۔ وہ بلند بھی ہے وہ پست بھی ہے، بلدن ہوا، مہر نبوت پر قدم رکھے، پست ہوا، نیچا ہوا، بائے بسم اللہ کے نیچے نقطہ بن کے آیا، بڑی مشہور و معروف روایت ہے، ہزاروں مرتبہ میں نے یہ روایت پڑھی ہے، کتابوں میں بھی پڑھی منبر سے بھی پڑھی، یہ علیؑ کو اصرار کیوں ہے کہ وہ بے ہی کے نیچے کا نقطہ ہیں، ن کے اوپر کا نقطہ کیوں نہیں، یہ بھی تو قابلِ غور بات ہے نا؟ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں رحمٰن کے اندر ایک ن ہے نا اور ن کے بیچ میں نقطہ رکھا ہوا ہے تو علیؑ نے یہ کیوں نہیں کہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ن کا نقطہ ہوں، اوپر کا نقطہ، نہیں کہا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے میں جو ب ہے اس ب کے نیچے کا نقطہ ہوں۔ نہیں کہا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو بے ہے اسکے نیچے کا نقطہ ہوں تو کوئی نہ کوئی تو راز ہوگا اور اگر راز نہ ہو تو علیؑ کا قول نعوذ باللہ مہمل ہو جائے تو عزیزانِ محترم انتہائی توجہ کے ساتھ یہ فرق کر کے آج میں آپ کے سامنے تقریر نہیں کر رہا ہوں بلکہ آج لیکچر دے رہا ہوں۔ یہ فرق کر کے تھوڑی دیر کے لیے میرے جملے سماعت کر لیں تا کہ یہ روایت آج کی حد تک حل ہو جائے کہ آخر یہ روایت ہے کیا یہ آخر بات کیا ہے، بہت سی آیتیں تھیں کہیں پر ن تھا، کہیں پر ق تھا، کہیں پر ب تھا، کہیں پر ش تھی تو کوئی اور نقطہ بتا دیتے۔ یہ ب کے نیچے کے نقطے کا اصرار کیوں ہے۔ تو آپ یقین فرمائیں کہ میں پوری ذمہ داری سے جملے عرض کر رہا ہوں۔

ہاں میرے وہ دوست جو آج اس سبجیکٹ کو پڑھنا چاہیں یہ سبجیکٹ ہے لسانیات کا کہ ایلفابیٹ (Alphabets) حروف تہجی کس طریقے سے دنیا میں پیدا ہوئے۔ "الف، ب، ج، د، ح" یہ سارے حروف کس طریقے سے دنیا میں ایجاد ہوئے۔ بڑا مشہور و معروف لکھنے والا ہے ایڈورڈ کلاڈ (Edwardclodd) اس کی کتاب ہے (The story of tha Alphabet) اس کتاب کے حوالے سے یہ چند جملے آپ کی خدمت میں عرض کرر ہا ہوں کہ جب عہدِ قدیم میں اس کتاب کے حوالے سے یہ چند جملے آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ جب عہد قدیم میں کیونکہ میں نے براہ راست اس موضوع کو دیکھا ہے اس لیے آپ کی خدمت

میں حاضر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ یعنی گفتگو حوالہ در حوالہ نہیں ہے۔ ڈائریکٹ ہے۔
عہد قدیم میں جب انسانوں کو لکھنا نہیں آتا تھا تو وہ اگر کسی چیز کو کنوے کرنا چاہتے تھے، لکھنا چاہتے تھے تو اس چیز کی شکل بنا دیا کرتے تھے۔ مثلاً جب انہیں آنکھ کی شکل بنانی ہوتی تھی تو وہ عین کے طریقے سے بناتے تھے عین کے معنی اتفاق سے آنکھ ہی کے ہیں اور شکل جو بنائی تو وہ آنکھ جیسی بنائی جب وہ اُونٹ کی شکل بنانا چاہتے تھے جو جیم کی شکل بناتے تھے اور اتفاق سے عبرانی زبان میں جیم کے معنی اونٹ، اگر آپ نے کبھی بیٹھا ہوا اونٹ دیکھا ہو تو وہ جیم ہی کی شکل ہوتا ہے اور اس کی گردن، اس کی پیٹھ، اس کے نیچے کا حصہ، پچھلا حصہ اور بیچ میں جو نقطہ رکھا گیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مالک اُس کی پشت پر بیٹھا ہوا ہے۔ نقطہ مالکیت کی دلیل ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے۔ آنکھ بنائی کہا عین، جیم بنائی کہا کہ اونٹ، مثلاً انہیں ایک درخت دکھلانا تھا تو انہوں نے شین کے معنی عبرانی زبان میں درخت کے ہیں، شین، شین لکھی اور اس پر تین نقطے بنائے یعنی دو طائر درخت کی ٹہنیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک جو اوپر ہے وہ اڑ رہا ہے تو درخت بتلایا، پرندے بتلائے، ایک اڑتا ہوا پرندہ بتلایا، جیم سے اونٹ کی طرف اشارہ کیا، عین سے آنکھ کی طرف اشارہ کیا تو جتنے بھی حرف تہجی ہیں وہ کسی نہ کسی شے کی شکل ہیں۔ جو بدل کر اس صورت میں آئے، تو اب ان سارے حروفِ تہجی کو دیکھ ڈالیں پوری ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں لکھا لکھنے والے مصنف نے کہ ب علامت تھی گھر کی اور بے کا نقطہ اس بات کی علامت تھی کہ گھر کا مالک گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ بات تو واضح ہوگئی۔ یہ پرانی گفتگو ہے۔ پرانے زمانے میں تحریر کا سلسلہ نہیں تھا تو ب پر جو ب کا نقطہ ہے وہ ب کا مالک ہے۔ جو دروازے پر بیٹھا ہوا ہے میں ب کے نیچے کا نقطہ ہوں، یعنی اگر قرآن پورا گھر ہے تو مالک میں اور میں دروازے پر بیٹھا ہوا ہوں۔ تو اب اگر مجھ سے ہٹ کر کوئی اس گھر میں داخل ہونا چاہے گا تو مہمان نہیں ہوگا چور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ عزیزانِ محترم آج کی گفتگو طویل نہیں ہے۔ علیؑ بائے بسم اللہ کا نقطہ یعنی بیتِ قرآن کا مالک جس طریقے سے چاہے اور جس منزل پر چاہے اور جس آیت کو چاہے منطبق کرے کسی کو حق نہیں ہے کہ علیؑ کو چیلنج کرے کہ تم نے غلط مورد پر آیت کو استعمال کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جہاں جہاں امیر المومنینؑ نے اپنے

فیصلوں میں آیتیں رکھ لیں آج تک وہ آیتیں اس مفہوم میں استعمال ہو رہی ہیں۔ یہ فقط علیؑ کا کارنامہ نہیں ہے پورا خانوادۂ آلِ محمدؐ ہر ہر امامؑ، ہر ہر معصومؑ اپنے زمانے میں بائے بسم اللہ کا نقطہ یعنی علیؑ نے تو دعویٰ کیا اور بتایا کہ میں بائے بسم اللہ کا نقطہ اور اب جو سلسلہ چلا تو ہر امام بائے بسم اللہ کا نقطہ جہاں جس آیت کو استعمال کرے اور جس طریقے سے استعمال کرے وہی سند ہے۔ ایک مثال پیش کروں، فقط ایک مثال تاکہ بات واضح ہو جائے کہ کس کس امامؑ نے آیت کو کس طرح استعمال کیا بڑی مشہور آیت "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا" جو شخص کسی انسان کو قتل کر دے اور وہ قتل کرنے والا نہ مفسد تھا نہ فاجر تھا تو اگر کوئی کسی کو قتل کر دے بغیر کسی سبب کے، گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔ قاتل ایک کا، قتل ایک کیا اس نے لیکن پروردگارِ عالم نے اعلان کیا کہ ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔ یعنی جتلانا یہ تھا کہ ہر ہر انسان اپنے مقام پر پوری انسانیت کا نمائندہ ہے، پوری انسانیت کی نمائندگی کر رہا ہے اور جو شخص ایک انسان کی جان بچائے گویا اس نے ساری انسانیت کی جان بچائی۔ قرآن کا اصول تو سمجھ میں آ گیا اگر ایک کو قتل کرے تو اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا اور اگر ایک کو بچائے تو ساری انسانیت کو بچا لیا۔ یہ آیت ذہن میں محفوظ رکھیں۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا زمانہ آیا۔ بس عزیزانِ محترم پانچ سے سات دقیقوں کی زحمت۔۔۔۔ علیؑ کا زمانہ ہے مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کو الزامِ قتل میں گرفتار کر کے لایا گیا۔ اس کے ہاتھ میں چھری تھی اور چھری سے خون ٹپک رہا تھا اور جہاں سے وہ گرفتار ہوا تھا وہاں ایک مقتول کی لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ تازہ مقتل کی لاش اس شخص کو جب لوگوں نے گرفتار کیا اور کہا تو ہی ہے جس نے اس مردے کو، اس میت کو قتل کیا اس نے اقرار کیا اور کہا ہاں میں ہی۔ اس کا قتل کرنے والا ہوں، اسے علیؑ کے پس لایا گیا۔ علیؑ نے پوچھا کہ کیا تو اس مقتول کا قاتل ہے کہا مولا کیا بتلاؤں میں ذات کا قصاب ہوں میں نے اس وقت یعنی چند لمحے پہلے مویشی کو ذبح کیا تھا مجھے ایک حاجت محسوس ہوئی اور میں ویسے ہی خون آلود چھری لیے ہوئے استنجا کرنے کے لیے ایک خرابے کے پیچھے چلا گیا، اُدھر جو گیا تو دیکھا ایک تازہ لاش پڑی ہوئی ہے، اور اس کی گردن سے لہو بہہ رہا ہے۔ میں حیران ہو کر اس منظر کو

دیکھ ہی رہا تھا کہ یہ لوگ آئے اور مجھے گرفتار کر کے یہاں لے آئے آپ نے situation دیکھی، یعنی وہ انسان اس کا claim کیا ہے، کہ وہ قصاب ہے اس نے اسی وقت مویشی کو ذبح کیا تھا چھری سے خون ٹپک رہا ہے وہ استنجا کرنے کے لیے خرابے میں بھی چلا آیا اس نے ایک تازہ لاش دیکھی وہ گھبراہٹ کے عالم اسے دیکھ رہا ہے کہ کارندۂ حکومت آئے اور اُسے گرفتار کرلیا کہا پھر تو نے اقرار کیوں کیا کہ میں قاتل ہوں؟ کہا مولا پھر اقرار نہ کرتا تو کیا کرتا، لاش میرے سامنے ہے، چھری میرے ہاتھ میں ہے، خون چھری سے ٹپک رہا ہے، اگر میں انکار بھی کرتا تو یہ نہ مانتے اس لیے میں نے اقرار کرلیا کہا کہ اچھا اسے لے جاؤ اور مقتول کے ورثا اگر یہ کہیں کہ اسے قتل کردو تو اسے قتل کر دینا، ادھر لوگ اسے لے چلے قتل کرنے کے لیے، ادھر جو اصلی قاتل تھا وہ بھاگتا ہوا آیا، اور کہا کہ مولا اصلی قاتل میں ہوں، اور یہ جو گرفتار ہوا ہے یہ قاتل نہیں ہے، یہ واقعاً دھوکے میں پکڑا گیا تو مولا اسے آزاد کرا دیں اور مجھے اس کے بدلے میں قتل کر دیں۔ اب عجیب و غریب situation ہے۔ ایک شخص دعویدار ہے کہ میں قاتل ہوں دوسرا پہلے دعویدار تھا لیکن اب اس کی ذات سے الزام قتل بری ہو چکا ہے۔ لوگوں نے بہ یک زبان کہا کہ آج ایسا مسئلہ آیا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب تو کیا اگر کوئی اپنے زمانے کا نبی مرسل بھی ہوتا تو وہ اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا کس کو چھوڑیں کس کو سزا دے یعنی عجیب و غریب Situation ہے اور دونوں کو چھوڑ دے، دونوں کو سزا دے، ایک کو سزا دے، کرے تو آخر کیا کرے، اگر کوئی نبی مرسل بھی ہوتا وہ بھی وحی الٰہی کے بغیر فیصلہ نہیں کر سکتا یہ جملہ کہیں سے علیؑ کے کان میں پہنچ گیا کہ آج اگر کوئی نبی ہوتا تو جب بھی فیصلے میں دشواری ہوتی تو بس بے اختیار کہنے لگے کہ آج فیصلہ نہیں کروں گا لوگوں نے ہاتھ جوڑ لیے کہ مولا اگر آپ فیصلہ نہیں کریں گے تو پھر دنیا میں ہے کون؟ کہا میرا بیٹا حسن ابن علیؑ موجود ہے فیصلہ کرنے والا۔ اسے گھر سے بلواؤ وہ فیصلہ کرے گا حسن ابن علیؑ آئے، situation سامنے رکھی گئی، صورت حال بتلائی گئی کہ مولا صورت حال یہ ہے۔ کہا کہ دونوں کو چھوڑ دو، فیصلہ ہو گیا۔ دونوں چھوٹ گئے۔ اب وہ لوگ جو مخالف بھی تھے اور جن کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا، تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ کیسا خلاف قرآن فیصلہ ہوا ہے کہ جو خود قاتل ہے اقرار قتل بھی کر رہا ہے

اسے بھی چھڑوادیا اور جو الزام قتل میں آیا تھا اسے بھی چھڑوادیا، اور جو الزام قتل میں آیا تھا اسے بھی چھڑوادیا، تو کم از کم قاتل کو تو سزا ملتی، یہ کیسا خلاف قرآن فیصلہ کیا۔ بس یہ سننا تھا کہ حسن ابن علیؑ مڑے اعتراض کرنے والوں کی طرف اور کہا کہ تم نے آیت نہیں پڑھی جس نے ایک کو زندگی دی اس نے گویا پوری انسانیت کو بچالیا۔ تو اگر اس نے ایک کو قتل کیا تھا تو ایک کو بچایا بھی تو تھا، اگر ایک کو قتل کیا تھا تو ایک کی جان بھی تو بچائی۔ تو چونکہ بچائی تو بچانے کی جزا یہ ہے کہ اُسے چھوڑا جائے۔ اِسے بھی چھوڑا جائے یہ ہے استدلال، یہ ہے استدلال آیۂ مبارکہ کا جو سوائے معصومین کے کسی کا حق نہیں تھا، میری تقریر ختم ہورہی ہے لیکن عزیزانِ محترم! ناانصافی ہوگی اگر چند کلمات میں حسن ابن علیؑ کے سلسلے میں کہتا ہوا نہ گزروں، یہ شہزادہ جس کی ولادت کی شب میں آپ اور ہم جمع ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ اس شہزادے کا حق یہ ہے کہ ایک سے زیادہ تقریروں میں اس کا ذکر کیا جائے اور اگر مجھے مہلت ملی تو میں اس شہزادے کا تذکرہ کروں گا، اور بتاؤں گا کہ اس کا contribution اسلام میں کیا ہے۔ فقط آج کی حد تک چند جملے عرض کرنا چاہ رہا ہوں، اُم الفضل زوجۂ عباس بن عبدالمطلب نے خواب دیکھا، کہ ایک مرتبہ چاند سے ایک ٹکڑا ٹوٹا اور ٹوٹنے کے بعد اُم الفضل کی گود میں آ کر گرا، خواب سے بیدار ہوئیں، مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے، آئیں پیغمبر کی خدمت میں کہا رسول اللہ آج شب میں مَیں نے عجیب ایک بھیانک خواب دیکھا ہے کہا کہ کیا خواب تھا، عرض کی یا اللہ کے رسولؐ میں نے دیکھا کہ ایک پورا چاند اور اس چاند میں سے ایک ٹکڑا ٹوٹا اور وہ براہ راست ٹوٹتا ہوا میری گود میں آ کر گرا کہا کہ اُم الفضل مبارک ہو یہ خواب بہت مبارک ہے، کہا اللہ کے رسولؐ پھر تعبیر بھی بتلادیں کہا اُم الفضل اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوگا اور اس کی تربیت کے فرائض تمہیں انجام دینے ہوں گے، تعبیر سنی اُم الفضل نے یہ طے کیا کہ اس وقت تک میں سیدہؑ کے گھر میں رہوں گی، جب تک کہ ولادت نہ ہو جائے۔ اُم الفضل سیدہؑ کے گھر منتقل ہوگئیں زمانہ گزرتا رہا، ولادت کی شب آئی صبح فجر کے قریب اُم الفضل بیان کرتی ہیں کہ میں ولادت کے وقت حجرے میں موجود تھی، مولود زمین پہ آیا مولود نے دونوں ہاتھ زمین پہ ٹیکے سجدے میں سر رکھا، اور دو جملے کہے۔ سبحان اللہ وسبحان القدوس،

اُم الفضل کہتی ہیں کہ میں نے بچے کو اُٹھایا اور اُٹھا کر غسل دینا چاہا۔ ظاہر ہے کہ بچوں کو پیدا ہونے کے بعد غسل دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ شہزادی فاطمہ زہراؑ نے آواز دی کہ اے اُم الفضل! اس بچے کو غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے اسی طریقے سے سفید پارچے میں لپیٹ کر میرے بابا کی گود میں دے دو۔ حسنؑ ابن علیؑ پیدا ہوئے سفید پارچے میں لپیٹے گئے۔ پیغمبر اسلام کی گود میں لا کے دیا گیا۔ پیغمبرؐ نے پیشانی چومی، ہونٹوں کا بوسہ لیا، داہنے کان میں اذان کہی، بائیں کان میں اقامت کہی، جب اذان و اقامت کہہ چکے تو ایک مرتبہ علیؑ کو آواز دی کہا کہ علیؑ تم نے اس بچے کے لیے کوئی نام تجویز کیا؟ کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس بچے کا کوئی نام تجویز کروں۔ کہا کہ ہاں اے علیؑ ٹھیک کہتے ہو، لیکن اگر تمہارا جذبہ یہ ہے تو پھر میں اللہ کے ہوتے ہوئے اس بچے کا نام کیوں تجویز کروں اگر تم نے میرے سبب سے اس کا نام نہیں رکھا تو میں اللہ کے سبب سے اس کا نام نہیں رکھوں گا۔ ابھی علیؑ اور رسولؐ میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ، اللہ نے آپ کو سلام کہلوایا ہے اور اللہ نے آپ کو مبارک باد بھیجی اور اللہ نے یہ کہا کہ چونکہ آپ اپنے زمانے کے موسیٰ ہیں اور علیؑ اپنے زمانے کے ہارونؑ ہیں، اس لیے اس بچے کا نام ہارون کے بڑے بچے کے نام پر حسنؑ رکھا جائے، بس عزیزو! چونکہ ولادت کی شب تھی اس لیے میں نے یہ واقعہ بیان کیا اور اب فقط ایک ہی جملہ عرض کروں گا۔ نام رکھا گیا اور جب ظہر کے وقت پیغمبر اسلام مسجد میں تشریف لائے تو بے اختیار سارے مسلمانوں کو جمع کرنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ سنو تین دن تک اس بچے کی خوشی میں پورے شہر مدینہ میں چراغاں کیا جائے گا، متواتر تین دن تک راتوں میں شہر مدینہ میں چراغاں ہوتا رہا۔



باب ۔ ۵

علامہ طالب جوہری کی خطابت

ہندوستان میں خطابت کا باقاعدہ آغاز مولوی محمد حسین علن صاحب سے ہوا۔ جو کربلا میں قیام کے دوران شیخ جعفر شوستری کے بیانات سے متاثر ہوئے اور ہندوستان آکر اسی طرز پر ذاکری شروع کی۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے متعدد مسودے دو تین جلدوں میں میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔

ان کے بعد شمس العلماء مولوی سبط حسن صاحب کا تذکرہ آتا ہے۔ جن کی جادو بیانی نے پوری ہندوستان کو متاثر کیا۔ وہ عربی، فارسی اور اردو میں شاعری بھی کرتے تھے، ان کے بھائی مولوی ظفر مہدی گہر نے تقریباً ۷۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب ان کے حالات و واقعات پر لکھی تھی۔ ایک کتاب مولانا آغا مہدی لکھنوی نے ''طورِ کلیم'' کے نام سے لکھی تھی جس کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔

ان کے بعد مولوی محمد رضا فلسفی، مولوی مقبول احمد، مولوی حکیم مرتضیٰ حسین الہ آبادی، مولوی سید احمد صاحب، مولوی کلب حسین صاحب، مولوی اولاد حسین شاعر کے نام آتے ہیں۔

مولوی علی نقی نقوی اور مولوی ابن حسن نونہروی کا اپنا ایک الگ انداز تھا۔ کوئی فلسفہ، کوئی توحید، کوئی معراج، کوئی نہج البلاغہ، کوئی قرآن، کوئی تاریخ کے موضوع کا ماہر، خطابت کا ایک گلدستہ تھا جو سرزمین لکھنؤ پر کھلا ہوا تھا۔

پاکستان کے قیام کے بعد علامہ رشید ترابی، مولوی سید محمد دہلوی، مولوی ابن حسن جارچوی، مولوی محمد بشیر انصاری، مولوی حافظ کفایت حسین، مولوی حافظ ذوالفقار علی شاہ، مولوی اظہر حسن زیدی منبر پر جلوہ گر رہے اور خطابت کے بادل گرجے۔

علامہ طالب جوہری نے جس عہد میں خطابت کا آغاز کیا اس وقت ان تمام خطباء کی دھاک اہل عزا کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ علامہ رشید ترابی اس وقت اسپ خطابت کے

شہسوار تھے اور یہاں یہ لکھنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ علامہ صاحب خطابت میں علامہ رشید ترابی سے متاثر تھے جس کا اظہار انہوں نے مجھ سے بھی کیا تھا۔ جب ان کی نشستوں میں علامہ رشید ترابی کا ذکر آتا تھا تو وہ کہا کرتے تھے کہ ترابی صاحب اپنے فن کے موجد اور اپنے ہی فن کے خاتم تھے۔ ان کی آواز اور لہجہ حیرت انگیز طور پر اہل سماعت کے دل موہ لیتی تھی۔

علامہ رشید ترابی نے خطابت کو جس نہج تک پہنچایا اس سے آگے بڑھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے کہ اس کے لیے کثرت علم اور ذہانت کی ضرورت تھی جو کہ علامہ صاحب میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ نے علامہ ترابی کے بعد خطابت کے ڈوبتے سورج کو واپس پلٹایا۔ وہ ترابی صاحب کے انتقال کے فوراً بعد اچانک منبر پر اُبھرے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ رشید ترابی کے آخری عہد میں علامہ صاحب کی خطابت کے چرچے لوگوں کی زبانوں پر آچکے تھے۔

علامہ صاحب نے اپنی خطابت کو جن مدارج سے مزین کیا ان کی تفصیلات وتشریحات اس کتاب کی دوسری جلد میں ذکر کی جائیں گی فی الحال یہاں چند نکات کا تذکرہ مقصود ہے:

۱۔ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی زیارت کے چند فقرے اپنے خطبے میں شامل کیے۔

۲۔ پہلی محرم کی مجلس نشتر پارک کا آغاز مصائب سے ہوتا تھا۔

۳۔ عشرے کے ماحول کے مطابق سرنامے کی آیت کا انتخاب کرتے تھے۔

۴۔ مخصوص جملوں کی تکرار سے سامعین کے دلوں کو متوجہ اور متاثر کرتے تھے مثلاً بھئی رُکے رہنا، بات کو بہت آگے تک جانا ہے، توجہ رہے، دامن وقت میں گنجائش نہیں ہے، بس چند دقیقے اور، سخن ہائے گفتنی بہت ہیں، بھئی پولیسی میکنگ آیت ہے، میرا محمدؐ سمجھ میں آیا۔ ان جملوں سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔

اسی طرح بیان مصائب پر جملے بدل جاتے تھے۔ جیسے، تم نے گریہ کیا مجلس تمام ہوگئی، تمہاری آوازیں بلند ہوگئیں، دیکھو کچھ دیر کے لیے اپنی آوازوں کو روک لو، عباسؑ کو تو جاتے ہونا، اجرکم علی اللہ۔

توحید، نبوت، امامت، ولایت، خاص موضوعات تھے اور ہر تقریر ان ہی موضوعات

کے گرد رہتی تھی۔ وہ روایات ابتدا کی مجالس میں زیادہ پڑھتے تھے لیکن آخری بیس سالوں میں اسے ترک کر دیا تھا۔ احادیث سے اتنا استدلال کرتے جتنی ضرورت ہوتی تھی۔

نشتر پارک کی مجالس خصوصاً نو محرم کی مجلس میں حکومتِ وقت کو مخاطب کر کے قومی اور ملی معاملات کی بات کرتے تھے اور اگر کہیں بھی شیعوں کی حق تلفی کی جاتی تو حکومت کو للکارا جاتا۔

مصائب میں بہت سی روایات ایسی ہیں جو پہلی بار آپ نے ہی پڑھیں۔ حضرت علیؑ اور جناب سیدہؑ کے مصائب بالکل نئے انداز میں پڑھے۔ حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کے مصائب کے بعض مکی نکات کا اضافہ کیا اور فارسی مقاتل کی روایات متعارف کرائیں۔ اکثر مقتل کے عربی فقروں سے بیان مصائب میں شدت پیدا کرتے تھے۔ بعض دفع انیس و دبیر کے مرثیوں کے غم انگیز مطالب کو نثر میں پیش کرتے اور حوالہ دیتے ہوئے فرماتے کہ:

"ارباب مراثی لکھتے ہیں"۔

اسی طرح اکثر مجلسوں میں عربی مقاتل کے نام لے کر حوالے دیئے جیسے ابو مخنف، اکلیل المصائب، لواعج الاشجان، ریاض القدس مجھے یاد ہیں۔

لہجے کا زیر و بم مکمل قبضے میں رہتا تھا۔ سینے پر زور دے کر پڑھتے تھے۔ اپنی آواز کو ایسا بنایا تھا کہ سننے والوں کے کانوں کو بھلی لگے۔ منبر پر نشست کا انداز، روزِ عاشور منبر پر آنے کی کیفیت، شامِ غریباں میں منبر پر آنا، یہ سب اس انداز میں ہوتا تھا کہ صرف آپ کو دیکھ کر لوگ گریہ کرتے تھے۔

ان کی خطابت ایک ایسی دنیا ہے جو ابھی تک دریافت نہیں ہوئی اور اس کے لیے کافی وقت درکار ہوگا۔ انشاء اللہ اس کتاب کی دوسری جلد میں تفصیلی مقالہ شامل ہوگا۔

سرِ دست علامہ صاحب کی ایک نایاب مجلس پیش خدمت ہے اور یہ نشتر پارک میں ان کی زندگی کی پہلی مجلس ہے جو ۱۹۷۵ء میں چہلم کے دن پڑھی گئی۔ مجلس بہت کامیاب تھی اور مہینوں اس کے چرچے رہے اور اس کے بعد علامہ صاحب اسی منبر کے ہو کر رہے اور غیر معمولی ریاضت فرمائی۔

ان پر امام حسینؑ کی خاص نظر تھی ورنہ اتنے کم عرصے میں اتنی مستند شہرت ہر کسی کے مقدر

میں نہیں ہوتی ۔انہوں نے خطابت کا ایک سکول قائم کیا جسے "علامہ طالب جوہری اسکول" کہنا چاہیے ۔جو بھی ان کے طرزِ بیان کو اپنائے گا وہ اسی سے متعلق کہلائے گا۔

نشتر پارک میں پہلی مجلس

مجلس چہلم ---۱۹۷۵ء

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ نحل آیت ۶۰)

سورہ نحل قرآن مجید کا سولہواں سورہ ہے اور اس سورہ کی جس آیہ مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا اس کا نشان ساٹھ ہے۔ آیت میں عرض ہوا کہ "لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ" "وہ لوگ جو مشرک ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اللہ کے لیے بری مثل قرار دیتے ہیں" "وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ" حالانکہ اللہ کے لیے مثلِ اعلیٰ ہے مثلِ سوء نہیں ہے۔ بری مثل نہیں ہے۔ مثل اعلیٰ ہے "وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" اور اللہ صاحبِ عزت اور صاحبِ حکمت ہے۔ آیت کا مرکزی خیال اور مرکزی تصور فقط دو جملوں پر ہے۔ مثل السوء اور مثل الاعلیٰ۔ مشرک اللہ کے لیے جو مثل قرار دیتے ہیں وہ بری مثل ہے اور اللہ اپنے لیے جسے مثل قرار دیتا ہے وہ اعلیٰ مثل ہے۔ اسی سورہ میں ایک مقام پر ارشاد ہوا "فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ" اے انسانو! اللہ کے لیے کوئی مثل نہ بناؤ۔ کیوں؟ اس لیے کہ "إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" اللہ عالم ہے، اللہ جانتا ہے کہ اپنے لیے کس کو مثل قرار دے اور کس کو مثل قرار نہ دے۔ "فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ" اللہ کے لیے مثل نہ بناؤ۔ "وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" اللہ اعلم ہے تم جاہل ہو۔ اسی لیے تم اللہ کے لیے مثل قرار نہ دو تو پروردگارِ عالم کو مثل پر جو اتنا اصرار ہے تو آخر مثل کا مطلب کیا ہے؟ لغتِ عام میں عربی زبان میں مثل کے معنی کیا ہیں۔ لغتِ عام میں دو الفاظ لکھے مِثل اور مَثل، دونوں کے حروف ایک ہیں م، ث اور ل مِثل کے معنی ذات میں مشابہہ

ہونا اور مَثَل کے معنی صفات میں مشابہ ہونا، مِثل کے معنی کسی کا ذات میں مشابہ ہونا اور مَثَل کے معنی کسی کا صفات میں مشابہ ہونا تو اللہ خود ہی کہہ چکا ہے "لیس کمثلہ شئی" ذات میں تو کوئی بھی مشابہ نہیں ہے، تو اب جو بھی اللہ کے مشابہ ہوگا وہ صفات میں مشابہ ہوگا۔ جو بھی اللہ کے مشابہ ہوگا وہ صفات میں مشابہ ہوگا تو اب دو صفتیں سامنے آئیں مشرکین نے بتوں کو مَثَلِ سو بنا کر پیش کیا، مشرکین جو اللہ کی مَثَل سو، بری مَثَل پیش کرتے ہیں وہ بری مَثَل کیا ہے؟ وہ بری مَثَل یہ ہے کہ مشرکین بتوں کو اللہ کا نمائندہ سمجھتے ہیں، بات اتنی تو ہے کہ مشرکین بتوں کو اللہ کی صفات کا مظہر سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور بت مفلوج ہیں۔ اللہ ہر شے کا عالم ہے اور بت جاہل ہیں۔ اللہ ہر شے کو دیکھتا ہے اور بت اندھے ہیں، اللہ مرید ہے اور اپنے ارادے سے عمل کرتا ہے اور بت اپنے ارادے سے حرکت کرنے پر بھی قادر نہیں ہیں تو ایسی مفلوج مخلوق جسے انسان اپنے ہاتھ سے بنائے، اپنے ہاتھ سے توڑ دے تو ایسی مخلوق کو اللہ کی مَثَل قرار نہ دو۔ بات واضح ہوئی کہ ایسی مخلوق کو اللہ کی مَثَل قرار نہ دو تو پھر اللہ کی مَثَل کون ہے؟ اللہ کی مَثَل کون؟ تو اب خود اعلان کیا "للہ المثل الاعلیٰ" اپنی مَثَل اعلیٰ کا تعارف ہم خود کروائیں گے تم، تم ہمارے لیے کوئی مَثَل تلاش نہ کرو۔ ہم اپنی مَثَل اعلیٰ کا تعارف خود کرائیں گے تو مَثَل کے تو یہی معنی ہے نہ کہ مَثَل جو صفات میں مشابہ ہو تو اب جو بھی اللہ کی مَثَل ہوگا اس میں علم بھی ہوگا، قدرت بھی ہوگی، ارادہ بھی ہوگا، قوتِ سماعت بھی ہوگی، قوتِ بصارت بھی ہوگی ایسی ذات ہو تو اللہ کی مَثَل بنے تو اسی منزل پر متفق بین الفریقین روایت ختمی مرتبت نے کہا "اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُورۃ" اللہ نے انسانوں کو اپنی صفات پر پیدا کیا ہے "اِنَّ اللہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُورۃ" اللہ نے فرزندانِ آدم کو اور آدم کو اپنی صفات کا مظہر بنایا تو ظاہر ہے کہ انسان میں جتنی صلاحیت تھی اور جتنا ظرف تھا اُس نے اللہ کی صفات کو اخذ کیا علم بھی لیا بقدرِ ظرف لیا، ارادہ لیا بقدرِ ظرف لیا، قوتِ سماعت لی بقدرِ ظرف لی، انسان بصیر بنا بقدرِ ظرف بصیر بنا تو اتنی بات تو طے ہوئی کہ انسان اللہ کی مَثَل ہے لیکن مَثَلِ اعلیٰ نہیں ہے۔ مَثَل ادنیٰ ہے۔ انسان اللہ کی مَثَل ہے لیکن مَثَلِ اعلیٰ نہیں ہے، مَثَلِ ادنیٰ ہے انسان

اللہ کی مَثَل ہے؟ اللہ کی صفات کا مظہر ہے لیکن مَثَل اعلیٰ نہیں ہے مَثَلِ ادنیٰ ہے۔ پست مَثَل ہے تواب مَثَلِ اعلیٰ تلاش کرو اب تلاش کرو قران سے پوچھو اللہ کی مَثَل کون؟ اللہ کے صفات کا مظہر کون؟ تو قرآن نے اعلان کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے لیے اعلان کیا ''إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ '' عیسیٰؑ ہمارا ایک بندہ ہے، ایسا بندہ جس پر ہم نے اپنی نعمت نازل کی ہے۔ ایسا بندہ جسے ہم نے اپنی نعمتیں دی ہیں ''وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ '' اور ہم نے عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل میں اپنی مَثَل بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میری گفتگو کے ساتھ ساتھ ہیں۔ ہم نے عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل میں اپنی مَثَل بنا کر بھیجا ہے تو، اتنی بات واضح ہوگئی، اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی کہ پیغمبر اللہ کی مَثَل ہے اتنی بات واضح ہوئی کہ انبیاء مرسلین اللہ کی مَثَل ہیں لیکن گفتگو ابھی اسی منزل پر ہے کہ اللہ کے مَثَل انبیاء و مرسلین، مَثَل اعلیٰ کون؟ انبیاء و مرسلین اللہ کے مَثَل ہیں لیکن مَثَل اعلیٰ کون ہے؟ تو اب، اب اس سلسلے کی آخری آیت سورۂ روم میں مَثَلِ اعلیٰ کا تعارف کرایا۔ توجہ فرمائیں ''سورہ روم'' اللہ اپنی مَثَل اعلیٰ کا تعارف فرماتا ہے ''هُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ '' آیت کا ترجمہ اللہ وہ ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر مخلوقات کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ ''وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ '' اور اس کے لیے یہ کام مشکل نہیں ہے۔ بہت آسان ہے۔ آیت دیکھیں ''وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ '' اور اس کی جو مَثَل اعلیٰ ہے، اس کے صفات کا جو مظہر ہے وہ فقط زمین میں نہیں ہے آسمان میں بھی ہے۔ مقام توجہ۔۔۔۔ انبیاء و مرسلین اللہ کی مَثَل ہیں لیکن فقط زمین پہ اور مَثَلِ اعلیٰ وہ ہے جو آسمان میں بھی ہے، زمین میں بھی ہے۔ ''وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ '' اللہ کی مَثَلِ اعلیٰ وہ ہے جو زمین پر بھی ہے آسمان میں بھی ہے تو اب کو سمجھ میں آ گیا کہ مَثَلِ اعلیٰ وہ جو آسمانوں میں رہے تو احمد کہلائے جب زمین پہ آئے تو محمدؐ بن کے آئے۔ آیات کا سلسلہ آپ کے سامنے، آج کی حد تک میری کوشش یہ ہوگی کہ فقط آیاتِ کلام مبارک کی تلاوت کردوں، سلسلۂ آیات ختمی مرتبتؐ اللہ کے مَثَل اعلیٰ، اللہ کے صفات کے مظہر ہماری اب تک کی گفتگو

کا نتیجہ رسالت مآبؐ اللہ کے مَثَلِ اعلیٰ ہیں تو اب جو بھی اللہ کا مَثَلِ اعلیٰ ہوگا اس میں اللہ کی ساری صفتیں موجود ہوں گی، یہ بہت باریک منزل ہے، دقیق منزل اب جو بھی اللہ کی صفت ہوگی وہ مَثَلِ اعلیٰ کی صفت ہوگی اس لیے کہ مَثَلِ اعلیٰ وہ جو اللہ کی صفتوں کا مظہر بن جائے تو اب ذرا سی توجہ کریں۔ قرآن کے اعجاز کو دیکھیں اور قرآن کے اسلوبِ گفتگو کو دیکھیں۔ قران کا اسٹائل (style)، بات کرنے کا اسٹائل، اب صفتوں میں قرآن نے رسولؐ کو اللہ کا شریک کیا۔ آیات ملاحظہ کریں۔ پہلی آیت ''وَیَعلمون ان اللّٰہ ھو الحق المبین'' یہ کافر، یہ انکار کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ اللہ حق مبین ہے۔ ''مبین'' کے معنی ایسا کھلا ہوا حق جس کا انکار نہ ہو سکے۔ توجہ فرمائیں ـــ ''وَیَعلَمُونَ ان اللّٰہ ھو الحق المبین'' اللہ حقِ مبین ہے تو جب اللہ حق مبین تو اللہ کی کتاب کیا ہے؟ اللہ حق مبین ہے تو کتاب کے لیے کہا ''لا رطب ولا یابس الّا فی کتاب مبین'' اگر اللہ حق مبین تو اللہ کی کتاب، کتابِ مبین تو اب جس سینے پر یہ کتاب اُتاری جائے وہ سینہ کس کا؟ آیت دیکھیں ـــ ''حتی جاءَ الحق و رسول مبین'' آیات کا سلسلہ ـــ اللہ حق مبین، قرآن کتابِ مبین، رسول، رسول مبین تو اب یہیں پر نیابتِ رسول کا فیصلہ کر لو۔ اب یہیں نیابتِ رسول کا فیصلہ ہو جائے۔ اللہ حق مبین، قرآن کتابِ مبین، رسول رسولِ مبین تو اب جو بھی رسول کی اس صفت میں شریک ہو جائے اُسے ہے حق نیابت کا۔

جو بھی رسولؐ کی اس صفت میں شریک ہو اسے نیابت کا حق ہے تو اسی لیے تو سورہ یٰسین میں پکار کر کہا ''وکل شی احصنیہ فی امام مبین'' یہ مَثَلِ اعلیٰ کی منزل، جو صفت اللہ کی وہی صفت اس کی کتاب کی، وہی صفت اس کے رسولؐ کی، وہی صفت نائبِ رسولؐ کی یہ سب مبین ہیں۔ مبین کے معنی ایسا حق جس کا انکار نہ ہو سکے، مبین کے لغوی معنی ایسا حق جس کا انکار نہ ہو سکے تو دلوں سے انکار زبانوں سے اقرار، دو کیفیتیں دلوں سے انکار، زبانوں سے اقرار اب دوسری کیفیت زبانوں سے انکار دلوں سے اقرار دو کیفیتیں، ذرا سی توجہ ـــ کیفیتیں دو ہیں تو اللہ حقِ مبین، قرآن کتابِ مبین، رسولؐ رسولِ مبین، نائب رسول امامِ مبین تو جب اتنی بات واضح ہو گئی تو اسی سورہ یٰسین کی ایک آیت سماعت کریں

"أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ" "اے آدمؑ کے بیٹو ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرو گے شیطان عدوِ مبین ہے۔ شیطان کسے کہتے ہیں؟ لغتِ عرب میں شیطان کسے کہتے ہیں تو شیطان فقط اس ابلیس کا نام نہیں ہے جس نے سجدے سے انکار کیا تھا۔ شیطان فقط اس ابلیس کو نہیں کہتے جس نے سجدۂ آدمؑ سے انکار کیا تھا بلکہ شیطان کے معنی ہر سرکشی کرنے والا، شیطان کے معنی سرکشی کرنے والا۔ قرآن نے تو ایک عجیب جملہ کہا "شواطین الانس والجن" شیطان فقط جنوں میں نہیں ہے انسانوں میں بھی ہے تو اب سمجھ آیا شیطان کون ہے اور عدوِ مبین کون ہے۔ توجہ۔۔۔۔ چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ حق مبین سمجھ آ گیا، کتاب مبین سمجھ میں آ گئی، رسول مبین سمجھ میں آ گیا، امامِ مبین سمجھ میں آ گیا تو اب شیطان عدوِ مبین کون ہے۔ چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے تو اب جو بھی کسی انسان کو رسول مبین سے دور کرے، کتابِ مبین سے دُور کرے، امامِ مبین سے دور کرے تو وہ شیطان ہے اور عدوِ مبین ہے۔ ہمارا موضوعِ گفتگو، جو صفت اللہ کی، وہی صفت اس کی کتاب کی وہی صفت اس کے رسولؐ کی اور وہی صفت نائبِ رسولؐ کی قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں، میں نے ایک مثال آپ کے سامنے پیش کی صفتوں کا اشتراک، رسولؐ اور آلِ محمدؐ صفتوں میں مشترک ہیں۔ قرآن کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ میں نے لفظوں میں بڑی احتیاط کی یہ نہیں کہا کہ صفتوں میں شریک ہیں، صفتوں میں مشترک ہیں جب یہ بات واضح ہو گئی تو اب آپ کے سامنے اسی قرآن مجید سے ایک مثال اور عرض کر دوں جو صفت اللہ کی، وہی صفت اس کی کتاب کی، وہی صفت اس کے رسولؐ کی تو اب وہی صفت نائبِ رسولؐ کی بھی ہوگی۔ سورہ طٰحہ۔۔۔ "واللہ خیر وابقی" اللہ خیر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ آپ نے دیکھا اللہ کیا ہے؟ خیر ہے تو اب قرآن تو علمِ الٰہی ہے وہ کیا ہوگا؟ سورہ طٰحہ میں کہا اللہ خیر تو اب سورہ نحل سماعت کریں "وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا" جب متقیوں سے صاحبانِ تقویٰ سے یہ سوال کیا جاتا ہے، یہ پوچھا جاتا ہے کہ یہ کتاب جو تمھارے اللہ نے بھیجی یہ کتاب کیا ہے؟ تو کہتے ہیں یہ کتاب خیر ہے۔ اگر اللہ خیر تو

اس کی کتاب بھی خیر۔ سلسلہ گفتگو وہی ہے تو اب اللہ خیر اور اس کی کتاب خیر تو اب جس سینے پر یہ کتاب اُترے وہ سینہ کیا ہوگا تو اب سورہ نساء میں اعلان کیا۔ توجہ ۔۔۔۔ ''یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ '' اے انسانوں! اے فرزندانِ آدمؑ ہمارا رسول حق لے کر تمھارے پاس آ گیا اس پر ایمان لاؤ وہ تمھارے لیے خیر ہے۔ سلسلۂ گفتگو آپ نے دیکھ لیا۔ سورۂ طٰہٰ میں کہا اللہ خیر، سورۂ نحل میں کہا قرآن خیر، سورۂ نساء نے اعلان کیا رسول خیر تو اب پھر فیصلہ کر لیں جو بھی اُمت میں خیر ہو وہ رسول کا نائب ہوگا۔ اب جو بھی اس اُمت میں خیر ہو اسے نیابتِ رسول کا حق ہوگا تو سورۂ آلِ عمران کی آیت ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ '' کچھ لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ تم اس اُمت میں خیر ہو۔ دیکھیے آیت واضح نہیں ہے، آیت فقط صفت بتلاتی ہے۔ ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' تم اس اُمت میں خیر ہو اور ہم نے تمھیں لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں کہا کہ رسول اللہ کے بعد رسول کی اُمت میں کچھ لوگ ہیں جو خیر ہیں یہ لوگ کون ہیں؟ گفتگو قرآن کی روشنی میں ہے یہ لوگ کون؟ تو سورۂ انبیاء میں تعارف کرایا ''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ '' تم اس اُمت کے خیر ہو اور ہم نے تمھیں اس اُمت کی ہدایت کے لیے متعین کیا ہے لوگ کون ہیں بات واضح نہیں ہو رہی اب سورۂ انبیاء میں اعلان کیا ''وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً '' ہم نے کچھ لوگوں کو امام بنایا۔ توجہ ۔۔۔۔ ہم نے کچھ لوگوں کو امام بنایا ہے يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا'' وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں ''وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ '' سلسلہ گفتگو ذہنوں میں محفوظ ہے۔ پہلے کہا کہ ہم نے کچھ لوگوں کو اُمت میں خیر قرار دیا ہے وہ ہدایت کرتے ہیں۔ سورۂ انبیاء میں کہا کہ وہ لوگ امامؑ ہیں ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان پر وحی کی کہ عملِ خیر انجام دیں تو اتنی بات واضح ہوگئی کہ جو بھی اس اُمت کا خیر ہے وہ امامؑ ہے۔ ذرا سی توجہ کریں میری گفتگو پر، جو بھی اس اُمت کا امام ہے وہ خیر ہے لیکن دنیا کہہ سکتی ہے کہ بات واضح نہیں ہوئی تو اب ایک آیت اور سن لیں مشہور آیت ''قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ

وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ'' آیت کا آخری ٹکڑا دیکھیں ''بِيَدِكَ الْخَيْرُ'' پروردگار تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ آیت نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ میں خیر ہے تو اب جو بھی یداللہ ہوگا وہ خیر مجسم ہے۔ سلسلۂ گفتگو ''بیدک الخیر'' پروردگار تیرے ہاتھ میں خیر ہے تو اب جو بھی اللہ کا ہاتھ بن جائے وہ خیر مجسم اب جو بھی یداللہ ہو وہ خیر مجسم۔

تو اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ خیر، اس کی کتاب خیر، اس کا رسولؐ خیر، آلِ محمدؐ خیر، بات تو واضح ہے تو اب جب اللہ خیر، رسولؐ خیر، آلِ محمدؐ خیر تو ان کی اطاعت کیا ہوگی؟ ان کی اطاعت کیا ہوگی۔ سورۂ مائدہ بس لفظو پر توجہ کریں میں آپ کے سامنے آیتوں کی تلاوت کر رہا ہوں الفاظ پہ توجہ ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسولؐ کی اور اطاعت کرو صاحبانِ امر کی۔ آیت آگے بڑھی ''فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا'' ۔۔۔ اگر آلِ محمدؐ خیر تو ان کی اطاعت بھی خیر۔ اگر آلِ محمدؐ خیر ہیں تو ان کی اطاعت بھی خیر ہے اب تک قرآن کی آیتیں تھیں اور اب نصِ معصوم، معصوم کا ایک جملہ، ہمارے دسویں امامؑ، امام علی نقی علیہ السلام زیارت جامعہ میں ایک عجیب جملہ ارشاد فرماتے ہیں۔ زیارتِ جامعہ مشہور زیارت ہے اور اس کے متعلق کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ راوی نے عرض کی کہ فرزندِ رسولؐ کوئی ایسی عام زیارت بتلا دیں کہ جس کے ذریعے ہر معصومؑ کو خطاب کیا جا سکے تو اس زیارت کے مخاطب سارے معصومینؑ ہیں جب یہ بات واضح ہوگئی تو فقط ایک جملہ سنیں ''إِن ذُكِرَ الْخَيْرُ كُنتُمْ أَوَّلَهُ وَأَصْلَهُ وَفَرْعَهُ وَمَعْدِنَهُ وَمَأْوَاهُ وَمُنْتَهَاهُ'' ترجمہ دیکھیں کہ امام کیا کہہ رہا ہے ''إِن ذُكِرَ الْخَيْرُ'' اے آلِ محمدؐ! اگر کہیں بھی خیر کا ذکر آ جائے ''كُنتُمْ أَوَّلَهُ'' تو اس کی ابتداء تم سے ہوتی ہے۔ ''وَأَصْلَهُ'' اس کی بنیاد تم ہوتے ہو ''وَفَرْعَهُ'' اس کی شاخ بھی تم ہو ''وَمَعْدِنَهُ'' خیر کا خزانہ بھی تم ہو۔ آخری دو جملے دیکھیں ''وَمَأْوَاهُ'' اے آلِ محمدؐ! جب خیر کو کہیں پناہ نہیں ملتی تو تمہاری آغوش میں پناہ لیتا ہے اور آخری جملہ ''وَمُنْتَهَاهُ'' اور جب خیر تھک جاتا ہے تو تمہارے

زانو پر آ کر سو جاتا ہے۔ خیر کی ابتداء بھی تم ہو خیر کی انتہا بھی تم ہو۔

آل محمدؐ خیرِ محض معصومؑ، جب گفتگو اس منزل تک آ گئی کہ اللہ خیر، رسولؐ خیر، قرآن خیر، آل محمدؐ خیر، ان کی اطاعت خیر تو اب اتنا بتلاؤ کہ ان کی محبت کیا ہو گی تو اس کے سلسلے میں فقط ایک روایت اور عرض کر دوں "فروع کافی" مدوّن محمد ابن یعقوب کلینی سن وفات ۳۲۹ھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن معصومؑ کی خدمت میں ان کا ایک چاہنے والا آیا تو آپ نے اُس سے پوچھا کہ اے شخص تو ہمارے فاسق ماننے والوں کی نمازِ جنازہ میں شرکت کیوں نہیں کرتا؟ ہمارے فاسق ماننے والے جو مر جاتے ہیں ان کی نماز میں تو شرکت کیوں نہیں کرتا تو اس نے عرض کی فرزندِ رسولؐ نمازِ جنازہ میں ایک جملہ ہے "لا نعلمه من الاّ خیراً" ہم مرنے والے کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ فرزندِ رسولؐ مرنے والا تو فاسق ہے ہم خیر کی شہادت کیسے دے دیں؟ یہ سننا تھا کہ امامؑ لیٹے ہوئے تھے تکیے سے ٹیک لگا کر اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا اتنا بتلا دے کہ مرنے والا اپنے دل میں ہماری محبت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا؟ کہا کہ رکھتا ہے کہا کہ محبت رکھتا ہے، کہا کہ یہی تو وہ خیر ہے جس کی گواہی نمازِ جنازہ میں دی جاتی ہے۔ اگر آلِ محمدؐ خیر تو ان کی محبت بھی خیر تو اب ذرا تلخیص کر لیں پوری گفتگو کی قرآن مجید نے بڑی تفصیل سے خیر کا تعارف کرایا کہ خیر کیا ہے لیکن آپ یقین کریں کہ اتنا تفصیلی تعارف شر کا موجود نہیں ہے۔ پورے قرآن کو دیکھیں اتنی تفصیل سے خیر کا تعارف کرایا لیکن شر کا تعارف اتنی تفصیل سے نہیں ملتا تو اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ کہ فلسفے کا ایک مشہور مقولہ "تعرف الاشیاء بالاضداده" چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ رات کیا ہے دن سے پہچانو، جھوٹ کیا ہے سچ سے پہچانو، پستی کیا ہے بلندی سے پہچانو تو خیر کا تعارف کرایا شر کا تعارف نہیں کرایا۔ اللہ خیر جو اس کا انکار کرے وہ شر، رسول خیر جو اسے جھٹلائے وہ شر، قرآن خیر جو اس کی تکذیب کرے وہ شر، آل محمدؐ خیر جو ان کا انکار کرے وہ شر آخری جملہ آل محمدؐ کی محبت خیر جس سینے میں ان کی محبت نہ ہو وہ سینہ شر۔

ہر چیز کو اس کی ضد سے پہچانو تو آپ کے پاس ایک فہرست آ گئی اللہ خیر، رسولؐ خیر، قرآن خیر، رسولؐ کی اولاد خیر اب اس سلسلے کی ایک آخری آیت کی زحمت دوں گا سورہ بقرہ

آیت کا نشان ۱۸۱ اور گزارش کروں گا بڑی توجہ کے ساتھ اس آیت کا ترجمہ سماعت کریں "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا " ہم نے ۔۔۔۔ اللہ بول رہا ہے ہم نے تم پر واجب کیا کہ جب تم مرنے لگو تو اگر دنیا میں کوئی خیر چھوڑ کر جا رہے ہو تو اس کے لیے وصیت کر کے جاؤ۔ قرآن مجید کی اس آیت کے الفاظ کو دو دیکھیے، الفاظ آیت " كُتِبَ عَلَيْكُمْ " تم پر واجب کیا گیا" إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ " کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے "إِن تَرَكَ خَيْرًا " اگر وہ کوئی خیر چھوڑ کر جا رہا ہے تو اس کی وصیت کرے بس مسلمانوں اتنا بتلاؤ کہ رسولؐ نے کوئی خیر چھوڑا یا نہیں چھوڑا، اتنا بتلاؤ یہ حکم تو ہر انسان کے لیے ہے اگر خیر چھوڑے تو وصیت کرے جیسے اُمت پر واجب اسی طریقے سے نبیؐ پر بھی واجب اگر خیر چھوڑ کر جا رہا ہے تو وصیت واجب ہے تو اب رسولؐ نے کیا چھوڑا؟ قرآن چھوڑا اور آلِ محمدؑ کو چھوڑا تو اب آیت کے الفاظ دیکھیں، روایت کے الفاظ دیکھیں۔ آیت نے کہا إِن تَرَكَ خَيْرًا خیر چھوڑے اور رسولؐ نے کہا" انی تارك فيكم الثقلين " جو لفظ آیت نے استعمال کیا وہی لفظ رسول نے روایت کے لیے استعمال کیا آیت نے کہا "إِن تَرَكَ خَيْرًا " روایت نے کہا "انی تارك فيكم الثقلين " كتاب الله و عترتی اهل بیتی " میں تم میں ثقلین کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ مقام توجہ ہے جس طریقے سے قرآن مجید کی آیت اعجاز کے مقام پر فائز ہے اسی طریقے سے رسولؐ کے جملے بھی مقامِ اعجاز پر ہوتے ہیں آپ توجہ کریں عجیب جملہ کہا "انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی اهل بیتی " میں نے کیا چھوڑا ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی اولاد۔ دو لفظ دیے عترتی اور اہلِ بیتی اور بیچ میں حرف واؤ نہیں ہے۔ "عترتی اھل بیتی" کسے چھوڑا عترت کو جو کہ اہلِ بیت ہے تو اتنی احتیاط کیوں کی، احتیاط اس لیے کی کہ دنیا کہیں اہلِ بیتؑ سے کچھ اور نہ سمجھ لے تو اب اعلان کیا اہلِ بیتؑ کون؟ جو میری عترت ہو، میری اولاد ہو۔ سلسلۂ گفتگو آپ کے ذہنوں میں محفوظ کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو اپنی صفات کے ساتھ مشترک کیا اور فقط رسولؐ کو نہیں نائب رسولؐ کو بھی مشترک کیا اور اب رسولؐ کی منزل، رسولؐ نے علیؑ کو اپنی صفات سے متصل کیا یہ گفتگو

کی بڑی نازک منزل ہے۔ ختمی مرتبتؐ سے علیؑ کے فضائل میں جو روایات ملتی ہیں ان روایتوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ روایتیں ہیں جن میں فقط علیؑ کا ذکر ہے اور دوسری وہ روایتیں ہیں جن میں اپنی ذات کو علیؑ کی ذات سے متصل کیا۔ میں اس کی مثالیں پیش کروں۔

اب جتنی بھی روایات عرض کر رہا ہوں یہ متفق علیہ روایات ہیں "انا و علی، ابو ھذہ الامۃ" "میں اور علیؑ اس اُمت کے باپ ہیں، یعنی علیؑ کی فضیلت علیحدہ بیان نہیں کی اپنے ساتھ متصل کی، میں اور علیؑ دونوں اس امت کے باپ ہیں،" "انا مدینتہ العلم و علی بابھا" "میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔" "انا دار الحکمتہ و علی بابھا" "میں حکمت کا گھر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ انا منی بمنزلۃ الراس من الجسد علی" علیؑ اگر میں جسم ہوں تو تم سر ہو،" "أنتَ مِنّی بِمَنزلۃِ ھارونَ مِنْ مُوسیٰ" "علی اگر میں موسیٰ ہوں تو تم ہارون ہو۔ یعنی آپ دیکھ رہے ہیں کہ علیؑ کی فضیلت اپنی فضیلت سے منسوب کی، اور جب منزل آخر پر پہنچے تو وہاں بھی یہی حکمت "من کنت مولا ھذا علی مولاہ۔۔۔۔"

آپ نے توجہ فرمائی، کہ رسولؐ نے علیؑ کی ہر فضیلت اپنی ذات کے ساتھ متصل کی، رسولؐ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ علیؑ مولا ہے، علیؑ بہت بڑا عالم ہے، علیؑ ہارون ہے، علیؑ اُمت کا باپ ہے لیکن یہ نہیں کہا، کہا میں موسیٰ تو علیؑ ہارون، میں مولا تو علیؑ مولا، میں جسم تو علیؑ سر، میں شہر تو علیؑ در۔ رسولؐ کوئی بات مصلحت کے بغیر نہیں کہتے راز کیا ہے کہ علیؑ کی ساری فضیلتیں اپنی فضیلتوں سے متصل کیں توجہ فرمائیں۔۔۔۔ ایک جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ رسولؐ نے علیؑ کی فضیلتوں کو اپنی ذات کی فضیلتوں سے اس لیے متصل کیا کہ مسلمانوں میں اُمت کا رسولؐ ہوں، میں اُمت کا رسول ہوں اگر میری فضیلت کا انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور علیؑ کی فضیلتیں میری فضیلتوں سے متصل ہیں اسی لیے ذرا سوچ سمجھ کر انکار کرنا۔ علیؑ رسولؐ کی فضیلتوں میں شریک فقط دنیا میں شریک نہیں، آخرت میں بھی شریک۔ ہم اپنی گفتگو کی آخری منزلوں سے قریب ہو رہے ہیں اگر علیؑ دنیا میں رسولؐ کی فضیلتوں میں شریک تو

آخرت میں بھی شریک بس ایک مثال عرض کروں گا قرآن سے اتنا پوچھ لیں کہ قیامت میں حق شفاعت کسے ہے؟ اتنا پوچھیں قرآن سے کہ قیامت میں حق شفاعت کسے دیا گیا۔

سورہ طٰحٰہ قران مجید کا بیسواں سورہ اور آیت کا نشان ۱۰۹ "یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا" حق شفاعت قیامت میں اسے دیا جائے گا جس کے پاس اللہ کا اذن ہو۔ اتنی بات سمجھ آ گئی کہ شفیع اُمت وہ ہوگا جس کے پاس اللہ کا اذن ہو۔ خدا کی قسم پورے قرآن کو دیکھ ڈالیں اللہ نے کسی نبی کو اذنِ مکمل نہیں دیا۔ آپ کے سامنے مثالیں عرض کروں۔۔۔ فقط ایک مثال سورۂ مائدہ قران مجید کا پانچواں سورہ، آیت کا نشان ۱۱۰ قران عیسیٰؑ سے مخاطب ہے۔ توجہ۔۔۔۔ اللہ حضرت عیسیٰؑ سے گفتگو کر رہا ہے وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي عیسیٰؑ اس وقت کو یاد کرو، عیسیٰؑ اس وقت کو یاد کرو جب تم مٹی لے کر پرندہ بناتے تھے "بِإِذْنِي" میرے اذن سے "فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي" پھر عیسیٰؑ اس وقت کو یاد کرو کہ پرندوں کی صورت بنا کر تم اس پر پھونک مارتے تھے وہ پرندہ اڑ جاتا تھا "بِإِذْنِي" میرے اذن سے "وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي" عیسیٰؑ اس وقت کو یاد کرو جب تم کوڑھی کو شفا دیتے تھے "بِإِذْنِي" میرے اذن سے، عیسیٰؑ اس وقت کو یاد کرو جب تم مبروص کو اچھا کرتے تھے "بِإِذْنِي" میرے اذن سے، آیت کا آخری ٹکڑا "وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي" عیسیٰؑ اس وقت کو یاد کرو جب تم مردوں کو زندہ کرتے تھے "بِإِذْنِي" میرے اذن سے آپ نے توجہ کی اتنا بڑا رسول بنی اسرائیل کا آخری رسول، صاحب کتاب، صاحب شریعت، صاحب انجیل، اولی العزم، آیت الٰہی لیکن اس کی منزل کیا ہے؟ اس کی منزل یہ ہے کہ اگر کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو قدم قدم پر اللہ سے اذن مانگتا ہے۔ آپ متوجہ ہیں۔۔۔۔ اتنا بڑا رسول اگر کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بار بار اللہ سے اذن مانگتا ہے یہ سارے رسولوں کی منزل اور اب ہمارے رسولؐ کی منزل سورۂ احزاب کی دو مسلسل آیتیں بتیسواں سورہ اور آیات کے نشانات ۴۵ اور ۴۶ "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا

أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۔ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ ''اب ذرا سی توجہ کرلیں ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ''ہم نے تمھیں شاہد بنایا، بشیر بنایا، نذیر بنایا اور ہم نے تمھیں ''وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ ''ہم نے تمھیں اپنا اذن مکمل دے کر دنیا میں بھیج دیا تو اب حبیبؐ تجھے بار بار اذن لینے کی ضرورت نہیں ہے اب سورج پلٹا لے تیری مرضی، چاند کو توڑ دے تیری مرضی، ستارے کو اُتار دے تیری مرضی، کسی کو گھر سے نکال دے تیری مرضی، کسی کو بلند کر کے مولا بنا دے تیری مرضی۔

گفتگو اس مقام پر تلخیص کی منزلوں میں آ رہی ہے۔ سورہ طٰہٰ میں کہا کہ شفیع وہ ہوگا جس کے پاس اذنِ مکمل ہو اور سورۂ احزاب میں کہا ختمی مرتبتؐ صاحب اذن مکمل ہیں۔ لو اب تو بات سمجھ میں آ گئی کہ قیامت میں حقِ شفاعت رسول اللہ کے پاس ہوگا اور نائب وہ جو رسول کے ساتھ اس صفت میں شریک ہو جائے، نائب وہ جو رسول اللہ کے ساتھ شریک ہو جائے صفتِ شفاعت میں مؤفق ابنِ احمد خوارزمی عالم اسلام کے جلیل القدر محدث اپنی کتاب ''المناقب'' میں لکھتے ہیں کہ ایک دن رسول مسجد میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ آپ کے ایک دوست علیؑ سے تلخ لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں رسولؐ سنتے رہے جب علیؑ کی اور رسول کے دوست کی گفتگو ختم ہوئی تو رسول قریب گئے اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور مسکرا کر کہا کہ ''علی شفيع هذا الامة'' توجہ۔۔۔ میرے دوست! علیؑ اس اُمت کا شفاعت کرنے والا ہے جب بات کیا کرو تو سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔ علیؑ اس اُمت کی شفاعت کرنے والا ہے اگر کبھی علیؑ سے بات کرنے کا موقع آئے تو سوچ سمجھ کر کیا کرو تو اگر حقِ شفاعت رسولؐ کے پاس تو علیؑ اس فضیلت میں شریک۔ یہی تو وجہ ہے کہ صاحب شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ علیؑ اپنے دوست کی عیادت کے لیے گئے دوست نے علیؑ کے چہرے کو دیکھا اور دیکھ کر رونے لگا کہا کیوں رو رہے ہو کہا کہ یا امیر المومنینؑ! ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آج میں مر جاؤں گا کہا تو اس میں فکر کی بات کیا ہے؟ اس میں فکر کرنے کی بات کیا ہے کہا امیر المومنین! جہنم سے ڈر ہے۔ علامہ معتزلی لکھتے ہیں کہ ایک بار سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا مت ڈرو قیامت کے دن ہم تمھیں بخشوا دیں گی۔

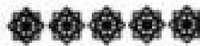
مت گھبراؤ قیامت کے دن ہم تمھیں بچالیں گے، قیامت کے دن ہم تمھیں نجات دلائیں گے۔ خدا کی قسم تاریخ اسلام کا یہ پہلا اور آخری جملہ ہے میں اپنی تقریر کو اس منزل پر ختم کر رہا ہوں مت گھبراؤ قیامت کے روز میں تمھیں بچالوں گا۔ خدا کی قسم تاریخ اسلام کا یہ انوکھا جملہ ہے پوری تاریخ اسلام دیکھیں کسی نے بھی یہ جملہ نہیں کہا خلفائے راشدین، صحابہ کرام، خلفائے بنی عباس، خلفائے بنی اُمیہ، مغل بادشاہ، سلاطین ترک، سلجوقی بادشاہ، اولیائے کرام، فقہائے عظام، علمائے ذوی الاحترام، پوری تاریخ دیکھ ڈالیں کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ قیامت میں ہم بچالیں گے۔ خدا کی قسم جھوٹا دعویٰ بھی نہیں ملتا۔ سلسلۂ تقریر کا آخری جملہ خدا کی قسم پوری تاریخ دیکھیں جھوٹا دعویٰ بھی نہیں ملتا کہ کسی نے کہا ہو کہ ہم قیامت میں بخشوالیں گے۔ ارے دعویٰ تو وہ کرے جسے خود اپنی نجات کا یقین ہو جائے۔ گفتگو ختم ہوئی اور میں نے آپ کو زحمت دی خدا کی قسم اگر مجھے آپ کی زحمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا حق حاصل ہوتا تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا لیکن مجھے اپنی حیثیت کا علم ہے مجھے آپ کے شکریہ ادا کرنے کا حق حاصل نہیں ہے یہ حق اس بی بی کا ہے جس نے چکی پیس پیس کے اپنے بیٹے کی پرورش کی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ عزائے حسینؑ کی بقا آپ کے جوش اور آپ کے جذبے کی وجہ سے قائم ہے۔ اللہ آپ کو خوش وخرم رکھے۔ اللہ آپ کے بچوں کو خوش رکھے ان بچوں کے تصدق میں جو کوفے سے شام تک راستے میں شفقت کی جگہ طمانچے کھاتے ہوئے گئے۔ اللہ آپ کے گھروں کو آباد رکھے اس گھر کے تصدق میں کہ جو عاشور کو اُجڑا اور اب تک نہ بس سکا۔ آج چہلم کا دن ہے مجلس کے بعد جلوس برآمد ہوگا دنیا اس بات کو یاد رکھے کہ جلوس ہمارا مذہبی شعار ہے اور جلوس ہماری ثقافتی روایت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ جلوس مظلوم کی حمایت کا اعلان ہے اور ظالم سے ظلم کے خلاف احتجاج ہے اور یہ جلوس اس قافلے کی یاد میں ہے جس میں کچھ بے کجاوہ ناقے تھے اور کچھ سر برہنہ بیبیاں تھیں۔ انسان دنیا پہ اعتبار نہ کرے کوئی اپنے اقتدار پہ گھمنڈ نہ کرے کوئی اپنی دولت پہ گھمنڈ نہ کرے جس دنیا نے آلِ محمدؐ کے ساتھ یہ کیا وہ دنیا کسی اور کا ساتھ کیا دے گی۔

رسولؐ کی بیٹیاں اور ان کے شب وروز قید خانے میں گزر رہے ہیں۔ ایسا قید خانہ کہ جس

پر چھت نہیں تھی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ دن کی دھوپ اور رات کی شبنم آلِ محمدؐ کا مقدر تھے۔ دن گزرتے رہے، دن بہ دن گزرتے رہے یہاں تک کہ وہ رات آئی جس میں یزید کی بیوی ہندہ نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے کچھ عماریاں اُتریں اور ایک سیاہ عماری سے، ایک سیاہ پوش بی بی برآمد ہوئی جس کے سر کے بال کھلے ہوئے تھے۔ ہندہ کہتی ہے کہ اس بی بیؑ نے جلال کے عالم میں مجھ سے کہا اے ہندہ میرے حسینؑ نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ ہندہ! میرے حسینؑ نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ ہندہ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے کہا بی بی آپ کون ہیں؟ تو جلال کے عالم میں کہا میرے بیٹے حسینؑ نے تیرا کیا بگاڑا تھا، حسینؑ کو شہید کر دیا مگر اب یہ بتلا دے کہ حسینؑ کے بچوں نے، حسینؑ کی عورتوں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ ہندہ کہتی ہے، یزید کی زوجہ کہتی ہے کہ گھبراہٹ میں میری آنکھ کھل گئی میں یزید کو تلاش کرتی ہوئی محل کے حجروں میں داخل ہونے لگی۔ یزید اپنے بستر پر نہ ملا میں نے یزید کو تلاش کیا تو دیکھا کہ ایک کمرے کے اندر ایک گوشے میں بیٹھا رو رہا ہے اور بار بار کہتا ہے حسینؑ نے میرا کیا بگاڑا تھا۔ ہندہ قریب گئی اپنے دونوں ہاتھ یزید کی پشت پر مارے کہا یزید۔۔۔ یزید سوتا کیوں نہیں؟ جملہ سنیں۔۔۔ یزید سوتا کیوں نہیں؟ کہا کہ ہندہ کیسے سوؤں جب بستر پر جاتا ہوں، آنکھوں کو بند کرتا ہوں تو اللہ کا رسولؐ اپنی سفید داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر کہتا ہے میرے بچے نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ میرے بچے حسینؑ نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ اور یزید اگر حسینؑ سے دشمنی تھی تو حسینؑ کے بچوں نے کیا بگاڑا ہے۔ کہا کہ اے یزید تو انھیں آزاد کیوں نہیں کرتا۔ کہا کہ ہندہ صبح ہو گی تو ہم انھیں آزاد کر دیں گے آلِ محمدؐ کی رہائی کی صبح آئی، قاصد گیا سجادؑ سے کہا کہ تمھیں امیر شام نے بلایا ہے۔ بی بی زینبؑ بھتیجے سے لپٹ گئیں کہا سجادؑ خدا معلوم آج حاکم نے کیوں بلایا ہے کہا پھوپھی اماں تسلی رکھیں میں ابھی جا کے واپس آتا ہوں آئے سیّد سجادؑ، یزید اُٹھ کھڑا ہوا اپنے پہلو میں بٹھایا، اہتمام کیا اور کہا کہ اے سیّد سجادؑ آج سے ہم نے تمھیں آزاد کیا۔ امام کا جملہ سنیں کہا کہ یزید تجھے تو معلوم ہے ان باتوں کا اختیار مجھے نہیں ہے پھوپھی اماں سے اجازت لے لوں تو آزادی قبول کروں گا۔ کہا جاؤ اجازت لے کر آؤ سیّد سجادؑ آئے پھوپھی سے اجازت لی واپس پہنچے کہا کہ اے یزید ہماری پھوپھی اماں نے

رہائی کی اجازت دے دی اب حدّاد بلوایا گیا طوق کاٹا گیا گلے کا طوق کاٹا گیا راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گوشت گل چکا تھا، گردن کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ چند جملوں کی زحمت ہے۔ سیّد سجادؑ آزاد ہوئے ایک مرتبہ یزید نے اشارہ کیا اور غلام صندوق لا کر سامنے رکھنے لگا جب ستّر صندوق سیّد سجادؑ کے سامنے لا کر رکھے جا چکے تو ایک مرتبہ یزید نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر عرض کی کہ فرزندِ رسولؐ ان صندوقوں کو قبول کریں۔ پوچھا وہ صندوق کیا ہیں؟ کہا فرزندِ رسولؐ! یہ آپ کے بابا کا خون بہا ہے، فرزندِ رسولؐ یہ آپ کے باپ کا خون بہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ امامؑ کانپنے لگے، کہا یزید مجھے حسینؑ کا خوں بہا لینے کا حق کیا ہے جب قیامت کا دن ہو، رسول مسندِ شفاعت پر بیٹھے ہوں، سیّدہؑ اپنے بیٹے کے قاتلوں کی شکایت لے کر جائیں تو اس وقت یہ خوں بہا دینا کہ یہ تمھارے بیٹے کا خوں بہا ہے۔ خون بہا رد کر دیا اور آلِ محمدؐ آزاد ہوئے جب آزاد ہوئے تو ایک مرتبہ سیّد سجادؑ کو زینبؑ نے بلایا اور کہا کہ بیٹا یزید سے کہو کہ ہمارے جو تبرکات، عاشورہ کے دن لوٹے گئے تھے ان تبرکات کو واپس کر دو۔ تبرکات آئے۔ جنابِ زینبؑ کے سامنے رکھ دیے گئے چادریں ایک طرف ہٹا دیں، گوشوارے ہٹا دیے، عبائیں ہٹا دیں پوچھا کہ پھوپھی اماں کیا تلاش کر رہی ہیں؟ تو ایک مرتبہ ایک خون آلود کرتہ اُٹھایا اور کہا ساری چیزیں لے جاؤ یہ کرتہ دے دو۔ سجادؑ نے پوچھا پھوپھی اماں یہ کرتہ کیا ہے کہا سجادؑ تمھیں نہیں معلوم، تمھیں نہیں معلوم اماں یہ کرتہ سیتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں اور کہتی تھیں زینبؑ میں نہ رہوں گی جب بھائی رخصتِ آخر کو آئے تو یہ کرتہ اپنے ہاتھ سے پہنا دینا اور جب مدینے واپس آنا تو کرتہ لا کر میری قبر پر رکھ دینا۔ چند جملے کرتہ لے لیا اور اب کہا کہ سیّد سجادؑ یزید سے کہو کہ ہم اپنے مرنے والوں کو جی بھر کے نہ رو سکے، بچی روتی تھی تو ظالم طمانچے مارتے تھے ہمارے لیے ایک مکان مہیا کرے جس میں ہم مرنے والوں کا ماتم کریں گے اور یزید سے کہو شہدا کے سر بھجوا دے، شہدا کے سر آئے، شہدا کے سر آ گئے، ہر بی بی اپنے اپنے وارث کا سر گود میں لے کر ماتم کرنے لگی۔ شام کی عورتیں بیان کرتی ہیں کہ دو سر الگ رکھے ہوئے تھے، دو چھوٹے چھوٹے سر الگ رکھے ہوئے تھے ہم نے ایک عورت سے پوچھا کہ اے

بی بی کیا ان دونوں کی ماں مرگئی ہے تو روکر کہا شام کی عورتوں ان بچوں کی ماں میں ہوں لیکن بھائی کا ماتم کروں یا بچوں کا ماتم کروں۔ بس میں آپ کی زحمت کو ختم کر رہا ہوں۔ تین دن ماتم ہوا۔ یزید کے گھر میں زینبؑ نے پہلی مجلس حسینؑ قائم کی۔ تین دن ماتم رہا اور اب دمشق سے سفر کی تیاریاں شروع ہوئیں اب ناقے آئے جن پر محمل بھی تھے، کجاوے بھی تھے، پردے بھی پڑے ہوئے تھے۔ بیبیاں سوار ہوئیں (آخری زحمت دے رہا ہوں) بیبیاں سوار ہوئیں ایک مرتبہ زینب کبریٰ نے حکم دیا کہ ہم آلِ محمدؐ کے قافلے کو زندانِ شام کی طرف سے گزارا جائے۔ قافلہ زندان کے دروازے پر جا کر رُک گیا جب قافلہ رُکا تو زینبؑ نے حکم دیا کہ شام کی عورتوں کو بلاؤ شام کی عورتوں کو بلاؤ، شام کی عورتیں جمع ہوئیں، پردۂ محمل اُلٹا اور فقط چند جملے کہے، کہا شام کی عورتوں اللہ نے تمھیں صاحبِ اولاد کیا ہے، اللہ نے تمھیں بھی بچے دیئے ہیں ہم بھی ایک بچی رکھتے تھے جو ہماری آنکھوں کا تارا تھی، جو ہمارے سینے پر سونے والی تھی شام کی عورتوں اس تاریک زندان میں ہم اس بچی کو چھوڑ کر جا رہے ہیں (آخری جملہ) شام کی عورتوں اگر کاروبارِ دنیا سے تمھیں فرصت مل جائے تو کبھی کبھی بچی کی قبر پر آجانا اور ایک شمع میری طرف سے جلا دینا یہ کہہ کر کہا کہ اے میری بچی سکینہؑ خدا حافظ!



علامہ طالب جوہری کے مشہور عشروں کی فہرست

علامہ صاحب کی مجالس کا ذخیرہ ایک بحرِ ذخار ہے جس کا احاطہ آسان نہیں ہے لیکن اس وقت جو کچھ میسر ہے اسے فہرست کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں کراچی کے باہر کی مجالس اور وہ مجالس جو بیرون ممالک پڑھی گئیں، موجود نہیں ہیں۔ اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ ممکن ہوا تو اس کا ازالہ دوسری جلد میں کر دیا جائے گا۔

۱۹۷۲ء		محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۳ء		محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۴ء	معیتِ رسولؐ اور اس کے تقاضے	محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۵ء		محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	ایمان اور اُس کے تقاضے	محفل ابوالفضل العباسؑ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	قرآن اور برہان	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۷۵ء		مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	اسلام میں عقیدے کا مرکز	مرکزی امام باگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	نور و کتاب	بڑا امام باڑہ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	قرآن اور آلِ محمدؐ	محفل شہدائے کربلا، کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۷۶ء	منصبِ ہدایت اور قرآن	مکان سید احمد حسن، فیڈرل بی ایریا	عشرۂ صفر
۱۹۷۷ء	شریعت اور رسالت	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۷۷ء	اسلام میں وسیلے کا تعین	مرکزی امام باگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۷۷ء	قرآن اور آیاتِ بینات	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۷۷ء	خیبر	مکان سید احمد حسن، فیڈرل بی ایریا	عشرۂ صفر
۱۹۷۸ء	ہدایت اور دینِ حق	نشتر پارک	عشرۂ اوّل

۱۹۷۸ء	اسلام میں ولایت کا مفہوم	مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۷۹ء	اسلام اور میزانِ عقیدہ اور عمل	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۷۹ء	ذکر اور اہلِ ذکر	مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۸۰ء	اتباعِ رسولؐ	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۰ء		مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۸۰ء	علم، ہدایت اور کتابِ منیر	امام بارگاہ بوتراب	عشرۂ اوّل
۱۹۸۱ء		نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۱ء	امر اور صاحب امر	مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد	عشرۂ اوّل
۱۹۸۱ء	تصدیق انبیاء اور میثاقِ الٰہی	امام بارگاہ بوتراب	عشرۂ اوّل
۱۹۸۲ء		نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۳ء		عطیۂ اہلبیت، لاہور	عشرۂ اوّل
۱۹۸۳ء		نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۴ء	کتاب اور سنت	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۴ء	دین کے تقاضے	بڑا امام باڑہ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۸۴ء	ذکرِ معصوم	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۵ء	قانونِ الٰہی کا تسلسل	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۶ء	علم اور عقیدہ	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۶ء	اتباعِ ہدایت	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۷ء	اسلام اور غیر اسلام	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۸۷ء	کتاب اور اتمامِ نعمت	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۸ء	اسلام اور اس کے رہنما	نشتر پارک	عشرۂ اوّل

۱۹۸۸ء	ہدایت اور رحمت	محفل مرتضیٰ	عشرۂ اوّل
۱۹۸۹ء	قرآن اور اتمام نعمت	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۸۹ء	دین کے تقاضے	بڑا امام باڑہ کھارادر	عشرۂ اوّل
۱۹۸۹ء	شانِ رسالتؐ	شارجہ	عشرۂ چہلم
۱۹۹۰ء	کلمۂ طیبہ اور عملِ صالح	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۰ء	کتاب اور میزان	امام بارگاہ بوتراب	عشرۂ اوّل
۱۹۹۰ء	امرِ الٰہی اور صاحب امر	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۹۱ء		خوئی سینٹر، نیو یارک امریکہ	عشرۂ اوّل
۱۹۹۰ء	امرِ الٰہی اور صاحبانِ امر	محفل شاہِ خراسان	عشرۂ اوّل
۱۹۹۰ء	کتاب اور میزان	امام بارگاہ بوتراب	عشرۂ اوّل
۱۹۹۲ء	حیاتِ دنیا اور دارِ آخرت	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۲ء	کتابِ ہدایت اور فلاح	امام باڑہ شاہِ نجف	عشرۂ اوّل
۱۹۹۳ء	قرآن اور صراطِ مستقیم	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۳ء	ہدایت و عقائدِ اسلام	مارٹن روڈ	عشرۂ اوّل
۱۹۹۳ء	عدل سے متعلق کوئی عنوان	امام بارگاہ مدینۃ العلم، گلشن اقبال	عشرۂ اربعین
۱۹۹۴ء	دین و شریعت کی عقلی تعبیر	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۴ء	اسلام میں عدل و احسان کی تعبیر	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اوّل
۱۹۹۵ء	قرآن اور کردارِ بشر	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۱۹۹۵ء	کرامتِ انسانی	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اوّل
۱۹۹۵ء	کتابِ ہدایت	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۱۹۹۶ء	نظامِ حیاتِ انسانی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل

۱۹۹۶ء	فطرتِ انسانی اور اسلام	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اول
۱۹۹۶ء	اصولِ دین اور قرآن	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اول
۱۹۹۷ء	انسانِ معاصر اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اول
۱۹۹۷ء	نعمتِ الٰہی	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اول
۱۹۹۷ء	حقیقتِ دین	امام بارگاہ شہدائے کربلا، انچولی	عشرۂ اول
۱۹۹۸ء	تہذیبِ نفس اور تہذیبِ حاضر	نشتر پارک	عشرۂ اول
۱۹۹۸ء	کتاب اور میزان	امام بارگاہِ شہدائے کربلا انچولی	عشرۂ اول
۱۹۹۹ء	عالمی معاشرہ اور قرآنِ مجید	نشتر پارک	عشرۂ اول
۱۹۹۹ء	سبیلِ الٰہی	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اول
۲۰۰۰ء	حیات و کائنات کا اُلوہی تصور	نشتر پارک	عشرۂ اول
۲۰۰۰ء	ہدایت و رحمت	امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ	عشرۂ اول
۲۰۰۰ء	نصرت اور دینِ الٰہی	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اول
۲۰۰۱ء	اتباعِ ہدایت اور قرآن	امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ	عشرۂ اول
۲۰۰۱ء	انسانیت کا اُلوہی منشور	نشتر پارک	عشرۂ اول
۲۰۰۲ء	اساسِ آدمیت اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اول
۲۰۰۲ء		امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ	عشرۂ اول
۲۰۰۳ء	میراثِ عقل اور وحیِ الٰہی	نشتر پارک	عشرۂ اول
۲۰۰۳ء	حیاتِ انسانی اور قرآنی ضابطہ	محفلِ شاہِ خراسان	عشرۂ اول
۲۰۰۴ء	میزانِ ہدایت اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اول
۲۰۰۴ء	نشرِ ہدایت اور قرآن	امام بارگاہِ جامع سبطین	عشرۂ اول
۲۰۰۵ء	اساسِ علم اور کتابِ الٰہی	نشتر پارک	عشرۂ اول

۲۰۰۵ء	دین اور تصورِ نجات	امام بارگاہ شہدائے کربلا، انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۰۶ء	منصبِ ہدایت اور قرآن	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۶ء	دعوتِ اسلام	اسلامک ریسرچ سینٹر	عشرۂ اوّل
۲۰۰۷ء	اسلام اور مقصدِ حیاتِ انسانی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۰۷ء	برہانِ رب اور قرآن	امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ	عشرۂ اوّل
۲۰۰۷ء	علم وہدایت	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۲۰۰۸ء	صراطِ مستقیم اور اتمامِ نعمت	اسلامک ریسرچ سینٹر	عشرۂ اوّل
۲۰۰۸ء		امام بارگاہ شہدائے، انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۰۹ء	حیاتِ ظاہری اور لقائے الٰہی	امام بارگاہِ شہدائے کربلا، انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۰۹ء	کتاب وعترت	حسینیہ ایرانیان	عشرۂ اوّل
۲۰۱۰ء	وحیٔ الٰہی اور بنی آدم	امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۱۱ء	انسان اور قرآنی دستاویز	امام بارگاہِ سامرا	عشرۂ اوّل
۲۰۱۲ء	نظامِ نبوت اور قرآن	امام بارگاہ شہدائے کربلا انچولی	عشرۂ اوّل
۲۰۱۳ء	مقامِ محمود اور صدق وحق	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۱۶ء	سبیلِ الٰہی	نشتر پارک	عشرۂ اوّل
۲۰۱۹ء		امام بارگاہ المحسن	عشرۂ اوّل

(زندگی کا آخری عشرہ جس کی صرف پہلی، ساتویں، آٹھویں اور نویں مجلس سے خطاب کیا۔)

خمسۂ مجالس

۱۹۷۶ء	مسجد نورِ ایمان	اسلام کا نظریۂ حیات
۱۹۸۴ء تا ۲۰۰۴ء	تنظیم اتروله	۱۶ تا ۲۰ محرم
۱۹۸۹ء	۲۵ تا ۲۸ محرم	بر مکان خورشید صاحب پی ای سی ایچ ایس

مشہور اور یادگار مجلسیں

۱۔ مجلس چہلم مولانا آغا مہدی لکھنوی۔

۲۔ مجلس چہلم مولانا محمد مصطفیٰ جوہر۔

۳۔ مجلس چہلم منور عباس ایڈوکیٹ۔

۴۔ مجلس چہلم علامہ عباس حیدر عابدی۔

۵۔ مجلس چہلم علامہ عرفان حیدر عابدی۔

۶۔ مجلس چہلم علامہ نصیر الاجتہادی۔

۷۔ مجلس چہلم سید محمد تقی۔

۸۔ مجلس چہلم پروفیسر سردار نقوی۔

۹۔ مجلس چہلم علامہ ابن حسن کربلائی۔

۱۰۔ اپنی والدہ ہاجرہ خاتون کی مجلس چہلم۔

۱۱۔ مجلس چہلم آغا قمر حسنین۔

۱۲۔ مجلس چہلم ایئر مارشل مصحف علی میر۔

۱۳۔ مجلس چہلم مولانا احمد عباس کاظمینی۔

۱۴۔ مجلس برسی علامہ رشید ترابی۔ (پہلی برسی)

۱۵۔ مجلس ایصال ثواب آیت اللہ خوئی۔

۱۶۔ مجلس ایصال ثواب آیت اللہ محسن الحکیم۔

۱۷۔ مجلس سوئم علامہ ابن حسن نجفی۔

رمضان میں تفسیر کی مجالس

۱۹۶۸ء	محمدی ویلفیئر سوسائٹی	تفسیر سورۂ یوسف
۱۹۶۹ء	محمدی ویلفیئر سوسائٹی	
۱۹۷۰ء	محمدی ویلفیئر سوسائٹی	

۱۹۷۱ء	محمدی ویلفیئر سوسائٹی	
۱۹۷۲ء	انجمن خدام القرآن	دس دن سورہ جمعہ کی تفسیر
۱۹۸۰ء	محفلِ مرتضیٰ	تفسیر سورۂ بروج
۱۹۸۱ء	محفل مرتضیٰ	تفسیر سورۂ نازعات
۱۹۸۸ء	باغ زہرا کھارادر	ایک تقریر بعنوان توحید
۱۹۸۹ء	باغ زہرا کھارادر	ایک تقریر بعنوان عدل
۱۹۸۹ء	باغ زہرا کھارادر	ایک تقریر بعنوان اجتہاد وجہ اختلاف قومی

شہادت حضرت علیؑ کی مجالس

(۱۲ بجے دن ۲۱ رمضان نشتر پارک، بعد مغرب علی متقی جعفری کی مجالس)

۱۹۷۵ء	۱۹ر رمضان	بڑا امام باڑہ کھارادر عنوان 'ہمیں تو جنت چاہیے'
۱۹۷۷ء	۲۱ر رمضان	مکان آغا تجمل
۱۹۸۶ء	۲۱ر رمضان	نشتر پارک
۱۹۸۸ء	۲۱ر رمضان	نشتر پارک
۱۹۸۹ء	۱۸ر تا ۲۰ر رمضان	عزاخانہ علی متقی جعفری
۱۹۹۰ء	۱۸ تا ۲۰ر رمضان	عزاخانہ علی متقی جعفری
۱۹۹۰ء	۱۹ر رمضان تفسیر سورۂ کوثر	امام بارگاہ بوتراب
۱۹۹۱ء	۱۸ تا ۲۱ر رمضان علی الترتیب عنوان، کتاب، میزان، امامت	عزاخانہ علی متقی جعفری
۱۹۹۱ء	۱۹ر رمضان	امام بارگاہ بوتراب
۱۹۹۱ء	۲۱ر رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۲ء	۱۸ تا ۱۹ر رمضان	عزاخانہ علی متقی جعفری

۱۹۹۲ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۳ء	۱۸تا۲۰رمضان	عزاخانہ علی متقی جعفری
۱۹۹۳ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۴ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۵ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۶ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۷ء	۱۸تا۲۰رمضان	عزاخانہ علی متقی جعفری
۱۹۹۷ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۱۹۹۸ء	۱۸تا۲۰رمضان	عزاخانہ علی متقی جعفری
۱۹۹۸ء	۲۱رمضان	نشتر پارک
۲۰۱۳ء	۲۱رمضان	نشتر پارک

(اس تاریخ کی پڑھی گئی آخری مجلس، دودن بعد داماد کی شہادت)

مجالس شہادت حضرت فاطمہ زہراؑ

۱۹۸۰ء	۱۳رجمادی الاول	باغ زہرا، کھارادر
۱۹۹۰ء	حسینیہ زہراؑ، دبئی	خمسہ مجالس

مجالس شہادت رسول خداؐ وامام حسنؑ (۲۸رصفر نشتر پارک، ۸ بجے شب)

۱۹۸۵ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء

مجلسِ چہلم (۲۰رصفر، نشتر پارک، ۱۲ بجے دن)

۱۹۷۵ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۸ء،
۲۰۰۳ء، ۲۰۱۶ء، (آخری چہلم)

مجالس شامِ غریباں (پاکستان ٹیلی ویژن)

۱۹۸۹ء ______ عبدیت

۱۹۹۳ء

۱۹۹۷ء

۲۰۰۲ء ______ زندگی اور بندگی

۲۰۰۴ء ______ وحی وہدایت

۲۰۰۵ء ______ خلق اورامر

۲۰۰۶ء ______ اتباعِ رسالت

۲۰۰۸ء

۲۰۱۱ء

۲۰۱۲ء ______ برہانِ رب

۲۰۱۳ء

۲۰۱۵ء ______ عبادت

۲۰۱۹ء ______ آخری شامِ غریباں



باب ۔ ۶

علامہ طالب جوہری مجتہدین کی نظر میں

علامہ صاحب کی شخصیت کے علمی پہلو کے ادراک کے لیے اس باب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔علامہ صاحب کو ان علماء سے اجازۂ روایت واجتہاد حاصل ہیں جن کی شہرت عالمی ہے۔ میری خواہش پر مولانا مصطفیٰ وکیل نے ان اجازات کو اردو کے قالب میں ڈھالا جو بلاشبہ ایک بڑی خدمت ہے اور میں ان سطروں کو ان کے شکریے کے ساتھ شامل کتاب کر رہا ہوں۔

یہ اجازے مولانا امجد رضا جوہری کی وساطت سے دستیاب ہوئے۔اس علمی تعاون پر میں ان کا بھی متشکر ہوں۔

آیت اللہ سید مہدی خرسان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد ودرود کے بعد:

میرے بھائی جناب محترم العلامہ الجلیل الشیخ طالب جوھری نے مجھ سے اجازۂ روایت، جو کہ مجھ سے ہوتا ہوا میرے مشائخ (قدس اللہ اسرارھم) اور ان سے آگے صاحبان عصمت وطہارت وابواب رحمت اور خزان علم علیہم السلام تک پہنچتا ہے،طلب کیا تھا،ہم پر حسن ظن کرتے ہوئے اور یقیناً انسان کو حسن ظن رکھنا چاہیے،پس میں نے ان کو درخواست کو قبول کیا اگر چہ ہم اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتے لیکن ان کی گذارش پر جیسا کہ اس شعر میں بیان ہوا ہے:

خلاصہ شعر: پس میں نے انہیں اپنے قاصر ہونے کے باوجود اجازہ دیا تا کہ جن لوگوں نے اجازہ دیا ہے ان سے مشابہت ہو جائے، حقیقت کے راستے کی طرف سبقت کرنے

والے ہی جنت کی طرف سبقت کرتے اور کامیاب ہوجاتے ہیں۔

پس میں انہیں (خدا ان کے فضل کو دوام دے) اجازہ عطا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے وہ تمام روایات نقل کر سکتے ہیں کہ جن کا استناد میری طرف درست ہے، چاہے وہ تصنیفات ہوں یا تالیفات ہوں، تفسیر ہوں یا فقہ ہو، حدیث ہو یا رجال و تاریخ ہو، لغت ہو یا ادب، چاہے وہ ماضی میں گذرے ہوئے افراد کی کتب ہوں یا ہم سے مقدم ہونے والے، علماء مسلمین میں سے چاہے وہ عرب ہوں یا عجم ہوں (اللہ اپنی رحمت میں تمام مؤمنین کو قرار دے)۔ میری طرف سے روایت کرنے کا حق رکھتے ہیں میں نے جو اجازت پائی ان سے روایات سن کر اور (ان کی کتب کی) قرأت کر کے اپنے مشائخ کرام سے کہ جو بزرگ علمائے اعلام ہیں۔ ان میں:

(اوّل) سماحۃ المغفور سیدنا الوالد (قدس سرہ) المتوفی جمادی الاولی ۱۴۰۵ ہجری، کہ جنہوں نے میری بہترین تربیت کی، اور ان کی وافر عنایتیں رہیں، ان کے پاس ان کے عصر کے کئی علماء کے اجازات تھے کہ جن میں الحجۃ المغفور الشیخ محمد العسکری الطہرانی (قدس سرہ) جو سامراء میں رہتے تھے، اور انہیں میں سے الحجۃ المغفور السید عبد الحسین شرف الدین (قدس سرہ)، اور انہیں میں الحجۃ المغفور الشیخ محمد محسن کہ جو آغا بزرگ تہرانی (قدس سرہ) کے نام سے مشہور ہیں، اور انہیں میں المغفور الشیخ ابراہیم الرفاعی (عفی عنہ)۔ ان چاروں بزرگان سے اجازہ موجود تھا کہ جس میں ان کے تمام مشائخ اور طرق کا تذکرہ تھا۔ اور وہ دیگر مشائخ کرام کے اجازوں میں کہ جن میں مکمل طرق کا ذکر نہیں تھا اس لیے اس کا تذکرہ ہم نے نہیں کیا، جب کہ وہ بھی اپنے زمانے کے مراجع کرام تھے، آثار و روایت میں اور شیوخ الاجازہ و روایت تھے۔

(ثانی) سماحۃ المغفور شیخنا الحجۃ و بقیۃ السلف و شیخ مشائخ الخلف الشیخ آغا بزرگ تہرانی (قدس سرہ) المتوفی ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۹ ہجری انہوں نے مجھے اپنے مشائخ خاصہ سے اجازۂ روایت عطا کیا، پھر میرے لیے ایک دوسرا اجازہ تحریر فرمایا جو کہ عامہ تھا ان کے مشائخ عامہ سے، پس وہ راجع ہے ان مصفّٰی اسناد کی طرف۔

(ثالث) سماحۃ المغفور المجتہد الفقیہ الورع الحاج سید علی البہبہانی (قدس سرہ) انہوں نے مجھے لکھ کر اجازۂ روایت دیا لیکن اس میں ان کے مشائخ کی تفصیل کا تذکرہ نہیں فرمایا۔

(رابع) سماحۃ المغفور آیۃ اللہ الفقیہ المفسر السید عبد اعلیٰ السبزواری (قدس سرہ) المتوفی ۲۷ صفر ۱۴۱۴ ہجری، انہوں نے مجھے دو اجازے عطا کیے، پہلا ۹ شوال ۱۴۰۳ ہجری میں جس میں انہوں نے بعض مشائخ کا تذکرہ فرمایا اور دوسرا، ۶ ربیع الاول ۱۴۱۳ ہجری میں۔

(خامس) سماحۃ المغفور المجتہد المدقق الحکیم الاصولی المحقق السید میرزا حسن البجوردی، انہوں نے اجازہ عطا کیا ۱۶ رجب ۱۳۹۲ ہجری، لیکن انہوں نے اپنے تمام مشائخ کا تذکرہ نہیں فرمایا۔

(سادس) سماحۃ المجتہد آیۃ اللہ السید مرتضیٰ الموسوی الخلخالی، انہوں نے اجازہ عطا فرمایا ۶ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۶ ہجری میں اور اس میں بعض مشائخ کا ذکر فرمایا۔

(سابع) سماحۃ المجتہد المحقق السید محمد صادق بحر العلوم، انہوں نے اجازہ عطا فرمایا کہ جس میں انہوں نے عامۃ اور خاصہ میں سے اپنے اٹھارہ مشائخ کا ذکر کیا۔

(ثامن) سماحۃ المجتہد الورع السید محمد ابن ابی الحسن جو کہ اصلاً واسطی تھے، ان کی پیدائش دکن کی تھی اور رہائش نجف اشرف میں تھی، انہوں نے اجازہ عطا فرمایا ۲۶ شعبان ۱۴۱۰ ہجری میں۔

(تاسع) العلامۃ الجلیل السید ابو الحسین مجد الدین ابن محمد الکربلائی الحسینی الزیدی، یہ یمن کے بڑے عالم تھے، ان کے ذریعے میرے لیے زیدیہ ائمہ کی کتب کی روایت کرنا ممکن ہو گیا۔ (جیسا کہ ثبت ہے الجامعۃ المہمۃ للاسانید کتب الائمہ میں)

(عاشر) العلامۃ المجتہد السید عباس ابن علوی المالکی المکی، جو کہ مدرس تھے مسجد الحرام میں المتوفی ۲۶ صفر ۱۳۹۱ ہجری یہ سب سے پہلے تھے کہ جن سے میں نے حدیث الرحمۃ کو سنا تھا جو کہ پہلے سے ملی ہوئی ہے، اور یہ میں نے ان کے گھر میں جو کہ حارۃ الخضارۃ میں

مسجد جن کے قریب ہے مکہ مکرمہ میں، وقت عصر ۱۴ ذی الحجہ الحرام ۱۳۸۹ ہجری میں، انہوں نے اپنے مشائخ کا ذکر نہیں کیا۔

(حادیعشر) العلامۃ الحبیب المعمر السید محمد بن علوی الحضرمی (رحمہ اللہ) نے شفاہی اجازہ عطا فرمایا، شعب علی، مکہ مکرمہ میں ۱۳۹۰ ہجری میں۔

(ثانیعشر) العلامۃ المحقق الشیخ حماد بن محمد الانصاری التارکتی، میں نے ان سے حدیث رحمۃ بھی سنی مدینہ منورہ میں ان کے گھر پر، ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۸۹ ہجری میں۔

(ثالثعشر) العلامۃ الخطیب الشیخ محمد صالح ابن احمد القادری الحسینی الدمشقی، انہوں نے اجازہ دیا ۷ محرم ۱۳۹۵ ہجری میں، ان کے اپنے گھر پر جو حی المہاجرت دمشق میں ہے۔

(رابعشر) العلامۃ المحدث الطبیب الشیخ محمد ابوالیسر ابن عابدی الدمشقی نے اجازہ دیا ۷ محرم ۱۳۹۵ ہجری اپنے گھر میں جو کہ شام میں ہے۔

(خامسعشر) العلامۃ الجلیل نقیب الاشراف السید سعید ابن حمزہ الدمشقی نے اجازہ دیا ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۹۶ ہجری، اپنے گھر میں جو کہ شام میں ہے۔

اور سب سے آخر میں فضیلۃ الشیخ طالب کو وصیت کرتا ہوں جو کہ میرے مشائخ کرام (رحمہم اللہ) نے مجھے فرمائی تھی کہ وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، جو کہ خود نجات کا راستہ ہے، اور اسی طرح وصیت کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور میرے مشائخ کو اپنی نیک دعاؤں میں، اجابۃ کے مواقع پر فراموش نہ کریں، اللہ انہیں اور ہمیں توفیق عطا فرمائے ان تمام چیزوں کی کہ جس میں اس کی پسند اور رضا ہے، بیشک وہ بڑا سننے والا اور جواب دینے والا ہے۔

اسے تحریر کیا ہے، اپنے رب منان سے طلب عفو کرنے والے محمد مہدی السید حسن الموسوی الخرسان ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۱۵ ہجری۔

آیت اللہ محمد جواد تبریزی الطباطبائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد اور درود کے بعد:

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جناب عالم، فاضل، احکام دین کے مروج (پھیلانے والے)، ظہیر الاسلام (دینِ اسلام کے مددگار)، معتمد الاعلام (علماء کے نزدیک قابل اعتماد)، فضیلۃ العلامہ الشیخ طالب الجوھری کہ اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے اور ان کی حمایت کرے اور اس نجات پانے والے فرقہ (شیعہ اثناعشری) میں ان جیسے مثالی افراد، وافر قرار دے۔ یقیناً انہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ علوم دینیہ کو حاصل کرنے اور معارف الہیہ کو کسب کرنے میں صرف کیا اور نجف اشرف میں قیام کے دوران بڑے عظیم اساتذہ کے فقہ اور اصول کے دروس میں شرکت کی۔ پس بحمد اللہ اس انتھک اور مبارک کوشش کے نتیجے میں ایک بلند علمی مقام تک رسائی حاصل کی جو کہ ان جیسوں کے شایان شان بھی ہے اور یہ اس کے اہل بھی ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قابل شکریہ قرار دے اور اس کی بہترین جزا عطا کرے، اور ان کے بازوؤں کو شرع مقدسہ کے خدمت کے لیے اور دین حنیف کی ترویج کے لیے (مضبوط) قرار دے اور مؤمنین سے امید کی جاتی ہے کہ ان کے اوامر کی پیروی کریں گے اور ان کے نور علم و معرفت سے فیضیاب ہوں گے۔

میں انہیں اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے ان تمام تر رواتیوں کو نقل کر سکتے ہیں کہ جنہیں مجھ سے نقل کیا سکتا ہو اور اجازہ جن کی صلاحیت رکھتا ہو، میری ان تمام اسناد سے جو کہ متصل ہیں میرے مشائخ عظام سے اور یہاں تک یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے اہلبیتؑ وحی و عصمت (صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین) تک۔

اور آخر میں انہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنی موت کو اپنے سامنے رکھنے کی اور ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اس بات سے کہ دنیا انہیں کبھی دھوکے میں مبتلا نہ کردے، پس دنیا قریب ہوتے ہوئے بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتی جبکہ آخرت اگر قلیل بھی ہو تو لازوال ہے۔

پس اللہ ہم سب کو دنیا میں دھوکہ کھانے والوں میں سے قرار نہ دے، جو کہ زمین میں ہمیشگی کی طرح زندگی گذارتے ہوں اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوں اور ان

کی زندگی ضائع ہو جائے اور اللہ ہمیں نیک اعمال، افضل اخلاق کی توفیق عطا کرے نبیؐ اور آل نبیؐ کے ساتھ۔

آیت اللہ سید علی فانی ۔۔ ا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

پس اللہ عز و جل نے فرمایا ہے: قل للہ الحجۃ البالغۃ (کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس حجۃ بالغہ ہے) یہ بات بدیہی (بالکل واضح) ہے کہ بیشک فقہائے شیعہ اور علماء مذہب جعفری نے لوگوں کو راہ حق کی ہدایت کی ہے اور انہیں میں وہ افراد ہیں کہ جنہوں نے علم کو نشر کیا اور انہیں کے ذریعے لوگوں نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت پائی اور یہ ضرورت اور شدید تر ہو گئی جب سے شیطان کی پکار بڑھنے لگی اور اس کے طاقت میں اضافہ ہوا۔ پس ایسے ہی علماء میں سے کہ جن پر اللہ نے اپنا لطف کیا کہ وہ علم وتقویٰ کے طالب ہوں، علم وتقویٰ اور شرف وکمال کے آنکھوں کی ٹھنڈک ، الشیخ، المہذب (تہذیب یافتہ) العلامہ، الفھامہ (بہت فہم رکھنے والے) الثقہ (قابل اعتماد) الامین (امانتدار) ابن حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ محمد مصطفیٰ جوھر (اللہ انہیں بقاء عطا کرے)، الشیخ طالب جوھری اللہ ان کی ہمیشہ تائید کرے اور انہیں پختہ رکھے۔ پس انہوں نے اپنے وطن سے ہجرت کی ، اس بین الاقوامی ،شیعہ علمی درسگاہ کی طرف ،جو کہ نجف اشرف میں ہے اور یہاں پر دس برس قیام فرمایا اور رات دن ، بہت محنت وجد و جہد کی ، فقہ دین کو سمجھنے کے لیے اور اس کے مبانی علمی کو مضبوط کرنے لیے اور بحمد اللہ اور حسن توفیق سے معارف حقہ اور قواعد علمیہ کو سمجھنے میں ایک بلند علمی مرتبے اور درجہ عالیہ کاملہ تک رسائی حاصل کی اور ہم نے ان کا امتحان بھی لیا اور ہم نے انہیں بہت باتقوی، پاکیزہ، صالح اور وفادار و مضبوط پایا، لوگوں کے امور کی اصلاح کے لیے اور حقائق طلب کرنے اور احکام دین کو نشر کرنے میں بہت سنجیدہ پایا اور دینی معاملات میں حقیقت پسند پایا اور دنیا سے بے غرض پایا۔

پس انہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے انہیں یہ تمام نعمتیں اور فضائل عطا کیے اور

لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کے وجود شریف کو غنیمت سمجھیں اور ان کو اختیار دیتے ہیں کہ ہمارے طریق وسند سے جو ہمارے مشائخ سے متصل ہے روایت نقل کریں۔ اور امور حسبیہ میں بھی اختیار رکھتے ہیں۔

اے پروردگار تو اپنی مدد سے ان کی نصرت فرما، انہیں محفوظ رکھ اس سے جو نفس کو قید کر دیتا ہے اور حوادث دھر سے محفوظ فرما اور حیات و ممات میں ان سے دعا کا خواستگار ہوں۔

آیت اللہ سید علی فانی۔۔ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

میں خداوند منان کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کتاب شریف (البداء عند الشیعہ) کا ترجمہ کرنے کی توفیق، حضرت، علامہ، محقق، بہترین و برجستہ خطیب، حجۃ الاسلام، ناشر المعارف والاحکام (معارف واحکام کو نشر کرنے والے) آقای حاج شیخ طالب جوھری جو کہ فرزند ہیں حجۃ الاسلام والمسلمین، ملاذ الانام (لوگوں کی علمی پناہگاہ)، آقای حاج شیخ محمد مصطفیٰ جوھر (اللہ ان دونوں کو بقاء عطا کرے) کو عطا ہوئی۔ میں خداند متعال کو آلِ اللہؑ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ اس معظم شخص کو علمی اور عملی اعتبار سے عقائد شیعہ کی قول و قلم سے حفاظت کرنے کی تائید فرمائے۔ اور میں برادران دینی اور مومنین کے لیے لازم سمجھتا ہوں کہ اہل ضلال (گمراہ لوگوں) کی طرف سے پھیلائی گئی گمراہیوں کے مقابل اس کتاب سے استفادہ کریں۔

آیت اللہ سید علی فانی۔۔ ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

پس جناب مستطاب، شیخ اجل، عالم کامل، المہذب، علم و تقویٰ کی آنکھ کی ٹھنڈک، الثقہ، المعتمد، الحاج شیخ طالب الجوھری (اللہ انہیں بقاء عطا کرے) جو کہ فرزند ہیں الشیخ

،الورع ،التقی ،الحجۃ الامین، الحاج ،الشیخ مصطفیٰ جوھر (اللہ انہیں بقاء عطا کرے) یقیناً انہوں نے اپنی جوانی وعمر کا بڑا حصہ معارف ربانیہ اور فقہ واصول کی مبانی کو مکمل حاصل کرنے میں صرف کیا۔ پس بحمد اللہ انہوں نے علم کے مدارج کاملہ تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ اور اس سے قبل بھی اس بات کی طرف کچھ برس قبل اشارہ کیا تھا اور اب دوبارہ بھی ان کی امانتداری، ثقہ اور احیائے دین میں ان کی مجاہدت اور اہل علم اور طلاب علوم دینیہ کی تربیت، خاص طور پر فقہ اور اصول میں کہ جن پر احکام دین کا دارومدار ہے، ان تمام امور کا اختبار کرنے کے بعد ہم اپنی جانب سے انہیں وجوہات شرعیہ اخذ کرنے کے لیے اپنا وکیل بناتے ہیں، خاص طور پر سہم مبارک امام زمان علیہ السلام (میری روح ان پر فدا ہو) کو اخذ کرنے کے لیے اور اسے وہ صرف کرسکتے ہیں ان کے مصارف میں اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ حوزات علمیہ کو فراموش نہیں کریں گے اور اس سہم امامؑ (میری روح ان پر فدا ہو) میں سے جتنا ممکن ہو وہ یہاں ارسال کریں گے اور میں انہیں احتیاط کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلی اخواننا المومنین

علی الحسینی الاصفہانی
(العلامہ الفانی)

آیت اللہ ابوالقاسم رشتی حائری اور آیت اللہ محمد حسنی بغدادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

پس جناب اجل، مولانا، معتمد (قابل اعتماد)، صالحین کی راہ پر چلنے والے اور متقین کی نہج کے سالک، عزیز حسب رکھنے والے، حضرت، الشیخ طالب جوھری ، ان کی توفیقات میں اضافہ ہو، ان افراد میں سے ہیں کہ جنہوں نے بڑی جدوجہد کے ساتھ، اپنی عمر کا ایک حصہ اور زمانے کی ایک مدت تحصیل علوم شرعیہ و معارف الٰہیہ میں صرف کی۔ پس اللہ انہیں نیکیاں عطا کرے اور ان کا اجر اللہ انہیں عطا کرے، انہوں نے ہماری بحث (درس خارج) میں بھی شرکت کی اور دقیق انداز سے بحث میں حصہ لیا یہاں تک کہ بحمد اللہ

درجۂ اجتہاد تک پہنچ چکے ہیں ۔ پس اب انہیں اختیار ہے کہ اپنے استنباط (فتویٰ) جو کہ ادلۂ شرعیہ کے ذریعے سے (حاصل) کیا ہے اس نہج پر کہ جو علماء امامیہ کے درمیان معروف ہے، پر عمل کریں ۔ اور میں اجازت دیتا ہوں ان امور میں تصرف کی کہ جو امام حجت (جن پر ہزاروں درود و سلام ہوں) کی غیبت میں فقہائے عظام کے علاوہ دوسروں کے لیے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ان کی اجازت کے ساتھ۔

اور میں انہیں اجازت دیتا ہوں ان تمام چیزوں کی روایت کرنے کی کہ جن کی روایت کرنا مجھ سے درست ہے، جن میں وہ تمام کتابیں بھی ہیں جو ہمارے اصحاب نے تصنیف فرمائیں جیسے کہ کتب اربعہ کہ جن پر سارا دارومدار ہے جیسے، الکافی، التھذیب، من لا یحضرہ الفقیہ، الاستبصار، اور الوسائل، الوافی اور دیگر تمام کتب معتبرہ میری اپنی سند اور طریق کے ساتھ جو کہ منتہی ہوتے ہیں، ہمارے بزرگان علماء تک اور اس کے بعد متصل ہوتے ہیں، اہلبیت نبوۃ اور معدن الرحمۃ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) تک ۔

اور میں انہیں وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور احتیاط کا دامن تھام کر رکھیں اور اپنی پاکیزہ دعاؤں میں مجھے فراموش نہ کریں میری حیات میں بھی اور موت کے بعد بھی ۔

والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد الحسنی البغدادی سید ابوالقاسم رشتی الحائری

آیت اللہ سید محمد باقر الصدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

پس جناب عزیز، کامل، عماد الاعلام (بلند پایہ شخصیت)، مروج الاحکام (احکام دین کی ترویج کرنے والے)، علامہ، شیخ طالب جوھری حفظہ اللہ تعالیٰ (اللہ ان کی حفاظت کرے) اور ان کی توفیقات میں اضافہ کرے ۔ یقیناً انہوں نے ہمارے دروس عالیہ (درس خارج) فقہ اور اصول میں کئی برس تک شرکت فرمائی ہے اور ان دروس سے بہت زبردست استفادہ کیا ہے اس حد تک کہ وہ خود فضل و کمال میں ایک بلند مرتبہ پر فائز ہو چکے

ہیں اور یہ اس بات کے اہل بن چکے ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے اور ان سے استفادہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنی خاص نظر سے ان کی رعایت فرمائے اور انکے ہاتھوں کو اپنے دست قدرت سے محفوظ رکھے اور انہیں خدمت دین حنیف کرنے کی توفیق عطا کرے۔

والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   محمد باقر صدر

آیت اللہ سید محمد جمال ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

پس جناب الفاضل الکامل (فضل و کمال رکھنے والے)، الہمام، الزکی السوی، العلام، ثقۃ الاسلام، عماد الاعلام، الشیخ الجعفری، الشیخ طالب جوھری (ان کا افاضہ دائمی رہے) یقیناً انہوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ اور بہت قیمتی وقت بڑی محنت وجد وجہد کے ساتھ علوم دینیہ اور معارف الہیہ کے حصول میں صرف کیا اور اپنے اس کام میں بہت سنجیدگی کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ وہ فضل و پختگی میں اجتہاد کے رتبے پر فائز ہوئے، اللہ ان کی نیکیوں میں اضافہ کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں ان کا اجر ہے۔

اور میں انہیں اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے بعض میری روایات کو کہ جن کو میں اپنے والد محترم سے اس طریق وسلسلہ سے جو میرے مشائخ عظام اور اساتذۂ کرام تک جاتا ہے، اور پھر وہ سلسلہ مصدر وحی وتنزیل سے ملحق ہو جاتا ہے (سلام اللہ علیہم اجمعین)۔

ایسے ہی میں انہیں اجازت دیتا ہوں کہ یہ امور حسبیہ میں متصدی ہو سکتے ہیں اور ان تمام امور میں کہ جن میں ایک جامع الشرائط مجتہد کے اذن کی ضرورت ہوتی ہے اور میں انہیں اذن دیتا ہوں کہ یہ حقوق شرعیہ مثلاً زکات و ردمظالم اور مجہول المالک وغیرہ اخذ کر سکتے ہیں اور سہم امام بھی اخذ کر سکتے ہیں اور اس کا ایک ثلث بھی تصرف کر سکتے ہیں اور بقیہ دو ثلث ارسال کر دیں اور میں انہیں متوجہ کرتا ہوں خوف خدا) تقویٰ (کی طرف اور اپنے نفس کو خلوتوں میں محفوظ رکھیں اور شبہات کے موارد میں احتیاط سے کام لیں اور مجھے

اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

السید محمد جمال الہاشمی

آیت اللہ مصطفیٰ نورانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و درود کے بعد:

پس پروردگار کی اپنے بندوں کی خلقت کے بعد عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت علم اور بیان ہے اور اسی لیے اللہ عز شانہ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان ۔ اور یہ دونوں نعمتیں پروردگار نے جناب، محقق، حجۃ اللہ، آیۃ اللہ ،علامہ طالب جوھری (اللہ ان کی بزرگی کو دوام دے اور ان کی عمر کو دراز کرے اور خدا ان جیسوں میں اضافہ کرے) انہوں نے ہم سے اجازۂ روایت کی درخواست کی، پس ہم نے انہیں اجازت دیتے ہیں اس اجازۂ روایت کے مطابق جو ہمارے اساتذۂ کرام جن میں آیۃ اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشی النجفی ہیں، کہ جن کی سند متصل ہو جاتی ہے چند اسناد کے ساتھ نبیؐ اور ائمہ علیہم السلام کے ساتھ۔

پس یہ قابل تعظیم شخص، جب کہ یہ ورع و تقویٰ اور پختگی کے ساتھ اجتہاد کے رتبے پر فائز ہیں، جنہوں نے احکام خدا اور شریعت اسلام کی تبلیغ کا بیڑا اٹھایا ہے، خواص اور عوام دونوں کے لیے، تفسیر قرآن، روایات ائمہ کرامؑ کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اپنے وطن پاکستان میں اور دوسرے مقامات پر بیان فرماتے ہیں۔

پس مؤمنین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے محضر مبارک سے ہر موقع اور ہر وقت پر استفادہ کریں اور ان کی صحبت کو اختیار کریں اور ہمیشہ ان کی خدمت اور عزت کریں۔

ہماری اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس عزیز کی حاجات کو پورا کرے اور انہیں اس کی بہترین جزا عطا کرے۔ اور ان سے دنیا میں لطف عمومی کا معاملہ کرے اور آخرت میں انہیں نعمت عظیمہ کا رزق عطا کرے اور انہیں ائمہ معصومینؑ کے ساتھ محشور کرے اور صاحبان ایمان کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور بہترین انداز سے ان کے اعمال کو قبول فرمائے اور ہم سب

کو پروردگار اپنی رحمت میں قرار دے اور منافقین وکافرین کو ناکام کرے اور امام الحجۃ القائم المنتظر ؑ کے ظہور میں تعجیل فرمائے اور ہمیں ان چہرۂ مبارک کا دیدار نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے ناصرین اور مددگاروں میں سے قرار دے اور ہم ان سے اور تمام مومنین سے خلوت وجلوت میں مواقع قبولیت دعا میں دعا کی التماس کرتے ہیں۔

والسلام علیہ وعلی عباد اللہ الصالحین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مصطفیٰ النورانی

پاسدارانِ انقلابِ ایران کے پہلے افسر کا خط

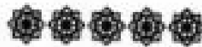
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائی حجۃ الاسلام علامہ طالب جوھری سلمہ اللہ

سلام کے بعد،

ہم جناب عالی کو دعوت دیتے ہیں کہ کہ ہمارے ملک کو دیکھنے کے لیے تشریف لایئے اور مرکز اسلام کو نزدیک سے مشاہدہ فرمایئے۔ زیارتی ویزا کے تمام تر امور کی انجام دہی کے لیے ایرانی سفارت خانے یا کونسلیٹ سے رجوع فرمالیجیے، تا کہ جو کچھ امور ہیں وہ جلد از جلد انجام پاسکیں۔

والسلام



سلسلۂ روایتِ حدیث

علامہ صاحب کو اپنے مشائخ اجازہ سے روایتِ حدیث کے متعدد اسناد حاصل ہیں۔ اگر ان کے تمام سلسلوں کو یکجا کیا جائے تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ آئمہؑ کی احادیث مبارکہ کے راویان کے سلسلۂ روایت اور اسناد سے دلچسپی رکھنے والے تشنگانِ علم کی سیرابی کے لیے صرف ایک سلسلہ درج کیا جا رہا ہے۔

آیت اللہ طالب جوہری — آیت اللہ صادق روحانی — آغائے بزرگ تہرانی

ملا احمد نراقی ——— شیخ مرتضیٰ انصاری ——— میرزا حسین نوری

سید بحر العلوم ——— وحید بہبہانی ——— شیخ اکمل بہبہانی

شیخ بہائی ——— محمد تقی مجلسی ——— محمد باقر مجلسی

شیخ حسین بن عبد الصمد — شہید ثانی ——— احمد بن محمد بن خاتون

احمد بن فہد حلی ——— علی بن ہلال جزائری ——— شیخ عبد العالی کرکی

علی بن خازن الحائری — ضیاء الدین علی ——— محمد بن مکی عاملی

محقق حلی ——— علامہ حلی ——— فخر المحققین

ابن نما حلی ——— محمد بن ادریس حلی ——— ابن حمزہ طوسی

حسن بن محمد طوسی ——— طبری صاحب احتجاج ——— محمد بن شہر آشوب

شیخ الطائفہ طوسی ——— شیخ مفید ——— شیخ صدوق

ابن قولویہ قمی ——— علی بن ابراہیم ——— ابن بابویہ قمی

یعقوب کلینی ——— علی بن ابراہیم ——— ابراہیم بن ہاشم

ابو بصیر اسدی کوفی ——— قاسم بن یحییٰ کوفی ——— احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی

ابان بن تغلب ——— امام جعفر صادقؑ

باب ۔ ۷

علامہ طالب جوہری کی قومی اور سماجی خدمات

ہمیشہ قومی محاذ پر آگے رہے۔ ان کی بیشتر خدمات وہ ہیں جو اب تک منظر عام پر نہیں آئیں۔ بہت سے کاموں کی شہرت وہ خود بھی نہیں چاہتے تھے۔ بہر حال یہاں چند تاریخی خدمات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۹۸۳ء میں بقائے عزا کے لیے گرفتاری

جولائی ۱۹۸۳ء میں کراچی میں فرقہ وارانہ فسادات عروج پر تھے۔ ۱۲ ربیع الاوّل کو جلوسِ عید میلادالنبیؐ کے دوران محفلِ شاہ خراسان کو نذر آتش کیا گیا۔ میں نے وہ خط بھی دیکھا ہے جس میں آیت اللہ خمینی نے اس دل دوز واقعہ کی مذمت کی تھی۔ اس موقع پر شیعہ اور سنی علماء اور خطباء کو گرفتار کیا گیا اور غیر معینہ مدت کے لیے گھارو گیسٹ ہاؤس میں نظر بند کیا گیا۔ سب سے آخر میں علامہ طالب جوہری گرفتار ہوئے اور تقریباً دو سے ڈھائی مہینے نظر بند رہے۔ علامہ صاحب کی یہ قربانی فقط عزاداریٔ سیّدالشہداؑ کے لیے تھی۔ اس واقعہ کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں قیام کے دوران علامہ صاحب نے گیسٹ ہاؤس کا کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنے ذاتی مال سے فراہم کیا کیونکہ ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ دشمن نے انھیں زہر دینے کی سازش کی ہے۔

۷ محرم ۔۔ ۱۹۹۴ء ۔۔ شہدائے باب العلم کا احتجاج

۱۹۹۴ء میں ۶ محرم کو مجلس کے دوران امام بارگاہ باب العلم پر سوادِ اعظم کے دہشتگردوں نے فائرنگ کر کے مومنین کو شہید کر دیا۔ حکومت کی طرف سے کوئی اقدام نہیں کیا گیا جس کے سبب پوری شیعہ قوم مشتعل ہو گئی اور اگلے دن علامہ صاحب نے نشتر پارک کی مجلس کو احتجاجی جلسے سے بدل دیا۔ اس مجلس میں علامہ عباس کمیلی، علامہ عرفان حیدر عابدی، علامہ

عبدالحکیم بوترابی اور مولانا حسن ترابی نے تقاریر کیں تھیں۔ علامہ صاحب کی تقریر کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:

''عزیزانِ محترم! دین اور شریعت کی عقلی تعبیر کے عنوان سے ہم نے جس سلسلۂ گفتگو کا آغاز کیا تھا وہ سلسلۂ گفتگو اپنے ساتویں مرحلے میں داخل ہو رہا ہے لیکن قبل اس کے کہ میں موضوع پر کچھ عرض کروں دو معروضات پیش کرنا چاہ رہا ہوں۔ پہلا معروضہ تو یہ ہے کہ انتہائی معتبر ذرائع نے بتلایا کہ پاکستان ٹیلی ویژن (PTV) عشرہ محرم کے دوران کھیلوں کے میچ نشر کر رہا ہے اور کہیں سے آواز بھی آئی کہ [اس جملے کی ادائیگی کے بعد مجمعے سے کوئی بولا تو علامہ صاحب نے 'جی' کہا] ''جی'' ظاہر ہے کہ اطلاعات تو ہیں۔ ہم نے ٹیلی ویژن کے مسئلے میں اقدام کرنے والوں کو تہذیب یافتہ اور دانش مند سمجھا تھا یہ سمجھا تھا کہ وہ روادار ہوں گے، وسیع القلب ہوں گے، دانش مند ہوں گے، تہذیب یافتہ ہوں گے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ وہ ہماری توقعات پر پورے نہیں اُترے۔ ان سے اور ٹیلی ویژن کے اعلیٰ حکام سے یہ گزارش ہے کہ اگر وہ ٹی وی سے حسینؑ دوستی کا ثبوت نہیں دے سکتے تو کم از کم یزید نوازی تو نہ کریں۔

بھئی ہم اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایسے پروگرام جو عشرۂ محرم کے درمیان دوسروں کے جذبات کو مجروح کرنے کا سبب ثابت ہوں انھیں روک دیا جائے اور دوسری اہم ترین بات! جو اس سے زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ کل شب میں دہشت گردوں کی تخریب کاری سے جو برادرانِ ایمانی شہید ہوئے اُن کی لاشیں اس وقت باب العلم میں موجود ہیں اور ابھی تک ان کی تدفین نہیں ہوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن لفظوں میں اپنے سننے والوں کو مخاطب کروں بھئی کتنا نااہل ہے وزیر اعلیٰ، صوبے کا اقتدار اعلیٰ، کتنا نااہل ہے اور صوبے کی انتظامیہ کتنی مجبور اور بے بس ہے مجھے نہیں معلوم لیکن میرے جملے کو سنو بھئی جب انتظامیہ نااہل ہو، وزیر اعلیٰ نااہل ہو، گورنر نااہل ہو نا معلوم کتنی ایجنسیز لگی ہوں شیعوں کو قتل کرنے میں، تو اگر صورتِ حال یہی رہی تو ہم اپنے نوجوانوں سے کہیں گے کہ دفعہ ایک سو چوالیس (۱۴۴) کی پرواہ نہ کرو، اسلحوں کے ساتھ باہر آجاؤ۔

ہم، ہم اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں ہم ۔۔۔ ہم، ہم انتظامیہ کے محتاج نہیں ہیں۔ ہم سٹر پردوں میں بند رہنے والے وزیر اعلیٰ کے محتاج نہیں ہیں۔ ہم ایوانِ صدر میں بیٹھے ہوئے احمق کے محتاج نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ میں اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہ رہا ہوں اس لیے کہ کچھ تھوڑا سا موضوع کے سلسلے میں مجھے عرض کرنا ہے تو ہم ۔۔۔۔ ہم کہہ دیں گے اپنے نوجوانوں سے، ابھی ہم نے کہا نہیں ہے، ابھی ہم نے کہا نہیں ہے۔ ہم اپنے نوجوانوں سے کہیں گے، ہم اپنی قوم سے کہیں گے کہ سنو! توڑ دو دفعہ ۱۴۴ کو اور اپنے جلوسوں کی اور اپنی مجلسوں کی خود حفاظت کرو اس لیے کہ تم لاوارث نہیں ہو۔ وزیر اعلیٰ لاوارث ہے۔

ہمیں موضوع کی طرف بھی جانا ہے لیکن اب یہ مجبوری تھی اور جو میں نے اپنے محترم سننے والوں کی خدمت میں پیش کی۔ بھئی جانتے ہو نا کہ میں لگی لپٹی رکھنے کا قائل نہیں ہوں تو میں نے اس وقت لگی لپٹی نہیں رکھی، کوئی مرد ہو یا کوئی عورت ہو، کوئی ۔۔۔۔ کوئی مرد ہو یا کوئی عورت ہو اگر وہ غمِ حسینؑ کا ساتھ نہ دے تو منحوس ہے۔ لیکن امید کی کرن ہے ہم نے ہمیشہ دیکھا، دیکھو ہم لگی لپٹی رکھنے کے تو قائل نہیں ہیں ہم نے ہمیشہ دیکھا کہ افواجِ پاکستان نے ملک کی سلامتی میں مثبت کردار ادا کیا تو ہمیں، ہمیں توقع ہے۔۔۔۔ ہمیں توقع ہے کہ فوج کے اعلیٰ حکام دو گھنٹے کے اندر اس مسئلے کو حل کریں گے۔

اس سے زیادہ اپنے محترم سننے والوں کو اس مسئلہ میں مشغول نہیں کرنا چاہتا اور میں نے سنا ہے کہ میرے محترم خطبا نے مجلسوں کو اس وقت تک ملتوی کیا ہے جب تک مسئلہ حل نہ ہو جائے۔ ہم جیل جانے سے نہیں ڈرتے، آلِ محمدؐ کی پوری زندگیاں قید خانوں میں گزر گئیں تو ہمیں جیل سے ڈراتے ہو۔ حسینؑ ابن علیؑ نے بہتر لاشے اٹھائے ہمیں لاشوں سے ڈراتے ہو۔ بھئی ہماری میراث شہادت ہے، ہماری میراث قتل ہو جانا ہے، ہماری میراث دیار بہ دیار پھرایا جانا ہے تو ہم ۔۔۔۔ ہم پرواہ نہیں کریں گے کہ قتل ہو جائیں، ہم پرواہ نہیں کریں گے کہ ہمارے سر نوکِ نیزہ پر بلند ہو جائیں لیکن ہم ۔۔۔۔ اب پورے مجمع کی طرف سے میں ملک کے اقتدار اعلیٰ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ بھئی اگر سب قتل کر دیے جائیں تو ہمیں

کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن سنو اور کان کھول کے سنو اگر۔۔۔اگر تم عزاداری کا تحفظ نہیں کر سکتے تو ہم تمہیں کرسی پر ایک لمحہ برداشت نہیں کریں گے۔ٹانگ سے اُٹھا کر زمین پر پھینک دیں گے۔

ڈرو اس وقت سے، ڈرو۔۔۔۔ڈرو اس وقت سے تنبیہ کر رہا ہوں کہ اگر حالات کو اب بھی کنٹرول کرنے کی کوشش نہ کی۔۔۔۔۔ایک جملہ۔۔۔۔۔ایک جملہ اور عرض کروں گا، پھر میں اپنے موضوع کی طرف چلا جاؤں گا کہ انتظامیہ نے اگر حالات کو فوری طور پر کنٹرول کرنے کی کوشش نہ کی تو کہیں وہ نہ ہو جائے جسے نہیں ہونا چاہیے۔

ہم امن کے قائل ہیں، ہم امان کے قائل ہیں، ہم احترام انسانیت کے قائل ہیں، ہم وسیع القلب ہیں، ہم روادار ہیں، ہم جیو اور جینے دو کی پالیسی پر عمل کرنا چاہتے ہیں تم بھی جیو اوراپنے بزرگوں کے ساتھ، ہمیں بھی جینے دو اپنے بزرگوں کے ساتھ۔"

شہدائے کوئٹہ کے دھرنے میں یادگار تقریر

جنوری ۲۰۱۳ء میں کوئٹہ کی جامع مسجد میں شدید دھماکہ ہوا جس میں ایک ہزار کے قریب مومنین کی شہادتیں ہوئیں۔ پورے ملک میں دھرنے ہوئے اور احتجاج ہوئے۔ ٹیلی وژن پر کوئی خبر نشر نہیں کی گئی نہ ہو کسی حکومتی فرد یا ادارے نے بیان دیا جس پر دھرنوں میں اور شدت آئی۔ ۲۰ جنوری ۲۰۱۳ء کو علامہ صاحب بلاول ہاؤس کے سامنے دیے گئے دھرنے میں اچانک پہنچ گئے اور ان کی تقریر نے دھوم مچا دی۔ مکمل تقریر یہ ہے:

"خواتین و حضرات میں واقعاً اس وقت بخار کی شدت میں حاضر ہوا۔ ایک بہت بڑے اجتماع سے تقریر کرتے ہوئے میں نے ایک جملہ کہا تھا کہ رسمانہیں بلکہ واقعاً سانحہ کوئٹہ پر جو لوگ احتجاج کر رہے ہیں وہ زبان تک نہیں رہے گا شاید وہ ہاتھوں تک آ جائے۔

دو جملے کہوں گا اور میں تو، میری مجلسوں میں آپ نے سنا ہوگا، میں دیتا رہتا ہوں اور اس وقت بھی یہ پالیسی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ سلسلۂ فکر یہ ہے کہ سن اکسٹھ ہجری میں کربلا واقع ہوئی اور یہ ۱۴۳۴ھ ہے ہماری قومی علامت ہے گلا کٹوا دینا۔ سر کٹانا ہماری قومی عادت ہے لیکن دشمن اپنے سر کو سلامت نہ سمجھے۔ میں یقین مانیے تقریر کرنے نہیں آیا

اور تقریر کر بھی نہیں رہا ہوں میں تو Thinking کر رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخِ جمہوریت میں جتنی ذلیل جمہوریت آج کل پائی جاتی ہے اتنی ذلیل جمہوریت دنیا میں کبھی نہیں آئی۔

انتہائی احمق اور انتہائی ذلیل انسانوں کی حکومت ہے اور اب انھیں یہ سمجھا دینا چاہیے کہ لاتوں کے بھوت۔۔۔۔(مجمع نے کہا" باتوں سے نہیں مانتے)

بھئی کچھ تو غیرت ہوتی ہے کچھ شرافت ہوتی ہے لیکن اتنے مفلوج اور اتنے منحوس حکمران، میں صوبے سے لے کر وفاق تک کی بات کر رہا ہوں، نہیں پائے جاتے پوری دنیا میں اور اب اس سلسلے میں گزارش صرف اتنی ہے کہ ایک دھرنا تو ہو گیا اور دھرنا جاری رہے گا۔ انشاء اللہ جاری رکھیں گے، رہے گا، رہے گا لیکن اگر دھرنا ناکافی ہو تو پھر Move کریں، حرکت کریں اور حرکت میں پہلے میں چلوں گا پیچھے آپ چلیں گے۔(لبیک یا حسینؑ کے فلک شگاف نعرے)

ان احمق حکمرانوں تک یہ پیغام پہنچا دو کہ حق مانگنا لاقانونیت نہیں ہے۔ حق مانگنا دہشت گردی نہیں ہے، حق کا نہ دینا دہشت گردی ہے تو دہشت گرد سب سے بڑے یہ لوگ ہیں جو تمھارے داہنے بائیں حکمرانی کا پرچم بلند کیے ہوئے بیٹھے ہیں اور اگر ۲۴ گھنٹے میں ان کے ہاتھ نہ ٹوٹے تو ہم توڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

۲ر جولائی ۲۰۱۳ء کو میڈیا کانفرنس کر کے کھلے الفاظ میں شہدائے کوئٹہ کے لیے احتجاج کیا۔

سانحہ عباس ٹاؤن کے لیے تاریخی خدمات

۳ر مارچ ۲۰۱۳ء کی شام تھی کہ کراچی کے علاوہ عباس ٹاؤن میں زوردار دھماکے کی آواز سنی گئی کچھ دیر تک اطراف کے مکین حیرت میں تھے کہ ہوا کیا ہے۔ اس سانحے کی خبر تیزی سے شہر میں پھیل گئی اور ہر طرف خوف وہراس کے بادل چھا گئے۔ کراچی بھر کے شیعوں نے عباس ٹاؤن کا رُخ کیا اور ایک جمِ غفیر تھا جس نے چاروں طرف سے علاقے کو گھیرا ہوا تھا۔ عباس ٹاؤن کے مکین انتہائی طیش میں تھے اور کسی عالم یا سیاسی شخصیت کو اندر نہیں آنے دے رہے تھے اور اپنی مدد آپ کر رہے تھے۔ جلتی ہوئی لاشیں عمارتوں سے گر

رہی تھیں ہر طرف اندھیرا تھا۔ قیامت کے مناظر تھے۔ علامہ طالب جوہری یہ خبر سنتے ہی اپنے چند احباب کے ساتھ گھر سے باہر آ گئے اور فوراً عباس ٹاؤن کا دورا کیا آپ کی شخصیت واحد تھی جسے دیکھ کر اہلِ عباس ٹاؤن نے اندر آنے کی اجازت دی اور ان کی آمد کو اپنے زخموں کا مرہم جانا۔ علامہ صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میڈیا پر آپ کے یہ جملے دکھائے گئے جب آپ نے آبدیدہ آنکھوں سے کہا کہ:

''ابھی میں زندہ ہوں۔''

اس کے بعد آغا خان اسپتال جا کر لاشوں اور متاثرین کا معائنہ کیا۔ شدید کرب کی حالت میں واپس تشریف لائے اور رات گئے تک متفکر رہے کہ اب کیا کیا جائے اس لیے کہ اس سانحے میں حکومت کی کوتاہی کسی بھی طرح قابلِ برداشت نہیں تھی۔

شہداء کی مجلس سوئم کے بعد کمشنر کراچی ہاشم رضا زیدی نے آپ سے میٹنگ کی اور آپ نے مطالبہ کیا کہ اس متاثرہ عمارتیں از سرِ نو بنوائی جائیں اور اگر حکومت کچھ نہیں کرے گی تو ہم خود بنوائیں گے یہ کہہ کر اپنے کمرے میں گئے اور دس لاکھ روپے کی نقد رقم پیش کی اور کہا کہ ہم کل سے کام شروع کر رہے ہیں۔ اس کے بعد معتبر افراد کی ایک کمیٹی بعنوان ''احباب متاثرینِ عباس ٹاؤن'' تشکیل دی جس کے ارکان ایس ایم نقی، مولانا زہیر عباس عابدی، سیّد منظور مہدی (برائے تعمیرات)، سیّد ابرار حسن اور سیّد وجاہت حسین نقوی تھے۔

اگلے دن کھدائی کا کام شروع ہو گیا اور حکومتی ادارے جو اب تک متحرک نہیں تھے۔ علامہ صاحب کے اس اقدام سے حرکت میں آ گئے۔ اس سلسلے میں گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان اور وزیر اعلیٰ نے غیر معمولی دلچسپی اور ایفائے وعدہ کا ثبوت دیا۔

۱۳ ماہ کی مختصر مدت میں عمارت کی تکمیل کے بعد ''احباب متاثرین عباس ٹاؤن'' کی جانب سے عمارت کی تقریب اجرا رکھی گئی جس کی صدارت علامہ طالب جوہری نے کی تھی۔ اس تقریب میں متاثرین کے گھر کی کنجیاں تقسیم کی گئیں تھیں۔ علامہ صاحب نے اس تقریب میں جو تقریر کی تھی اس میں فرمایا تھا:

''اس وقت میں فقط اُن لوگوں کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے آج سے

ایک سال پہلے اپنے پیاروں کا غم بھی برداشت کیا اور بے گھری کا طویل عذاب بھی برداشت کیا۔ آج وہ اس بے گھری کے طویل عذاب سے نجات پانے والے ہیں میں اس سلسلے میں اپنے دوست جناب ڈاکٹر عشرت العباد خاں صاحب، محترم وزیر اعلیٰ، جناب کمشنر کراچی اور جناب کمشنر ملیر، ان سب کا شکر گزار ہوں اور یہ ناانصافی ہوگی کہ اُن کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ اُن کے تعاون کے بغیر یہ منصوبہ مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ جو معزز افراد بیٹھے ہیں ان سب حضرات نے بھی تعاون فرمایا اور دامے درمے سخنے تعاون فرمایا اللہ جن لوگوں نے تعاون کیا ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے انھیں دنیا وآخرت میں آباد رکھے لیکن میں اپنے دل کی اس آواز کو دبا نہیں سکتا کہ جب میں نے ان عمارتوں کی تعمیر کے لیے کمیٹی بنائی تھی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیسے لوگوں کو منتخب کر رہا ہوں لیکن خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ میری توقعات سے زیادہ اُترے۔ یہ لوگ میری توقعات سے زیادہ اُترے ان میں جو جذبہ خیر دیکھا گیا اور جو خدمتِ خلق کا جذبہ دیکھا گیا وہ ایسا تھا کہ انھیں خراج تحسین پیش کیا جائے اللہ انھیں دنیا میں بھی آباد رکھے اور آخرت میں بھی شاد رکھے۔"

اس کے بعد علامہ صاحب کے دستِ مبارک سے متاثرین میں کنجیاں تقسیم کی گئیں۔

جبری گمشدہ افراد کی بازیابی

۲۰۱۰ء کے سانحۂ عاشورہ کے بعد سے شیعہ بے گناہ نوجوانوں کی جبری گمشدگی کے واقعات شدّت اختیار کر چکے تھے۔ آئے دن نوجوانوں کی گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ ان واقعات کی شدّت سے اسیروں کے اہلِ خانہ عاجز و پریشان تھے۔ کئی بار کراچی پریس کے باہر احتجاج کیا گیا، ریلیاں نکالی گئیں لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اپریل ۲۰۱۹ء میں صدر پاکستان عارف علوی کے گھر کے باہر اسیروں کے اہلِ خانہ سراپا احتجاج ہو گئے اور تاریخ ساز دھرنا دیا گیا۔ کراچی بھر کے خطباء اور ماتمی انجمنوں نے عزاداری کی۔ علامہ صاحب خاموشی سے صورتِ حال کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ علامہ صاحب نے اپنے ذاتی ذرائع کا استعمال کیا اور حکومت اور فوج کو باور کرایا کہ اگر اسیر بازیاب نہیں ہوئے تو میں دیوار توڑ کر گورنر ہاؤس میں گھس جاؤں گا اور پوری شیعہ قوم اپنے گھروں سے

نکل آئے گی۔ اسیروں کی بازیابی کے لیے بنائی گئی تنظیم کے عہدہ داران نے اسیروں کے لواحقین کی جانب سے علامہ صاحب سے ملاقات کی۔ اسیروں کی فہرست پیش کی گئی اور اس رات علامہ صاحب نے اپنی نمائندگی کے لیے مولانا ریاض جوہری کو دھرنے میں شرکت کے لیے بھیجا تھا اور علامہ صاحب کی جانب سے سید ابرار حسن نے علامہ صاحب کا پیغام لوگوں تک پہنچایا کہ قوم اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھے ابھی میں موجود ہوں۔ علامہ صاحب کے اس عملی اقدام کے بعد اسیروں کی رہائی کا آغاز ہو گیا اور تا حال سوائے چند کے تمام اسیر رہا ہو چکے ہیں۔ علامہ صاحب کے دنیا سے جانے کے بعد اب ان کے کارنامے لوگوں کو معلوم ہو رہے ہیں اور حاسدین اپنے کئے پر شرمندہ ہیں کہ کاش زندگی میں ان کی قدر کی ہوتی۔

اخبارِ جنگ کا بائیکاٹ

جب اخبار جنگ نے فرقہ واریت کو ہوا دی تو علامہ صاحب نے کھل کے اس کی مخالفت کی اور ان کی زندگی کے آخری عشروں کے اشتہارات جنگ میں شائع نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے متعدد مجالس میں یہ اعلان کیا کہ جنگ اخبار میری مجالس کی رپورٹنگ نہ کرے۔

یہ نشتر پارک کے عشرہ محرم ۲۰۰۴ء بہ عنوان "میزانِ ہدایت اور قرآن" کی چوتھی مجلس کے آغاز کا حصہ ہے:

"قبل اس کے کہ میں اپنے موضوع پر گفتگو شروع کروں اس محترم اور معزز مجمع کے سامنے ایک ذاتی مسئلہ رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ لوگ جو اس مقام پر مجھے مسلسل سن رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں نے اس منبر کو ہمیشہ محمدؐ اور آلِ محمد علیہم السلام کا منبر سمجھا۔ میں نے کبھی کوئی ذاتی بات آج تک اس منبر سے نہیں کی لیکن آج مجھے اجازت دیں کہ میں ایک چھوٹی سی ذاتی بات کہتا ہوا آگے بڑھ جاؤں تاکہ وہ قومی مسئلہ بن جائے۔ میں نے محرم الحرام سے پہلے ذوالحجہ کے آخری ہفتے میں "جنگ" کے ادارے کو ایک قانونی خط ارسال کیا تھا اپنے وکیل کے ذریعے کہ وہ میری مجلس کو رپورٹ نہ کریں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ میری مجلس رپورٹ کی جائے لیکن میری معلومات کی حد تک آج کے دن تک انھوں نے رپورٹنگ کی تو

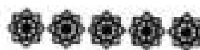
میں اپنے اس محترم مجمع سے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میری طرف سے مؤدبانہ اور پُرامن گزارش کریں کہ ''جنگ'' فی الفور میری رپورٹنگ کو بند کردے اس لیے کہ میرا ایمان ہے، میرا ایمان ہے کہ عزاداری حسینؑ بکی ہوئی صحافتوں سے زندہ نہیں ہے۔ سیدہ فاطمہ زہراؑ کی دعا سے زندہ ہے۔''

اپنے سامعین کا احترام

۲۰۰۶ء کے عشرہ محرم کی نویں مجلس میں امام بارگاہ اسلامک ریسرچ سینٹر بہ عنوان ''دعوت اسلام'' جناب سلیمان کاظم صاحب مجلس کے آغاز میں پہنچے تو علامہ صاحب نے اشارے سے انھیں آگے بلایا پھر فرمایا کچھ سامعین ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے کچھ نہ کچھ کہہ دینا ضروری ہوتا ہے یہ صاحب جنھیں میں نے دُور سے بلایا ہے جب میں نشتر پارک کی پہلی تقریر میں منبر پر بیٹھا تھا تو ان کی داڑھی سیاہ تھی اور مسلسل ہر سال دیکھتا رہا یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ بھئی ہوتا ہے، یہ ذکرِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے اور اس ذکرِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں آنے والے جب ایک مرتبہ اس کا ذوق اپنالیں تو پھر یہ ذوق چھوٹتا نہیں ہے یہ واقعتاً سیاہ داڑھی تھی۔۔۔۔ اچھا تو میں ان کے نام سے واقف نہیں ہوں شکل سے پہچانتا ہوں یعنی یہ ضروری تھا بیان کرنا۔''

مدرسے کا قیام

علامہ صاحب نے طلباء کے لیے خصوصی طور پر نیو رضویہ سوسائٹی کراچی میں مدرسے کی تعمیر بھی کروائی۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا کہ جس میں قوم کے نوجوانوں سے علمی ہمدردیاں نظر آتی ہیں۔ عمارت بن کر تیار ہوچکی تھی لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ عنقریب اس مدرسے کا شاندار افتتاح کیا جائے اور یہ مدرسہ قوم کے لیے ایک علمی درس گاہ ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔



باب۔ ۸

چند یادیں۔۔۔۔ چند واقعات

علامہ صاحب کی شخصیت اتنی ہمہ جہت ہے کہ ان کے عنوانات کا تعین کرنا اور اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنا خود ایک دفتر کا متقاضی ہے۔ یہ چند جھلکیاں ہیں تفصیلی واقعات کا بیان دوسری جلد میں ہوگا۔ واقعات کے درج کرنے میں کسی خاص ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا جو جو یاد آ رہا ہے لکھ رہا ہوں۔

گھر کی علمی وادبی نشستیں

علامہ صاحب کے گھر کی نشستیں خود ایک مستقل عنوان کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں مختلف وقتوں میں اپنے عہد کی تاریخ ساز شخصیتیں شریک رہیں۔

ویسے تو کھارادر والے گھر ہی سے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر صاحب کے گھر نشستیں شروع ہو چکی تھیں لیکن جب ناظم آباد کے مکان میں منتقل ہوئے تو اس کا دائرہ بڑھتا چلا گیا۔ مولانا جوہر صاحب وقت کے بے حد پابند تھے۔ ان کا وقتِ ملاقات صبح دس بجے سے ۱۲ بجے تک مقرر تھا اس کے بعد وہ کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ایسا بھی ہوا کہ اکثر انتہائی ضروری بحث چھڑی ہوئی تھی اور ۱۲ بج گئے تو مولانا نے گفتگو کو وہیں روک دیا اور کہا کہ بس باقی بات کل ہوگی۔ اس کے بعد وہ کھانا کھاتے۔ پھر عمل عاشور کر کے ظہرین کی نماز ادا کرتے تھے۔

علامہ صاحب کے ملنے والوں کا حلقہ دو طرح کا تھا ایک تو وہی جو افراد مولانا مصطفیٰ جوہر سے ملنے آتے وہ ان سے ملاقات کے بعد علامہ صاحب سے بھی حسبِ موقع ملاقات کرتے تھے۔ دوسرے وہ افراد تھے جو صرف علامہ صاحب کے ملنے والوں میں شامل تھے۔ ان کی ایک طویل فہرست ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب علامہ صاحب کی شہرت کا

سورج رفتہ رفتہ طلوع ہونے کو تھا۔

جب نارتھ ناظم آباد کے مکان میں منتقل ہوئے تو یہ سلسلہ وہاں بھی اپنی پوری آب و تاب سے جاری رہا کرتا تھا جن میں ملک و بیرونِ ممالک کی معزز ترین علمی، ادبی، سیاسی اور قومی شخصیات شامل رہتی تھیں۔ شب جمعہ نماز جماعت ہوتی تھی اور اس کے بعد ایک درس ہوتا جس میں مولانا جوہر حدیثِ کساء پر گفتگو کرتے اور ہر نشست میں ایک نیا علمی گوشہ متعارف کراتے۔

میں زیادہ تر انچولی والے گھر کی نشستوں میں شریک رہا ہوں۔ صبح کسی سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ شام کی نشست خاص مہمانوں کے لیے یا اپنی ذاتی نوعیت کے کاموں سے متعلق تھی۔ پھر مغربین کی نماز کے بعد ملاقاتوں کا ایک تانتا بندھ جاتا۔ اس میں آنے والا ہر فرد پہلے فون کر کے وقت لیتا اس کے بعد حاضری ہوتی۔ فون کیے بغیر آنے والے افراد کو ملاقات کی اجازت نہ تھی۔ اس نشست میں ہر طرح کے موضوعات زیرِ بحث رہتے۔ کیا صحائف انبیاء، علومِ قرآنی، تاریخ، فلسفہ، منطق، علم کلام، ادب، سائنس، سیاست، ثقافت و تہذیب، عالمی حالات، قومی حالات، اصولِ فقہ، روایت، درایت، رجال، معلوماتِ عامہ غرض کہ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر گفتگو نہ ہوتی ہو۔ علامہ صاحب بعض مسائل پر شریک علماء و خطباء کے سامنے سوالات رکھ دیتے جس پر خوب بحث و مباحثہ ہوتا، کتابیں کھولی جاتیں، آیاتِ قرآنی و روایاتِ آئمہ سے تطبیق کی جاتی اور نتائج برآمد کیے جاتے۔ اس نشست میں علامہ صاحب کی قوتِ حافظہ غیر معمولی کام کرتی تھی اور وہ بیک وقت مختلف علوم پر گفتگو کرتے نظر آتے اور ہر بات کو سننے والے کی ذہنی سطح کے مطابق سمجھاتے۔ بعض افراد رات گیارہ بارہ بجے تک رخصت ہوتے اور بعض نمازِ فجر تک موجود رہتے اور رات گئے گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس کے بعد علامہ صاحب نمازِ فجر کے لیے چلے جاتے اور نشست اختتام کو پہنچتی اکثر ایسا بھی ہوا کہ شرکا نے نمازِ فجر علامہ صاحب کے گھر پر ہی ادا کی اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ نمازِ فجر کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا اور نشست صبح کے ناشتے پر خاتمے تک پہنچی۔ ایسی متعدد نشستوں میں مجھے بھی شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنی طویل نشستوں کے بعد اگلے دن پھر یہی صورت ہوتی تھی۔ علامہ صاحب کب سوتے تھے، کب مطالعہ کرتے تھے، یا اپنے دیگر ذاتی کاموں کے لیے کب وقت نکالتے تھے یہ ایک حیرت انگیز عمل تھا جس پر وہی یقین کرسکتا ہے جو ان کی شخصیت سے کماحقہ واقف ہو۔ ان کی اس مستقل مزاجی اور کامیاب زندگی کا راز یہی تھا کہ انھوں نے ہر کام کے لیے وقت اور اصول معین کر رکھے تھے جن کے سبب نظامِ حیات میں کبھی بے ترتیبی یا بد نظمی پیدا نہیں ہوئی۔ ایک مصروف ترین انسان اگر ان اصولوں پر عمل پیرا نہ ہو تو کبھی بھی اپنی منزلوں کو نہیں پاسکتا۔

مولانا شہریار رضا عابدی کا سوال

ایک نشست میں مولانا شہریار رضا عابدی نے ایک علمی سوال پوچھا کہ کیا پیغمبر کو تشخیص موضوعات میں سہو ہوسکتا ہے؟ (یقیناً نہیں ہوسکتا لیکن اس سوال کی غرض یہ تھی کہ علامہ صاحب اس کی علمی دلیل بیان فرمائیں)۔ علامہ صاحب نے فرمایا نہیں، تشخیص موضوعات میں بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد کہا کہ آپ کی عقل کیا کہتی ہے کہ ستارے بڑے ہیں یا چھوٹے، مولانا نے کہا کہ بڑے، علامہ صاحب نے پوچھا آپ کو نظر کیسے آتے ہیں؟ بڑے یا چھوٹے؟ انہوں نے کہا چھوٹے، تو علامہ صاحب نے کہا کہ آپ کی عقل کہتی ہے کہ بڑے ہیں اور آنکھ کہتی ہے کہ چھوٹے ہیں، یعنی آنکھ کچھ کہہ رہی ہے اور عقل کچھ اور، اور پیغمبرؐ کے لیے سورہ النجم میں ارشاد ہے کہ:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ

جو تیری آنکھ دیکھتی ہے تیرا دل بھی اس کی تردید نہیں کرتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ تشخیص موضوعات میں بھی پیغمبرؐ سے سہو نہیں ہوسکتا۔

اس علمی جواب کو سنتے ہی مولانا کھڑے ہوئے اور علامہ صاحب کی دست بوسی فرمائی۔

امام بارگاہِ ناصران حسینؑ کا ایک واقعہ

کراچی کے علاقے شاہ فیصل کالونی ۵ نمبر میں امام بارگاہ ناصران حسین بہت معروف

ہے۔ یہاں مولانا مصطفیٰ جوہر نے بھی کئی مجالس پڑھیں ہیں۔ ایک دن علامہ صاحب اپنے عہد جوانی میں یہاں کسی ایصال ثواب کی مجلس سے خطاب فرما رہے تھے۔ دوران تقریر آپ کی انگوٹھی کا نگینہ نکل کر فرش پر گرا، قریب ہی تشریف فرما ایک صاحب نے از راہ احترام اٹھا کر علامہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، علامہ صاحب کی تقریر جس نہج پر پہنچی تھی آپ نے وہیں سے بیان کو انگوٹھی کی طرف ربط دیا اور اس کے بعد کی مکمل گفتگو انگوٹھی ہی پر فرمائی۔ اس فی البدیہہ بیان پر سامعین ورطۂ حیرت میں تھے۔

جوش کا مجموعۂ کلام ۔۔۔ حرکات و سکنات

علامہ صاحب کی حاضر جوابی کے چرچے تو سب ہی کی زبان پر ہیں۔

جن لوگوں نے جوش صاحب کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان کے سب ہی مجموعوں کے نام مترادفات پر ہیں، شعلہ و شبنم، حرف و حکایات، سیف و سبو، رامش و رنگ ۔۔ ان کا آخری مجموعہ ''محراب و مضراب'' اشاعت کے لیے جا رہا تھا لیکن اب تک نام تجویز نہیں ہوا تھا۔ ایک نشست میں انہوں نے احباب سے مشورہ کیا کہ اب کی بار مجموعے کا نام کیا رکھا جائے۔ زیبا ردولوی بھی تشریف فرما تھے ان کے برابر میں علامہ صاحب بیٹھے تھے، انہوں نے آہستہ سے زیبا صاحب کے کان میں کہا:

''حرکات و سکنات''

جوش صاحب کی نظر پڑی کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں تو زیبا صاحب سے پوچھا، انہوں نے فوراً بتا دیا جسے سن کر جوش صاحب نے خوب لطف لیا اور ذہانت کی داد دی۔

حامد لکھنوی کی زبانی مجلس پر تبصرہ

کراچی کے علاقے رضویہ کالونی میں مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اکثر ایصال ثواب کی مجالس پڑھا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ علاقہ علماء، ادباء اور صاحبان فن سے چھلک رہا تھا۔ اگر اطلاع ہو جائے کہ مولانا جوہر مجلس پڑھ رہے ہیں تو صاحبان ذوق، شوق سے شرکت فرماتے تھے۔ علامہ صاحب عہد جوانی میں بھی یہاں مجالس پڑھتے تھے اس لیے ان کی تقاریر کی

شہرت بھی اپنی جگہ تھی۔ اسی علاقے میں معروف شاعر اور پیارے صاحب رشید لکھنوی کے شاگرد حامد لکھنوی بھی رہتے تھے جن کا مکان آج بھی لب سڑک موجود ہے۔ ان کا سلام ''غبار رہ رفتگاں رہ گیا'' کس نے نہ سنا ہوگا، اتفاق سے انہوں نے دونوں ہی کی مجالس میں شرکت کی ہوئی تھی۔ ایک دن کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کو بھی سنا ہے اور ان کے فرزند علامہ طالب جوہری کو بھی، دونوں کی مجلس میں کیا فرق ہے؟

حامد لکھنوی نے فوراً کہا کہ:

''باپ ایک آیت سے پانچ نکتے نکالتا ہے اور بیٹا پانچ آیتوں سے ایک نکتہ نکالتا ہے۔''

ایسا برجستہ اور برمحل تبصرہ تو وہی کر سکتے تھے۔ خدا غریقِ رحمت فرمائے۔

حسن، احسن، مستحسن

شہر کا نام یاد نہیں رہا لیکن اتنا یاد ہے کہ علامہ صاحب بتاتے تھے کہ ایک بار مجلس پڑھنے کے لیے پاکستان کے کسی شہر میں گئے تھے جہاں سے افغانستان کا بارڈر نزدیک تھا اور اس علاقے میں مومنین کی بڑی تعداد تھی۔ ان کے یہاں پنجاب اور بلوچ قبائل کی ملی جلی تہذیب پائی جاتی تھی۔ کسی نکتے پر داد دینے کا طریقہ یہ تھا کہ ''حسن حسن'' کہتے تھے۔ کوئی بات زیادہ اچھی لگی تو ''احسن احسن'' کہتے تھے اور کوئی بات بہت ہی زیادہ اور متاثر کن ہوتی تھی تو ''مستحسن مستحسن'' کہتے تھے۔ علامہ صاحب نے مجلس شروع کی تو ''حسن حسن'' کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ مجلس اور بلند ہوئی تو ''احسن احسن'' کی آوازیں آئیں، مجلس نے اگلا زینہ طے کیا تو ''مستحسن مستحسن'' کی داد ملی لیکن جب مجلس آخری حصے میں اپنے عروج پر آئی تو داد کے الفاظ کی ترتیب کچھ یوں تھی:

''حسن احسن مستحسن، حسن احسن مستحسن''۔

اِسے حسن اتفاق کہیے کہ علامہ صاحب کے دونواسوں کے نام بھی احسن اور مستحسن ہیں۔

نواسے کے نام کی تجویز

مرثیہ فاؤنڈیشن کے موسس جناب اقبال کاظمی علامہ صاحب کے احباب میں تھے۔

غالباً ۱۹۹۱ء میں انہوں نے ڈاکٹر اکبر حیدری کی مرتبہ کتاب ''مراثیِ خلیق'' (میر انیس کے والد کے مرثیوں کا مجموعہ) شائع کی تھی۔ علامہ صاحب مرثیوں کے شائق شروع ہی سے تھے۔ جب ان کے یہاں ۱۹۹۴ء میں نواسہ متولد ہوا تو میر خلیق کے نام ''میر مستحسن خلیق'' پر اپنے نواسے کا نام ''سید مستحسن رضا کاظمی'' رکھا۔

سمجھ نہیں آتا کہ اس واقعہ کو تہذیب کے خانے میں جگہ دوں یا علامہ صاحب کی ادب سے محبت کے خانے میں یا ان کی انیس سے محبت کے خانے میں، یا عظیم ترین قوتِ فیصلہ کے خانے میں، ایسے عجوبہ روزگار لوگ کیا اب دوبارہ آئیں گے؟؟

میں صرف میر صاحب سے متاثر ہوں

علامہ صاحب کی زبان سے میں نے کبھی میر انیس نہیں سنا وہ ہمیشہ میر صاحب کہتے تھے۔ یہی طریقہ ہندوستان کے پرانے لوگوں کا بھی تھا۔ اس واقعہ کے گواہ مولانا امجد رضا جوہری ہیں کہ جب میری موجودگی میں اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے زندگی بھر ادب کا دقیق ترین مطالعہ کیا آپ کس شاعر سے سب سے زیادہ متاثر ہیں؟

تو انہوں نے کہا کہ متاثر تو کسی سے نہیں ہاں۔۔ ''میر صاحب نے متاثر کیا۔''

علامہ صاحب کا انیسی مطالعہ غیر معمولی حد تک حیرت انگیز تھا۔ بیشتر مرثیے زبانی یاد تھے اور ہر خطیب کو مشورہ دیتے تھے کہ خطابت کا نکھار انیس کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہی مشورہ اپنے فرزندوں کو بھی دیا۔

ان کی انیس شناسی پر دوسری جلد میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔

سردابِ ابوالفضلؑ کی زیارت

علامہ صاحب زندگی میں دو بار حضرت عباسؑ کی اصل قبر مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پہلی بار اس وقت جب ''نورِ ایمان'' کے مصنف مولوی خیرات احمد مرحوم کے فرزند سر سلطان صاحب کربلا آئے تھے۔ یہ زمانہ علامہ صاحب کی طالب علمی کا تھا۔ خاندانی قرابت بھی تھی اس لیے ان کے ساتھ ہو لیے۔ جب وہ اصل قبر سے مشرف ہوئے تو علامہ

صاحب ساتھ تھے۔ اس زمانے میں سرداب کا پانی کم تھا جب روشنی پڑتی تھی تو ایک ہلکی سی لکیر چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔

دوسری بار تب زیارت کی جب علامہ صاحب شہرت کی بلندیوں کو چھو چکے تھے اور زیارت سرداب کے لیے انھیں کسی کی سفارش کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ صدام کے زمانے میں دستور تھا۔ جب زینوں سے اُترے اور پانی آیا تو اسی جگہ کھڑے ہو کر زیارت پڑھی۔

جب اس جملے پر پہنچے:

اَشْهَدُ اَنَّكَ قُتِلْتَ مَظْلُوماً

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مظلوم قتل کیے گئے

تو پانی میں جوش پیدا ہو گیا تھا اس بار پانی بھی زیادہ تھا آگے بڑھتے گئے جب ہلکی سی قبر مبارک نظر آئی تو فرطِ مصائب سے غشی طاری ہو گئی اور باہر لائے گئے اور ضریحِ اقدس کے پاس بٹھا دیا گیا۔

دسترخوانِ امام حسنؑ کیوں؟

۱۴ رمضان ولادتِ پُر نور امام حسنؑ کی شب تھی اور علامہ صاحب کی نشست میں تذکرہ امام حسنؑ جاری تھا میں نے ایک سوال کیا کہ ہمارے ہر امام کا دسترخوان غریبوں اور محتاجوں کے لیے کھلا رہتا تھا لیکن شہرت صرف امام حسنؑ کے دسترخوان کی شہرت کیوں ہے؟ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئے پھر فوراً کہا:

"مدینے میں غربت آنے کے سبب محدثین اور روایانِ احادیثِ رسولؐ مدینہ چھوڑ رہے تھے۔ انھیں اپنے دسترخوان پر جمع کر کے ان کی تنگدستی کو دور کر دیا تا کہ ذخیرۂ احادیث محفوظ رہ جائے۔"

ہلاکت اور شہادت

ایک بار نشست میں سوال ہوا کہ اسلام میں ہلاک حرام ہے اور دشمنانِ اہلبیت ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اگر شیعوں کے امام علمِ غیب رکھتے تھے تو انھوں نے جانتے ہوئے بھی

زہر آلود کھجوریں یا انگور کیوں کھائے۔ اسی کو تو ہلاکت کہتے ہیں۔۔۔ تو پوچھا یہ گیا کہ اس کا جواب کیا ہے؟

علامہ صاحب نے جواب میں فرمایا کہ:

''اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے فلسفۂ ہلاکت کو سمجھا جائے کہ ہلاکت حرام کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے لیے موت کا ایک راستہ معیّن کر دیا ہے اور تقدیر میں ہے کہ وہ اسی طرح سے موت کا ذائقہ چکھے گا جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ انسان کیوں کہ اپنی مرضی سے موت کا راستہ پسند کر کے خودکشی کرنا چاہتا ہے اس لیے خودکشی حرام ہے۔ کیونکہ مشیت اور انسان کی تقدیر کے خلاف ہے۔ اب رہی بات معصومینؑ کی کہ انھوں نے یہ جان کر بھی کہ انگور یا کھجور میں زہر ہے اسے تناول کیوں کیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ معصومین علمِ غیب سے یہ بات جانتے تھے کہ اُن کی شہادت کا سبب ان ہی انگوروں یا کھجوروں میں رکھا گیا ہے لہٰذا امام پر زہر کھانا واجب تھا ورنہ تقدیرِ الٰہی کے خلاف ہوتا۔''

اس عالمانہ جواب پر حاضرین نشست مبہوت ہو کر رہ گئے تھے۔

مولانا۔۔۔ احسن تقویم تو دیکھیے

قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے اُسے احسن تقویم یعنی بہترین پیمانے سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا محمد مصطفیٰ جوہر سے جوش ملیح آبادی کے دیرینہ مراسم تھے اور وہ اکثر ان کے گھر تشریف بھی لاتے تھے۔ یادوں کی برات کے گمشدہ اوراق میں ان کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جوش صاحب کی عادت تھی اکثر مذہبی افراد کی موجودگی میں وجودِ خدا پر مباحث کرتے تھے۔ علامہ صاحب نجف سے تازہ تشریف لائے تھے اس لیے جوش صاحب اکثر مذہبی عنوانات پر مباحث چھیڑتے تھے۔ ایک واقعہ سنانے کے لیے یہ تمہید ضروری تھی۔ اب واقعہ سنیئے۔

ڈاکٹر منور عباس کی کار ہے۔ آگے جوش ملیح آبادی تشریف فرما ہیں۔ پیچھے علامہ طالب جوہری ہیں۔ یہ ۱۹۷۰ء کی دہائی کی بات ہے۔ لیاقت آباد کے مشہور کباب کی دکان پر گاڑی رُکی۔ منور عباس مرحوم کباب لینے کے لیے گئے اتنے میں ایک فقیر آ گیا جس کے

جسم پر گھٹلیوں کی شکل میں دانے ہی دانے تھے۔ جوش صاحب کے قریب آیا۔ جب اُن کی نظر فقیر پر پڑی تو بے اختیار کہا۔ مولانا، انہوں نے کہا جی حضور! ۔۔۔ جوش صاحب بولے:

"احسنِ تقویم تو دیکھیے"۔

جوشؔ کے ایک مصرعے کے راوی

جوش صاحب کا مرثیہ بعنوان "آگ" اب تک اربابِ ادب کی نظر سے اوجھل ہے البتہ اس کے چند مصرعے آج تک زبان زدِ عام ہیں جن میں ایک یہ ہے:

حکم دیتا ہے خدا انکار کر دیتی ہے آگ

علامہ صاحب ناقل ہیں کہ ایک دن جوش صاحب، زیبا ردولوی کے ساتھ کار میں کہیں محوِ سفر تھے۔ علامہ صاحب بھی موجود تھے۔ جوش صاحب نے کہا:

"بھئی زیبا صاحب آج کل آگ کے عنوان پر مرثیہ کہہ رہا ہوں بیت کا ایک مصرعہ نہیں لگ رہا۔ دوسرا مصرعہ یہ کہہ لیا ہے:

"حکم دیتا ہے خدا انکار کر دیتی ہے آگ"

زیبا صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر مصرع دیا:

"بندگی کو نذرِ استکبار کر دیتی ہے آگ"

جوش صاحب کو پسند آیا اور شامل کر لیا۔

کرار جونپوری کا مرثیہ

کرار جونپوری فنِ مرثیہ گوئی کے بے تاج بادشاہ تھے۔ علامہ صاحب کیوں کہ خود مہمل شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اس لیے کرار جونپوری بزرگ ہونے کے باوجود انھیں خاص طور سے اپنا ہر مرثیہ اور دیگر کلام سناتے تھے۔

ایک دن انھوں نے علامہ صاحب سے تذکرہ کیا کہ میں نے ایک مرثیہ میں حضرت اُمّ کلثومؑ کے داخلۂ مدینہ کے وقت کے مرثیہ کا ترجمہ نظم کیا ہے۔ اس کے پہلے مصرعے کا ترجمہ

نظم نہیں ہو پا رہا ہے۔ علامہ صاحب نے پورا بند سنا اس کے بعد مصرع دیا:

ہمارے جدّ کے مدینے، ہمیں قبول نہ کر

کرار جونپوری کو پسند آیا اور انھوں نے شامل کر لیا۔ اس مرثیے کا عنوان ''کلام'' ہے اور مکمل بند یہ ہے:

میرے عزیز وطن، اے دیارِ پیغمبر گیا تھا

چھوڑ کے کل تجھ کو اک بھرا ہوا گھر

اے لٹا کے ہم آئے ہیں تیری چوکھٹ پر

ہمارے جدّ کے مدینے ہمیں قبول نہ کر

بڑی عظیم امانت کو کھو کے آئے ہیں

ترے نبیؐ کے نواسے کو کھو کے آئے ہیں

ایک عرب شاعر کی غلطی کی نشاندہی

علامہ صاحب سفرِ زیارت پر تھے تقریباً ۲۰۰۰ء کی بات ہوگی۔ روضۂ کاظمین کے دفتر میں زیارت کے بعد نشست لگ گئی۔ علماء و شعرائے عرب موجود تھے۔ مختلف موضوعات پر بات ہو رہی تھی وہاں ایک عرب شاعر بھی تھا جس کا ایک شعر عراق میں بے حد مقبول تھا۔ اس شعر کا مرکزی خیال کچھ اس طرح سے تھا کہ:

''شہر سامراء کی فضا اتنی لطیف ہے کہ اگر میں سانس بھی لوں تو خطرہ ہے کہ فضا آلودہ نہ ہو جائے۔''

علامہ صاحب نے فرمائش کر کے اس شعر کو سنا اور اس کے بعد کہا کہ آپ کے فلاں قصیدے کے ایک شعر میں فنی غلطی ہے اسے دیکھ لیجیے گا۔ شاعر نے اسی وقت بازار سے اپنا دیوان منگوایا اور نظرِ ثانی کی تو علامہ صاحب کی بات کی تائید کی اور ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

سیّد تسنیم زیدی اور مجاہد عابدی اس کے گواہ ہیں۔

خلفاء اثنا عشر کی وجہِ تصنیف

ملتان میں علامہ صاحب کی مجلس تھی۔ مجلس کا اہتمام کچہری روڈ پر کیا گیا تھا۔ اسی روڈ پر علامہ سیّد احمد سعید کاظمی کا مدرسہ بھی واقع ہے۔ مجلس کا اعلان سن کر انہوں نے پیغام بھجوایا کہ اگر مجلس میں شانِ رسالت کا بیان ہو تو ہمارے لیے باعثِ استفادہ ہوگا۔ علامہ سیّد احمد سعید کاظمی اہلِ سنت کے جید علماء میں سے تھے اور اس وقت ان کے مدرسے کی متعدد شاخیں ملتان میں موجود ہیں۔ مجلس کا دن آیا خوب مجمع تھا۔ علامہ صاحب منبر پر گئے اور شاندار مجلس پڑھی اور خصوصیت کے ساتھ حدیثِ سدّ ابواب کے علمی نکات بیان کیے۔ مجلس کے اگلے دن علامہ احمد سعید کاظمی کے مدرسہ میں علامہ صاحب کی ملاقات رکھی گئی۔ علامہ سیّد احمد سعید کاظمی نے مجلس کی بہت تعریف کی اور کہا کہ آپ اپنے بارہ اماموں کے حوالے سے کوئی ایسا کام کریں جس سے ہم اہلِ سنت بھی استفادہ کر سکیں اور اس کتاب میں روایاتِ اہلبیت سے ان کی تعداد اور ناموں کو ثابت کیا جائے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ چند برس بعد علامہ صاحب ملتان مجالس پڑھنے گئے تو پتہ چلا کہ علامہ سعید احمد کاظمی بیمار ہیں اس لیے عیادت کے لیے چلے گئے۔ تو علامہ سعید احمد نے حالتِ بیماری میں بھی اپنی بات کو یاد رکھا اور علامہ صاحب سے پوچھا کہ آپ نے وہ کتاب لکھی کیا؟ تو علامہ صاحب نے کہا کہ انشاء اللہ جلدی لکھوں گا۔ یہاں تک کہ علامہ احمد سعید کاظمی انتقال فرما گئے۔ جب علامہ صاحب ملتان گئے اور ان کے فرزند سے تعزیت کی تو انھوں نے بھی اسی کتاب کا ذکر کیا کہ آپ نے لکھی یا نہیں۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے اسے اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہوئے کراچی آتے ہی کتاب لکھی اور وہ ”خلفاء اثنا عشر“ کے نام سے شائع ہوئی۔

میں تو عرشی ہو گیا

غالبیات میں مولانا امتیاز علی عرشی کا جو مقام ہے وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کا مدون کردہ دیوانِ غالب بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ جس دیوان کو انھوں نے تحقیق کا مرکز بنایا وہ دیوانِ غالب کا نسخۂ رامپور تھا جو آج بھی کتب خانہ رامپور میں موجود ہے۔

نواب رامپور کی صاحبزادی کراچی میں رہتی ہیں۔ انھوں نے ایک بار رامپور میں مجلس پڑھنے کا وعدہ لیا تو علامہ صاحب نے کہا کہ استخارہ کرکے بتاؤں گا۔ یہ جملہ وہ مجلس کا وعدہ کرنے سے پہلے اکثر کہتے بھی تھے۔ خیر، بانیان مجلس کو لگا کہ شاید علامہ صاحب وقت نہیں دے پائیں گے تو انھوں نے کہا کہ:

''اگر آپ رامپور تشریف لے آئے تو ہم دیوانِ غالب کا ذاتی نسخہ آپ کی خدمت میں ہدیہ کریں گے۔''

علامہ صاحب کسی وجہ سے وہاں جا تو نہ سکے لیکن یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے تھے کہ جب انھوں نے اس دیوان کا ذکر سنا کہ انھیں دیا جائے گا تو فوراً کہا کہ:

''بھئی۔۔۔۔ میں تو یہ سن کر غش ہو گیا۔''

محمد علی سید کی باتیں

محمد علی سید علامہ صاحب کے خاص رفقا میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ اُن کے ساتھ گزارا۔ بہت سے واقعات کے راوی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن ہم نے علامہ طالب جوہری صاحب سے پوچھا:

''ہمارے ایک سنی دوست بتا رہے تھے کہ قران کے دس پارے اور بھی ہیں جو اس قران میں شامل نہیں ہیں۔''

''بھئی ہیں تو صحیح اور ہمارے پاس موجود ہیں۔'' (مزاح کے انداز میں فرمایا)

علامہ صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو ہم بھی اپنی جگہ ہل گئے۔

''یہ کیسے۔''

''آپ اپنے سنی دوست کو پکڑ کر کسی دن یہاں لے آئیں میں ان کو ان پاروں کی زیارت بھی کرا سکتا ہوں۔ ان کے ایمان اضافہ بھی ہوگا اور انھیں خاصی تشفی بھی ہو گی۔''

ہم نے عرض کیا۔'' پہلے ہمارے ایمان میں اضافے اور تشفی کی خاطر ہمیں تو زیارت کرا دیجیے۔۔''

اس دن موسم خاصا خوشگوار تھا۔ علامہ صاحب بھی موڈ میں تھے۔

''آیئے میرے ساتھ'' یہ کہہ کر علامہ صاحب اپنے کمرے سے نکلے اور لان سے گزرتے ہوئے لائبریری کی طرف بڑھے۔۔

گھر میں پلی ہوئی بطخیں لان میں گھوم رہی تھیں۔ بارش کا سا موسم ہو رہا تھا۔۔۔

''قبلہ۔۔ بطخوں اور لان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیجیے۔''

''ہاں بھئی واقعی سارا لان برباد کر دیا انھوں نے۔۔ لیکن آپ فی الوقت اپنے موضوع سے متصل رہیں۔''

انھوں نے حسب عادت جملہ کہا اور لائبریری میں داخل ہو گئے اور پھر ان کا ہاتھ ٹھیک اسی جگہ پہنچا جہاں پہنچنا تھا۔ کتابوں کے درمیان سے انھوں نے ایک فائل نکالی اور لائبریری کے کونے میں اپنی فرشی نشست پر براجمان ہو گئے۔۔

''یہ ہیں وہ ۱۰ پارے۔۔۔ ملاحظہ فرمائیں۔۔

ہم نے ان ۱۰ پاروں کو سرسری سا دیکھا۔۔ ''یہ پارے آئے کہاں سے؟''

''آپ کو یاد نہیں۔۔ گزشتہ برس میں اپنی جنم بھومی پٹنہ گیا تھا۔۔ پٹنہ پر پھر کبھی بات کریں گے۔۔ وہاں ایک قدیمی لائبریری ہے۔۔ "خدا بخش لائبریری" اس لائبریری میں عجائبات جمع ہیں۔۔ قرآن کے یہ دس نام نہاد پارے بھی وہاں موجود تھے۔۔ دراصل میں انھی پاروں کے چکر میں پٹنہ گیا تھا۔۔۔ میں نے وہاں ان پاروں کو مائکروفلم کی شکل میں محفوظ کر لیا تھا۔۔''

''آپ نے انھیں نام نہاد کیوں کہا؟''

''یہ ہیں نام نہاد اس لیے۔۔ پاکستان آ کر جب ان کا بہ غور مطالعہ کیا تو انگریزوں کی عقل پر حیران رہ گیا کہ وہ اپنے مستقبل کے منصوبوں کے لیے برسوں پہلے سے کس طرح منصوبہ بندی کرتے ہیں۔۔''

''یعنی...!''

''یہ پارے انھوں نے سو برس پہلے کچھ مولویوں سے آج کے لیے تیار کرائے تھے۔''

"ان کے جعلی ہونے کے دلائل کیا ہیں۔۔۔میں تو انھیں دیکھ رہا ہوں وہی قران کی آیات ہیں۔"

"جی۔۔یہی تو کمال ہے۔۔لیکن اگر کوئی قرآن شناس ذہین ان آیات کا دقت سے تجزیہ کرے تو وہ سازش کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے۔"

اب علامہ صاحب نے سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکالا۔"محمد علی سید صاحب۔۔پہلے سگریٹ پئیں۔اتنا اچھا موسم ہے باہر شاید. پھوار گر رہی ہے اور آپ نے مجھے اس دقیق موضوع میں پھنسا دیا۔

کوئی شعر سنائیں۔۔پھڑکتا ہوا۔۔"

ان کے پیکٹ سے ہم نے بھی ایک سگریٹ کھینچی سگریٹ کا لمبا کش لگایا۔

اور موسم وکیفیت کی مناسبت سے بھائی حسن اکبر کمال کی غزل کا مطلع پڑھا۔

کیا ہوتا ہے خزاں بہار
کے آنے جانے سے
سب موسم ہیں
دل کھلنے اور
دل مرجھانے سے۔"

"عمدہ شعر ہے۔۔کس کا ہے؟"

ہمارے سکھر خیر پور کے دوست حسن اکبر کمال کی غزل ہے۔"

پھر ہم نے یہ پوری غزل علامہ طالب جوہری صاحب کو سنائی۔

"واہ پوری غزل ایک کیفیت میں لکھی گئی ہے۔۔انھیں پکڑ کر لائیں کسی دن۔"

"لیکن پہلے ان ۱۰ پاروں کا مسئلہ حل کیجیے اس سے پہلے کہ انھیں بکری کے بجائے کوئی بلیغ کھا جائے۔۔"

باہر بارش تیز ہو گئی تھی اور بطخیں خوب نہا دھو کر لائبریری کے سامنے برآمدے میں قبلہ مصطفی جوہر صاحب کے کمرے کے آگے جمع ہو گئی تھیں۔

علامہ صاحب نے چائے بنانے والے لڑکے کو آواز دی جو باہر بارش دیکھنے میں محو تھا۔۔۔"اندر سے دودھ والی چائے لے کر آؤ۔۔"

پھر وہ ہم سے مخاطب ہوئے:

"یہ دس پارے دراصل قرآن مجید ہی کے مختلف سوروں کی آیات کی کٹنگ پیسٹنگ سے تیار کیے گئے ہیں۔۔۔یہ تمام آیات قرآن مجید میں موجود ہیں ان بدمعاشوں نے ادھر کی آیات ادھر، ادھر کی آیات ادھر کر کے ایک پارہ بنایا اور پھر اسی چالاکی سے باقی پارے تیار کیے۔۔اور۔۔۔یہ دیکھیے۔۔۔کمبختوں نے انہی آیات کے درمیان علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ حسینؑ کے نام فٹ کر دیے۔ تاکہ دنیا کو باور کرا سکیں کہ شیعوں کا قرآن الگ ہے اور وہ قرآن یہ ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ پھر قرآن کے باقی تیس پاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا؟"

"آپ شکل سے تو ایسے نہیں لگتے کہ ایسا سوال کر سکیں۔"

علامہ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہم نے عرض کیا۔"صحبت غار سے قطع نظر صحبت یار کا اثر تو بہر حال ہوتا ہی ہے۔۔۔"

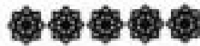
شاگردوں کی قدر

علامہ صاحب کے ایک شاگرد اور میرے عزیز دوست مولانا اسد علی شاکری کا بیان ہے کہ میرا علامہ طالب جوہری اعلی اللہ مقامہ کے ساتھ بطور شاگرد چودہ پندرہ سال کا ساتھ تھا۔ میں ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ مجھ سے نجف الاشرف کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ علامہ صاحب نے مجھ سے فون اٹھانے کو کہا۔ دوسری طرف کوئی معروف حکومتی شخصیت تھی جس کا نام لینا مناسب نہیں۔ علامہ صاحب نے کہا ان سے کہہ دو ابھی ہم درس میں مصروف ہیں۔ میں نے ایسا ہی کہہ کر فون بند کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد میرے پاس ایک طالب علم کا فون آیا۔ میں نے علامہ صاحب سے ذکر کیا اور انہوں نے فورا کہا، بلوا لیجئے انہیں۔

یہ کہنے کے بعد علامہ صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میاں ہمارے یہ پروٹوکول وغیرہ دوسروں کے لیے ہیں طالب علموں کیلئے نہیں۔ یقین جانئے یہ طرز عمل اس فرمان

معصوم علیہ السلام کی تشریح تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ متکبر کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا جاتا ہے۔ میں نے بارہا تھا دیکھا کہ علامہ صاحب کا حکومتی نمائندوں اور ان لوگوں کے ساتھ، جنہیں "فرعون فی الارض" کہنا چاہیے، طرزِ عمل متکبرانہ ہوتا تھا لیکن طالب علموں کے ساتھ بالکل اُلٹ۔ مجھے ان کا ایک جملہ ہو بہو اب تک یاد ہے کہ:

"میں نجف الاشرف کی طالب علمی کو یہاں کی بادشاہی پر ترجیح دیتا ہوں۔"



باب۔ ۹

علامہ طالب جوہری کا کتب خانہ

علامہ طالب جوہری کا کتب خانہ پاکستان کے بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔
یہ آبائی بھی ہے اور اس میں علامہ صاحب نے اضافہ بھی کیا۔

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر نے اس کتب خانے کو جمع و محفوظ کرنے میں خون جگر صرف کیا۔
ان کے جد اعلیٰ شمشاد حسین کی جمع کردہ کتابوں سے لے کر ان کے والد حکیم محمد مسلم تک کی
کتابوں کو انہوں نے محفوظ کیا اور پھر اپنی جانب سے نادر کتابوں کا اضافہ کیا۔

مولانا سعید اختر رضوی کا بیان ہے کہ:

''حسین گنج سیوان کے رئیس اعظم بابو یوسف محمد صاحب مرحوم (متوفی ۱۴ / جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ روز پنجشنبہ) عربی ، فارسی اور اردو کے ماہر تھے۔ تقویٰ، طہارت، نماز شب، نوافل اور روزانہ اعمال عاشورا کے سختی سے پابند تھے۔ کتب بینی کا شوق تھا۔ لکھنؤ، بمبئی، دہلی حتیٰ کہ ایران و عراق سے کتابیں منگواتے رہتے تھے اور تقریباً ہر کتاب پر ان کی تحریر موجود تھی۔ رفتہ رفتہ ایک زبردست کتب خانہ اکٹھا ہو گیا جس میں ہزاروں ماخذ اور مدارک موجود تھے۔ بہار میں صرف انھیں کے پاس بحار الانوار کی پچیس جلدیں موجود تھیں۔ ان کے ورثا نے وہ کتابیں استاذ معظم [مولانا جوہر] کو استفادہ کے لیے دیں اور اب وہ کتابیں مولانا مرحوم کے کراچی کے کتب خانہ کی زینت ہیں''۔

(خورشید خاور، ص ۴۰۱)

مولانا جوہر کتابوں کے اس قدر دلدادہ تھے کہ اکثر تعطیلات کے دنوں میں ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کا سفر کرتے تھے۔ ان کے ایک دوست تھے مولوی سید رضی الدین جو جونپور کے ایک گاؤں میں رہتے تھے جس کا نام ''کجگاؤں'' تھا۔

ان کا آبائی بے نظیر کتب خانہ ۱۶ طویل الماریوں پر مشتمل تھا جو چھت تک تھیں۔ ان

کے دادا مولوی گلشن علی نے سفر زیارت کے دوران بہت سی اہم کتابیں خریدی تھیں جو اس میں محفوظ تھیں۔

سید محمد حسین نوگانوی لکھتے ہیں:

''۱۲۶۰ھ میں پہلا سفر زیارات عتبات عالیات عراق و حج بیت اللہ الحرام و زیارات چہاردہ معصومین علیہم السلام سے مشرف ہو کر ۱۲۶۷ھ میں مراجعت فرمائی جس کی تاریخ (بخیریت آمد) ہے اس سفر میں حاکم حدیدہ نے طب اور شریف مدینہ نے ایک سال تک ادبیات آپ سے حاصل کیے اور علمائے اعلام پر ایران و عراق سے برابر مکالمات و مناظرات علوم دینیہ میں رہے اور سب نے علمی کمالات کو آپ کے مان لیا اور صدہا کتب دینیہ اس سفر میں خریدیں۔''

(تذکرۂ بے بہا، ص ۳۰۴)

سید محمد جعفر لکھتے ہیں:

''یہ کتب خانہ اس قدر بیش بہا تھا کہ اگر مصر اور یورپ میں فروخت کیا جاتا تو لاکھوں پونڈ قیمت آسکتی تھی۔'' (نسب نامہ، ساداتِ جونپور)

مولوی رضی الدین کے بھتیجے سید حمید حسین لکھنؤ میں مولانا جوہر کے شاگرد رہ چکے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ:

''اس کتب خانے میں ایسی عمدہ اور نایاب قلمی کتابوں کا ذخیرہ تھا کہ حضرت مولانا مصطفیٰ جوہر مرحوم لکھنؤ سے تعطیلات کے ایام میں ہمارے یہاں آکر ٹھہرتے تھے اور بہت تفصیل سے کتابیں دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہاں وہ کتابیں ہیں جو میں نے ہندوستان میں کہیں نہیں دیکھیں۔ علامہ مجلسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا صحیفۂ کاملہ، رازی کے قلم سے تفسیر کی چند جلدیں، علمائے شیعہ کی متعدد تصانیف ان کی اپنی تحریر میں ہمارے یہاں موجود تھیں، لیکن اب کیا کیا جائے، میرے بسلسلۂ ملازمت کھلنا (ڈھاکہ) میں قیام کے سبب سب ضائع ہو گیا۔''

(جواہر، شمارہ ۲، ۳، مدیر سید ارتضیٰ عباس نقوی، ص ۱۰۰)

مولانا تقی ہادی لکھتے ہیں:

''جب سرکار مولانا اعلیٰ اللہ مقامہ مرحوم ناظم آباد کی قدیم رہائش گاہ سے نارتھ ناظم آباد (عقب سیفی کالج) میں واقع نئے مکان میں منتقل ہوئے تو نتیجتاً سرکار مرحوم کا کتب خانہ بھی منتقل کیا گیا۔ اس وقت تمام کتب کی از سرِ نو ترتیب کے فریضہ کی تکمیل حضرت علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے ساتھ، جناب پروفیسر سردار نقوی صاحب اور اس ناچیز نے کی۔ دورانِ ترتیب جس جس کتاب کو ضرورتاً کھولا گیا تو یہ دیکھ کر ہم لوگ حیران رہ گئے کہ ان کے اوراق پر کہیں نہ کہیں سرکار مولانا اعلیٰ اللہ مقامہ مرحوم کے تحریر کردہ حواشی موجود تھے۔ یہ صورت اس امر پر دلالت کر رہی تھی کہ ہر کتاب آپ کے مطالعے سے گزر چکی ہے۔ سرسری نہیں بلکہ بنظرِ عمیق۔ آپ کے کتب خانے میں دس ہزار سے زیادہ کتب موجود تھیں جن میں تقریباً دو ہزار نادر قلمی نسخہ جات بھی تھے۔ آپ کے فرزندِ اکبر حضرت علامہ طالب جوہری قبلہ مدظلہ العالی نے اس ارثی عمل کو جاری رکھتے ہوئے کُتب خانے میں ایک معتدبہ اضافہ کیا ہے اور آج یہ ملک کے بہتری نجی کتب خانوں میں سے ایک ہے۔''

(جواہر، ص ۱۴)

رضا علی عابدی نے اپنی کتاب ''کتب خانہ'' (۱۹۸۵ء) میں علامہ صاحب کے کتب خانے کا ذکر کیا ہے۔ علامہ صاحب نے مختلف وقتوں میں مختلف جلد سازوں کو بٹھا کر قدیم اور نادر خستہ کتابوں کو مجلد کرایا۔

اس کی فہرست سید نظیر حسین مرحوم نے بنائی تھی جو تقریباً دس ہزار کتابوں کی تھی باقی نا تمام رہ گئی۔ انشاء اللہ اس کتب خانے کے مخطوطات پر تحقیقی کام بھی ہوگا اور غیر مطبوعہ نسخوں کی اشاعت بھی عمل میں لائی جائے گی۔

یہاں اجمالاً اس کتب خانے کی چند اہم اور نادر الوجود کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ میر باقر داماد کی ''شرعۃ التسمیۃ'' کا بخطِ مصنف نسخہ۔ جو دنیا کے نادر نسخوں میں سے ایک ہے۔ اس کے دو ورق اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔

۲۔ اصول کافی کا قلمی نسخہ، جو علامہ مجلسی کے شاگرد کے کتب خانے کا ہے۔ انہوں نے

علامہ مجلسی سے اسی نسخے کی مدد سے اصول کافی پڑھی تھی۔ درمیان میں علامہ مجلسی کی تحریر میں اجازہ بھی موجود ہے۔

۳۔ عجبۃ المناہج، مناقب کی نادر کتاب، جس کے دنیا میں صرف تین نسخے ہیں۔

۴۔ علی بن ابراہیم قمی کی نامور تفسیر، تفسیرِ قمی، کا نادر نسخہ جس پر لکھا ہے کہ یہ دنیا کا صحیح ترین نسخہ ہے۔ یادرہے دنیا بھر کے کتب خانے میں اس تفسیر کے قلمی نسخے بھی چند ہیں۔

۵۔ مولوی دلدار علی غفراں مآب کا قلمی مقتل ''اشارۃ الاحزان'' بہت اچھی حالت میں موجود ہے۔

۶۔ میر باقر داماد کی کتاب ''افق مبین'' ہے جو اب شائع ہو چکی ہے لیکن اس زمانے میں غیر مطبوعہ تھی اس کا قلمی نسخہ حیدر آباد (سندھ) سے حاصل کر کے محفوظ کیا۔

۷۔ مرزا فصیح کی مشہور کتاب ''نخلِ ماتم'' کا قلمی نسخہ جس کے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ کتاب میر ضمیرؔ کے کتب خانے کی ہے۔

۸۔ ''مجموعۂ خطوط مرزا جعفر علی فصیح''۔ مرزا فصیح جب مکہ میں قیام پذیر تھے تو کھجوہ ضلع سارن (بہار) کی ایک علمی شخصیت مولوی غلام امام سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ مولوی غلام امام دیوان ناصر علی کے احباب خاص میں سے تھے۔ یہ دونوں ہندوستان کے مومنین کا حج بدل اور دیگر کارِ خیر مرزا فصیح کے ذریعے ادا کرواتے تھے۔ ۱۲۱۶ھ میں جب مدینے اور مکہ کے مقاماتِ مقدسہ کو مسمار کیا گیا اور جب بعد میں حالات سازگار ہو گئے تو جنت المعلیٰ (مکہ) میں قبرِ حضرت عبد منافؑ و حضرت عبدالمطلبؑ و حضرت ابو طالبؑ کی از سرِ نو تعمیر مرزا فصیح کے ذریعے انجام پائی تھی اور اس تعمیر کے لیے کل رقم ہندوستان سے بھجوائی گئی تھی۔ اس سلسلے کے علاوہ دیگر حوالوں سے جو خط و کتابت ہوتی تھی اس کی نقل مولوی غلام امام اپنے پاس رکھتے تھے۔ مرزا فصیح کی وفات کے بعد مولوی غلام امام نے ان خطوط کو ترتیب دلوا کر ایک کتاب میں نقل کروالیا۔ یہ مرزا فصیح کے خطوط کا واحد نسخہ ہے اور اس کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کی ایک نقل ہمارے پاس بھی محفوظ ہے۔ ہم نے ان خطوط پر تحقیقی کام بھی کیا ہے۔

۹۔ میر علی اوسط رشک کا مشہور لغت "نفس اللغتہ" کا واحد نسخہ جس پر میر انیسؔ اور میر عارفؔ کے قلم سے اضافے ہیں۔ اس لغت کے تذکرے رثائی ادب کی کتابوں میں آ چکے ہیں۔ اس کی صرف ابتدائی حصہ نولکشور پریس (لکھنؤ) سے چھپا تھا باقی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں بھی ہے۔

۱۰۔ مشہد مقدس (ایران) کے ایک بزرگ "عبدالرزاق" نے ایک فارسی مقتل لکھا تھا جس کا نام ہے "مصائب معصومین" یہ مقتل مختلف ناموں سے متعدد بار مشہد اور تہران سے چھپ چکا ہے۔ اس کے مصنف نے ۱۲۵۷ھ میں اس کتاب کے دس نسخے اپنی نگرانی میں نقل کروا کے اپنی مہر کے ساتھ اپنے دس شاگردوں میں تقسیم کئے تھے۔ جن مخصوص شاگردوں میں یہ کتاب تقسیم ہوئی ان میں سیّد العلماء سیّد حسین ابن غفران مآب بھی تھے۔ وہ یہ کتاب لکھنؤ لے آئے۔ سیّد العلماء سے مرزا دبیرؔ کے دیرینہ مراسم تھے انھوں نے یہ کتاب مرزا دبیر کو تحفتاً پیش کی تاکہ اس کی مدد سے وہ مرثیوں میں روایات نظم کریں۔ یہ کتاب مرزا دبیرؔ کے کتب خانے میں رہی پھر انھوں نے یہ کتاب اپنے عزیز شاگرد فقیر حسین عظیم کو تحفتاً دے دی۔ وہ حسین گنج (بہار) کے رہنے والے تھے۔ ان کے ذریعے یہ کتاب حسین گنج پہنچ گئی۔ انھوں نے کتاب کے سرِ ورق پر اپنے قلم سے لکھا کہ یہ کتاب مجھے میرے استادِ معظم مرزا سلامت علی دبیرؔ نے ہدیہ کی ہے اور آخر میں اپنے فارسی قطعات درج کئے جو ان کا غیر مطبوعہ کلام ہے۔ پھر ایک طویل سفر طے کرتی ہوئی یہ کتاب اب علامہ طالب جوہری کے کتب خانے میں موجود ہے اور تفصیلاً میری نظر سے گزر چکی ہے۔

مشہد مقدس میں آیت اللہ بختیاری کے یہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ ان کے پاس قلمی کتابیں اتنی تھیں کہ ایک پورا کمرہ اسی پر مشتمل تھا۔ علامہ صاحب نے اپنے کتب خانے میں موجود "مصائب معصومین" کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کے دس نسخے مصنف نے اپنی نگرانی میں نقل کرائے تھے ان میں سے ایک نسخہ مصنف کی مہر اور دستخط کے ساتھ میرے کتب خانے میں ہے۔ اس پر آیت اللہ بختیاری نے اپنے کتب خانے سے اس کا قلمی نسخہ منگوایا اور علامہ صاحب کو دکھا کر کہا کہ یہ نسخہ بخطِ مصنف ہے۔ مولانا امجد رضا جوہری کا زمانہ

طالب علمی تھا انھوں نے کہا کہ "اگر آپ یہ نسخہ لے لیں تو آغا آپ کو منع نہیں کریں گے۔" لیکن علامہ صاحب نے بہتر یہی سمجھا کہ کتاب آیت اللہ بختیاری کے پاس ہی رہے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علامہ صاحب کا مقصد فقط قلمی نسخوں کی جمع آوری نہ تھا بلکہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ اگر کتاب اس کے مالک کے پاس محفوظ ہے تو اسے وہیں رہنا چاہیے۔

۱۱۔ وزیر علی عبرتی عظیم آبادی کی گیارہ غیر مطبوعہ کتابیں بخطِ مصنف اس کتب خانے میں ہیں جن میں شعراء کا غیر مطبوعہ تذکرہ بھی شامل ہے۔ معاصر (پٹنہ) میں مولانا جوہر مرحوم نے عبرتی پر کئی قسطوں میں مضمون لکھا تھا جس میں ان نسخوں کا ذکر بھی موجود ہے۔

۱۲۔ یہاں مرثیوں کا ذخیرہ زیادہ تو نہیں ہے لیکن پھر بھی میر انیس، مرزا دبیر، میر مونس، میر انس، میر نفیس، میر وحید، میر عارف، فارغ سیتاپوری اور میر ضمیر کے قلمی مرثیے میری نظر سے گزرے ہیں۔

۱۳۔ فردوس کالونی (کراچی) میں سید محمد مرتضیٰ کھجوئی رہتے تھے جنھوں نے سینکڑوں مرثیے اپنے ہاتھ سے لکھ کر محفوظ کیے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے اہلِ خانہ نے وہ ذخیرہ علامہ صاحب کو دے دیا جس کی انھوں نے قیمت بھی ادا کی اور حسبِ شاعر الگ الگ جلدیں بنوا کر اس ذخیرے کو محفوظ کیا۔

۱۴۔ بابو صاحب فائق کے چودہ مرثیے بخطِ مصنف خریدے اور مجلد کروا کے زینتِ کتب خانہ کیے۔ فائق لکھنوی کے مرثیوں کی نقل میں نے کرائی تھی جس سے ۲۰۱۲ء میں "مراثی فائق" مرتب کر کے شائع کی۔

۱۵۔ دیوانِ میرزا انس" (میر عشق و تعشق کے والد) کا نادر قلمی نسخہ۔ دنیا بھر میں اس کے صرف تین نسخوں کی اطلاع ہے۔ ایک مجرب لکھنوی کے پاس لکھنؤ میں ہے، دوسرا مشفق خواجہ کے پاس تھا اور تیسرا اب علامہ صاحب کے ذخیرے میں ہے۔ علامہ صاحب نے مجھے اس دیوان کی ایک نقل فراہم کردی تھی۔ میں نے اسے ترتیب دے دیا ہے۔

۱۶۔ میر عارف کے شاگرد غضنفر حسین عروج بھرتپوری کی "عروج المجالس" کی تین

جلدیں۔ جن میں عمدہ عمدہ مجالس شامل ہیں۔

۱۷۔ مجھے کسی جگہ سے ساحل بلگرامی مرحوم کی "تاریخ اسلام" (قلمی) ملی۔ میں نے علامہ صاحب کو دکھائی تو انھوں نے بتایا کہ ساحل بلگرامی مولانا جوہر صاحب مرحوم کی خدمت میں مستقل آنے والوں میں تھے۔ انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں تاریخ اسلام لکھنا چاہتا ہوں تو مولانا جوہر نے اس کی تالیف وتصنیف کے لیے ان کی بھرپور اعانت فرمائی تھی اور اس کے بیشتر خاکے مولانا جوہر ہی کے بنائے ہوئے تھے۔ اس تفصیل کے بیان کرنے کے بعد خواہش ظاہر کی کہ میں وہ کتاب انھیں دے دوں۔ میں نے اگلے ہی دن اس کی ایک نقل اپنے لیے تیار کرائی اور اصل کتاب کی جلد بندی کروا کے وہ نسخہ علامہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا اور آج بھی ان ہی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۱۸۔ مولانا شاکر حسین امروہوی کی محیط التواریخ، کی بیس جلدیں تھیں، ان سے متعلق علامہ صاحب کا مضمون جون ۲۰۱۴ء کے قومی زبان کے شمارے میں شائع ہوا تھا اور اس کتاب میں بھی شامل ہے۔

۱۹۔ ٹھٹھہ کے قریب ایک گاؤں سے نسخہ قرآن اور ایک کتاب جس پر غالب کی مہر تھی۔

علامہ صاحب ملک بھر کے جن مختلف شہروں میں خطابات فرماتے تھے وہاں ان کے قدردان ان کے ذوق کو دیکھتے ہوئے نادر کتابیں تلاش کر کر کے انھیں دیا کرتے تھے۔ یہ خصوصیت بھی ہر خطیب کے حصے میں نہیں آئی۔

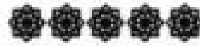
بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ علمی شخصیات نے اپنے ذاتی کتب خانے سے قلمی کتابیں دینے کی پیش کش کی لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس انکار میں بھی دراصل ان کتابوں کی حفاظت کا سامان تھا وہ بہتر یہی سمجھتے تھے کہ یہ کتابیں یہاں سے باہر نہ جائیں۔

۱۹۹۷ء میں سفرِ بنارس میں جامعۂ جوادیہ کے کتب خانے میں شیخ علی حزیں کی قلمی کتابیں رکھی تھیں جنھیں دیکھنے کے لیے خصوصی طور پر وہاں گئے۔ آپ کے بچپن کے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی مولانا شمیم الحسن صاحب اس وقت مدرسے کے پرنسپل تھے اور اب بھی ہیں، انھوں نے کہا کہ شیخ علی حزیں کی کتابیں اگر آپ چاہیں تو لے جائیں لیکن کیوں

کہ ان کتابوں کی فہرستیں شائع ہو چکی تھیں اس لیے ان قلمی کتابوں چھوڑ دیا گیا تا کہ اگر کوئی محقق تلاش کرتا ہوا آئے گا تو اسے یہ کتاب مل جائے۔

صفحات ختم ہو جائیں گے لیکن باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ علامہ صاحب کی کتب خانے سے محبت اور کتاب سے عشق ایک مستقل عنوان ہے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ یہ کتب خانہ میری نسل میں چلے گا۔ یہاں تک کہ ظہورِ حضرت حجت کے بعد ان ہی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔



باب۔۱۰

تصانیف کا تعارف

علامہ صاحب نے لکھنے کا آغاز بچپن ہی سے کر دیا تھا۔ ان کا پہلا مضمون لاہور کے کسی شمارے میں چھپا تھا جس کے مدیر عاطر ہاشمی ہوا کرتے تھے۔ اس وقت علامہ صاحب ۱۲ برس کے تھے۔ یہ مضمون ایک غلط فہمی کے ازالے کے لیے مولانا مصطفیٰ جوہر کے حکم پر لکھا گیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ علامہ اقبالؔ نے ایک دوست کے جواں سال فرزند کی موت پر ایک تعزیتی خط لکھا تھا جس کے آخر میں میر انیسؔ کے وہ چند بند تحریر کیے تھے جو حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے حال میں تھے لیکن انیسؔ کا نام نہیں لکھا تھا۔ مرتبِ کلامِ اقبالؔ کو یہ تمیز نہ ہو سکی کہ یہ بند اقبالؔ کے ہیں یا نہیں اس لیے وہ بند کلیاتِ اقبالؔ میں شامل ہو گئے۔ علامہ صاحب نے اس کی وضاحت کے لیے مضمون لکھا تھا۔ اس کے بعد سے اُن کی جو تحریریں ملتی ہیں ان کا اشاریہ درج ذیل ہے۔

نثری خدمات

۱۹۶۱ء	اہلبیت تمام امت سے اعلم ہیں	مقالہ	ارشاد جنوری کراچی
۱۹۶۷ء	قُربِ قیامت کی نشانیاں نمودار ہو رہی ہیں	مقالہ	رضاکار، جولائی لاہور
۱۹۷۰ء	بطلِ رشید	مولانا محمد عباس قمر زیدی	تقریظ
۱۹۷۵ء	باب مدینۃ العلم	مقالہ	انجمنِ عباسیہ قدیم کورنگی، کراچی
۱۹۷۶ء	دعوتِ حق	مقالہ	ادارۂ دین و دانش، کراچی
۱۹۷۷ء	انجم	علامہ نجم آفندی	تعزیت
۱۹۷۹ء	مراثیٔ فیض	فیض بھرتپوری	تقریظ
۱۹۸۰ء	کرشمۂ قدرت	ہمایوں مرزا لکھنوی	تقریظ
۱۹۸۰ء	سربکف	صبا اکبرآبادی	تقریظ

۱۹۸۲ء	تشکیل پاکستان میں شیعیان علی کا کردار	محمد وصی خان	تقریظ
۱۹۸۲ء	اصلی اہلسنت کون؟	مولانا حسین فخر الدین	تقریظ
۱۹۸۲ء	سرنینوا	اُمید فاضلی	تقریظ
۱۹۸۵ء	خونناب	صبا اکبرآبادی	تقریظ
۱۹۸۵ء	ترجمہ حدیث کساء		
۱۹۸۶ء	جلتے خیمے	ثاقب مظفر پوری	تقریظ
۱۹۸۷ء	والعصر	شاہد نقوی	تقریظ
۱۹۸۸ء	لہو لہو کہکشاں	شاہد نقوی	تقریظ
۱۹۹۲ء	کرب جاوداں	شاہد نقوی	تقریظ
۱۹۹۲ء	کعبے سے کربلا تک	ساحر فیض آبادی	تقریظ
۱۹۹۲ء	صراط وسبیل	شاہد نقوی	تقریظ
۱۹۹۳ء	نقطۂ اعتدال	مشکور حسین یاد	تقریظ
۱۹۹۳ء	رب العالمین دعا اور انسان	محمد علی سید	تقریظ
۱۹۹۴ء	اسلام اور فلکیات	ترجمہ مولوی ہارون زنگی پوری	تقریظ
۱۹۹۵ء	چشم وچراغِ کربلا	پروفیسر مرزا حیدر عباس	تقریظ
۱۹۹۴ء	لوائے حمد	مولانا حسن امداد	تقریظ
۱۹۹۵ء	ارمغانِ جمیل	علامہ جمیل مظہری	تقریظ
۱۹۹۵ء	گریۂ فرات	پروفیسر سردار نقوی	تقریظ
۱۹۹۵ء	سجودِ خامہ	اسیر فیض آبادی	تقریظ
۱۹۹۶ء	ردائے صبر	تصویر فاطمہ	تقریظ
۱۹۹۸ء	لبِ کوثر	کوثر نقوی	تقریظ
۱۹۹۹ء	نمازِ سخن	قسیم امروہوی	تقریظ
۲۰۰۱ء	لوحِ مودّت	سرفراز ابد	تقریظ
۲۰۰۱ء	مجموعہ مجالس	مولانا محمد جعفر زیدی شہید	تقریظ

۲۰۰۱ء	لہو کی موجیں	محمد علی سید	تقریظ
۲۰۰۳ء	پُرسہ	پروفیسر سردار نقوی	تقریظ
۲۰۰۴ء	موت	راغب مرادآبادی	تقریظ
۲۰۰۵ء	اسلوبِ تعزیت	شاداں دہلوی	تقریظ
۲۰۰۵ء	میرا اثاثہ	آباد محمد نقوی	تقریظ
۲۰۰۵ء	تفسیر صافی	ترجمہ مولانا تلمیذ حسنین رضوی	تقریظ
۲۰۰۵ء	قرآن شناسی	علامہ سید محمد حسین جلالی	تقریظ
۲۰۰۷ء	معراجِ سخن	سخن فتحپوری	تقریظ
۲۰۰۸ء	مہرِ ذاکری	مولانا حسن رضا رضوی	تعزیت
۲۰۱۱ء	توحید مفضل	محمد علی سید	تقریظ
۲۰۱۳ء	الحمد	ڈاکٹر ہلال نقوی	رثائیاتِ علامہ طالب جوہری
۲۰۱۴ء	درد کی قندیل	فراست رضوی	تقریظ
۲۰۱۴ء	محیط التواریخ	مقالہ	جون، قومی زبان، کراچی
۲۰۱۸ء	قصہ نصف صدی کا	اشرف عباس	تقریظ

علامہ صاحب کی رثائی تحریریں "رثائیاتِ علامہ طالب جوہری" کے نام سے فرحان رضا نے مرتب کر کے شائع کی ہیں۔

تصنیفات

۱۹۷۰ء کی دہائی میں اپنے استاد آیت اللہ قانی کے رسالۂ عملیہ کا ترجمہ کیا۔

۱۹۸۴ء	طبع اول	اسلامی معیشت (رہنما اصول)	ادارہ مدینۃ العلوم، کراچی
۱۹۸۷ء	طبع اول	علاماتِ ظہورِ مہدیؑ	نثار آرٹ پریس، لاہور
۲۰۱۸ء	اضافی ایڈیشن	علاماتِ ظہورِ مہدیؑ	مولانا مصطفیٰ جوہر اکیڈمی
۲۰۰۲ء	طبع اول	ہدایت (مرثیہ)	نثار آرٹ پریس، لاہور
۲۰۰۳ء	طبع اول	خلفاء اثنا عشر	شان بک کارپوریشن، لاہور

۲۰۱۸ء	طبع دوم	خلفاء اثنا عشر	مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی
۲۰۰۴ء	طبع اول	عقلیاتِ معاصر	ماورا، لاہور
۲۰۰۷ء	طبع دوم	عقلیاتِ معاصر	مکتبہ دانیال، کراچی
۲۰۱۸ء	طبع سوم	عقلیاتِ معاصر	مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی
۲۰۰۷ء	طبع اول	حدیثِ کربلا	مولانا مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی
۲۰۱۱ء	طبع چہارم	حدیثِ کربلا	مولانا مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی
۲۰۱۸ء	طبع پنجم	حدیثِ کربلا	مولانا مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی
۱۹۹۶ء	طبع اول	احسن الحدیث (جلد اول)	نثار آرٹ پریس، لاہور
۲۰۰۲ء	طبع اول	احسن الحدیث (جلد دوم)	نثار آرٹ پریس، لاہور

شعری مجموعے

۱۹۹۶ء	طبع اوّل	حرفِ نمو	باہتمام، ذوالفقار علی شیخ
۲۰۰۲ء	طبع اوّل	پسِ آفاق	ماورا، لاہور
۲۰۱۲ء	طبع دوم	پسِ آفاق	کلاسیک، لاہور
۲۰۱۱ء	طبع اول	شاخِ صدا	کلاسیک، لاہور

غیر مطبوعہ تصانیف

۱۔ نظموں اور غزلیات کا مرتب شدہ دیوان

۲۔ اسلامی عقلیات

۳۔ کلامِ غالبؔ پر بسیط تنقیدی مقالہ

۴۔ قرآنی کے چند مختصر سوروں کی تفسیر

مجموعۂ مجالس

۱۹۹۸ء	انسان معاصر اور قرآن	عباس بک ایجنسی، لکھنؤ
۱۹۹۹ء	تہذیبِ نفس اور تہذیبِ حاضر	محفوظ بک ایجنسی، کراچی

۲۰۰۰ء	عالمی معاشرہ اور قرآنِ حکیم	محفوظ بک ایجنسی، کراچی
۲۰۰۲ء	انسانیت کا اُلوہی منشور	محفوظ بک ایجنسی، کراچی
۲۰۰۲ء	حیات و کائنات کا اُلوہی تصور	محفوظ بک ایجنسی، کراچی
۲۰۰۳ء	نظامِ حیاتِ انسانی	محفوظ بک ایجنسی، کراچی
۲۰۰۳ء	اساسِ آدمیت اور قرآن	امامیہ پبلی کیشنز، لاہور
۲۰۰۴ء	میراثِ عقل اور وحی الٰہی	امامیہ پبلی کیشنز، لاہور
۲۰۰۴ء	دین و شریعت کی عقلی تعبیر	محفوظ بک ایجنسی، کراچی
۲۰۰۴ء	ذکرِ معصوم	امامیہ پبلی کیشنز، لاہور
۲۰۰۷ء	منصبِ ہدایت اور قرآن	محفوظ بک ایجنسی، کراچی
۲۰۱۰ء	مجالسِ جوہری	ثاقب پبلی کیشنز، لاہور

اس کے علاوہ، علم و عقیدہ، میزانِ ہدایت اور قرآن اور نگاہِ خطیب شائع ہو چکی ہیں۔ نگاہِ خطیب (مجموعہ مجالس)، لاہور کے ایک ادارے سے شائع ہوئی تھی جس نے علامہ صاحب کی مجالس کو غلط طریقے سے شائع کیا۔ یہ غیر معتبر کتاب ہے۔

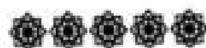
علامہ صاحب پر کتابیں

۲۰۱۴ء میں علامہ صاحب کی شاعری پر اکابرین کے لکھے گئے مضامین ''شعریات علامہ طالب جوہری'' کے نام سے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اکیڈمی، کراچی نے شائع کیے۔

شمیم روش نے ''علامہ طالب جوہری کے شعری افق'' کے نام سے ان کی نمائندہ نظموں پر کتاب لکھی اور اچھی لکھی۔

عظمیٰ سرفراز نے ۲۰۱۰ء میں یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور سے ''طالب جوہری کی کتاب ''حرفِ نمو'' کا تنقیدی جائزہ'' کے موضوع پر ایم اے کا مقالہ لکھا۔

۲۰۱۵ء میں خلیل حسین نے ''علامہ طالب جوہری (فن اور شخصیت)'' کے موضوع پر ڈاکٹر شاداب احسانی کی نگرانی میں ایم اے کا مقالہ لکھا۔



باب۔۱۱

علامہ طالب جوہری کی نادر تحریریں

اہلبیت تمام اُمّت سے اعلم ہیں

(ارشاد، کراچی، یکم جنوری، ۱۹۶۱ء)

(حسبِ ذیل افادات محقق اعظم علامہ عابد حسین الموسوی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی عظیم کتاب ''عبقات الانوار مجلد حدیثِ ثقلین'' مطبوعہ اصفہان سے ماخوذ ہیں)

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ میں حدیثِ ثقلین کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(اہلبیت جن کا تذکرہ اس حدیثِ شریف میں ہے وہی کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم ہیں۔ اس لیے کہ وہی ایسے ہیں جو قرآن سے تا حوضِ کوثر جدا نہ ہوں گے اس کی تائید گزشتہ حدیث سے بھی ہوتی ہے یعنی ''تم ان کو کچھ جتلانے کی کوشش نہ کرنا اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں۔'' اس طرح وہ تمام علماء سے صاحبِ امتیاز قرار پاتے ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان کو انتہائی پاکیزگی عطا کی اور ان کو نمایاں کرامات عطا کیں اور بکثرتِ امتیازات وخصوصیات مرحمت فرمائیں جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے۔)

کمال الدین جہری: نے بھی ''براہین قاطعہ'' میں بعینہٖ یہی تحریر فرمایا ہے اور مولانا ولی اللہ لکھنوی نے ''مرآت المومنین'' میں اور علامہ عجیلی نے ''ذخیرۃ المآل'' میں بھی بالکل اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عبقات)

علامہ نورالدین علی بن عبداللہ سمہودی: نے حدیث ثقلین کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے کہ ''یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن عظیم اور عترت طاہرہ معدن علوم الدنیہ اور اسرار وحکمِ نفیسہ شرعیہ اور کنوز دقائق استخراج حقائق اُس کے ہیں اسی لیے رسول نے ان دونوں کے لیے ''ثقلین'' ارشاد فرمایا اور اسی لیے اہلبیت کی اقتداء اُن کے تمسک اور اُن سے علم حاصل کرنے کی

پرزور ہدایت فرمائی امام احمد بن حنبل نے اپنی ایک حدیث میں آپ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اُس خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم اہلبیت میں حکمت قرار دی" (یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیرالمومنینؑ کے ایک فیصلہ کو سُن کے فرمایا تھا جو ایک پیچیدہ مقدمہ میں آپ نے دیا تھا)

اور علامہ ابن حجر "صواعق محرقہ" میں کتاب وعترت کے ثقلین ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ثقل ہر وہ نفیس چیز ہے جو قیمتی اور وزنی ہو اور محفوظ ہو اور یہ دونوں (یعنی قرآن اور عترت رسول) ایسے ہی ہیں اس لیے کہ ان میں کا ہر ایک معدن علوم الدنیہ و اسرار وحکم علیہ واحکام شرعیہ ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے اقتداء وتمسک اور اُن سے حصول علم کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہم اہلبیت میں حکمت قرار دی۔"

اور مولانا ولی اللہ صاحب لکھنوی نے بھی "مرآت المومنین" میں اس حقیقت کا اظہار فرماتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ بعض علما کا خیال ہے کہ ان دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثقلین کے لفظ سے یاد کر کے ان دونوں کے حقوق کی گرانی اور بھاری پن کو ظاہر فرمایا ہے۔

ملا علی قاری نے "شرح شفائے قاضی عیاض" میں تسمیۂ ثقلین کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یا تو ان کو ثقلین اس لیے فرمایا کہ ان دونوں سے کراہت رکھنے والوں کے نفس پر جو گرانی ہے اُس کو ظاہر فرمانا مقصود تھا یا ان کے حقوق کی کثرت اور اس دلوں پر شاق ہونا ظاہر فرمانا تھا یا اُن کی عظمت کی فصاحت مطلوب تھی یا وہ مطلوب تھا کہ جس طرح جن وانس کو ثقلین اس لیے کہا جاتا ہے کہ اُن سے دنیا کی آبادی ہے تو ان دونوں سے دین کی آبادی ظاہر کرنا تھی۔"

صاحب عبقات فرماتے ہیں کہ حدیث ثقلین میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلبیت کو قرآن مجید کا "قرین" قرار دیا ہے جو اہلبیت کی اعلمیت کی دلیل ہے اس لیے کہ قرآن مجید علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ کا معدن ہے اس لیے قرآن کا قرین بھی وہی ہوگا

جو اعلمِ خلق ہو اس لیے کہ اگر کوئی دوسرا اعلم ہو تو اُس کی موجودگی میں غیر اعلم کو قرینِ قرآن قرار دینا ظلم صریح ہے جس سے انبیاء علیہم السلام بلاشبہ بری اور پاک ہیں اور کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اعلمیت الازمۂ خلافت ہے اور اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو حکم دیا ہے کہ وہ اہلبیتؑ سے علم حاصل کرے جس سے اہلبیت کی اعلمیت لازمی قرار پاتی ہے اس لیے کہ اگر معاذ اللہ اصحابِ پیغمبر میں کوئی اہلبیت سے زیادہ علم والا تھا تو چاہیے یہ تھا کہ وہی شخص اس حدیث میں ماخذ علم قرار دیا جاتا۔ اس لیے کہ اعلم کی موجودگی میں لوگوں کو غیر اعلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینا ترجیح مرجوح اور ظلم قبیح اور اغراء بالجہل اور خسف علی الذل ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحبِ عقل و ہوش نہیں کر سکتا چہ جائے کہ حضرت خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام؟ (اسی دلیل سے فقہ جعفری میں تقلید اعلم واجب قرار دی گئی ہے۔)

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں آیۂ تطہیر، حدیث ثقلین اور دیگر احادیث تمسک اہلبیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر یہ کہا جائے کہ ان احادیث سے اہلبیت کا ہر عالم اور غیر عالم سے افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ اہلبیت صفات علم وتقویٰ سے بھی متصف ہیں اور ان کو شرف نسب بھی حاصل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آنحضرت نے ان کو قرآن کا قرین قرار دیا ہے کہ ان دونوں سے تمسک گمراہی سے نجات کا ذریعہ ہے اور ظاہر ہے کہ تمسک بالقرآن کے کوئی معنی نہیں سوائے اس کے کہ اُس میں جو علم و ہدایت ہے اُسے حاصل کیا جائے۔ یہی بات عترت کی ہے۔ آنحضرت کی حدیث ہے کہ جو عمل میں پیچھے رہ جائے گا اُس کو اُس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔"

احمد محمد معین: بن محمد امین سندی کتاب "دراسات اللبیب" میں بضمن حدیث ثقلین فرماتے ہیں کہ "اہلبیت سے تمسک پر جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کے حصول میں اُن سے تمسک کیا جائے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو کتاب اللہ کا قرین قرار دیا گیا ہے اور خبر دی گئی ہے کہ قرآن کی طرح گمراہی اُن سے بھی دور ہے۔

احمد بن عبد القادر العجیلی نے ''ذخیرۃ المال'' میں حدیث ثقلین وغیرہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ''اس سے مقصد اُن کی رسی سے اور اُن کی محبت سے وابستہ ہونا ان کے علم کو حاصل کرنا اُن کے علماء کی ہدایت پر عمل کرنا اُن کے محاسنِ اخلاق اور خصلتوں کا اتباع ہے پس جو ایسا کرے گا وہ مخالفت کے اندھیروں سے نجات پائے گا اور نعمت کا شکر ادا کرے گا اور جو اُن کا دامن چھوڑ دے گا وہ کفر کے سمندروں اور طغیان کی موجوں میں غرق ہو جائے گا اور مستحق جہنم ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ ان کی عداوت موجب دخول جہنم ہے اور ہر عمل ان کی محبت کے بغیر نا مقبول ہے اور ہر مسلمان سے اُن کی محبت کے بارے میں پرسش ہوگی۔'' جس سے اہلبیت کو سراسر نقصان پہنچے گا۔ اہلبیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی یا بے حرمتی بدبختی ہوگی۔



قُربِ قیامت کی نشانیاں نمودار ہو رہی ہیں

یہ علامتیں سینکڑوں سال پرانی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں

(رضاکار، لاہور، ۲۴ رجولائی ۱۹۶۷ء اور شیعہ، لاہور، ۲۴ رجولائی اور یکم اگست ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔)

اسلامی اخبار و احادیث کی کتابیں حضرت مہدی آخرالزماںؑ کے ذکر سے بھری ہوئی ہیں۔ اسلام کے تمام فرقے حضرت مہدیؑ اور قیامت کے قریب ان کے ظہور کو تسلیم کرتے ہیں کچھ ایسے بھی فرقے ہیں جن کے دعویٰ کے مطابق حضرت مہدی کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ اپنا مشن پورا کر کے واپس جا چکے ہیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت جن میں اسلام کے دو بڑے فرقے شامل ہیں اس بات کے دعویدار ہیں کہ حضرت مہدیؑ ابھی ظاہر نہیں ہوئے اور وہ آخری زمانے میں ظاہر ہو کر دنیا کو اسلام اور عدل سے پُر کر دیں گے۔

اہلِ اسلام کی اکثریت اور بیشتر اسلامی فرقوں کا ظہورِ مہدیؑ کے نظریے پر متفق ہونا ٹھوس اور ناقابلِ تردید احادیث نبویؐ، اماموں اور بزرگانِ دین کے اقوال اور اکابر علمائے اسلام کی آراء کا نتیجہ ہے۔ ان صحابۂ کرامؓ میں جنھوں نے ظہور حضرت مہدیؑ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایات بیان کی ہیں۔ حضرت علیؑ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت حرث بن ربیعؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حضرت اُم سلمہؓ اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراؑ شامل ہیں۔

علامہ نقشبندی نے اپنی کتاب میں ینابیع المودۃ (مطبوعہ استنبول ۱۳۰۱ھ) وہ آیات و احادیث نقل کی ہیں جو ظہور مہدی کے بارے میں ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں صرف چند احادیث پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

ظہور حضرت مہدیؑ کے بارے میں احادیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر قیامت آنے میں ایک دن بھی باقی رہ

جائے گا تو خدا میرے اہلبیت میں سے ایک ایسے آدمی کو بھیجے گا جو دنیا کو عدل و داد سے پُر کر دے گا۔" (صحاح ستہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مہدیؑ میری عترت و اہلبیت یعنی اولاد فاطمہؑ سے ہوگا۔" (کنز العمال جلد ۶ ص ۲۱۸) ابوداؤد اور مسلم نے یہ حدیث اُم المومنین اُم سلمٰی سے بیان کی ہے۔

"مہدیؑ، حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے۔" (نجم الثاقب جلد ۲ ص ۱۹۲)

ابن عساکر نے جابر ابن عبداللہ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔"فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیت میں سے میرا ہم نام اس پر حکومت نہ کرے۔"

(احمد ابوداؤد، ترمذی، اقتراب الساعۃ صفحہ ۶۱)

امام مہدیؑ کے بارے میں احمد ابن حنبل نے اپنی مسند میں احمد ابن ثوبان سے روایت کی ہے۔

اکابر علمائے اسلام کے ارشادات

ظہور حضرت مہدیؑ کے بارے میں تواتر سے احادیث وارد ہونے کے علاوہ اکابر علمائے اسلام نے بھی حضرت مہدیؑ اور ظہور مہدیؑ کے بارے میں مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

"یہ جان لو کہ حضرت مہدیؑ کا ظہور ضروری ہے لیکن وہ اس وقت تک ظہور نہیں کریں گے جب تک دنیا ظلم و جور سے نہ بھر جائے تب وہ آ کر دنیا کو عدل و داد سے پُر کردیں گے اور اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہا تو خدا اس دن کو اتنا طویل کردے گا کہ وہ خلافت پوری کر جائیں۔ حضرت مہدی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت سے ہوں گے۔ حضرت فاطمہؑ کی اولاد سے ہوں گے ان کے دادا حضرت حسین ابنِ علی ابن ابی طالبؑ ہیں اور ان کے والد حسن عسکریؑ ابن امام علی نقیؑ، ابن امام محمد تقیؑ ابنِ امام علی رضاؑ ابن موسیٰ کاظمؑ، ابن امام جعفر صادقؑ ابنِ امام محمد باقرؑ، امام زین العابدینؑ، ابن امام حسینؑ، ابن امام علیؑ، ابن ابی طالبؑ ہیں وہ رسول اللہؐ کے ہم نام ہوں گے اور مسلمانوں کے رکن اور مقام (خانہ

کعبہ) میں بیعت لیں گے، وہ شکل اور کردار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہہ ہوں گے اور وہ روم کو فتح کریں گے۔

(فتوحات مکیہ شیخ الاکبر محی الدین ابن موسٰی)

دین دنیا میں اجنبی ہو جائے گا اور اس کی ابتدا گیارہویں صدی سے تیس سال گزر جانے کے بعد سے شروع ہوگی اس وقت حضرت مہدیؑ کے خروج کی توقع ہے وہ امام حسن عسکری کی اولاد سے ہیں۔ ان کی ولادت نصف شعبان ۲۵۵ھ میں ہوئی وہ زندہ ہیں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے ملاقات کریں گے۔ ان کی عمر اس وقت یعنی جب یہ کتاب لکھی گئی گویا ۹۵۸ھ میں سات سو تین سال ہے۔"

(یواقیت" جلد ۲ مبحث ۶۵)

امام عبداللہ ابن احمد ابن علی الشعرانی:

اسلام میں جب سے بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا ہے امام مہدی کے بارے میں مسلسل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں امام کے حالات کے علاوہ ان کے ظہور کی علامتیں بھی دی گئی ہیں جو بے شمار ہیں۔

علما نے ان علامتوں کو دو اقسام میں بانٹا ہے یعنی (۱) حتمی: وہ علامات جن کا ظاہر ہونا لازمی ہے اور (۲) غیر حتمی: جن کا ظاہر ہونا حالات پر موقوف ہے۔

یہ علامات اخلاقی، سماجی، اقتصادی، موسمی اور سیاسی، سب ہی قسم کی ہیں۔

امام جعفر صادق ؑ نے منصور سے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ لہو ولعب کے لیے جگہیں بنائی گئی ہیں اور لوگ ادھر آتے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو روکنے کی جرات نہیں رکھتے اور جب تم یہ دیکھو کہ صاحبانِ اقتدار کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کر رہے ہیں اور جب تم یہ دیکھو کہ شراب سے علاج کیا جاتا ہے اور شراب کی تعریف مریض سے کی جاتی ہے اور اس سے شفا چاہی جاتی ہے تو اس وقت جان لو کہ رحمتِ خدا محسنین (اچھے عمل کرنے والوں) سے قریب ہے۔ (یعنی ظہورِ مہدیؑ قریب ہے)۔

(محمد بن یعقوب کلینی" روضۃ الکافی)

اس روایت میں جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔

''عورتیں منبر پر جائیں گی اور تقریریں کریں گی۔''

(خطبہ حضرت علیؑ، کنز العمال جلد ۷ ص ۲۶۲)

مہدیؑ کے ظہور سے پہلے کچھ علامات ظاہر ہوں گی جن میں یہ بھی ہے۔ (عورتیں حکومت کریں گی، عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ کسبِ معاش میں شریک ہوں گی اور عورتیں سواری کریں گی۔'' (حدیثِ رسولؐ)

(''دمعہ'' بحوالہ تفسیر علی ابنِ ابراہیمؒ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا عورتیں مردوں کی طرح انجمن سازی کریں گی۔''

(''الزام الناصب'' صفحہ ۱۸۳ بحوالہ روضۃ الکافی)

عورتوں کے سر کے بال اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے۔''

(''بحار الانوار'' جلد ۹ علامہ مجلسی)

''عورتیں کپڑے پہنے ہوں گی، اس کے باوجود عریاں ہوں گی اور زینت کر کے باہر نکلا کریں گی۔''

(''بحار الانوار'' جلد ۹ علامہ مجلسی، خصائص الکبریٰ علامہ جلال الدین سیوطی)

ایک محدث نے یہ حدیث نقل کرتے ہوئے فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ عورتیں لباس پہن کر عریاں معلوم ہوں اور اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ عورتیں زینت کر کے باہر کس طرح نکل سکتی ہیں ان بزرگ کے دور میں عورتیں پردے کی پابند اور زینت خانہ تھیں ان استعجاب برحق تھا لیکن اگر وہ بزرگ موجودہ دور میں ہوتے تو ان دونوں علامتوں کی صداقت پر ایمان لے آتے۔

اب تک تو عام سماجی کیفیات سے متعلق علامتوں کا تذکرہ تھا۔ اب چند ایسی علامتیں ملاحظہ فرمایئے کہ جن کو پڑھ کر سر چکرا جاتا ہے۔

بجلیاں

علاماتِ ظہور مہدیؑ میں علامہ زمخشری نے ایک عجیب و غریب علامت اپنی کتاب ''ربیع

الابرار'' قلمی نسخہ مکتبہ شوستریہ نجف میں موجود ہے۔

روایت یوں ہے۔

''افسوس ہے مغرب کے لمبے بالوں والے نوجوانوں پر جو اپنا مشغلہ ناچ اور گانا بتائیں گے، اور جن سے متاثر ہونے والے مغرب سے مشرق تک کے پست افراد ہوں گے۔''

یہ علامت محتاج تشریح نہیں وہ ہپیلو ہوں یا راکرز، نوجوان مغنیوں کے وحشی اور بے ہنگام غول نئی نسل کے محبوب بن چکے ہیں اور ان کے نغموں کی گونج لندن سے ٹوکیو تک اور ہانگ کانگ سے کیلی فورنیا تک ہر ایوانِ عشرت میں سنی جاسکتی ہے۔

چائے اور کافی

شیخ علی یزدی نے کتاب ''عمرۃ'' کے حوالے سے اپنی تصنیف ''الزام الناصب'' میں صفحہ ۱۸۰ پر علاماتِ ظہور مہدیؑ میں ایک طویل روایت نقل کی ہے اس کا ایک دلچسپ حصّہ ملاحظہ فرمایئے۔

''قاری فاسق ہوں گے، بے وقوف آدمی تفریح کے لیے استعمال ہوں گے، مسجدیں خوبصورت ہوں گی جن کے منارے بلند ہوں گے، بڑی بڑی عمارتیں تعمیر ہوں گی اور قہوہ کی مختلف اقسام کا استعمال بڑھ جائے گا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۸ پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسالم سے روایت ہے کہ آخر زمانے میں بواسیر، جذام اور حادثاتی اموات کا زور ہوگا۔''

''بحارالانوار'' میں علامہ مجلسی نے روایت کی ہے لوگ سواریوں سے ٹکرا کر مرجایا کریں گے۔''

اسی کتاب میں ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ ''معلی ابن قیس حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آخر زمانے میں لوگ سرمست (تیزی) سے مریں گے اور حالت یہ ہوگی کہ رات کو صحیح سالم سونے والا صبح کو مردہ ہوگا اور صبح کو صحیح سالم اٹھنے والا رات کو اپنی قبر میں ہوگا۔''

''بحارالانوار'' جلد ۳۰ میں یہ روایت درج ہے لوگ رویت ہلال پر اختلاف کریں گے یہاں تک کہ رمضان کی پہلی کو روزہ نہ رکھیں گے اور عید کے دن روزے سے ہوں گے۔''

"الزام الناصب" صفحہ ۱۸۲ پر درج ہے "مکہ اور مدینہ میں آلات غنا ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی منع کرنے والا نہ ہوگا۔"

واضح رہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں سینما وغیرہ پر اب تک پابندی ہے لیکن ریڈیو وغیرہ پر پابندی نہیں مرحوم سلطان ابن سعود کے آغاز حکومت تک حجاز کی سرزمین میں ٹیلی فون تک نہ تھا اور وہاں گانے بجانے کے آلات کا تصور تک محال تھا۔

"بحار الانوار" میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے لوگ غنا (گانے بجانے کے آلات) کو اپنی جیب میں رکھ کر گھوما کریں گے۔" (بحار الانوار" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے "لوگ گرمی اور سردی میں اونی لباس پہنا کریں گے اور گلے میں رنگین رومال باندھا کریں گے۔"

حج

کتاب "دمعہ" میں تفسیر علی ابن ابراہیم سے عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"میری اُمت کے دولت مند تفریح کے لیے متوسط طبقے کے لوگ تجارت کے لیے اور غریب طبقے کے لوگ مانگ کر کھانے اور اپنی حیثیت بنانے کے لیے حج کیا کریں گے۔"

اسی روایت میں بے موسم کی بارشوں اور دُمدار ستاروں کے نمودار ہونے کا بھی ذکر ہے۔

کمپیوٹرز اور روبوٹس

"ایسے آلات (مشینیں) ظاہر ہوں گے جو انسانوں کا کام کریں گے۔"

(ربیع الابرار، علامہ زمخشری)

اخلاقی، سماجی اور عام معاملوں سے متعلق علامات اپنی جگہ ہیں، جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے اس سے ہم واقف ہیں لیکن سیاسی نوعیت کی علامات بہت سنسنی خیز ہیں بعض علامتوں میں ملکوں اور حکومتوں کے نام اور ان کے سربراہوں تک کا ذکر ہے۔ یہ علامتیں جن کتابوں میں مذکور ہیں وہ سات، آٹھ سو سال اور بعض اس سے بھی

زیادہ پرانی ہیں اور علم دین کا ذوق رکھنے والے بزرگوں کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔

جنگ فلسطین

حالیہ جنگ فلسطین اور مشرق وسطیٰ کی صورت حال سے متعلق تواتر سے علامتیں بیان ہوئی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں چند اہم علامات ملاحظہ فرمایئے۔

''وائے ہو فلسطین پر اور ان فتنوں پر جو اس میں برپا ہوں گے اور برداشت سے باہر ہوں گے۔'' (خطبہ بیانیہ حضرت علیؑ، حافظ رجب برسی مشارق الانوار)

''جب حضرت مہدیؑ ظہور کریں گے تو بیت المقدس کے اطراف و جوانب میں دجال سے جنگ کریں گے۔'' (خطبہ بیانیہ حضرت علیؑ)

آخر زمانے میں قومیں ایک دوسرے سے لڑ جائیں گی اور عقبہ خون سے رنگین ہو جائے گی۔'' (''ربیع الابرار'' علامہ زمخشری)

شام میں جو فتنہ ہوگا وہ بچوں کے کھیل کی طرح ناپائیدار ہوگا ہمیشہ ایک طرف سے ختم ہوگا تو دوسری طرف سے ابھر آئے گا اور اس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ آسمان سے کسی کے امیر ہونے کی ندا آئے۔'' (''الملاحم والفتن'' صفحہ ۳۶)

''جب زرد جھنڈے مغرب سے شام کی طرف آئیں تو اس وقت شام کی آبادیوں میں سے ایک آبادی فرشا یا فرشنہ کی تباہی کا انتظار کرو۔ (''الملاحم والفتن'' صفحہ ۲۹۲)

جب دمشق کی طرف سے فتح کی آواز آئے تو اس وقت شام کی آبادیوں میں سے ایک آبادی ''حابیہ'' کی تباہی کا انتظار کرو۔''

(غیبت طوسی'' صفحہ ۲۸۳)

حالیہ جنگ میں جب شامی فوجیں پیش قدمی کرتی ہوئی اسرائیلی علاقوں میں دس میل تک اندر جانے کے بعد پسپا ہوئیں تو شام کے دو سرحدی گاؤں اسرائیلی فوجوں کی بمباری اور گولہ باری سے نیست و نابود ہو گئے اس سلسلے میں ایک اور روایت ملاحظہ فرمایئے۔

شام کے بعض سرحدی علاقے جنگ و جدل کی وجہ سے تباہ ہوں گے۔'' (''مناقب شہر آشوب'')

عیسائیوں اور یہودیوں کے گٹھ جوڑ

''ساحل فلسطین پر حضرت مہدیؑ کے ظہور کے بعد وہ مکہ سوق غزوہ اور عسقلان کے درمیان دجال سے جنگ کریں گے اور دجال کے ساتھ یہود و نصاریٰ ہوں گے۔''

(خطبہ بیانیہ حضرت علیؑ)

عمان کے لوگوں پر افسوس! ان پر ذلت و مسکنت آجائے گی، عربوں کی طرف سے اس علاقے میں بہت سے واقعات ہوں گے، اہلِ عمان چاروں طرف سے گھر جائیں گے ان کے بہت سے مرد قتل ہوں گے اور بہت سی عورتیں اسیر ہوں گی۔''

(خطبہ بیانیہ حضرت علیؑ)

ہندوستان، تبت اور چین

''ہند، تبت کی وجہ سے تباہ ہوگا اور تبت کی تباہی کا سبب چین ہوگا۔''

(مناقب شہر آشوب)

علامہ ابن شہر آشوب کا انتقال ۵۸۸ھ میں ہوا ہے تبت کے بارے میں چین اور ہندوستان کا موجودہ تنازعہ قابلِ غور ہے۔

دلائی لامانے جو ہندوستان میں مقیم تھا متوازی حکومت تک قائم کر لی ہے، تبت پر ہندوستان اور چین کے تنازعے نے ہی ان سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ شروع کیا جو ۶۲ء میں دونوں ملکوں کی لڑائی پر ختم ہوئیں یہ جھگڑا ابھی تک باقی ہے۔ ہندوستان نے چین کے خطرے کی آڑ میں مغربی ملکوں سے اندھا دھند فوجی امداد لی ہے۔ ''مصر میں امیر الامراء کا قیام ہوگا۔''

(''غیبت نعمانی'')

اس علامت میں ''امیر الامراء'' کا قیام قابلِ غور ہے یقیناً یہ عرب ملکوں کے اتحاد کے سربراہ کی طرف اشارہ ہے۔

''عربوں سے حکومت چھن جائے گی دوسرے لوگ ان پر غالب آجائیں گے، اہل

مصر اپنے امیر کو قتل کریں گے۔"

(کشف الغمہ، اربلی، متوفی ۶۹۳ ہجری)

عبدالکریم قاسم کا قتل

"اے اہلِ عراق ماہ رمضان المبارک کی نصف تاریخ کو اپنے گھروں کے دروازے بند کرلو اس دن عراق کا سرکش انسان عبدالکریم قتل کیا جائے گا۔" (ربیع الابرار زمخشری)

یہ حیرت انگیز علامت حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مرحوم عبدالسلام عارف کے انقلاب لانے پر ۱۴ ررمضان المبارک کی شب عبدالکریم قاسم کا قتل ہوا۔ عراق میں اس واقعہ کی یاد میں اب تک "یومِ نجات" منایا جاتا ہے اس علامت میں عبدالکریم کو سرکش غالباً اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اسلام عرب قومیت کے برعکس اشتراکیت کا حامی تھا۔

یمن کی خانہ جنگی

"حکومت کے بارے میں فوجوں اور اہلِ یمن کے درمیان اختلاف ہوگا۔"

(خطبہ بیانیہ، حضرت علیؑ)

امام بدر کے خلاف صدر کرنل السلال کی بغاوت اور اس کے بعد مسلسل خانہ جنگی کی علامت کی صداقت کی گواہ ہیں۔

عدن کی بغاوت

"عدن کی گہرائیوں سے جو آگ نکلے گی اپنے اردگرد چاروں طرف پھیل جائے گی۔"

(غیبت طوسی صفحہ ۲۸۱، الملاحم والفتن صفحہ ۹)

عدن کے حریت پسند آزادی حاصل کرنے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں حال ہی میں قوم پرستوں نے قریہ طر کے علاقے پر قبضہ بھی کرلیا تھا اور تیل کے دو ذخیروں کو تباہ کر دیا تھا۔ سلسلہ یقیناً جاری رہے گا۔ عدن کی بغاوت عرب کی ان دوسری ریاستوں تک پھیلے گی جو برطانیہ کے زیرِ تسلط ہیں اس علامت میں "عدن گہرائیوں" کے الفاظ قابلِ غور ہیں ان میں تہہ سے نکلنے والے تیل کی تباہی اور اندرونی علاقے قریہ طر دونوں کی طرف اشارہ ثابت ہے۔

آزاد افریقہ

ڈنیا میں حبشیوں کی حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔"

(علامات قیامت، شاہ رفیع الدین دہلوی)

اب سے ایک صدی پہلے تک حبشیوں، آزاد حکومتوں کا تصور محال تھا۔ حبشی اور غلام اصطلاحیں لازم وملزوم بن گئی تھیں۔ سرزمین پر حبش کے علاوہ کوئی پرانی آزاد سلطنت لائبیریا یا جو آزاد افریقی ملکوں میں سب سے زیادہ پرانا ہے فرانسیسی اقتدار کا محکوم تھا نائیجیریا مسلمان امراء عرصۂ دراز سے انگریزوں کے زیرِ تسلط سے آ چکے تھے شاہ رفیع الدین دہلوی۔ "علامات قیامت" میں ظہورِ مہدیؑ و مسیحؑ و خروج دجال اور قیامت کے بارے میں جتنی روایات ہیں وہ سب حضرت علیؑ سے روایت کی گئی اور پھر دجال کہے گا کہ اب میں زمین کے بعد آسمان بھی فتح کروں گا۔

اور اس مقصد کے لیے وہ اُڑنے والے تخت پر بیٹھ کر فضا میں بلند ہوگا اور وہاں سے آسمان کی جانب کچھ تیر پھینکے گا خدا اپنی قدرت کاملہ سے ان میں سے کچھ تیروں کو خون آلود کر کے واپس کر دے گا۔ دجال وہ تیر لے کر لوگوں کی طرف آئے گا اور کہے گا دیکھو میں نے تمہارے خدا کو ہلاک کر دیا ہے۔"

(علاماتِ قیامت" شاہ رفیع الدین دہلوی)

اس روایت سے قیاس ہوتا ہے کہ دجال کو جس کی تعریف شاہ رفیع الدین نے یوں کی ہے کہ اس کے ماتھے پر بخطِ جلی ک ف لکھا ہوگا یعنی کھلا کفر کوئی شخص نہیں بلکہ نظریہ مادیت ہے جس میں مذاہب اور عالم روحانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی مادیت سائنسی ترقی کے ذریعے انسان کو خلائی پروازوں کے قابل بنا چکی ہے۔ اب تک روس اور امریکہ کے کتنے راکٹ اور خلائی جہاز اپنی منزلوں تک پہنچ چکے ہیں اور کتنے تباہ ہو چکے ہیں۔ اس کی صحیح تعداد تو متعلقہ ملک ہی جانتیں۔ مگر ان کے کامیاب تجربوں کی خبر ساری دنیا کو ہے اس علامت میں تخت پر فضا میں بلند ہونے کے بعد آسمان کی طرف تیر چلانے کا اشارہ یقیناً کئی مرحلوں والے راکٹ کی طرف ہوگا اس سلسلے میں مسٹر خروشیف کی وہ تقریر یاد آتی ہے جو

انھوں نے روس کی دوسری کامیاب خلائی پرواز کے بعد کی تھی اور جس میں انھوں نے کہا تھا کہ میری خلانورد (کرنل نکولایف) نے بہت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن خدا کہیں نظر نہیں آیا۔

بہر حال دجال کے بارے میں تواتر سے روایتیں آئی ہیں اور ان سے یہی ظاہر ہے کہ وہ کوئی انسان ہوگا اس کی ایک آنکھ ہوگی اور مہدیؑ و مسیحؑ جب ۔۔۔۔۔ یہ کھلی ہوئی علامت جدید آتشیں ہتھیاروں ۔۔۔ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ظہور مہدیؑ کی آخری دو نشانیاں

مسلمان حالات زمانہ سے اس قدر پریشان ہوجائیں گے کہ ان کی آنکھوں میں اس سے جنگ کریں گے تو اس کے پاس ستر لاکھ یہود و نصاریٰ کا لشکر ہوگا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ موشے دایان ہی دجال ہے۔ واللہ اعلم بہر حال اگر خط کوفی میں دجال اور دایان لکھا جائے تو عام حالات میں پہچان مشکل ہوگی کہ کس کا نام لکھا ہے۔

نیپام بم

"پنجرہ (قفس) آگ (سعیر) پر محیط (غالب) ہوگا۔"

(مناقب شہر آشوب، بحار الانوار)

آنسو ہوں گے اور وہ گڑگڑا کر مہدیؑ کے ظہور کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے لیکن زیادہ تر لوگ مہدیؑ کو بھلا چکے ہوں گے۔" (الملاحم والفتن۔ ابن طاؤس، متوفی ۶۴ھ)

۲۔ "جب شام میں زرد اور گول چہرے والے چپٹی ناکوں والے، چھوٹے قد اور چھوٹی آنکھوں والے پہنچ جائیں تو اس وقت عرب سرزمین پر زبردست جنگ ہوگی۔ عظیم بلائیں نازل ہوں گی۔ پھر مہدیؑ کا ظہور ہوگا۔"

(الملاحم والفتن، کتاب غیبت الزام الناصب بحار الانوار)

اس آخری علامت کی تشریح ضروری نہیں، پہنچانیے یہ زرد چہرے والے چپٹی ناکوں اور دھنسی ہوئی آنکھوں والے پستہ قد لوگ کون ہیں اور کیا ان کے شام پہنچنے کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔

بطلِ رشید۔ زید شہیدؑ۔ ۱۹۷۰ء

مولانا قمر زیدی کی ایک تازہ تصنیف میرے سامنے ہے جو اسلام کے مایۂ ناز فرزند حضرت زید بن علی ابن الحسین کی سوانح عمری ہے۔ زیدی صاحب نے اس کتاب کو تحریر کر کے نہ صرف یہ کہ حضرت زید کے اس حق کو ادا کیا ہے جو زیدی ہونے کے رشتے سے ان پر لازم تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حضرت زید کی سیرت کے اُن اختلافی پہلوؤں پر تبصرہ کر کے ایک دینی خدمت بھی انجام دی ہے جو آلِ محمدؐ کے حریفوں کی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔ زید شہید تاریخ آلِ محمدؐ کے وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے واقعہ کربلا کے بعد اعلائے کلمۂ حق اور تردید حکومتِ جور میں اپنے سر کی بازی لگا دی۔ وہ دور جس میں بادشاہوں کے چشم ابرو کے اشاروں اور ان کی تلواروں کی باڑھ کو تاریخ کا نام دیا گیا تھا۔ اس دور میں زید کا یہ اقدام تاریخ اسلام پر عظیم احسان ہے۔ زید نے مورخ اور جانب دار مورخ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ حاکم وقت کی تلوار کو تاریخ سمجھتا ہے تو پھر اُسے اُس گردن کو بھی تاریخ سمجھنا پڑے گا جو اس تلوار کی زد میں آئی تھی۔

زید کے اس اقدام پر اعتراض کرنے والوں نے اگر واقعہ کربلا کا مطالعہ کیا ہوتا تو اُن کے کسی عمل پر اعتراض کی جرأت نہ ہوتی اس لیے کہ زید کو خروج پر آمادہ کرنے والے عوامل و محرکات وہی تھے جنہوں نے کربلا برپا کروائی تھی نہ صرف یہ بلکہ ہجرت و اہل کوفہ کی استعانت اور شہادت کا پورا تسلسل کربلا سے اتنی ہی مماثلت رکھتا ہے کہ اسے ہم جہاد کربلا کا ایک ضمیمہ سمجھنے پر مجبور ہیں۔

زید کی تحریک دراصل کربلا کا ہی تسلسل ہے۔ اگر فقہ اسلام مظلوم کے وارث کو انتقام کا جائز حق دینے کے لیے تیار ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حسینؑ کی نسل کے ایک جری کو حسینؑ کے قاتلوں سے انتقام لینے پر موردِ اعتراض قرار دیا جائے۔

اگر غائر نظروں سے ان کی تحریک کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بہ آسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ سیاسی اعتبار سے حکومتِ اسلام جن مہلک اور ذلیل گمراہیوں میں مبتلا ہو چکی تھی اس کا

واحد حل یہی تھا کہ ایک خونین انقلاب برپا کیا جائے۔ زید نے اپنے آپ کو شرافت آلِ محمدؑ اور صداقتِ دینِ محمدؐ پر قربان کر دیا اور ظلم اور جور کے خلاف انقلاب کی ہمیشہ کے لیے بنیاد استوار کر دی۔

معترضین کے اعتراضات کی فہرست تو بہت طویل ہے جس کا مکمل و شافعی جواب جناب زیدی صاحب نے اپنی کتاب میں فراہم کیا ہے لیکن دو اعتراضات جنھیں بہت اہمیت حاصل ہے اُن پر میں خود بھی ایک تبصرے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ زید نے امامت کا دعویٰ کیا جب کہ وہ کسی بھی صورت میں اس منصب کے اہل نہ تھے تو اس سلسلے میں اتنی بات کافی ہے کہ زید شہید کے سلسلے میں جتنے بھی آثار مل سکیں اور جتنی کتابیں بھی فراہم کی جا سکیں ان سب پر ایک نظر ڈال لی جائے ان کے کسی قول سے خواہ وہ بر سرِ عام ہو یا نجی نشستوں میں، کوئی ایسا دعویٰ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے برخلاف امام جعفر صادقؑ کا ایک قول یہ ملتا ہے کہ جب آپ کو زید کی شہادت کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ خدا میرے چچا زید پر رحمت نازل کرے اگر وہ کامیاب ہوتے تو اپنے وعدے کو وفا کرتے۔ یہ قول خود اس بات کی دلیل ہے کہ زید کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ جائز روحانی اقتدار رکھنے والے آلِ محمدؑ تک ان کے جائز حق (یعنی مادی اقتدار) کو منتقل کر دیا جائے۔ یہ نظریہ ممکن ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؑ کی نظروں میں درست نہ ہو لیکن جنھیں اہل بیت سے اپنی نجات کی امیدیں وابستہ ہیں ان کے لیے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

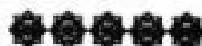
دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر زید شہید کا یہ اقدام برمحل اور درست تھا تو خود ائمہ وقت نے ایسا قدام کیوں نہ کیا اور حاکمِ وقت کے خلاف جنگ آزما کیوں نہ ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل وہ حضرات بھی جنگ آزما تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ محاذ بدلے ہوئے تھے۔ ایک طرف حکومت جور کی سخت گیریاں اور دین کو مٹانے کی مادّی کوششیں تھیں اور دوسری طرف وہ درآمد شدہ علوم وفنون تھے جو مسلمان ذہنوں کو مسخ کر رہے تھے ایسی صورت میں آلِ محمدؑ نے دو گروہوں میں بٹ کر فرائض کو تقسیم کر لیا۔ سلسلہ امامت نے

مخالف دین نظریات سے جنگ کی اور آلِ محمدؐ کے دوسرے گروہ نے مخالف دین افراد سے۔

مولانا قمر زیدی اپنی کوششوں میں اس حد تک کامیاب ہوئے ہیں کہ میری مطالعہ کی حد تک اُردو زبان میں یقیناً اس موضوع پر اتنی جامع کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ مولانا زیدی اس اعتبار سے قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنی دیگر اہم اور غیر اہم مصروفیات کے باوجود اپنے وقت کا ایک صحیح مصرف تلاش کرلیا۔

مجھے امید ہے کہ تاریخِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص اس کتاب سے استفادے کے ساتھ ساتھ اپنے لیے کچھ راہیں بھی متعین کرلیں گے۔

غالب جوہری
ناظم آباد کراچی



دعوتِ حق۔۔۱۹۷۶ء

حرفِ آغاز

ادارہ دین ودانش رجسٹرڈ کا بنیادی نصب العین علوم وتعلیماتِ محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کی نشرواشاعت ہے ادارہ نے عصرِ جدید کے تقاضوں کے عین مطابق اور ترقی پذیر معاشرہ سے ہم آہنگ صحت مند فکری لٹریچر پیش کرنے کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے اور اس پر بتدریج عمل کیا جارہا ہے۔ ہمارا طریقہ کار ہے کہ ہم اختلافی ونزاعی موضوعات اور اخوت و اتحاد اسلامی کے منافی مباحث میں ادارہ کو ملوث نہ کریں۔ لیکن حقائق سے پردہ پوشی کر کے، مسلم اتحاد کی آڑ لے کر اور خاص مصالح کے پیش نظر اگر کسی حلقہ سے پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیتؑ اطہار کو زیر بحث لایا جائے اور پھر بھی ہم سکوت اختیار کریں تو یہ غیرتِ قومی کے خلاف اور دینی جرم کے ارتکاب کے مترادف ہوگا اسی احساس کے تحت ہم علامہ ابوالنذیر صاحب سے چار ورقی کتابچہ موسومہ ''دعوتِ اتحاد'' کے جواب میں حضرت علامہ طالب جوہری مدظلہ کا وضاحتی مقالہ ''دعوتِ حق'' برادرانِ اسلام کی خدمت میں ہدیہ کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں تاکہ وہ اپنی مذہبی معلومات کی کمی یا پختگی کو روزمرہ کی مصروفیات کی زیادتی کی وجہ سے کسی غلط فہمی، فریب اور ناحق شناسی میں مبتلا نہ ہوسکیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ غیر متعصب، متوازن اور ترقی پذیر اذہان کی بصیرت کے لیے یہ مدلّل علمی تحریر کافی و شافی ثابت ہوگی۔

فاضل مقالہ نگار حضرت علامہ طالب جوہری مدظلہ کی ذاتِ ستودہ صفات محتاجِ تعارف نہیں ہے اور اس رسم مروجہ کی ادائیگی محض تضیع اوقات ہے۔ موصوف نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے جانے پہچانے مستند ومعروف عالم دین ہیں اور آپ کے تبحر علمی، فضل و کمال، قابلیت واستعداد، ذہن رسا، بلند خیالی، انداز تحقیق وتجسس، منفرد طریق فکر، جرأت اظہار، خیال آفرینی اور جدت طرازی سے صاحبانِ علم ونظر بخوبی واقف ہیں۔

ہم پیش نظر مقالہ پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے، اس کے محاسن گنوانے یا اس کی تعریف و توصیف کرنے سے عمداً احتراز کرتے ہیں تاکہ بلاوجہ آپ کے بیش قیمت لمحات ضائع نہ ہوں اور ہم آپ کی گوناگوں مصروفیات میں مخل نہ ہوں۔

''مشک آنست کہ خود گوید نہ کہ عطا بگوید'' کے مصداق ہماری اس مختصر پیشکش کو آپ بہ نفس نفیس ملاحظہ فرمائیں، خود استفادہ حاصل کریں اور دوسروں کو فیض یاب فرمائیں۔

ادارہ عنقریب ''خلافت، امامت، و نیابتِ الٰہی'' کے موضوع پر ایک تحقیقی و معیاری تصنیف مع اسناد و حوالہ جات پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جو بلاشبہ اسلامی ذخیرہ کتب میں ایک گراں قدر اور اہم اضافہ ہوگا۔

سیّد محمد حفیظ رضوی

ادارہ دین و دانش رجسٹرڈ

۱۱۔ غفور چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی ۳

۳۰ اپریل ۱۹۷۶

دعوتِ حق

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

''دعوتِ اتحاد'' کے نام سے ایک چار ورقی رسالہ نظروں سے گزرا جس میں برادران اہل سنت کی جانب سے اہل تشیع کو دعوت اتحاد دی گئی ہے اور ان سے چند سوالات کے جوابات طلب کئے گئے ہیں۔ اس تلخ اور کشیدہ فضا میں رسالے کے مصنف نے جس محبت اور خلوص کے ساتھ اتحاد کی کوشش فرمائی ہے وہ قابلِ قدر اور مستحسن ہے۔ خداوند عالم دونوں فرقوں کے متبعین کو اسی جذبۂ خیر سگالی اور اسی رواداری کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ اختلافات ختم ہو سکیں اور مسلمانوں کو امن اور آشتی کی فضا میں سانس لینے کا موقع میسر آ سکے۔ فاضل مصنف کے رسالے میں بہت سی باتیں قابلِ غور اور تشریح طلب تھیں لیکن ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے فقط بنیادی اور اہم سوالات کو نقل کرتے ہیں اور ان کے جوابات کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار کے اپنے الفاظ میں شیعوں کے عقائد پر اعتراضات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) شیعہ صاحبان الیکشن یعنی جمہوری انتخاب کو تو مانتے ہی نہیں کیونکہ اگر وہ ایسا مانیں تو پھر سنی اور شیعہ کا جھگڑا کچھ نہ رہے۔ اب رہی نامزدگی وہ دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ ایک بذریعہ کلامِ خدا یعنی قرآن شریف اور دوسری بذریعہ کلامِ رسولؐ یعنی حدیث شریف۔ پس اگر شیعہ صاحبان کا عقیدہ یہ ہو کہ امام خدا کا نامزد کردہ ہوتا ہے تب تو ان کو اپنے آئمہ عشر یعنی بارہ اماموں کی نامزدگی کلامِ خدا یعنی قرآن شریف میں دکھلانی پڑے گی۔

(۲) اور اگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کو رسول بھی اپنی طرف سے نامزد کر سکتا ہے اور رسولؐ نے ایسا کیا ہے تو پھر وہ آئمہ اثنا عشر کی نامزدگی کلامِ رسول یعنی کسی حدیث میں بھی دکھلا سکتے ہیں۔

(مثلاً موطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ میں جو تمام مسلمانوں میں متفقہ ہیں)

(۳) شیعوں کا دعویٰ ہے کہ ازروئے حدیث ثقلین وغیرہ اہل بیت رسول کی اتباع کرنا فرض ہے۔ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو سب سے پہلے یہ بتلایئے کہ عترت اور اہل بیتؑ رسول کتنے آدمی ہیں؟ اور کون کون ہیں؟ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ عترت اور اہلِ بیتؑ میں کون کون لوگ شامل ہیں تو ہم ان کی اتباع کیونکر کر سکتے ہیں۔ پس اتباع سے پہلے یہ جاننا فرض ہوگا کہ کتنے آدمی کے معنی لغت میں ناطے دار یا رشتہ دار کے ہیں۔ ان معنی کی رو سے جب ہم غور کرتے ہیں تو وفات کے وقت حضور اکرمؐ کے حسبِ ذیل گھر والے اور رشتہ دار موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب (اور یہ سب جانتے ہیں کہ چچا کا مرتبہ والد کے برابر ہوتا ہے) حضور کے چچا زاد بھائی عبداللہ ابن عباس، عقیل ابن ابی طالب، علی ابن ابی طالب، حضور کے پھوپھی زاد بھائی زبیر ابن العوام اور حضورؐ کے نواسے علی زینبی (حضورؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے بیٹے)، حسن بن فاطمہ، حسین بن فاطمہ، حضور کی نواسیاں امامہ بنت زینب، اُم کلثوم بنت فاطمہ، زینب بن فاطمہ، حضور کی صاحبزادیاں حضرت فاطمہ، حضور کی بیویاں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور باقی سات

یعنی کل نو بیویاں، ان کی علاوہ اور بھی بہت سے رشتہ دار موجود تھے، اختصار کے لیے یہ تھوڑے نام پیش کئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سب حضور کے خاندان (اہل بیت) کے لوگ ہیں۔ لہٰذا ان سب کا اتباع فرض ہونا چاہئے۔ مگر شیعہ صرف حضرت علی، حسن، حسین اور حضرت فاطمہ کو اہل بیت وعترت مانتے ہیں، کسی اور کو نہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وقتِ مباہلہ حضرت نے ان ہی چاروں کو پیش کیا تھا۔ اور آیہ تطہیر کے نافذ ہونے پر بھی ان ہی چاروں کو چادر یا کملی میں لے کر فرمایا تھا کہ یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ اس لیے یہی چاروں عترت واہلِ بیتؑ ہیں اور ان ہی چاروں کا اتباع فرض ہے۔

(۴) لیکن اس سے آگے پھر سوال پیدا ہوا ہے کہ جب رسول اللہ نے مباہلے کے وقت اور آیہ تطہیر کے وقت بتلا دیا کہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، یہ چاروں میرے اہل بیت اور عترت ہیں اور اس وجہ سے ان کا اتباع فرض ہے تو ان کے علاوہ اور جو (۹) اماموں کا اتباع فرض سمجھا جاتا ہے وہ کس قاعدہ سے ہے۔ جبکہ ان کو رسولؐ اللہ نے نہ تو اہلِ بیتؑ میں شامل فرمایا اور نہ عترت میں پھر ان کا اتباع کیسے اور کیونکر فرض ہوا؟

(۵) اگر کہا جائے کہ یہ تو امام چونکہ حضرت علیؑ اور فاطمہؑ کی اولاد ہیں اس لیے یہ بھی اہل بیت اور عترت میں شامل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اولاد تو بڑے بھائی حسن کی بھی ہے، ان میں سے تو شیعہ کسی کی بھی اتباع نہیں کرتے۔ پس یہ جو بعض کو اہل بیت وعترت میں شامل رکھا گیا ہے اور بعض کو چھوڑا گیا ہے یہ کس قاعدہ سے ہے؟ اگر خدا اور رسول کا کوئی ایسا حکم ہے تو اس کو پیش کریں۔

(۶) اسی طرح اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالنی ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سلمان فارسی ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ اب شیعہ ان کو کس شمار میں رکھتے ہیں؟ آیا وہ بھی معصوم اور واجب الاطاعت ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر ہیں تو تعداد امام معصوم کی اور بڑھنی چاہئے۔

فاضل مقالہ نگار نے آخر میں یہ تحریر فرمایا ہے۔ ’’غرض یہ کہ جب تک شیعہ عترت اور اہل بیتؑ کے مسئلہ کو حل نہ کردیں ان کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہل بیت وعترت کا متبع

کہیں کیونکہ جب وہ جانتے ہی نہیں کہ اہل بیت وعترت کتنے آدمی ہیں اور کون کون ہیں تو ان کا اتباع کیسے ممکن ہوا۔ پھر آخری سطر میں ایک نوٹ ہے کہ یہ مضمون بطور دردمندی اور ہمدردی لکھا گیا ہے تا کہ قارئین اس پر غور وفکر کر کے باہم اتفاق واتحاد کے لیے کام کریں۔

مضمون نگار علامہ ابوالنذیر صاحب کے اس جملہ نے مجھے بھی لکھنے پر آمادہ کیا۔ ورنہ یوں تو آئے دن شیعہ مسلک کے خلاف کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ جس میں دشنام طرازیوں اور طعنوں سے کام لیا جاتا ہے اور ٹھنڈے دل سے سوچنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اب میں سلسلہ وار ان سوالات کا جواب لکھتا ہوں اور انہیں جوابات کے تحت وہ ضمنی سوالات بھی حل ہو جائیں گے جو اہم نہیں تھے اور جنہیں میں نے نقل نہیں کیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

قرآن میں آئمہ کی نامزدگی

قرآنِ مجید بنیادی طور پر اصول وکلیات کی کتاب ہے اور اپنے دامن میں اجمالی طور پر ہر خشک وتر کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اب اس اجمال کو تفصیل کا لباس کون پہنائے؟ تو اس کے لیے قرآن کی صاف اور صریح نصوص موجود ہیں کہ قرآن کی تشریح وتفسیر کا حق فقط رسول کے پاس ہے اور قولِ رسولؐ سے ہٹ کر کوئی تفسیر وتشریح مستند اور معتبر نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آئمہ کی نامزدگی اجمالی ہے اور قول رسولؐ میں تفصیلی ہے۔ یعنی قرآن نے نام نہیں لیا اور رسولؐ نے آئمہ کے نام بھی بتلائے ہیں۔

اب قرآن میں تلاش کریں کہ بعدِ رسول سلسلۂ ہدایت پر گفتگو ملتی ہے یا نہیں؟ تو نگاہ سب سے پہلے ایک تشبیہ پر جا کر رک جاتی ہے۔ سورۂ مزمل پندرھویں آیت "اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ" ہم نے تمہاری طرف اپنا رسول شاہد بنا کر ایسا ہی بھیجا جیسا فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ اس دنیا میں باختلاف روایات ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے مگر اللہ فقط موسیٰ سے ختمی مرتبت کو مشابہ قرار دیتا ہے۔ قرآن سے قبل توریت بھی اس مشابہت کا اعلان کر چکی تھی۔ "میں ان کے لیے ان بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔" (کتاب استثنا) تو

سارے انبیاء کو چھوڑ کر موسیٰ کے ساتھ رسولؐ کو تشبیہ دینے میں اللہ کے بہت سے مقاصد پوشیدہ تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی سیرۃ النبی جلد سوم ص ۲۶۷ پر مماثلت موسیٰ و ختمی مرتبت کو تسلیم کیا ہے اور اس پر گفتگو کی ہے۔ اب قرآن ہی سے معلوم کریں کہ اُمت موسیٰ میں آئمہ کے تقرر کا کیا طریقہ تھا؟ تو سورۂ سجدہ آیت ۲۴، ۲۵ میں ارشاد ہوا۔ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ جَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا قف وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی پس تمہیں اس کے ملنے میں شک نہیں ہونا چاہیے اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت قرار دیا اور ہم نے ان میں سے کچھ امام مقرر کیے جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اس وجہ سے کہ اُنہوں نے صبر سے کام لیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ حضرتِ موسیٰؑ صاحب شریعت بھی تھے اور ان کو کتاب عطا ہوئی تھی۔

۲۔ وہ کتاب اُمتِ موسیٰ کے لیے ہدایت تھی۔

۳۔ اُمتِ موسیٰؑ میں خدا نے کچھ امام مقرر کیے (یعنی ان کا انتخاب اُمت کے حوالے نہیں کیا۔)

۴۔ یہ امام حکمِ الٰہی کے مطابق ہدایت پر مامور تھے (یعنی ان میں حکم خدا کی نافرمانی کا امکان نہیں تھا اور یہی عصمت ہے)

۵۔ یہ امام صابر بندے تھے (یہ نہیں کہ زبردستی لوگوں کو اپنا مطیع بنائیں یا اپنی بیعت لینے کے لیے وہ ذرائع استعمال کریں جن سے فساد پیدا ہو)۔

چونکہ ختمی مرتبت مثیل موسیٰ ہیں اس لیے مندرجہ بالا پانچوں نکات منطبق کر کے دیکھ لیجئے ختمی مرتبت صاحب شریعت نبی تھے اور ان کو کتاب عطا ہوئی، وہ کتاب اُمت محمدیہ کے لیے ہدایت ہے۔ امتِ محمدؐ میں کچھ آئمہ ہیں۔ جن کا تقرر خدا نے کیا ہے وہ معصوم ہیں اور صابر بندے ہیں۔ انہوں نے اپنے حقوق منوانے کے لیے کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔

اب تک کی گفتگو سے اتنی بات واضح ہوئی کہ ختمی مرتبت کے بعد سلسلہ امامت جاری ہوا اور یہ سلسلہ خدا کا جاری کردہ ہے۔ اب آگے بڑھ کر قرآن ہی سے معلوم کریں کہ سلسلۂ امامت کے افراد کی تعداد کیا ہے؟ تو قرآن نے جہاں تک جناب موسیٰ کے متعلق اور بہت سے واقعات بیان کئے ہیں وہاں یہ بھی بتایا ہے۔ (سورۂ مائدہ، آیت ۱۲) وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان کر لیا اور ان میں بارہ نقیبوں کو مقرر کیا۔ قرآن مجید نے قومِ موسیٰ میں بارہ رہنماؤں کی تعداد بتا کر اس مشابہت کو بتلایا جو ختمی مرتبت کی اُمت میں بھی بارہ ہی نقیب اور رہنما ہوں گے۔

اب یہ رہنما اور نقیب کون ہیں؟ تو اسے بھی قرآن میں دیکھتے ہیں۔ سورۂ فرقان، آیت ۳۵۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنایا۔ اس آیت کی روشنی میں ختمی مرتبت کا وزیر بھی خدا کا منتخب کردہ اور ان کا بھائی ہونا چاہئے۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کا وہ بھائی کون ہے جو ہارون کی طرح آپ کا وزیر ہے؟ تو اس کا جواب خود رسولؐ سے سنئے "یا علی" اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ (بخاری و دیگر کتب احادیث) علیؑ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ مجھ میں اور تم میں موسیٰ اور ہارون کی نسبت ہو۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ بعد رسولؐ ہدایت کی ذمہ داری علیؑ پر تھی اور علیؑ پہلے امام تھے۔ اب ان کے بعد جو آئمہ آئے وہ ایک دوسرے کے نصوص کے ذریعہ آئے۔ یہاں تک کہ مقررہ قرآنی تعداد بارہ پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

مزید قرآنی آیات

مندرجہ بالا بحث سے ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ سلسلۂ ہدایت بعد رسول بارہ افراد پر منحصر ہے اور ان کے پہلے علیؑ ابن ابی طالب ہیں اور چونکہ حکم الٰہی کے ذریعے رسول کو بارہ اماموں کی تفصیل معلوم تھی اس لیے رسول نے انہیں نام بہ نام ذکر کر دیا (ذکر آگے آئے گا) اور ہر امام سابق اپنے لاحق کو نص کرتا چلا گیا۔ لہٰذا اہم اور بنیادی نامزدگی علیؑ ہی کی ہے

اور اگر وہ قرآن سے ثابت ہو جائے تو باقی آئمہ کا سلسلہ خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ اوپر سلسلہ آیات سے علیؑ کی نامزدگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اب مزید چند آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ علی ہی بعد رسول اُمت کے امام، پیشوا اور رہنما ہیں۔

۱۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (مائدہ، آیت ۶۰) بہ تحقیق کہ تمہارا ولی خدا اور اس کا رسول اور وہ ایمان لانے والے لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، اور بہ حالت رکوع زکوۃ دیتے ہیں۔ اس آیت میں رکوع کی حالت میں زکوہ دینے والے کو خدا اور رسولؐ کی طرح ولی قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں ولی کے معنی حاکم اور اولیٰ بالتصرف کے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت انما سے شروع ہوتی ہے۔ جو کلمۂ حصر ہے۔ یعنی ولایت فقط ان تینوں میں محدود ہے جن کا ذکر آیت میں ہے تو اگر ولی کے معنی ناصر یا دوست کے لیے جائیں گے تو حصر بے معنی ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ترجمہ یہ ہوگا کہ فقط تمہارے دوست اللہ رسول اور حالت رکوع میں زکوۃ دینے والے مومن ہیں۔ (کوئی اور تمہارا دوست نہیں ہے) حالانکہ خود قرآن میں ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (سورہ توبہ، آیت ۷۲) مومنین و مومنات آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں ولی کے معنی حاکم اور اولیٰ بالتصرف کے ہیں اور یہ تین ہیں۔ اللہ، رسولؐ، حالت رکوع میں زکوۃ دینے والے مومنین اور مندرجہ ذیل کتب میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ زکوۃ دینے والے علیؑ تھے۔

فخر الدین رازی، تفسیر کبیر ج ۳، ابو اسحٰق ثعلبی، کشف البیان، جار اللہ زمخشری، تفسیر کشاف ج ۱، تفسیر طبری ج ۶، تفسیر ابن سعدون قرطبی ج ۶، تفسیر نسفی (برحاشیہ تفسیر خازن) فاضل نیشاپوری، غرائب القرآن ج ۱، حافظ ابو بکر خصائص تفسیر، احکام القرآن، قاضی بیضاوی، انوار التنزیل ج ۱، جلال الدین سیوطی، در منثور ج ۲، قاضی شوکانی، تفسیر فتح القدیر، تفسیر آلوسی ج ۲، تفسیر ابو البرکات ج ۱، حافظ بغوی، معالم التنزیل، صحیح نسائی، محمد

بن طلحہ شافعی، مطالب السؤل، ابن ابی الحدید معتزلی، شرح نہج البلاغہ ج ۳، تفسیر خازن ج ۱، سبط احمد جوزی تذکرۃ الخواص، ابن صباغ مالکی، فصول المہمۃ وغیرہ وغیرہ۔

وہ راوی جنہوں نے کہا کہ آیت ولایت علیؑ کی شان میں ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سدّی، مجاہد، حسن بصری، اعمش، عتبہ بن ابی حکم، غالب بن عبداللہ، قیس ابن ربیہ، عبداللہ ابن عباس، ابوذر غفاری، جابر ابن عبداللہ انصاری، عمار ابورافع وغیرہ۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۂ مائدہ، آیت ۶۷) اے رسول! تمہارے رب کی طرف سے جو تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے نہ کیا تو اس کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ غدیرِ خم میں نازل ہوئی اور اس کے نزول کے بعد رسول نے صحابہ کے مجمع کو جمع کر کے فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ میں جس کا مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ اس کے حوالے مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہیں:

جلال الدین سیوطی، در منثور ج ۲، حافظ ابوالقاسم حسکانی، شواہد التنزیل، قاضی شوکانی، الغدیر ج ۳، جمال الدین شیرازی، کتاب الاربعین، بدر الدین حنفی، عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ۸، ثعلبی تفسیر کشف البیان۔ فخر الدین رازی، تفسیر کبیر ج ۳، شہاب الدین آلوسی بغدادی، تفسیر روح المعانی ج ۲، ابن صباغ مالکی، فصول المہمۃ، محمد بن طلحہ شافعی، مطالب السؤل وغیرہ وغیرہ۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کے قول میں مولا کے کیا معنی ہیں؟ اس کے لیے سبط احمد جوزی کا قول دیکھئے۔ آپ نے تذکرۃ الخواص الامہ، باب دوم میں کلمہ مولی کے دس معانی لکھنے کے بعد فرمایا کہ نو معانی میں کوئی بھی رسول کے کلام سے مطابقت نہیں رکھتا۔

والمراد من الحدیث الطاعۃ المحضۃ المخصوصۃ فتعین و جل العاشر و ھو الاولی و معناہ من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی الی بہ

یعنی حدیث سے خالص اور مخصوص اطاعت مراد ہے اس لیے دسواں معنی ہی صحیح ہے اور

وہ (مولا بہ معنی) اولیٰ ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ جس کے لیے میں اولیٰ بالتصرف ہوں علیؑ بھی اس کے لیے اولیٰ بالتصرف ہیں۔

۳۔ فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ (سورۂ آل عمران آیت ۵۴)

پس جو شخص تمہارے پاس علم آجانے کے بعد تم سے مباحثہ کرے تو تم کہہ دو کہ آؤ ہم اور تم اپنے بیٹوں، اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلائیں، پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت قرار دیں۔

یہ آیت نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کرنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اس مباہلہ میں اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ اپنے نواسوں حسنؑ و حسینؑ اور اپنے بھائی اور داماد علیؑ ابن ابی طالب کو لے گئے۔ اس کے حوالہ جات مندرجہ ذیل ہیں:

صحیح مسلم جزء سابع، کتاب فضائل الصحابہ، باب عن فضائل علی، ابن حجر مکی، صواعق محرقہ، باب تاسع، فصل ثانی و باب حادی عشر فصل اول، محب الدین طبری، ریاض النضرہ، جزء ثانی، باب رابع، فصل سادس، ابن کثیر شامی، البدایہ والنہایہ جزء سابع، ابو عبداللہ الحاکم، مستدرک جزء ثالث، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلال الدین سیوطی، تفسیر در منثور، جزء ثانی، جار اللہ زمخشری، تفسیر کشاف، جلد اول فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، جلد دوم، تفسیر بیضاوی، سبط ابن الجوزی، تذکرۃ خواص الامۃ، باب ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، جلد دوم، ملا معین، معارج النبوۃ رکن چہارم، باب سیزدہم وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت کی روشنی میں ظاہر ہے کہ علیؑ ابناءنا اور نساءنا کے مصداق نہیں تھے۔ لہٰذا انفسنا کے مصداق قرار پائے۔ اس لیے کہ انفسنا سے خود رسول مراد نہیں ہو سکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت دینا اور بلانا مغائرت اور تعدد پر دلالت کرتا ہے لہٰذا علیؑ نفس رسول قرار پائے۔ اور یہ بات بھی بہت واضح ہے کہ علیؑ خود رسول نہیں تھے۔ اس لیے کہ دو ذاتوں میں اتحاد حقیقی محال ہے۔ تو اب نفس کا مطلب یہ ہوگا کہ علیؑ رسول کے ساتھ

ان کے سارے کمالات اور فرائض میں شریک تھے۔ لیکن چونکہ نصوص قطعیہ کے ذریعہ ختمی مرتبت پر نبوت ختم ہو چکی ہے اس لیے اس صفت کو چھوڑ کر علی باقی صفاتِ تمام میں رسول کے شریک ہیں اور وہ صفات ہدایت خلق ولایت مطلقہ، وجوب اطاعت، نگرانی امور مسلمین وغیرہ ہیں اور صفات کا حامل امام یا خلیفہ رسول کہلاتا ہے۔

وہ آیات جن سے علیؑ کی خلافت و امامت پر براہ راست روشنی پڑتی ہے یا جن سے امامت کے اصول مستنبط ہوتے ہیں کثیر تعداد میں ہیں۔ یہاں صرف چند آیات پر اکتفا کی گئی ہے اس لیے کہ سعید اور صالح روحوں کے لیے ایک آیت اور ایک مضبوط استدلال ہی کافی ہوتا ہے۔

مضمون نگار نے دوسرے سوال میں تحریر کیا ہے تو پھر اپنے آئمہ عشر کی نامزدگی کلام رسول یعنی کسی حدیث میں بھی دکھلا سکتے ہیں۔

(مثلاً موطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ میں جو تمام مسلمانوں کی متفقہ ہیں)

اب ہم اس سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حدیث میں آئمہ کی نامزدگی

فاضل مضمون نگار نے یہ لکھ کر کہ ”رسول بھی اپنی طرف سے نامزد کر سکتا ہے“ شانِ رسالت کی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے کہ قول و فعل رسول عین مرضئ الٰہی اور تابع وحی ہوتا ہے۔ سورۂ نجم میں ارشاد ہوا ہے کہ رسول جو کچھ کہتا ہے وحیٔ الٰہی سے کہتا ہے اپنی خواہشِ نفس سے نہیں کہتا اور سورۂ یونس میں ارشاد ہے کہ رسول اتباعِ وحی کرتا ہے، وہ خواہشات پر عمل نہیں کرتا۔ تو اس موقع پر خدا اور رسول میں فرق کر دینا شانِ رسالت کی توہین نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد مضمون نگار نے کتبِ احادیث سے آئمہ کی نامزدگی کا مطالبہ کیا ہے، پھر کتبِ احادیث کے نام تحریر کرنے کے بعد لکھا کہ ”جو تمام مسلمانوں میں متفقہ ہیں“ مجھے نہیں معلوم کہ یہ جملہ لکھتے وقت مضمون نگار اہل تشیع کو مسلمانوں کے زمرہ میں داخل سمجھتے تھے یا نہیں اس لیے کہ اہل تشیع مذکورہ کتبِ احادیث میں سے کسی کو بھی قابلِ استناد اور قابلِ قبول نہیں سمجھتے تو اگر اہل تشیع مسلمان ہیں تو ان کتابوں کو مسلمانوں کی متفقہ

کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تو شیعوں کی بات تھی۔ اگر علماء اہل سنت کے اقوال و آراء پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کتابیں ان میں بھی متفقہ نہیں ہیں اور علمائے حدیث نے بخاری و مسلم وغیرہ پر بڑی سخت تنقیدیں کی ہیں۔

بہر حال! ہم اس موضوع سے قطع نظر کرتے ہوئے اصل بحث پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ قبل میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ بنیادی مسئلہ علیؑ کی خلافت و امامت کا ہے۔ اگر حدیث سے ان کی نامزدگی ثابت ہو جائے تو باقی آئمہ کی امامت ایک دوسرے کی نصوص سے ثابت ہوتی چلی جائیں گی۔ اس لیے علیؑ کے سلسلہ میں احادیث ملاحظہ کریں۔

۱۔ امام احمد بن حنبل مسند میں اور سید علی ہمدانی شافعی مودۃ القربیٰ میں نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: **علی انت بتراء ذمتی و انت خلیفتی علی امتی** (اے علیؑ! تم میری طرف سے برأت ذمہ کرو گے اور تم میری اُمت پر میرے خلیفہ ہو)

۲۔ امام احمد بن حنبل نے مسند میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی مناقب میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے علیؑ سے فرمایا "**انت اخی و وصیی و خلیفتی و قاضی دینی**"۔ (تم میرے بھائی، وصی، خلیفہ اور میرا قرض ادا کرنے والے ہو۔)

۳۔ بیہقی، خطیب، خوارزمی اور ابن مغازلی، شافعی نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے علی سے فرمایا "**انہ لا ینبغی ان اذہب الا و انت خلیفتی و انت اولی بالمومنین من بعدی**" (یہ مناسب نہیں ہے کہ میں لوگوں کے درمیان سے اُٹھ جاؤں بغیر اس کے کہ تم میرے خلیفہ اور میرے بعد تمام مومنین سے اولیٰ ہو)۔

۴۔ محمد ابن یوسف گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب میں ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "**ترد علی الحوض رایۃ علی امیر المومنین و امام الغر المحجلین و خلیفۃ من بعدی**" (حوض پر میرے پاس مومنوں کے امیر، نورانی چہرے والوں کے پیشوا اور میرے بعد میرے خلیفہ علیؑ کا علم آئے گا)۔

۵۔ دعوت ذوالعشیرہ میں رسولؐ نے علیؑ کے بارے میں فرمایا تھا۔ **ان ہذا اخی و وصیی و خلیفتی علیکم** (یہ (علیؑ) میرا بھائی اور میرا وصی اور تم پر میرا خلیفہ ہے۔

(احمد ابن حنبل، مسند، جزء اول۔ امام ثعلبی، تفسیر آیہ انذار، ابن ابی الحدید معتزلی، شرح نہج البلاغہ، جلد سوم، امام عبدالرحمٰن نسائی، خصائص علیؑ وغیرہ وغیرہ)۔

احادیث اور آئمہ اثنا عشر

گفتگو کو منزل سے قریب تر کرنے کے لیے ذرا، اہلسنت کی کتبِ احادیث پر ایک نگاہ ڈالیں اور معلوم کریں کہ بعدِ رسول خلافت، امامت یا امارت مسلمین کا کیا بندوبست ہے تو سب سے پہلے صحیح بخاری کی روایت دیکھئے۔ "عن جابر بن سمرة قال سمعت النبی یقول یکون اثنا عشر امیرا کلهم من قریش" (کتاب الاحکام) جابر ابن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی سے سنا کہ بارہ امیر ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے اس میں امت کے امرا کی تعداد صریحاً بارہ بتلائی گئی ہے۔ اب یہی روایت دیگر کتبِ احادیث میں بھی دیکھیں تو اختلاف متن کے ساتھ مندرجہ ذیل کتب میں پائی جاتی ہے۔

- صحیح مسلم۔ چھ روایات۔ طبع مصر جلد دوم۔
- سنن ابی داؤد۔ دو روایات، طبع مصر جلد چہارم
- صحیح ترمذی۔ ایک روایت طبع مصر جلد نہم
- صحیح مشکوٰۃ تین روایات۔ (از اشعۃ اللمعات جلد چہارم)
- کنزل العمال، پانچ روایات۔ طبع حیدر آباد جلد ششم۔
- مسند احمد بن حنبل۔ چھ روایات۔ طبع مصر، جلد خامس
- مسند طیالسی۔ دو روایات بحوالہ مفتاح کنوز السنہ، طبع مصر۔

ان روایات میں کہیں امیر کا لفظ استعمال ہوا ہے، کہیں خلافت کا اور کہیں ولایت کا۔

ان ساری روایات سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعدِ رسولؐ بارہ امیر یا خلیفہ یا ولی ہوں گے جو عوام کے منتخب کردہ خلیفہ نہیں ہیں بلکہ زبانِ رسولؐ کے کہے ہوئے خلیفہ ہیں اور ان کی منصوص تعداد بارہ ہے۔ جو نہ تو گیارہ ہوگی اور نہ تیرہ۔ اب تاریخ اسلام میں خلفا کی تعداد دیکھ لیں۔ خلفائے راشدین چار ہیں۔ خلفائے بنی امیہ (شام) چودہ ہیں، خلفائے بنی امیہ (اندلس) سولہ ہیں، خلفائے بنی عباس (۳۷) ہیں۔

خلفائے بنی عباس (مصر) اٹھارہ ہیں اور اگر سلاطینِ روم کی خلافت بھی تسلیم کی جائے تو ان کی تعداد بھی تیس سے زیادہ ہے۔

تو آخر یہ کون سے خلفائے رسول ہیں جن کی تعداد فقط بارہ ہے تو اس کے جواب کے لیے مشہور محدث اور امام اہل حدیث علامہ وحید الزماں کی رائے دیکھئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس حدیث کا مصداق خلفائے بنی امیہ یا بنی عباس کو قرار دیا ہے انہوں نے سخت غلطی کی ہے چونکہ اموی حکمران اکثر غاصب، ظالم اور جابر تھے اور عباسیہ کا عدد بارہ سے زائد تھا۔ اہل سنت کے علما ان میں تراش خراش کرتے ہیں اور خلفائے راشدین کے بعد کچھ لوگوں کو بنی امیہ سے لیتے ہیں اور کچھ کو بنی عباس سے جو ذرا اچھے اور عادل گزرے ہیں اور ہم نے ہدیۃ المہدی میں یہ لکھا ہے کہ ان بارہ امیروں سے آئمہ اثنا عشر یعنی بارہ امام مراد ہیں اور امارت سے دینی پیشوائی اور سرداری مراد ہے نہ کہ حکومت ظاہری (لغات الحدیث، حرف الف، ص ۶۱) علامہ موصوف نے ہدیۃ المہدی ص ۱۰۳ پر ان بارہ اماموں کے نام درج کیے ہیں جنہیں شیعہ مانتے ہیں اور اسی ترتیب سے لکھا ہے جو شیعی ترتیب امامت ہے۔

مندرجہ بالا عبارت ایک مفہوم کے اثبات کے لیے کافی وشافی ہے لیکن اگر اب بھی کوئی تسلیم نہ کرے تو ختمی مرتبت کی روایت دیکھئے۔ آپ نے سماو بروج کی تفسیر میں فرمایا: ''اما السماء فانا واما البروج فالائمۃ بعدی. اولھم علی وآخرھم المھدی سماء'' سے مراد میں ہوں اور بروج سے مراد بارہ امام ہیں ان کا پہلا علیؑ ہے اور آخری مہدیؑ ہے (انوار اللغۃ۔ علامہ وحید الزماں، پارہ ب، للغۃ برج) اس روایت کی روشنی میں مسئلہ امامت بہت واضح ہو جاتا ہے جب اس سلسلہ کے پہلے علیؑ اور آخری مہدیؑ ہیں تو ظاہر ہے ان کے درمیان دس امام ہوں گے اور یہ دس وہ ہوں گے جو علیؑ کو مہدیؑ سے متصل و مربوط کر سکیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں ایسا سلسلہ شیعوں کے آئمہ عشر کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا۔

مزید روایات

مندرجہ بالا بحث سے بات بخوبی واضح ہو گئی کہ بعد رسولؐ خلافت وامامت بارہ افراد پہ

منحصر ہے جن کے پہلے علیؑ ہیں، اور آخری مہدیؑ ہیں اب ان دونوں افراد کے درمیان سلسلہ کی، وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ کیجیے:

● شیخ سلیمان حنفی نے ینابیع المودت میں اور شیخ الاسلام حموینی نے فرائد السمطین میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا" **سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا و علی والحسن والحسین و تسعة من ولد الحسین مطھرون معصومون** "(میں نے رسالت مآبؐ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد میں سے نو افراد سب کے سب پاک اور معصوم ہیں)

● سلمان فارسی کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے حسینؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:" **الامام ابن الامام تسعة من سلبه ائمة ابرار امناء معصومین** "۔(یہ امام اور پسر امام ہے، اس کی نسل سے نو (۹) امام صالح، امین اور معصوم ہوں گے)

(بحوالہ بالا، مودۃ القربیٰ)

● زید ابن ثابت نے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا" **وانه یخرج من صلب الحسین ائمة ابرار امناء معصومون قوامون بالقسط** "(حسینؑ کے صلب سے صالح، امین، معصوم اور عدل وانصاف قائم کرنے والے امام پیدا ہوں گے)

ان روایات نے علیؑ اور مہدی کے درمیانی سلسلہ کو بھی واضح کر دیا اور اب یہ بات حتمی طور پر ثابت ہوگئی کہ بعد رسول امامت وخلافت کا سلسلہ انہیں آئمہ اثنا عشر میں ہے جنہیں ہم مانتے ہیں۔

آئمہ اثنا عشر کے نام

اگر ساری روایتوں کو دیکھنے کے بعد بھی جناب معترض اپنے اعتراض پر قائم رہیں اور اصرار کریں کہ بارہ اماموں کے نام حدیثِ رسولؐ میں دکھلایئے تو ہم اس منزل پر بھی انہیں مایوس نہیں کریں گے۔ روایت ملاحظہ ہوں:۔

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے یہ آیت نازل کی یَاَیُّھَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ؕ تو میں نے عرض کی کہ خدا اور رسول کو تو جانتا ہوں مگر یہ اولوالامر کون ہیں جن کی اطاعت بھی خدا نے آپ کی اطاعت کی طرح فرض کی ہے؟ فرمایا هم خلفائے من بعدی اولهم علی ثم الحسن ثم الحسین ثم علی ابن الحسین ثم محمد بن علی المعروف فی التوراة بالباقر و ستدرکه یا جابر فاذ القیة فاقرء منی السلام ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسیٰ ابن جعفر۔ ثم علی بن موسیٰ ثم محمد ابن علی ثم علی ابن محمد ثم الحسن ابن علی ثم حجة الله فی ارضه و بقیة فی عباده محمد ابن الحسن بن علی..... الخ

اولی الامر میرے وہ خلفاء ہیں جو میرے بعد ہوں گے۔ پہلے علیؑ دوسرے حسنؑ، تیسرے حسینؑ، چوتھے علی ابن الحسین، پانچویں محمد باقر، چھٹے جعفر صادق، ساتویں موسیٰ ابن جعفر، آٹھویں علی ابن موسیٰ نویں محمد ابن علی دسویں علی ابن محمد گیارہویں حسن ابن علی بارہویں محمد ابن حسن بن علی ہوں گے۔ جو خدا کی زمین پر اس کی حجت ہوں گے۔

(علامہ جمال الدین، روضۃ الاحباب، جلد سوم، ص ۲۷)

عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک یہودی رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے چند باتیں بتلا دیجئے تو میں اسلام قبول کرلوں۔ فرمایا پوچھو۔ اس نے مختلف سوالات کئے اور سب کے جوابات میں کہا صدقت (آپ نے سچ فرمایا) پھر کہا آپ نے تمام باتوں کا جواب صحیح دیا۔ اب فرمائیں کہ آپ کا وصی کون ہوگا؟ کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنا وصی کسی کو خود نہ مقرر کیا ہو۔ ہمارے پیغمبر موسیٰ نے بھی خود ہی اپنا وصی یوشع ابن نون کو مقرر کیا تھا۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا میرے وصی علی ابن ابی طالب اور ان کے بعد میرے دونوں نواسے حسنؑ اور حسینؑ اور ان کے بعد نو امام حسینؑ کی نسل سے ہوں گے۔ اس یہودی نے کہا کہ آپ مجھے ان سب کے نام بھی بتا دیں۔ آپ نے فرمایا جب حسینؑ گزر جائیں گے تو ان کے بیٹے علیؑ ہوں گے اور ان کے بعد ان کے فرزند محمد ہوں گے، ان کے بعد ان کے فرزند جعفر ہوں گے، ان کے بعد ان کے بیٹے

موسیٰ ہوں گے۔ ان کے بعد ان کے فرزند علیؑ ہوں گے ان کے بعد ان کے فرزند محمدؑ ہوں گے ان کے بعد ان کے فرزند علیؑ ہوں گے ان کے بعد ان کے فرزند حسنؑ ہوں گے۔ ان کے بعد ان کے فرزند محمد (مہدیؑ) ہوں گے۔ الخ

(شیخ الاسلام علامہ سلیمان قندوزی، ینابیع المودۃ ص ۳۶۹)

آیت تطہیر اور اہل بیتؑ

مذکورہ بالا بحث کے بعد اب مزید کسی سوال کے جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ مضمون نگار نے عنوان قائم کر کے اہل بیتؑ پر گفتگو کی ہے اس لیے ہم بھی اسے تشنۂ جواب نہیں رکھنا چاہتے اہل بیتؑ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآنی اصطلاحات کی تشریح کا حق کسے ہے؟ سورہ نحل میں ارشاد ہوا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اور ہم نے تمہاری طرف ذکر بھیجا تاکہ تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرو جو ان کی طرف اتارا گیا ہے تاکہ وہ فکر سے کام لیں۔ اسی سورہ میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اور ہم نے تم پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ تم ان کے لیے وہ باتیں کھول کر بیان کرو جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لانے والے ہیں۔ ان آیات میں بہت وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ تفسیر قرآن میں فقط رسول ہی کا قول مسلم اور مستند ہے اور اسلام میں اس کی مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ مثلاً عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ زکوٰۃ کے معنی نمو کے ہیں۔ حج کے معنی قصد کے ہیں۔ صوم کے معنی کف کے ہیں لیکن رسول نے ان سارے الفاظ کو ان کے معنی سے منتقل کر کے مخصوص معانی میں استعمال کیا ہے اب یہ معنی اتنے حقیقی ہو گئے کہ ان کے علاوہ لغوی معنی کی طرف تصور نہیں جاتا۔ توضیح و تشریح الفاظ کا حق فقط رسولؐ کو ہے۔ تو اب رسولؐ ہی سے پوچھنا چاہیے کہ اہل بیت کا معنی کیا ہے؟ اور اگر رسول کے معین کردہ معنی مل جائیں تو وہی حق ہوں گے اور لغت میں ان کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اب روایت دیکھیے۔

● ختمی مرتبت نے فرمایا کہ آیہ تطہیر میرے، علیؑ کے حسنینؑ کے اور فاطمہؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ثعلبی وینابیع المودۃ)

● ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسولؐ نے چادر میں علیؑ وحسنینؑ وفاطمہؑ کو لے کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، تفسیر کشاف، ابوداؤد، جمع بین الصحیحین حمیدی وغیرہ)

● ام المومنین حضرت اُمِ سلمیٰؓ سے بھی متعدد طریقوں سے یہ واقعہ نقل ہوا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل)

مذکورد بالا حوالوں کے علاوہ ترمذی، موطا، مستدرک، استیعاب، صواعق محرقہ، تفسیر طبری، شفا قاضی عیاض، نسائی، ینابع المودۃ اور دیگر صدہا کتبِ اہلسنت میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ تو جب رسولؐ نے لفظِ اہل بیت کا مفہوم خود ہی معین فرما دیا تو اب امت کو اس میں منطقی موشگافیاں کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟

مضمون نگار نے پھر سوال کیا کہ باقی نو(۹) آئمہ کا اتباع کس قاعدے سے فرض ہوا اس کے جواب کے لیے مزید روایات کے عنوان سے جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں اُنہیں بہ نظر غور دیکھا جائے۔ اسی مقام سے "السلمان منا اھل البیت" کی روایت کا حل بھی سامنے آ گیا۔ کہ ہدایت وامامت فقط بارہ میں منحصر ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص ترقی کرتا ہوا اہل بیت میں شامل ہونے کی حد پر بھی آ جائے جب بھی وہ سلسلۂ امامت میں شامل نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ تعداد امامت بارہ میں منحصر ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اہل بیت پر دلچسپ گفتگو کی ہے اور اہلبیت کی ایک طویل فہرست بھی بزعم خود دی ہے۔ ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ کوئی اور آیہ تطہیر کے اہل بیت میں داخل ہو یا نہ ہو ازواج رسول یقیناً داخل نہیں ہیں اگر مضمون نگار نے جواب الجواب کی زحمت فرمائی اور ہم سے ثبوت کا مطالبہ کیا تو ہم انشاء اللہ ثبوت بھی فراہم کریں گے۔

بحمد اللہ اس منزل پر ہماری گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔ سلسلۂ بحث اگر چہ طویل تھا اور خواہش تھی کہ کماحقہ، تفصیل سے گفتگو کی جائے لیکن صفحات میں گنجائش نہ تھی اور وقت بھی

متقاضی نہیں تھا اس لیے بحث کو ختم کرتے ہوئے منزلِ آخر پر محترم مضمون نگار سے چند آسان سے سوالات کے جوابات مرحمت فرمانے کی درخواست ہے۔

الف (۱) آپ کے عقیدے میں بیعت علت خلافت ہے یا خلافت علت بیعت۔
اگر پہلی شق درست ہے تو ثابت کریں کہ خلافت اولیٰ مسلم تھی اور اس کے بعد بیعت کی گئی۔

(۲) اگر پہلی شق درست ہے تو آج کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسے خلیفہ کیوں نہیں بنا لیتے۔

(۳) اگر دوسری شق درست ہے تو ثابت کریں کہ خلافت اولیٰ مسلم تھی اور اس کی بعد بیعت کی گئی۔

(ب) (۱) آپ کے نزدیک یہ روایت درست ہے یا نہیں؟ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت۔ یعنی اہل بیت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔ اگر تم ان دونوں سے میرے بعد متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (باختلاف الفاظ)

(۲) اگر یہ روایت درست نہیں ہے تو اس کے راوی اور اسے اپنی کتاب میں درج کرنے والے آپ کے نزدیک معتبر نہیں ہیں؟

(۳) اور اگر یہ روایت درست ہے تو اس کے مخاطب صحابہ کرام تھے یا کوئی اور دوسرے لوگ؟

(۴) اگر کوئی دوسرے لوگ تھے تو وہ کون تھے اور ان کے اسماء کیا ہیں؟

(۵) اگر مخاطب صحابہ کرامؓ تھے تو ان کو رسولؐ نے مخاطب کر کے کہا کہ "ہرگز گمراہ نہ ہو گے اگر ثقلین سے متمسک رہے" تو ان میں گمراہی کا امکان تھا یا نہیں تھا؟

(۶) اگر نہیں تھا تو رسولؐ کے اس جملہ کا مطلب کیا ہے؟

(۷) اور اگر امکان گمراہی تھا تو جس میں امکان گمراہی ہو اسی سے ہدایت طلب کرنا کس حد تک مناسب ہے؟

(۸) اگر بعد رسولؐ ہادی خلق اہلبیت ہیں تو حضرت علیؑ کو چھوڑ کر باقی خلفاء راشدین اہل بیتؑ کے زمرے میں کس طرح شامل ہوں گے؟

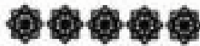
(۹) اور اگر بعد رسولؐ اہل بیتؑ کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہادیٔ خلق ہیں تو وہ کون ہیں اور ان کے لیے قرآن وحدیث کی نصوص کیا ہیں؟

وما علینا الا البلاغ

خادم شریعت مطہرہ

طالب جوہری

الف ۔ ۵۳ ۔ ا ۔ بلاک الف، شمالی ناظم آباد کراچی



کرشمۂ قدرت ۔۔ ۱۹۸۰ء

انسانوں میں پتھروں کے استعمال کا شوق غالباً اتنا ہی قدیم ہے جتنا قدیم اُن کا ذوقِ آرائش ہے۔ عہد حجر کے حفریات سے جو زیور برآمد ہوئے ہیں ان میں استعمال ہونے والے پتھر کم وبیش اس عہد کے قیمتی پتھروں سے ملتے جلتے اور قریب ہیں۔ اس بناء پر تہذیب انسانی کی تاریخ میں پتھروں کے استعمال یا کثرت استعمال کے آغاز کا عہد تو تعین کیا جا سکتا ہے لیکن اس بات کا تعین ممکن نہیں ہے کہ وہ پہلا انسان کون تھا۔ جس نے پتھروں کے خواص کو دریافت کیا۔ پتھروں کے خواص کسی ایک شخص کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں یا صدیوں پر محیط انسانی تہذیب کے تجربات کی میراث ہیں؟ یہ سوال صاحبانِ تحقیق کے لیے ابھی تک سوال ہی ہے۔ البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پتھروں کے خواص کا علم کوئی جدید علم نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جڑیں بھی انسانیت کی تاریک ماضی میں کسی مقام پر دفن ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''کرشمۂ قدرت'' جو مرزا اخلاق حسن صاحب لکھنوی کے والد مرحوم محقق خبیر جناب ہمایوں مرز الکھنوی کی تالیف ہے۔ ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں پتھروں کے باہمی امتیازی اوصاف اور ان کے خواص پر بڑی ذمہ دارانہ تحقیق سُپردِ قلم کی گئی ہے۔

پتھروں اور ان کے خواص میں منطق اور ریاضی کی رُو سے کوئی رشتہ ہو یا نہ ہو لیکن تجربات کی رو سے ان کا درست ہونا ثابت ہے جبکہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے اقوال بھی اس سلسلے میں بکثرت موجود ہیں۔ خود میرے ذاتی تجربے میں بعض پتھروں کے خواص آئے ہیں۔ آج سے دو سال قبل ایامِ محرم میں ایک مشہور و معروف شخصیت نے مجھے سنگ سلیمانی کی ایک انگوٹھی دی۔ پتھر پر پنجتنؑ کے اسماء گرامی کندہ تھے۔ محرم کی ۹ تاریخ کو نشتر پارک کی مجلس کے بعد وہ نگینہ چیخ گیا جبکہ اس کے چیخنے کے ظاہری اسباب وعلل اب تک پردۂ خفا میں ہیں۔

یہ اور اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو انسان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ پتھروں کی

خاصیتوں کو بے یقینی کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

''کرشمۂ قدرت'' صاحبانِ ذوق اور صاحبانِ تحقیق دونوں کے لیے ایک دلچسپ اور مُفید علمی کاوش ہے جس کا مطالعہ نہ صرف یہ کہ معلومات میں اضافہ کا سبب بنے گا بلکہ عملی زندگی میں بھی بعض مقامات پر بہت مُفید ومعاون ثابت ہوگا۔

خداوند عالم ہمایوں مرزا صاحب مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور مرزا اخلاق حسن صاحب لکھنوی کو اپنے حفظ وامان میں صحیح وسالم رکھے کہ وہ اس علم کی شمع کو جلائے ہوئے اہل علم وطلب کی پیاس کو بجھا رہے ہیں۔

مخلص۔۔طالب جوہری

کراچی

اگست ۱۹۸۰ء



تشکیل پاکستان میں شیعیانِ علیؑ کا کردار

(۱۹۸۲ء)

آج جبکہ اس مملکت خداداد میں فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دی جا رہی ہے اور بعض خاص نظریات کا پرچار کرتے ہوئے تشیع کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مکرمی و محترمی وصی خاں صاحب کی تدوین کردہ کتاب ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مجھے اس کتاب کا سرسری جائزہ لینے کا شرف حاصل ہوا۔ خاں صاحب نے جس کدو کاوش اور عرق ریزی کے ساتھ مواد کی جمع آوری فرمائی ہے وہ ان کی علمی صلاحیتوں اور محنتوں کی غماز ہے۔ یہ کتاب نہ صرف پاکستان کی تشکیل میں شیعیانِ آلِ محمدؐ کے کردار کو واضح کرتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی تحریک پاکستان اور قیام پاکستان پر ایک مربوط و مسلسل خطِ فکر کا اظہار بھی کرتی ہے۔ جس کے ذریعہ کتاب پڑھنے والا پاکستان اور اس کے تعلقات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں چند ایسی دستاویزات بھی شامل کی گئی ہیں جنہیں زمانہ نے نظرانداز کر دیا تھا۔ یا جنہیں بے جا تغافل کا شکار بنا دیا گیا تھا۔

محمود وصی خاں صاحب اس سے قبل بھی بہت سی کتابیں تحریر فرما چکے ہیں اور مستقبل میں انشاءاللہ اپنے اس شوق کو جاری رکھیں گے۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ بہ طفیل محمدؐ و آلِ محمدؐ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں علم دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے

طالب جوہری

۱۲ ذی قعدہ ۱۴۰۱ ہجری

اصلی اہلِ سنّت کون؟۔۔ ۱۹۸۲ء

زیر نظر کتاب فاضل خبیر جناب مولانا شیخ حسن فخر الدّین دام فضلہ کی ایک گراں مایہ تالیف ہے۔ فاضل محقق بلتستان کے وسیع المطالعہ اور معتدل قلم کار ہیں۔ اس سے پیشتر بھی ان کی متعدد کتابیں صاحبانِ ذوق سے داد نظر لے چکی ہیں۔

اس کتاب میں سنّت و بدعت کے اصطلاحی مفہوم پر انتہائی ماہرانہ انداز میں تبصرہ کے ساتھ ساتھ دو معروف اصطلاحوں پر بھی مبسوط گفتگو کی گئی ہے۔ اور وہ اصطلاحیں ہیں ''اہل سنّت اور شیعہ'' اس بحث کے بعد اقوال و افعال پیغمبرؐ سے ثبوت فراہم کئے گئے ہیں کہ حقیقی معنوں میں سنّت رسول کا پیرو کون سا فرقہ ہے۔

مذکورہ بالا موضوعات تاریخ اسلام کے ہر موڑ پر انتہائی حسّاس رہے ہیں اور ہر عہد میں ان پر علمی معرکہ آرائیاں بھی ہوتی رہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج یہ سارے موضوعات انتہائی جذباتی ہو چکے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہوئے توازن و اعتدال کو قائم رکھنا امر مشکل بن چکا ہے۔ اس کتاب میں فاضل محقق دام فضلہ کی یہ کامیابی بہت نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اُنہوں نے دورانِ تحریر عقل و منطق کا دامن نہیں چھوڑا اور زبان بھی ایسی استعمال کی جو کسی بھی طبقہ کے قاری کے ذہن پر بوجھ نہ بنے۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب مختلف طبقہ خیال اور مختلف سطح کے لوگوں کے ذوقِ علمی کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ ثابت ہوگی۔ میں دعا گو ہوں کہ خداوند علام بہ طفیل معصومین علیہم السلام اور بہ تصدق ولی عصر روحنالہ الفدا، جناب مولانا شیخ حسن فخر الدین دام فضلہ کو بیش از بیش توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے لمحات زندگی اسی طرح علم و دین کی خدمت میں صرف کرتے رہیں۔

طالب جوہری

۱۴ مارچ ۱۹۸۲ء

اسلام اور فلکیات ۔۔ ۱۹۹۴ء

ہماری زمین کی چھ جہتوں میں جو فضا پائی جاتی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار صحرا ہے جس کا احاطہ سوائے الوہی علم قدرت کے کسی کے بس کی بات نہیں ہے ان فضاؤں میں نہ معلوم کتنے سورج، کتنے چاند، کتنے نظام ہائے شمسی اور کتنے نظام ہائے کہکشانی چکراتی پھر رہے ہیں کسی کو کیا معلوم کہ کتنی کائناتیں روزانہ تشکیل پا رہی ہیں اور کتنی کائناتوں کی راکھ روزانہ فضاؤں میں بکھر رہی ہے انسان کی عمرِ آگہی نے جب سے ہوش سنبھالا اُسی وقت سے وہ سوچ کی قندیلوں کو اور گہرے نیلے آسمان پر ستاروں کی کائنات کو توجہ سے دیکھ رہا ہے اور اس کوشش میں مصروف ہے کہ ان تک رسائی حاصل کرلے وہ ظلمات کا ایک ایسا مسافر ہے جو گھپ اندھیروں کے درمیان کھڑا انتظار کرتا رہتا ہے کہ روشنی کی کوئی کرن نمودار ہو اور وہ ایک قدم اور آگے بڑھ جائے۔

فلک وسماء میں فرق

فلک ستاروں کی گردش کے راستے کا نام ہے جسے اصطلاح میں مدار کہا جاتا ہے سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا "**ھوالذی خلق اللیل والنھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون**" (آیت: ۳۳) "وہ (اللہ) وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو خلق کیا اور سب اپنے فلک یعنی مدار پر تیر رہے ہیں" عوام الناس کی بول چال میں فلک اور آسمان کا مفہوم ایک ہی ہے بلکہ شعراء نے بھی فلک کو آسمان ہی کے مفہوم میں نظم کیا ہے۔

لیکن حقیقت میں ان دونوں کے مفہوم میں بڑا فرق ہے کائنات میں جتنے سیارے پائے جاتے ہیں فضاؤں میں ان کے چلنے کے راستے معین ہیں یہاں تک کہ ان کی گردش کی حدود بھی معین ہیں جن سے وہ خارج نہیں ہوتے البتہ یہ اپنی گردش کے دوران کبھی ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور کبھی دُور چلے جاتے ہیں۔ اس راستے اور حد کا نام فلک ہے۔

سماء

قرآن مجید نے آسمان پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا ”وجعلنا السماء سقفاً محفوظاً وھم عن آیاتھا معرضون“ ”اور ہم نے آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے روگردانی کرنے والے ہیں۔“ یہ فضاء جو زمین کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے قرآن اسے سماء کہتا ہے۔ شہاب ثاقب ٹوٹ ٹوٹ کر اڑتالیس ہزار (۴۸۰۰۰) کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین کی طرف آتے ہیں جب وہ زمین کی فضاء میں داخل ہوتے ہیں تو بخارات بن کر بکھر جاتے ہیں اور چھوٹے شہابیے اس زمین پر آتے ہیں اگر یہ پوری طاقت کے ساتھ زمین سے آکر ٹکراتے تو زمین پر زندگی کا نام ونشان تک مٹ جاتا۔۔۔ سقف محفوظ ہے اس کے علاوہ ہواؤں کے مختلف طبقات کے لیے بھی سماء استعمال ہوا ہے ”فیبسطہ فی السماء کیف یشاء“ ”وہ جیسا چاہتا ہے بادلوں کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے“ اس سے مراد فضاء کا وہ حصہ ہے جو زمین کے قریب واقع ہے۔

”اولم یروا الی الطیر مسخرات فی جوّ السماء“ (سورہ نحل: ۷۹) ”کیا انھوں نے پرندوں کو آسمانوں کی فضا میں مسخر نہیں دیکھا“

اور یہ نیلی تہہ جو حدِ نگاہ تک زمین کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اسے بھی قرآن نے آسمان کہا ”والسحاب المسخر بین السماء والارض“ (سورہ بقرہ: ۱۶۴) ”بادل جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں“ درمیان کا لفظ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آسمان مذکورہ آسمان سے بلند ہے جس میں بادل ہوتے ہیں جہاں تک بھی کائنات کی بلندیاں جاری ہیں وہاں تک لفظ سموات کا اطلاق بھی جارہا ہے۔ ”رب السموات والارض، خلق السموت والارض“ اور ان بلندیوں میں جو کچھ پایا جاتا ہے خواہ وہ ستارے ہوں یا سیارے نجوم ہوں یا کواکب وہ سب کے سب لفظ سموات میں ضمناً شامل ہیں اس لحاظ سے جہاں پر بھی سبع سموات کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں پوری کائنات کو سات فضاؤں میں تقسیم کیا گیا ہے جب کہ عہدِ موجودہ کے حکماء فضاؤں کے پانچ طبقے بتاتے ہیں ہم پرامید ہیں کہ یہ حکماء قرآن کے بتائے ہوئے دو مزید طبقوں کی معلومات بھی حاصل کرلیں گے۔ انشاءاللہ

قرآن مجید کے دقیق مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر سموات سے مراد پوری کائنات اور بعض مقامات پر اس سے مراد زمین کے اطراف کی فضائیں ہیں اور بعض مقامات پر نظامِ شمسی کی فضائیں ہیں۔ ''فاللہ الحمد رب السمٰت ورب الارض رب العالمین'' ''پس حمد صرف اللہ کے لیے ہے جو آسمان کا رب ہے اور زمین کا رب ہے یعنی عالمین کا رب ہے'' ہم نے ''یعنی'' اس لیے بڑھایا ہے کہ رب العالمین اس آیت میں رب السموات ورب الارض کا بدل واقع ہوا ہے اس آیت کی رو سے زمین اور آسمان عالمین کے مساوی ہیں۔

آسمانی مخلوق کا ثبوت

سبع سموات۔ یہ سات آسمان درحقیقت ہماری زمین کے آسمان ہیں ورنہ اس پوری کائنات میں کتنے آسمان ہیں کچھ نہیں معلوم قرآن مجید کی بعض آیتوں میں آسمانوں میں پائی جانے والی مخلوقات کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ ''وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (سورہ نحل ۴۹)

یہ آیت واضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ آسمانوں میں چلنے والی مخلوق موجود ہے، اور وہ اللہ کو سجدہ کرتی ہے اور وہ فرشتوں سے جداگانہ وجود رکھتی ہے، اس لیے کہ فرشتوں کا تذکرہ اس سے علیحدہ اور اس کے بعد کیا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝ۧ (سورۃ الشوریٰ:۲۹)

یہ آیت وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ آسمانوں میں چلنے والی مخلوق پھیلی ہوئی ہے اور مشیتِ الٰہی سے آسمان اور زمین کی مخلوقات ایک دوسرے سے مجتمع ہو سکتی ہیں۔

''وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝'' (رعد:۱۵)

''وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ '' (بنی اسرائیل:۵۵)

''من'' ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آسمانوں میں

بھی زمین کی طرح عقل رکھنے والی مخلوق موجود ہے جو اللہ کو سجدہ کرتی ہے اور اس سے اپنی احتیاجات بھی طلب کرتی ہے اس عظیم ترین کائنات میں زمین ایک انتہائی بے حقیقت مٹی کا گولا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف اس زمین پر انسان آباد ہوں اور پوری کائنات سنسان ویران بے رونق وغیر آباد ہو۔ اگر چہ ہماری اس بات میں منطقی وزن نہیں ہے لیکن یہ بات مکمل طور پر بے وزن بھی نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے آسمان میں ذی عقل مخلوق کا وجود ثابت ہو رہا ہے۔

سورج اور چاند

سورج ہماری زندگی کا ضامن اور اپنے پورے نظام کا سربراہ ہے عطارد، زحل، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹون اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ سورج کے عقب میں کیا ہے فرمایا ایک دوسرا سورج پوچھا کہ اس کے پیچھے کیا ہے فرمایا ایک دوسرا سورج پھر ارشاد فرمایا کہ اگر قیامت تک پوچھتے رہو گے تو میں کہتا رہوں گا کہ دوسرا سورج اس سے سورجوں کی تعداد اور کائنات کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یہ سورج چاند دقیق ترین نظام کے تحت سرگرم عمل ہیں۔ " فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ" (انعام:۹۶) "اس نے صبح کو پھاڑا اور رات کو سکون کا باعث قرار دیا ہے اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے قرار دیا ہے" دنیا کی بہت سی قومیں اپنے سال و ماہ کا حساب سورج سے اور بہت سی چاند سے معین کرتی ہیں اگر ان دونوں کا نظام ریاضی کی دقیق گردش کے تحت نہ ہوتا تو یہ سال و ماہ کے حساب معین نہیں ہو سکتے تھے "هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا" (یونس: ۵) "خدا نے سورج کو ضیاء اور چاند کو روشنی قرار دیا ہے۔" ضیاء اسے کہتے ہیں جو روشنی دے چونکہ چاند کی روشنی سورج سے مستفاد ہے لہذا چاند کو روشنی اور سورج کو ضیاء کہا گیا ہے۔

وہ ایک معین رفتار سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔

" وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ○ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن

تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ ''(یٰسٓ: ۳۸ تا ۴۰) مستقراً کے دو ترجمہ ہیں وہ اپنے قرار تک پہنچنے کے لیے حرکت کر رہا ہے وہ اپنے قرار پانے تک حرکت کرتا رہے گا۔

مذکورہ بالا تینوں آیات سورج کی حرکت پر صریح دلالت کرتی ہیں۔ سورہ لقمان کی آیت: ۲۹، سورہ فاطر کی آیت: ۱۳ اور سورہ زمر کی آیت: ۵ میں بھی یہی مضمون پایا جاتا ہے سورج ایک معیّن مدت کے لیے معیّن کاموں پر مامور ہے جب وہ مدت پوری ہو جائے گی اور کاموں کی تکمیل ہو جائی گی تو سورج کو موت آ جائے گی جیسا کہ سورہ تکویر کی پہلی آیت میں یہ تذکرہ ہے۔

گردش ارض وسماء

آسمان کے سلسلے میں قرآن مجید کے بیانات میں دقتِ نظر کی ضرورت ہے ایک مقام پر ارشاد ہوا ''اذا الشمس کورت۔ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ۔ (تکویر ۱/۲)'' أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ۔ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۔ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ۔ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ۔ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا '' (سورہ نازعات) '' کیا تم تخلیق میں زیادہ مضبوط ہو یا آسمان جسے اللہ نے بنایا اور اس کی سطح کو بلند کیا اسے ٹھیک بنایا اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے نور کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو لڑھکا دیا'' ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ زمین کی گردش تخلیقِ آسمان کے بعد ہے جب کہ سورۂ فصلت میں اسے اس طرح بیان فرمایا ہے:

خلق الارض فی یومنین (سورہ فصلت آیت: ۹) ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ (سورہ فصلت آیت: ۱۱) هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ (البقرہ: ۲۹)

ان تینوں آیات کا نتیجہ یہ ہے کہ خلقتِ زمین کے بعد آسمان کی خلقت ہوئی ہے۔ سورہ نازعات میں جس آسمان کا ذکر ہے پورے نظامِ شمسی کا آسمان ہے جب کہ سورہ فصلت

اور بقرہ میں جن آسمانوں کا ذکر ہے وہ زمین کے آسمان ہیں۔

”وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى (سورہ لقمان آیت:۲۹)

اصطلاح قرآن میں اجل سیاروں کی گردش کی مدت کا بھی نام ہے۔”کل یجری الی اجل مسمی“ (سورہ لقمان:۲۹) ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور رات کو دن میں اور اس نے سورج چاند کو مسخر کیا اور سب ایک مقررہ مدت تک کے لیے گردش میں ہیں۔“ یہ مفہوم سورہ رعد، سورہ فاطر اور سورہ زمر میں بھی بیان ہوا ہے۔ اجل مسمی اس لیے معین کیا گیا ہے کہ لوگ اپنے برسوں کا اور حساب کا علم حاصل کرسکیں۔

خطہ یونان میں ماضی بعید کے ہیئت دان زمین کو متحرک مانتے ہیں اور سورج چاند اور پانچ دوسرے سیاروں کی حرکت کے بھی قائل تھے اس طرح مجموعی طور پر یہ آٹھ فلک بنتے ہیں اس کے علاوہ کواکب کے لیے بھی ایک فلک کے قائل تھے اور ایک غیر مری سیارے کے بھی قائل تھے۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک افلاک کی تعداد دس (۱۰) تھی خطہ یونان ہی کا ایک دوسرا گروہ قائل تھا کہ زمین ساکن ہے اور سارے سیارے اس کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔ کلدانی ہیئت دانوں میں سے بعض اس بات کے قائل تھے کہ سورج مرکز ہے اور سارے سیارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں ولادت مسیح سے پونے دو سو سال تک کا جو عرصہ ہے اس میں جس قدر فلاسفہ منجمین اور ہیئت دان پیدا ہوئے ہیں انھوں نے علم الہیت کے بعض مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی اور افلاک کی تعداد میں بھی اضافہ کیا اسلامی منجمین نے بھی اس پر مزید اضافہ کیا ہے۔ ابوریحان البیرونی، ابن سینا اور نصیر الدین طوسی کی تصنیفات میں اس کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ یہاں یہ ساری بحث فلکیات پر ایک سرسری تبصرہ ہے اور اس بات کا اظہار ہے کہ قرآن مجید نے ان موضوعات پر بڑی بھرپور گفتگو کی ہے جو موضوعات علم انسانی کی تجسس کی جولانگاہ رہے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں پیغمبر اکرم نے قرآن مجید کے ساتھ اس دین کی ہدایت کے لیے چھوڑا اور جنھیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عترت واہلبیت کے نام سے یاد کرتی ہے۔ وہ اس قرآن کے بعد ان تمام علوم کی نشر واشاعت کا دوسرا بڑا ذریعہ ہیں علم الحدیث کے عظیم الشان ذخیرہ میں فلکیات، طبیعیات

اور دیگر سائنسی علوم پر معتد بہ احادیث پائی جاتی ہیں جو ایک طرف انسانی علوم میں اضافہ کا باعث ہیں اور دوسری طرف اسلام اور رسول اسلام کی حقانیت کا ایسا یقین ثبوت ہیں جس کی تردید ممکن نہیں۔

اسلام اور فلکیات

زیرِ نظر کتاب علامہ شہرستانی نے اسی بنیاد پر مرتب فرمائی ہے۔

اس کتاب میں علامہ شہرستانی نے متعدد زمینوں پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے انھوں نے سات زمینوں سے سات سیاروں کو ثابت کیا ہے لیکن یہ بات اس لیے درست نہیں ہے کہ اب ستاروں کی تعداد سات سے کہیں زیادہ ہے۔ بہر حال

(یہ کتاب اپنے موضوع پر نقش اوّل ہے۔ ایسا نقش اوّل جس کا ثانی اب تک سامنے نہیں آیا۔ شاید کوئی مردِ میدان اُٹھے اور مزید علم ہیت جتنا کہ آگے بڑھ چکا ہے) کی روشنی میں روایات آلِ محمدؐ کی تطبیق کرے۔

علامہ شہرستانی نے یہ کتاب ۱۳۲۷ھ میں مکمل کی اور ۱۳۲۸ھ میں اس کی طباعت ہوئی چونکہ یہ اسلام کی حقانیت پر دلیل قاطع تھی اسی لیے بہت قلیل عرصہ میں اسے شہرت و دوام حاصل ہوئی۔ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے۔ فراہانی اور باقر مرزا نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ اردو زبان میں اس کا ایک ترجمہ علامہ سیّد محمد ہارون زنگی پوری نے ''البدر التمام'' کے نام سے کیا جسے علامہ محمد سبطین مدیر رسالہ ''البرہان'' نے ۱۳۲۹ھ میں لاہور سے شائع کیا۔ بعدازاں سیّد احمد حسین نے ایک ترجمہ ''فلسفۃ الاسلام'' کے نام سے کیا جو ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا۔ علماء کرام نے اس کتاب کی تعریف و توصیف اور تقاریظ سپردِ قلم کیں جو ایک مستقل رسالے کی صورت میں لاہور سے شائع ہوئیں۔

علامہ شہرستانی کے مختصر حالاتِ زندگی

سیّد محمد علی بن سیّد حسین بن سیّد محسن

بن سیّد مرتضیٰ بن سیّد محمد بن امیر سیّد علی کبیر المعروف ہبۃ الدّین شہرستانی بروز منگل

۲۳ رجب ۱۳۰۱ھ کو سامراء میں پیدا ہوئے۔ مجدد شیرازی کے انتقال کے بعد آپ کے والد کربلا معلیٰ منتقل ہو گئے۔ وہیں ہبۃ الدین شہرستانی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ والد کے انتقال تک آپ کربلا ہی کے مدرسین سے درس حاصل کرتے رہے۔ ۱۳۱۹ھ میں والد کے انتقال کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے نجف اشرف منتقل ہو گئے وہاں علوم اسلامی کے اعلیٰ ترین درجہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ اجتہاد کے درجے پر فائز ہوئے۔ نجف اشرف میں آپ نے اپنے وقت کے جید اساتذہ کرام سے استفادہ کیا جن میں شیخ محمد کاظم خراسانی صاحب کفایۃ الاصول، سید محمد کاظم یزدی صاحب العروۃ الوثقیٰ اور شیخ الشریعت شامل ہیں عنفوانِ شباب ہی سے بلند ہمتی، ذہنی بیداری انھیں اس بات پر آمادہ کر رہی تھی کہ وہ ایسے کام انجام دیں جو دین کی تقویت کا باعث ہوں۔ آپ نے اپنے ہم عصر نوجوانوں کا ایک گروہ تیار کیا جو اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ جدید تہذیب، مذہب پر جو حملے کر رہی ہے اس کا شدت سے دفاع کیا جائے۔

۱۔ ۱۳۲۸ھ نجف اشرف سے "العلم" نامی رسالے کا اجراء کیا

۲۔ مشروطہ و مستعبدہ کی کشمکش میں عملی حصّہ لیا اور اپنے استاد محمد کاظم خراسانی کے نظریہ کو عام کیا۔

محمد کاظم خراسانی کے انتقال کے ایک سال بعد ۱۳۳۰ھ میں سفر کا آغاز کیا۔ شام، لبنان، مصر، حجاز، یمن، ایران اور ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندوستان میں ایک سال کے قیام کے بعد رمضان ۱۳۳۲ھ نجف اشرف واپس آئے یہ وہ زمانہ تھا جب علماء نجف انگریزوں کے خلاف نبرد آزما تھے۔ آپ نے گراں قدر حصّہ لیا ہے اور گرفتار ہو کر نو ماہ تک حلّہ میں اسیر رہے۔

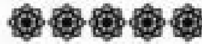
کچھ عرصہ وزیرِ تعلیم بھی رہے۔ پھر مذہبی اختلافات کی بناء پر استعفیٰ دے دیا لیکن اس دور کے بادشاہ فیصل اوّل نے آپ کو فقہ جعفریہ کی عدالت کی سربراہی پیش کر دی۔ جسے آپ نے قبول کر لیا۔ بینائی کمزور ہو جانے کے باعث آپ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے لیکن شدید اصرار کے سبب چودہ سال تک اسی حالت میں خدمات انجام دیتے رہے۔

مترجم کے مختصر حالاتِ زندگی

مترجم مولانا محمد ہارون زنگی پوری کا شمار بھی اپنے دور کے نامور علماء میں ہوتا ہے۔ ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ کو زنگی پور میں پیدا ہوئے۔

مولوی محمد سمیع زنگی پوری سے صرف ونحو اور حکیم مولوی محمد ہاشم، مولانا علی جواد صاحب سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مدرسہ فاطمیہ میں داخل ہو گئے۔ ممتاز الافاضل کر کے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور اورینٹیل کالج میں استاد مقرر ہو گئے۔ پھر ''پیسہ'' اخبار کے ایڈیٹر اور بعد ازاں مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں صدر شعبہ تصنیف وتالیف ہوئے۔

علامہ محمد ہارون زنگی پوری عربی، فارسی و اردو کے قادر الکلام شاعر و نثر نگار تھے۔ آپ کی بلند پایہ علمی وتحقیقی تصنیفات اپنی فکری عظمت کے ساتھ آج بھی باقی ہیں اور پڑھنے کے لائق ہیں۔ پچیس سے زائد تالیفات چھوڑ کر ۱۳۳۹ھ میں صرف سینتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔



چشم و چراغ کربلا۔ ۱۹۹۵ء

مرزا حیدر عباس ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے قلم کار ہیں انھیں نظم اور نثر دونوں صنفوں پر یکساں دسترس حاصل ہے جس کا ثبوت ان کی وہ مطبوعات ہیں جو قارئین سے داد و تحسین پا چکی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زیرِ نظر تحریر سے قبل ان کی ساری مساعی خالصتاً ادبی میدانوں تک محدود رہی ہیں۔ البتہ موجودہ تحریر کے لیے انھوں نے ایک مذہبی موضوع کو منتخب کیا ہے اور وہ ہے امام زین العابدین علیہ صلوۃ والسلام کی سیرت مبارکہ۔

سیرت نویسی مسلمانوں کا ایک قدیم علمی ورثہ ہے اور اس کا آغاز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کی نگارشات سے ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ آج جب سیرت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بعد دوسرے مرحلے میں ان اکابرین اسلام کی سیرتوں کی تدوین ہے جن کی ذات نور اوّل کا تسلسل اور جن کا کردار نبوت سے استفادہ ہے۔ اس فن کے مصنفین نے ماضی میں جو کچھ بھی تحریر کیا ہے وہ پورا ذخیرہ ان مصنفین کے ذاتی رجحانات و میلانات کا آئینہ دار ہے اور یہ فطری بات ہے اس لیے کہ دنیا کی کسی بھی تخلیق کو اس کے تخلیق کار سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کسی گروہ نے اپنی تخلیق میں بیشتر توانائی اس پر صرف کی ہے کہ کون سا واقعہ کب وقوع پذیر ہوا گویا تحقیق کا محور سنین و شہور اور اعداد و شمار میں یہ سوانح نویسی کا عمل ہے۔ سیرت نگاروں کے دوسرے گروہ نے صاحب سیرت کے ذاتی اخلاق و کردار کے نمونوں کو جمع کیا۔ یہ شخصیت نویسی کا عمل ہے۔ تیسرے گروہ نے مختلف رشتوں اور حوالوں سے صاحب سیرت کے حالات تحریر کیے یہ واقعات نگاری کا عمل ہے۔

آج جب کہ علم کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی ہے اور سیرت نگاری کے خد و خال بھی تبدیل ہو گئے ہیں آج سنین و شہور اور واقعاتِ فن اور تجرید واقعات فن سیرت نگاری میں ثانوی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور ان کی جگہ تحلیل و تجزیہ نے لے لی ہے۔ اب واقعات سے

استنباط کیا جاتا ہے۔ شخصیت کی مختلف جہتوں سے تحلیل کی جاتی ہے اور اس کے نفسیات کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے اور یہ طریقہ اس لیے زیادہ مفید ہے اس سے قاری کو انفرادی طور پر اور قارئین کو اجتماعی اور معاشرتی طور پر اپنی شخصیت یا شخصیتوں کی تشکیل میں بہت مدد ملتی ہے۔ یہ جملہ ایک پوری بحث کا متقاضی ہے۔

زیر نظر کتاب ایک ایسی شخصیت کے بارے میں ہے جس کی جہات کا احاطہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس کے باوجود قلم کاروں نے اپنی استطاعت اور اپنے ظرف کے مطابق ان میدانوں میں اشہب قلم کو جولان کیا ہے اور خوب کیا ہے۔

مرزا حیدر عباس نے سیّد سجاد علیہ السلام کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کو سامنے رکھ کر بڑی پُر مغز اور نفیس علمی بحث کی ہے۔ اگرچہ اس پوری کتاب کے مطالعہ سے صاحب سیرت کی پوری زندگی کا خاکہ ذہن میں مرتسم ہو جاتا ہے لیکن بعض خصوصی جہتیں ذہن پر دوامی اور لازوال نقش بنا دیتی ہیں۔ قاری کو بعض مقامات پر مصنف سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مصنف کے اس جذبہ سے اختلاف ممکن نہیں جس کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

مجھے امید ہے کہ کردارِ آلِ محمد علیہم السلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک اچھا سہارا ثابت ہوگی اور علمی و دینی حلقوں میں اس کی کماحقہ پذیرائی کی جائے گی۔

مرزا حیدر عباس قابلِ تحسین ہیں کہ انھوں نے اپنے قلم کی توانائیوں کو ایک مفید کام میں صَرف کیا ہے اور ان سے بجا طور پر یہ امید ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔

مقالات مولانا محمد جعفر زیدی شہید۔ ۲۰۰۱

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں حوزہ علمیہ نجف اشرف کا طالب علم تھا اور گاہ گاہ ایام عزا کی تعطیلات میں پاکستان آیا کرتا تھا۔ حسن اتفاق سے ایک سال مجھے لاہور میں محرم الحرام کے عشرۂ اولیٰ میں قیام کا موقع ملا اور مختلف مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ غالباً محرم کی چوتھی یا پانچویں تاریخ تھی جب میرے میزبان مجھے ایک ایسی مجلس میں

لے گئے جس میں بظاہر حالات دوسری مجالس کی نسبت فضلاء اور دانشوروں کا اجتماع زیادہ تھا۔ ایک ایسے بزرگ رونق افروزِ منبر تھے جن پر لباس علم پوری طرح سج رہا تھا۔ جلد ہی کوثر وتسنیم کی ڈھلی ہوئی زبان اور لہجہ کی شیرینی نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ مجلس میں خطابت کا عنصر کم تھا لیکن علمیت کا تناسب بہت زیادہ تھا۔ مدلل گفتگو تھی اور اس آیت پر تھی جس پر ایک ہزار سال سے گفتگو ہو رہی ہے۔ جسے صاحبانِ علم آیۂ تطہیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ آیۂ مبارکہ جسے منبر سے بہت زیادہ پڑھا گیا ہو۔ اس میں نئے نکات کا پیدا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ صاحب ذکر نے بعض ایسے نکات اور اچھوتے مطالب پیش کئے جو اس سے قبل سامعین کے لیے ناآشنا تھے جن سے انتہائی گہرے اور وسیع مطالعہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہ میرا پہلا تعارف تھا حضرت مولانا سید محمد جعفر زیدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سے۔

حوزہ علمیہ نجف اشرف میں پاکستان سے جو مختلف جرائد و رسائل آیا کرتے تھے، ان میں گاہ گاہ حضرت مولانا رضوان اللہ علیہ کی بعض تحریریں بھی دیکھنے کو مل جایا کرتی تھیں۔ مولانا کی علمیت، وسعتِ مطالعہ اور فکری تعمق کا پہلا تاثر جو مجلس کے ذریعہ مجھ پر قائم ہوا تھا ان کی گرانقدر تحریروں نے نہ صرف یہ کہ اسے باقی رکھا بلکہ اس تاثر میں مسلسل اضافہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مذہبی رسائل مناظرانہ مباحث کو پیش کرنے میں بہت مستعد ہوا کرتے تھے اور کم و بیش ہر شمارہ میں کسی نہ کسی نزاعی مسئلے پر کوئی نہ کوئی مقالہ یا مضمون موجود ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے ان موضوعات پر بھی قلم اٹھایا لیکن اس شان کے ساتھ کہ ان میں مناظرہ کم اور ادلہ و براہین کا امتزاج زیادہ ہوتا تھا، البتہ کہیں کہیں آپ کے لہجہ میں ذوالفقاری کاٹ بھی نمایاں ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود منتخب الفاظ، شائستہ طرز بیان اور محکم استدلال ان مقالوں کا طرۂ امتیاز ہوتا تھا۔

مجھے یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ حضرت مولانا کے خلفِ صالح ڈاکٹر نصیر عالم زیدی صاحب نے آپ کے مطبوعہ مقالات کا ایک معتد بہ حصہ شائع کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ خدا اُن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ وہ مقالے جو زیور طبع سے آراستہ ہونے

والے ہیں۔ خالص علمی اور تحقیقی ہیں۔ ان میں بعض ایسے اہم موضوعات زیر بحث آئے ہیں جن کی اہمیت گزرتے ہوئے زمانوں میں کبھی کم نہ ہوگی۔ ان مقالوں میں مولانا نے غیر جانبدارانہ علمی و منطقی تحقیقات سے اسلامی حقائق و معارف کو جمع فرمادیا ہے۔ حوالے مستند ہیں، عبارت سلیس اور رواں ہے اور تعبیر و استدلال دل نشین ہے۔

مجھے امید ہے کہ صاحبانِ علم و طالبانِ حکمت اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے اور ان مطالب کی قدر کریں گے جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

میں دست بدعا ہوں کہ رب العزت بہ طفیل محمدؐ وال محمد علیہم السلام حضرت مولانا سیّد محمد جعفر زیدی رضوان اللہ علیہ کے درجات میں اضافہ فرمائے اور اربابِ فکر و دانش کو ان کے معارف سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

طالب جوہری

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ لاہور



تفسیر صافی جلد اوّل۔ ۲۰۰۵ء

علمِ تفسیر کے تاریخ نویسوں نے باقاعدہ علم تفسیر کا آغاز جس عہد سے بھی قرار دیا ہو، یہ ہمارا موضوعِ بحث نہیں ہے۔ اتنا بہرحال طے ہے کہ نزولِ قرآن اور تفسیرِ قرآن تقریباً ہم عہد ہیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر بیانِ قرآن اور تعلیمِ قرآن کی ذمّے داری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق کی ہے۔ سورۂ قیامت میں یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ بیانِ قرآن کی ذمّے داری اللہ کی ہے، دومرتبہ سورۂ نحل میں یہ ارشاد فرمایا کہ بیانِ قرآن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمّے داری ہے۔ اسی طرح سورۂ جمعہ میں فرائضِ رسالت بیان کر کے پھر تعلیم کتاب کے فریضے کو بھی آپ ہی سے متعلق کیا گیا ہے۔ لہٰذا دنیا کی پہلی تفسیر بیانِ رسولؐ ہے اور کسی بھی آیۂ مبارکہ کے سلسلے میں یہی حتمی اور آخری تفسیر ہے۔ ہم تاریخِ قرآن میں یہی دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام مختلف آیات کے معانی آپؐ سے دریافت کرتے تھے اور آپؐ ان کے جوابات مرحمت فرماتے تھے۔

ذہنِ انسانی ایک ایسا متحرک وجود ہے جو ہمہ وقت فکر و تدبر کے نئے گوشوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ لہٰذا رسول اکرمؐ کے بعد ایسے انسانوں کا وجود ضروری ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرآن پر اُٹھائے جانے والے سوالات کے جواب دے سکیں۔ اسی ضرورت کو آپ نے اپنے اس مبارک فرمان میں پورا فرمایا ہے کہ "انی تارك فیكم الثقلین كتاب اللہ و عترتی اھل بیتی" (مسند احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم وغیرہ) میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت جو میرے اہلِ بیت ہیں۔ اس روایت میں "کُم" سے خطاب پوری ملّت اسلامیہ سے ہے، کہ میں تم میں کتاب و عترت کو چھوڑ رہا ہوں۔ یعنی تم اور ہو اور کتاب و عترت اور ہیں۔ قرآن اور عترت کو ایک ساتھ چھوڑنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے شارح اور مفسّر کی حیثیت سے اُمّت میں چھوڑا ہے، یعنی آپ کے بعد قرآن کے دوسرے مفسّر اور شارح آلِ محمدؐ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اپنے

عہد میں امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے علاوہ ایسا دعویٰ کسی اور کی زبان سے سننے میں نہیں آیا کہ "ما من آیة الا و علمنی تاویلها" (کنز العمال اور اصابہ وغیرہ) امیر المومنین نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کی تاویل وتفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نہ بتائی ہو۔

اس بحث کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ رسول اور آلِ رسولؐ سے ملنے والی تفسیریں ہر آیت سے متعلق نہیں ہیں تو وہ آیات جن کی تفسیر قولِ معصومؑ سے نہ ملتی ہو انہیں سمجھنے کی کوشش کی جائے یا نہ کی جائے؟ درحقیقت نزول قرآن کا منشاء بھی یہ ہے کہ انسان اس میں غور وفکر کریں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورہ محمد ۴۷ آیت ۲۴)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(سورہ ص ۳۸ آیت ۲۹)

تدبر فی القرآن کے ان صریح احکامات کے ساتھ ساتھ ہمیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کو سامنے رکھنا چاہیے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْقُرْآنَ ذَلُوْلٌ ذُوْ وُجُوْهٍ فَاحْمِلُوْهُ عَلٰى اَحْسَنِ الْوُجُوْهِ یعنی آیاتِ قرآنی مختلف احتمالات اور وجوہ کی حامل ہیں لہٰذا تم آیات کو بہترین اور مناسب ترین احتمال (وجہ) پر حمل کیا کرو۔ پیغمبر اکرم کا یہ فرمان خود اس بات کی دلیل ہے کہ آیاتِ قرآنی میں تدبر کرنے پر جو مختلف احتمالات ذہن میں آئیں ان میں مناسب ترین کو اختیار کرنا چاہیے۔

اب ہم بحث کے تیسرے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں کہ کیا ہمیں اس بات کی اجازت ہے کہ ہم جس طرح چاہیں تدبر کریں؟ ہم جب وسائل الشیعہ اور دیگر کتب احادیث پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں جزوی اختلافِ متن کے ساتھ صادقین علیہم السلام سے یہ روایت ملتی ہے کہ:

علینا ان نلقی الیکم الاصول و علیکم ان تفرعوا (ہماری ذمے داری ہے کہ ہم تم کو اصول وکلیات بتلائیں اور تم ان سے جزئیات کو حاصل کیا کرو)

لفظ اصول کی عمومیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اصول عقائد ہوں یا اصول تفسیر یا اصول فقہ وغیرہ ہمیں ان سب کو آل محمد علیہم السلام سے حاصل کرنا ہے۔ مکتب اہل بیتؑ کے فقہا و مفسرین آغاز سے اب تک اسی بات پر کار بند رہے ہیں۔

اگرچہ تفسیر نویسی کے آغاز میں فقط اُن روایات کی جمع آوری کا رواج تھا جن کا تعلق مکتب اہل بیتؑ سے ہے۔ لیکن جب ان روایات کی روشنی میں اصول تفسیر مدوّن ہو گئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر کے دائرے میں وسعت پیدا ہو گئی اور آہستہ آہستہ وہ سارے علوم اس میں داخل ہونے لگے جن کا تعلق انسان اور انسانیات سے تھا۔

زیر نظر تفسیر اپنے عہد کی ایک اہم تفسیر ہے اور مفسّر ملّا محسن فیض کاشانی ہیں۔ فیض گیارہویں صدی کے مشاہیر علما میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، عارف بھی ہیں اور شاعر بھی۔ ان کے مطالعہ کی گہرائی اور فہم و بصیرت کی گیرائی مسلم ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے بارہویں مقدمے میں اس طریقہ کار کی وضاحت کی ہے جس پر ان کی تفسیر کی بنیاد ہے۔ ایک مفسر کو بعض مقامات پر ان سے اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے لیکن وہ اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت استنباط اور قوت نقد کے حامل ہیں۔ مولانا تلمیذ حسنین رضوی دام فضلہ قابل مبارک باد ہیں کہ اُنہوں نے اس تفسیر کے ترجمہ اور تلخیص کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

فاضل جلیل و محقق خبیر جناب مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اسلامی علوم و فنون پر بھی نظر اور دسترس رکھتے ہیں اور تحریر و تالیف کی توانائیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ میں نے جستہ جستہ اس ترجمہ و تلخیص پر نگاہ ڈالی، الفاظ کی نشست برمحل، عبارت صاف، وشستہ اور سلیس ہے۔ ترجمہ میں کسی قسم کی تعقید یا ابہام نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ نہ ہو طبع زاد تحریر ہو۔ میں بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ بہ طفیل معصومین علیہم السلام، جناب مولانا کو وہ توفیق عطا ہو کہ وہ اس کام کی تکمیل کو ساتھ ساتھ دیگر علمی اور دینی خدمتوں کو انجام دیتے رہیں۔

طالب جوہری، نیوجرسی، امریکہ

۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

قرآن شناسی ـ ۲۰۰۵ء

محقق بصیر اور دانشمند خبیر سید محمد حسین جلالی حفظہ اللہ کا تعلق شہر کربلا کے ایک ایسے خانوادے سے ہے جو اپنے علم وفضل اور دیانت وتقویٰ میں ماضیٔ بعید سے معروف چلا آرہا ہے۔ سید جلالی ایک ایسے قلم کار ہیں جو اپنے وطن سے ہزاروں میل دُور بیٹھے ہوئے دین اور علم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ مجھے حال ہی میں اُن کی ایک مبسوط تالیف کے مطالعے کا موقع نصیب ہوا جس کا نام "دِرَاسَۃٌ حَوْلَ الْقُرْآنِ" ہے۔ یہ کتاب قرآن مجید کے سلسلے میں بنیادی اور اہم معلومات پر مشتمل ہے جس میں آیت وسورت کے معنی سے لے کر ترتیب نزول اور جمع قرآن کے ساتھ ساتھ بعض اہم قرآنی نسخوں پر بھی گفتگو شامل ہے گویا یہ کتاب قرآنیات کے سلسلے کی ایک مختصر دائرۃ المعارف ہے۔

قاری جب اس کتاب کی طرف متوجہ ہوگا تو اُسے شعوری یا لاشعوری طور پر اس سوال کا سامنا ہوگا کہ وہ یہ کتاب کیوں پڑھے؟ اِس سوال کا آسان جواب یہ ہے کہ قرآن مجید ملّت اسلامیہ کے نصاب کی کتاب ہے، یہ ایسا فرقان ہے جو طیب اور خبیث، خیر اور شر، حق اور باطل میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ ایسا نور ہے جو زندگی کی راہوں کو منور کرتا ہے، ایسا علم ہے جو اللہ کے بتلائے ہوئے نظام حیات سے انسانوں کو روشناس کراتا ہے۔ یہ انسان کا ماضی ہے، حال بھی ہے اور مستقبل بھی اور آج ملّتِ اسلامیہ کے زوال اور اِنحطاط کا واحد سبب قرآنِ مجید سے روگرانی ہے، لہٰذا ملّتِ اسلامیہ پر واجب ولازم ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ قرآن کا مقصد کیا ہے، یہ اِنسانوں سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا اور اس کے موضوعات ومطالب اور اوامر ونواہی کیا ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ قرآن میں کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قاری اِس جواب سے مطمئن ہوتے ہی ایک دوسرے سوال سے دوچار ہوگا کہ یہ درست ہے کہ ہمیں اس کتاب سے ہدایت لینی ہے اور اس کتاب کو اپنے عقائد اور اعمال کا سرچشمہ قرار دینا ہے، لیکن اُس کتاب کو جو قرآن کے موضوعات پر نہیں ہے، خود قرآن پر لکھی گئی ہے، ہم کیوں پڑھیں؟ اس کا جواب سوالِ اوّل سے زیادہ

آسان ہے کہ "قرآن میں کیا ہے؟" اُس وقت مُفید ہوگا جب یہ سمجھ لیا جائے کہ "قرآن کیا ہے؟" زیرِ نظر کتاب اِسی سوال کا جواب ہے۔

ایک دوسرا رُخ یہ ہے کہ علمِ کلام کے ماہرین نے قرآن مجید پر دو محاذوں سے حملہ کیا ہے۔ ایک محاذ میں قرآن کے مطالب و موضوعات کو نشانہ بنایا گیا ہے اور دوسرے محاذ میں خود قرآن، اس کے استناد، اس کی حجیت، جمع آوری، ترتیب آیات و سورہ، قرأتوں کے اختلافات اور نسخوں کے فرق وجہات پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ سید جلالی حفظہ اللہ نے ان موضوعات میں سے بعض پر سیر حاصل اور بعض پر مختصر گفتگو کی ہے۔ لیکن یہ اعتراف نہ کرنا ناانصافی ہوگی کہ اُنہوں نے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

ایک تیسرا رُخ یہ ہے کہ انسان جن چیزوں سے محبت و عقیدت رکھتا ہے، اُن کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اُن لوگوں کے لیے بیش قیمت تحفہ ہے جو قرآن سے عقیدت رکھتے ہیں اور اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کے خواہش مند رہتے ہیں۔ اس کتاب میں قرآنیات سے متعلق کچھ ایسے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں جو اس سے قبل کی کتابوں میں نظر نہیں آتے اور کچھ ایسے بھی مباحث ہیں جو اگرچہ قرآنیات کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن تشنہ ہیں۔ فاضلِ موصوف نے مختلف مصاحف پر جائزہ رقم کیا ہے وہ اس کتاب کی اہمیت اور اِفادیت میں اضافہ کرتا ہے اور تحریف کی بحث قاری کو بعض نئی جہات سے روشناس کراتی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر سید القرأۃ کی بحث میں ایک خاص لطف محسوس ہوا جس کا بیان کی گرفت میں آنا دشوار ہے۔

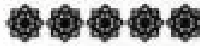
سید جلالی ایک قادر قلم کار ہیں لہٰذا اس کتاب کی زبان شستہ ہے، نثر مستحکم ہے اور مطالب کے بیان میں نہ غیر ضروری تطویل نہ نامناسب اختصار۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اُردو داں طبقہ کے لیے اس مفید کتاب کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔

میں نے جستہ جستہ اس ترجمہ کو دیکھا جس میں بہت حد تک روانی اور سلاست پائی جاتی ہے اگرچہ اسے مزید نکھارا اور سنوارا جا سکتا ہے اور اُس معیار سے قریب کیا جا سکتا ہے جو سید جلالی کی عربی نثر کا معیار ہے۔ اس کے باوجود یہ ترجمہ ایک ایسی کوشش ہے جو ہر لحاظ

سے نافع اور قابل استفادہ ہے۔

میں دُعا گو ہوں کہ رب العزت بہ طفیل کتاب و وارثانِ کتاب علیہم السلام دانشمند عالی قدر سید محمد حسین حسینی جلالی کو تا دیر قائم رکھے اور اُنہیں خدمتِ دین و شریعت کی توفیق فرماتا رہے۔ میں مترجم زاد مجدہ کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ اللہ اُن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے کہ وہ علوم و معارف کی خدمت سرانجام دیتے رہیں اور نفیس اور اعلیٰ کتابوں کو اُردو زبان میں منتقل کرتے رہیں۔ و آخر دعوانا آن الحمد للہ رب العالمین۔

(طالب جوہری)



مہرِ ذاکری۔۔۲۰۰۸ء

کتبِ احادیث میں طلب کی روایت کا ایک متن یہ بھی ہے کہ ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة ''۔یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ ہے۔اس کی روشنی میں ایسی مسلمان خواتین کا وجود ناگزیر ہے جو صنف نسواں کو دینی معلومات سے روشناس کراتی رہیں۔ یہ ذکر سید الشہداء علیہم السلام کی برکت ہے کہ ہر زمانے میں ایسی خواتین موجود رہی ہیں جو ذکر کربلا کے ساتھ ساتھ اپنی ہم جنسوں میں دینی ضروریات اور مذہبی معلومات کو عام کرتی رہیں۔

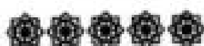
محترمہ مہر نور رضوان اللہ علیہا ایسی ہی ذاکرات میں شامل ہیں۔ بلکہ ان کا شمار ان محترم ذاکرات میں ہوتا تھا۔جنہیں ثقہ اور ذی علم خواتین ذوق و شوق سے سماعت کرتی ہیں۔اس شہر میں ان کی ذاکری ایک طویل مدت پر محیط تھی۔خود میرے گھر کی زنانی مجلس میں مرحومہ نے چودہ پندرہ سال خطاب فرمایا تھا۔

ان کی خطابت کی متانت،مواد کا انتخاب اور پیشکش کا انداز اتنا موثر تھا کہ موجودہ دور کی ذاکرات میں بڑی تعداد ان کے اسلوب ذاکری سے متاثر اور مانوس نظر آتی ہے۔

مرحومہ کے ورثاء نے ان کے لیے ایک یادگری مجلہ کا اہتمام کیا ہے جو مرحومہ کا حق ہے۔لیکن زیادہ مناسب اور مفید بات یہ ہے کہ ان کی تحریروں کو منظر عام پر لایا جائے تو باقیات الصالحات کی صورت میں ان کے اضافہ درجات کا سبب قرار پائے گا۔

میں دست بدعا ہوں کہ رب العزت بہ طفیل معصومینؑ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرما اعلیٰ علیین کے مقام سے نوازے۔

طالب جوہری



توحیدِ مفضل۔۔ ۲۰۱۱ء

اگر فلسفی اسرار کائنات میں تجسس کرتے ہوئے برہان یعنی خالص عقلی دلائل کے ذریعے کسی نتیجے تک پہنچ جائیں تو اس کا یہ نتیجہ فلسفہ کہلاتا ہے۔ یعنی فلسفے کا یہ سفر زمین سے آسمان کی طرف صعودی سفر ہے۔ اس کے برعکس دین کا سفر ہبوطی ہے کہ وہ آسمان سے زمین کی طرف بقدر ضرورت حقائق و معارف کی ترسیل کرتا ہے چونکہ یہ ترسیل حقائق کی دنیا سے ہوتی ہے اس لیے اس میں شک و ریب کی گنجائش نہیں ہوتی۔

زیر نظر کتاب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اقوال کے ترجمے و تشریح پر مشتمل ہے۔ امام علیہ السلام کے ان اقوال کا شجرہ نسب بھی انہی آسمانی حقائق سے جڑا ہوا ہے جن کا سرچشمہ وحی والہام ہیں۔ میرے اس دعویٰ کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان مبارک ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی" یہ حدیث مبارک حوالے سے اس لیے بے نیاز ہے کہ لاتعداد محدثین و رواۃ نے اس کی تخریج کی ہے۔

زیر نظر طویل حدیث عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھٹے امام، امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور اس کے راوی حضرت مفضل بن عمر ہیں۔ مفضل بن عمر کا تذکرہ شیخ طوسی نے اپنے رجال میں امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کے اصحاب میں کیا۔ استادِ معظم آیت اللہ العظمیٰ خوئی نے اپنے معجم الرجال میں تحریر کیا ہے کہ ان کی جلالت قدر کے لیے یہ کافی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے انھیں اس حدیث کے لیے مخصوص کیا جس کا نام "حدیثِ مفضل" ہے اور نجاشی نے اس حدیث کو اپنے رجال میں "کتاب فکر" کے نام سے یاد کیا ہے۔

آیت اللہ العظمیٰ مرحوم کے اس بیان سے راوی اور روایت دونوں کی وثاقت آشکار ہے۔ اس حدیث کا تذکرہ حدیث اور رجال کے قدیم مصادر میں اس کثرت سے ہے کہ اس کی وثاقت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

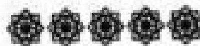
تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا جب میں شمالی ناظم آباد میں سکونت پذیر تھا ان دنوں محمد علی سید سے میری ملاقاتوں کا تواتر زیادہ اور دورانیہ طویل ہوا کرتا تھا۔ انھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو میں نے ہی انھیں اس عظیم علمی سرمائے کی طرف متوجہ کیا تھا اور اس کے اردو ترجے کی اطلاع بھی فراہم کی تھی۔ محمد علی سید اپنی نوجوانی سے ہی علم دوست اور ادب شناس ہیں۔ انھیں شعر و شاعری اور تحریر تدوین سے ہمیشہ عملی دلچسپی رہی ہے۔ اس کا ثبوت ان کی وہ کتابیں ہیں جو آج قارئین کی دست رس میں ہیں اور بڑی حد تک چونکا دینے والی ہیں اور سب سے بڑھ کر ان کا یہ تحقیقی کام جو انھوں نے توحید مفضل پر سرانجام دیا ہے، انتہائی قابلِ قدر اور ستائش کے لائق ہے۔

موجودہ کتاب میں انھوں نے اپنی بے چین علمی طبیعت کا سکون تلاش کر لیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انہی فکری وادیوں کو طے کرنے میں صرف کریں گے۔ میں نے اس کتاب پر اس لیے گفتگو نہیں کی کہ یہ کتاب خود اپنا تعارف ہے البتہ قدیم ترجے میں زبان اور اسلوب میں تبدیلیاں زمانے کے مطابق اور تشریحات برمحل، مدلل اور دل نشین ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس کتاب کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر لیا جائے تو اسے بین الاقوامی سائنسی ادب کے مقابلے میں بڑے فخر سے رکھا جا سکتا ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ رب العزت بہ طفیل معصومین علیہم السلام، محمد علی سید کو بیش از بیش توفیق عطا فرماتا رہے۔

طالب جوہری

یکم ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ



رباعیاتِ فراستؔ پر اک نگاہِ انتقاد

(۲۰۱۴ء)

رباعیات کے زیرِ نظر مجموعے سے قبل بھی فراست رضوی کے شعری مجموعے شائع ہو کر قبولیت اور پسندیدگی کی سند پا چکے ہیں۔ وہ اپنی غزلوں میں ایک منجھے ہوئے غزل گو کا کردار بہت مہارت اور نفاست سے ادا کر چکے ہیں، لیکن یہ بات تعجب خیز اس لیے نہیں ہے کہ ہمارا دور سہل پسندی کا دَور ہے اور غزل جیسی چیز چلتے پھرتے بھی کہی جا سکتی ہے۔ جہاں تک غزل کے معیار کا سوال ہے تو اس کا میزان خود شاعر کا اپنا معیارِ شعر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس دوسری اصنافِ سخن جو صوری ہوں جیسے مخمس، مسدّس، مثمن وغیرہ یا معنوی ہوں جیسے مثنوی، مرثیہ، شہر آشوب اور دیگر منظومات، یہ شاعر سے زیادہ توجہ، انہماک اور وقت کی طلب گار ہوتی ہیں۔ اسباب جو بھی ہوں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلی صدی کے آخری نصف سے شعراء کی قابلِ توجہ اکثریت غزل کے دائرے میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسے میں فراست رضوی کا چار سو رُباعیات پر مشتمل ضخیم مجموعہ اردو کے شعری ادب میں بادِ مراد کی نوید بھی ہے اور ایک خوشگوار تبدیلی کی اُمید بھی۔

اچھی غزل کی کافرانہ دلبری اور دل نوازی سے کوئی کافر ہی انکار کر سکتا ہے، اس کا ہر شعر اپنی ذات میں ایک مکمل سراپا ہوتا ہے کہ ''وہیں عمر ساری بسر کیجیے۔'' غزل کے شعر اور رُباعی میں وحدتِ مضمون کے حوالے سے مماثلت پائی جاتی ہے اور دونوں کا تاثر بھی کم و بیش ایک جیسا ہوتا ہے لیکن غزل اس اعتبار سے خوش قسمت ہے کہ اوزان و بحور کی آزادی اُسے آسان بنا دیتی ہے۔ اس کے علی الرغم رباعی کا ایک بڑا مسئلہ اس کے اوزان و بحور ہیں۔ بحرِ ہزج سے تعلق رکھنے والی اس صنف کو زحافات کے ذریعے سے کل چوبیس اوزان میں مقید

کیا گیا ہے اور اسی تناظر میں خواجہ حسن قطان خراسانی نے اخرب و اخرم کے دو دوائر مرتب کیے اور فیصلہ کیا گیا کہ فقط انہی اوزان میں کہے جانے والے چار مربوط مصرعے رُباعی کہلانے کے حقدار ہوں گے۔ تفننِ طبع کے طور پر یہ جان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ علمِ عروض کے بعض پہلوؤں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ رُباعی کے مزید دس ہزار اوزان تشکیل دیے جا سکتے ہیں اور ایک منشی صاحب نے تو اس کے اسّی ہزار نو سو چوراسی اوزان نکالے بھی ہیں جو عروض کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں درست نہیں ہیں۔ یقیناً یہ اُس دور کی بات ہے جب اربابِ علم و فن کو فرصت کے رات دن میسّر تھے۔

ہمارے عہد میں بھی ایسی چند کوششیں کی گئی ہیں۔ بھارت میں علامہ سحر عشق آبادی اور اُن کے ہونہار شاگرد زار علامی نے معاقبہ یعنی مفعول = فاعلن کو کام میں لاتے ہوئے رُباعی کی بحور کی تعداد ۵۴ تک کر دی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ چوں کہ مفعول اور فاعلن مرکب زحاف ہیں لہٰذا ان کے مابین معاقبہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان نو ساختہ اوزانِ رباعی کو مستند عروض دانوں نے رَدّ کر دیا۔

اُستادانِ عروض کے یہ سارے دعوے رُباعی کی ظاہری شکل و صورت کے بارے میں ہیں جب کہ اس کی معنوی کیفیات پر نگاہ ڈالی جائے تو حیرانی ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل ترین نظم ہے جو اپنی جسامت میں مختصر ترین ہونے کے باوجود اپنے اندر اظہار کی بے کنار وسعتیں رکھتی ہے۔ رُباعی کے نکتہ شناس اور تخلیق کار جانتے ہیں کہ اس صنف میں سب سے مشکل کام چوتھا مصرع کہنا ہے۔ رُباعی میں تین ابتدائی مصرعے ایک مخصوص فکر کے لیے تشریحی مواد فراہم کرتے ہیں اور چوتھے مصرعے میں وہ مخصوص فکر ظہور پذیر ہو کر رُباعی کی معنوی تکمیل کرتی ہے۔ اگر چوتھا مصرع کمزور ہو تو رُباعی کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ہماری بعض مقامی زبانوں کے لوک ادب میں ایسی غنائی اصناف موجود ہیں جن میں پہلا مصرع بات کے آغاز کرنے اور ایک قالب مہیا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ بھلے یہ مصرع آگے آنے والی لائنوں سے کوئی معنوی ربط نہ رکھتا ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ پہلا مصرع مہمل بھی ہو سکتا ہے۔ خصوصاً پنجابی ماہیے اور ٹپے میں اس تکنیک کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے لیکن رُباعی

میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس کے چاروں مصرعوں میں ایک معنوی ربط کا پایا جانا ضروری ہے۔ بہرحال فارسی اور اردو میں یہی طریقہ مروّج رہا ہے کہ مضمون کا ابلاغ اور تکمیل رُباعی کے آخری دو مصرعوں میں کی جائے۔ جیسے سحابی استرابادی کے یہ دو مصرعے:

دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست

رُباعی اگرچہ فارسی زبان کی ایجاد ہے لیکن اردو نے اسے دوسری اصناف کی طرح بہ رضا ورغبت قبول کیا ہے لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ یہ ہمیشہ ثقہ افراد اور خواص کی پسند رہی ہے۔ اگر فارسی کی شعری روایت میں رباعی نگاروں کا مطالعہ کیا جائے تو نورالدّین عوفی کے لکھے ہوئے فارسی کے قدیم ترین ادبی تذکرے (سنہِ تالیف ۶۱۸ھ) ''لباب الالباب'' کے مطابق سلجوقی عہد صنفِ رُباعی کے لیے بڑا ہی زرخیز تھا۔ گو اس سے قبل عنصری اور فرخی کی چند رُباعیات ملتی ہیں لیکن سلجوقی عہد نے جو رُباعی گو پیدا کئے دنیا آج بھی اُن کے فن کی معترف ہے۔ اس عہد میں ہمیں ابوسعید، عمر خیام، طوسی سمرقندی، نظامی گنجوی، انوری، خاقانی اور سنائی جیسے اکابرِ رُباعی ملتے ہیں جنھوں نے آسمان ادب پر رُباعی کے ماہ و نجوم سجا دیے۔ بابا طاہر عریاں ہمدانی بھی اسی دور سے متعلق ہیں مگر ان کی چہار مصرعی نغمیاتی اکائیوں کو رُباعی کہنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ وہ رُباعی کے مخصوص اوزان میں نہیں ہے۔ سرمد فارسی ادبیات کی تاریخ کا وہ آخری عظیم رُباعی نگار ہے جسے خیام اور ابوسعید ابوالخیر کا ہم پلہ کہا جاسکتا ہے۔

قدیم ایران میں انہیں لحن اور سُریلی آوازوں میں پڑھا جاتا تھا جس سے اہلِ بزم ،کیف وسرور حاصل کرتے تھے۔ غالباً اسی خصوصیات کے سبب اہلِ فارس نے اسے ''ترانہ'' کا نام دیا ہے۔ اردو میں رُباعی کی قبولیت اور روایت کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ کسی بھی دور میں عوامی سطح پر سب سے زیادہ مقبول صنفِ سخن نہیں رہی۔ زمانۂ گزشتہ میں نول کشور اور دوسرے مطابع سے چھپنے والے دواوین میں مخض رُباعی کے مجموعے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اُس عہد کے غزلوں کے مجموعوں کو دیکھیے تو اُس میں یا تو رُباعیات

ہیں نہیں یا اگر ہیں تو بہت کم۔

اس صنف میں صرف انہی شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے جن کی فطرت میں خداوندِ کریم نے مشکل پسندی ودیعت کی ہے۔ اس کا یہ مطلب یقیناً نہیں ہے کہ اردو کے اکابر شعراء نے اس صنف میں طبع آزمائی نہیں کی۔ ولی دکنی، انشا، مصحفی، میر، سودا، مومن، درد، غالب، ذوق اور نظیر اکبرآبادی وغیرہ کے دواوین میں اعلیٰ درجے کی رُباعیاں موجود ہیں مگر ان کی انتہائی کم تعداد ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ان شعراء کی مرغوب صنفِ سخن نہیں ہے۔ اس عہد میں ہمیں انیس و دبیر کے نام رُباعی کے حوالے سے بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان دو بزرگ شاعروں کی اس ادبی خدمت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ انھوں نے اس خواص پسند صنف کو منبروں کے ذریعے عوامی بنانے میں نہایت اہم کردار انجام دیا ہے۔ بعد کے رُباعی گو شعراء میں رُباعی کی بقا اور ارتقاء کی بے حد سنجیدہ کوششیں نظر آتی ہیں جنھیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے رُباعی کے عہد جدید میں جو اہم شعراء ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالی، اکبرالہٰ آبادی، شاد عظیم آبادی، پیارے صاحب رشید، شوق قدوائی، عزیز لکھنوی، فانی، اثر لکھنوی، امجد حیدرآبادی، یاس یگانہ چنگیزی، جگت موہن لال رواں، تلوک چند محروم، آنند نرائن ملاّ، مہاراجا کشن پرشاد شاد، جوش، فراق، سیماب اکبرآبادی، راغب مرادآبادی، عبدالباری آسی، آغا شاعر قزلباش، پروفیسر شعور علیگ، فدا خالدی، اقبال شوقی، اثر صہبائی، نریش کمار شاد، عنوان چشتی، شمس الرحمٰن فاروقی صفیہ شمیم ملیح آبادی، اجتبیٰ رضوی، صادقین، محسن اعظم ملیح آبادی اور رفیع الدّین راز۔

شعر و ادب میں رُباعی کے کردار کو اس وقت تک متعین نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے موضوعات کا جائزہ نہ لیا جائے۔ ایک طائرانہ جائزے کے مطابق الٰہیات، مابعدالطبیعیات، تصوف، فنا و بقا، حیات و ممات، خمریات اور متفرق ذوقیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ احساسات، جذبات اور عقلیات کی لطیف ترجمانی اس کے اساسی موضوعات رہے ہیں مختصر یہ کہ دقیق اور سنجیدہ مسائل پر رُباعی گو شعراء نے فکرِ انسانی کو جتنا کچھ دیا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے۔

موضوعات کی متانت اور سنجیدگی کے فطری تقاضے کے طور پر رُباعی کے لیے یہ لازم قرار پایا کہ مذکورہ موضوعات کے بیان کے لیے ایسے الفاظ منتخب کیے جائیں جو خود بھی متین اور سنجیدہ ہوں اور ایک باوقار فکری فضا کو تشکیل دینے پر قادر ہوں۔ رودکی (وفات ۳۲۹ھ) سے شروع ہونے والی یہ صنفِ سخن جب اپنے سفر پر روانہ ہوئی تو اپنے موضوعات، اسالیبِ بیان اور انتخابِ الفاظ میں ٹھیٹھ روایتی اور بندھے ٹکے اصولوں کی شاعری تھی۔ اگر ہزار سال کے دورانیے میں کہیں روایت سے انحراف بھی ملا تو وہ اتنا کم تھا کہ قابلِ ذکر بھی نہ تھا۔ اگر فراق و جوش اس میدان میں وارد نہ ہوتے تو یہ انحراف ناقابلِ ذکر ہی رہتا۔ فراق و جوش کی رُباعیاں مذکورہ روایت سے جزوی لیکن نمایاں انحراف اور رُباعی کی زبان، اسلوبِ بیان اور موضوعات میں واضح تنوع اور توسیع کی بہترین نمائندہ رُباعیاں ہیں۔ فراق کی جسمیاتی اور صنفیاتی رُباعیوں میں اُن کا ہندی اور اردو کا ملا جلا لب و لہجہ انھیں رُباعی گو شعراء میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ جوش صاحب کا مسئلہ اُن سے مختلف ہے لیکن ایک قدرِ مشترک بہرحال دونوں میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ان دونوں شعرائے عظام نے اردو رُباعی کو انتہائی دلچسپ اور پُرکشش بنایا اور اس کی عام مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

حضرت جوش عجوبۂ روزگار تھے اور عجوبۂ روزگار رہیں گے۔ تین اصنافِ سخن پر اُن کی قدرتِ کلام اتنی مساوی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کا اصل رُجحانِ طبع کیا تھا اور وہ ہیں بیانیہ اور خطابیہ نظمیں، مراثی (مسدس) اور رُباعیات۔ جب ہم اُن کی رُباعیات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں کم و بیش وہ سارے موضوعات نظر آتے ہیں جو متقدمین کے افکارِ عالیہ کا محور رہے ہیں۔ وجودِ باری، ذات و صفات کے مسائل، مسئلۂ جبر و قدر، تشریع و تکلیف، زمان و مکاں، عقل و عشق، گناہ و ثواب، محبوب کا سراپا، مناظرِ فطرت اور رندی و زہد کے موضوعات جوش صاحب کی رُباعیوں میں بڑی کامیابی سے ادا ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں نفسیاتی مسائل، ایک مخصوص التذاذ، خیام کی طرح کا طنز اور بعض مقامات پر تمسخر اور ناپسندیدہ استہزا، غرض اُن کی رُباعیات میں موضوعات کی ایک رنگا رنگ دنیا آباد ہے۔

اُس پر مستزاد اُن کا پُرشکوہ لہجہ اور الفاظ و اصوات کا جمال۔ ان تمام فن کارانہ خوبیوں نے جوش ملیح آبادی کو اردو رباعی کا بے تاج بادشاہ بنا دیا ہے۔ بلاشبہ رُباعی کے میدان میں اُن کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ موضوعات کی اتنی بوقلمونی ہمیں کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ میں آج بھی "نجوم و جواہر" کو اردو رُباعی کا سب سے بڑا اور اہم ترین مجموعہ تسلیم کرتا ہوں۔

رُباعی پر یہ حکایت ذرا طویل ہو گئی ہے۔ اب ہم ہائیکو زدہ اور غزل خوردہ فراست رضوی کی رُباعیات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ رُباعی سے فراست رضوی کا تعلق خاطر کتنا گہرا ہے لیکن اتنا معلوم ہے کہ انھوں نے جوش صاحب کی علمی اور ادبی صحبتوں سے بھرپور فیض حاصل کیا ہے اور وہ اپنی کم عمری ہی میں اچھی رُباعی کہنے پر قادر تھے اور جوش صاحب سے داد و تحسین وصول کرتے رہتے تھے۔

میں نے فراست رضوی کی رُباعیات کے مسودے کو بہت انہماک اور شوق سے پڑھا ہے۔ فراست کی رُباعیات اتنی دلچسپ، فکر انگیز اور خیال پرور ہیں کہ وہ ایک سنجیدہ قاری کو بھرپور توجہ اور عمیق مطالعے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ فراست رضوی اگرچہ بہت سنجیدہ عمر کے انسان نہیں ہیں لیکن ان میں حاضر جوابی اور خوش مزاجی کے ساتھ ساتھ بلا کی سنجیدگی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اودھ کی اُس ذرخیز تہذیب کی عطا ہے جس میں اُن کی زندگی کی کونپل پھوٹی تھی۔ گہرا شعور، دردمند دل اور حساس طبیعت فیاضِ مطلق کا فیض ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جن سے اُن کی طبیعت کا خمیر اُٹھا ہے اور انھیں عناصرِ ثلاثہ سے ان کی شاعری صورت پذیر ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کسی بھی فن کی تخلیق کو اُس کی تکوین سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اب ہم ان معروضات کی روشنی میں جستہ جستہ اُن کی رُباعیات کا جائزہ لیتے ہیں:

اُڑتے ہوئے بادلوں سے آئی ہے ہوا
برسات کے آنچلوں سے آئی ہے ہوا
بھیگی ہوئی گھاس کی سی خوشبو لے کر
پھر بانس کے جنگلوں سے آئی ہے ہوا

☆

کچھ کام نہیں ہجر کے مقتولوں کو
بھولا نہیں ساون میں بڑے جھولوں کو
بچپن کا پرانا گھر یاد آتا ہے
جب دیکھتا ہوں موگرے کے پھولوں کو



چلمن کے وہ ڈورے مجھے یاد آتے ہیں
مٹی کے سکورے مجھے یاد آتے ہیں
جب آتی ہیں گرمی کی جھلستی شامیں
چاندی کے کٹورے مجھے یاد آتے ہیں



یخ بستہ ہے ماہِ زرد اور رات طویل
افسردہ ہوائے سرد اور رات طویل
کیا جانے سحر تک میں رہوں یا نہ رہوں
بڑھتا ہوا دل کا درد اور رات طویل

موسم، منظر اور مزاج کی دردمندی کے امتزاج سے پیدا ہونے والی یہ اور اس جیسی دوسری رُباعیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ فراست خارجیت کے منظروں سے داخلیت کے نیم روشن عکس تراش لینے والے کامیاب سخن ور ہیں۔ وہ مشاہدے کو احساس میں تبدیل کرنا جانتے ہیں اور یہ کرشمہ زائی انھیں اس لیے میسّر آئی ہے کہ اُن کے پاس ایک ایسا دل ہے جو وسیع معنوں میں دردمند ہے اور انسانی اقدار سے محبت رکھتا ہے اور وہ خود بھی اس حقیقت کے معترف ہیں۔

میں عقل کے صحرا میں اکیلا تو نہیں
اک دوست مرے ساتھ ہے دل کی صورت

فراست رضوی کی رُباعیات سے پوری طرح حظ حاصل کرنے کے لیے مذکورہ بالا شعر

کی ایک ترکیب کا سہارا لینا ہوگا اور وہ ہے عقل کا صحرا۔ یہ ترکیب اپنے اندر فلسفے کے مثالیت پسند مکتب میں پائی جانے والی عقل کی تعریف کا اظہار کرتی ہے۔ عقل کی فلسفیانہ تعریف غزالی اور معتزلہ کے افکار سے لے کر عمیونول کانٹ تک ایک بے سمت، خارزار صحرا کے سوا اور کیا ہے جس میں استدلال اور آگہی کے دُکھ پھیلے ہوئے ہیں۔ رئیس امروہوی نے اس موضوع پر کمال کا شعر لکھا، ''شاید اُسے عشق بھی نہ سمجھے جس کرب میں عقل مبتلا ہے'' فراست رضوی وسیع المطالعہ اور فلسفیانہ مباحث سے آشا فن کار ہیں۔ لہٰذا گمانِ غالب ہے کہ اُن کا بیشتر وقت عقل کے صحرا کی سیر کرتے بسر ہوتا ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس رُباعی کا جواز کیا ہے؟

موجودِ مبہم کی نشانی کی تلاش
دنیا میں جوازِ عمرِ فانی کی تلاش
لایعنی شب و روز میں کرتے ہی رہے
ہم اپنے وجود کے معانی کی تلاش

اس رُباعی میں شاعر اپنے وجود کے معنی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن اُسے دیانت داری کے ساتھ یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اُس سے قبل بھی بہت سے اہلِ تفکر گزرے ہیں جنھوں نے نامعلوم زمانوں سے آج تک غایتِ وجود اور معنیِ وجود کی تلاش کی ہے۔ فراست کو اس حقیقت کا مکمل ادراک ہے اور انھوں نے اس مضمون کو درج ذیل رُباعی میں ادا کیا ہے۔

ذہنوں کو یبوست سے بچانے والے
دانش کو نئی راہ دکھانے والے
رُک سکتا نہیں علم کی وسعت کا سفر
جب تک ہیں سوالات اُٹھانے والے

بہت سے فکری حلقوں سے جب یہ آواز اُٹھی کہ فلسفے نے کسی انسانی مسئلے کا کوئی حل پیش نہیں کیا اور یہ صرف بڑی بڑی اصطلاحات اور پیچیدہ افکار کا ایک گورکھ دھندا ہے۔ یعنی

فلسفہ ایک ذہنی عیاشی ہے تو اس کے جواب میں حامیانِ فلسفہ نے یہ جواب دیا کہ فلسفے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فلسفے نے ذہنِ انسانی میں کائنات، خدا اور انسان کے حقائق و دقائق کے سلسلے میں سنجیدہ سوالات پیدا کئے۔ فلسفے کے اس عملی کردار سے واقعتاً انکار ممکن نہیں ہے۔ اب ان سوالات کے جواب میں تیقن پیدا ہو، یا تشکیک یا حیرت، فلسفہ ان رویوں میں ہمیشہ غیر جانب دار رہا ہے۔ فراست کی رُباعیوں میں یہ تینوں رویے حسب تفہیم جھلملاتے نظر آتے ہیں۔

رشتہ تھا بھروسے کا جسے توڑ گئی
اِک کوچۂ حیرت سے مجھے جوڑ گئی
نکلی تھی حقیقت کے سفر پر ہم راہ
رستے میں مگر عقل مجھے چھوڑ گئی



آئینہ اوہام نہ ٹوٹے مجھ سے
تشکیک ترے دام نہ ٹوٹے مجھ سے
پتھر کے خداؤں سے تو جاں چھوٹ گئی
افکار کے اصنام نہ ٹوٹے مجھ سے



دنیا سے نہ دل لگاؤں کاہل رہ جاؤں
طوفاں نہ بنوں صورتِ ساحل رہ جاؤں
وہ علم جو انکارِ خدا کرتا ہے
اُس علم سے بہتر ہے کہ جاہل رہ جاؤں

تیقن کی کیفیت انسان کی شخصیت میں ایک اثر اور افسوں پیدا کر دیتی ہے۔ یہ یقین ہی کی روشنی ہے جو ہمیں نامعلوم منزلوں کا راستہ دکھاتی ہے اور یہ بات سچ ہے کہ تیقن کا اصل ذریعہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اُس قادرِ مطلق پر بھروسا کرنا اور اپنے وجود کے پاتال میں

اُتر کر اپنے آپ کو پالینا ایک بڑا روحانی تجربہ ہے۔ اقبال نے اسے ایک لفظ ''خودی'' سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وہ عرفانِ ذات ہے جو ہمیں ذاتِ باری تعالیٰ کے نہاں خانۂ راز تک لے جاتا ہے۔ جہاں تک فراست کے تیقن کا تعلق ہے تو اُس کی رُباعیوں میں جو تیقن نظر آتا ہے، میرے نزدیک اُس میں قرآن فہمی کا کچھ کرشمہ بھی شامل ہے۔ مثلاً یہ رُباعیاں:

کیا آب و شجر، کوہ و بیاباں ساقی
مٹ جائیں گے سب خال و خطِ آفاقی
ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی
رہ جائے گا اللہ کا چہرہ باقی



ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو جانا
مالک سے تم اپنے نہ خفا ہو جانا
سب طبل و علم، جاہ و حشم عارضی ہے
باطل کی ہے تقدیر فنا ہو جانا

آپ نے دیکھا سورۂ قصص کی آیت نمبر ۸۸ ''اُس کے چہرے کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔'' اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۱ ''اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔'' ان آیات کے مقصودِ کلام کو فراست نے کتنی رعنائی کے ساتھ اپنی رُباعیوں میں سمویا ہے۔ ابھی ابھی میں فراست رضوی کی رُباعیات میں تیقن کے حوالے سے کچھ بات کر رہا تھا۔ اسی تیقن کا ایک پہلو یہ بھی ہے جو اُنھیں قدیم یونانی نظریہ بقائے روح کو قبول کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ نظریہ بعض قدیم مذاہب اور اہلِ تصوّف میں بھی مقبول ہے۔ اقبال نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے:

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا

تری حیات کے مرکز کو چھو نہیں سکتا

فراست کی رُباعی اس موضوع پر ایک بہت مکمل اور جمالیاتی رنگ سے آراستہ ہے:

بالائے مہ و سال و صدی ہوتا ہے
یہ ایک چراغ سرمدی ہوتا ہے
مرتا نہیں یہ جسم کے مر جانے سے
انسان کا جوہر ابدی ہوتا ہے

یونانی حکمانے کائنات میں تغیّر کے اصول کو بڑی وضاحت اور استدلال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان حکماء میں ہرقلیتیس افیسی (BC Heraclitus Ephesus-484) کا نام سرِ فہرست ہے جس نے سب سے پہلے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا اور کہا کہ یہ کائنات مسلسل تغیّر کی زد میں ہے اور اس قانونِ تغیّر کا نام اُس نے لوگوس (Logos) بتایا۔ اس نے کہا کائنات میں محض تغیّر کو ثبات ہے۔ ہرقلیتیس کا مشہور فقرہ ہے کہ انسان ایک پانی میں دوبار پاؤں نہیں ڈال سکتا آج جدید سائنس کی حیرت زدہ کردینے والی ترقی کے باوجود یہ فلسفیانہ نکتہ اوّل دن کی طرح آج بھی درست اور ایک بڑی تکوینی اور آفاقی حقیقت کا عکاس ہے۔ میں سمجھتا ہوں بہت سے عالمگیر مسائل ایسے ہیں جن پر انسان ایک ہی طرح سوچتا ہے اور ایک ہی نتیجے تک پہنچتا ہے۔ فرق صرف اسلوب بیان کا ہوتا ہے۔ ''دردکی قندیل'' میں فراست رضوی اپنے اسلوب بیان کو متعین کرنے میں کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ نظریہ کہ ''ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں'' فراست نے اپنے منفرد اسلوب میں یوں نظم کیا ہے:

آنکھوں میں نہیں کچھ بھی تحیّر کے سوا
جاتے ہوئے لمحوں کے تصور کے سوا
بدلے گا نہ دستور بدل جانے کا
ہر شے میں تغیّر ہے، تغیّر کے سوا

اگر تغیّر ثابت ودائم ہے تو ثبوت ودوام کے وجود کو مستقل فرض کرنا ہوگا جو تغیّر پر طاری

ہے۔ اگر ثبوت و دوام کا وجود مستقل ہے تو وہ تغیّر کے علاوہ کسی دوسری شے پر بھی طاری ہو سکتا ہے۔ لہٰذا صرف تغیّر کو دائمی ماننا محلِ نظر قرار پائے گا۔ میرے کسی شعری مجموعے میں ایک مختصر سی نظم ہے جس کا مرکزی خیال یہی نکتہ ہے کہ اگر ہر شے میں تغیّر ہے تو تغیّر بھی ایک شے ہے جو خود بھی کبھی بدل سکتی ہے اور لاتغیّر میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ملا صدر الدّین شیرازی نے اس بحث کو بہت عمدہ طریقے سے علت العلل کے تصور سے جوڑا ہے۔ علامہ اقبال کے ایک خط کے جواب میں مشہور دینی اور روحانی عالم حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے جو مکتوب نما رسالہ تحریر کر کے اقبال کو بھجوایا تھا اُس میں زماں کی بحث میں یہ موضوع کئی نئے فکری زاویوں کے ساتھ آیا ہے۔ بہر حال یہ ایک خالص تجریدی بحث جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع و مقام نہیں اور فراست تو پہلے ہی اپنے لیے ایک راہِ نجات تلاش کر چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ہاں خوف و ہراس کے ہیں قیدی ہم لوگ
زنجیرِ قیاس کے ہیں قیدی ہم لوگ
باہر کے مناظر کی خبر کیا ہم کو
زندانِ حواس کے ہیں قیدی ہم لوگ

رُباعیات کا یہ مجموعہ اس لحاظ سے متنوع اور رنگا رنگ ہے کہ خالص احساساتی اور عقلیاتی مسائل کے ساتھ بین الاقوامی سیاست، مشرق و مغرب کا تصادم، ہول ناک جنگیں، معاشرتی اُلجھنیں، تہذیبی پیکار جو اس صدی کے انسان کا مقدر ہے، عصری مسائل اور سماجی آگہی کی بے شمار شعری تصویریں اس کے صفحات پر بکھری ہوئی ہیں۔

گم گشتہ شناخت کی تلاشوں کو سلام
طبل و علم و جنگ کے تاشوں کو سلام
تو گرگِ یہودی سے نبرد آزما ہے
مشرق ترے چہرے کی خراشوں کو سلام

☆

کم زوروں کے مقسوم بنانے والے
تاریخ کو مغموم بنانے والے
آزادیٔ انساں کے محافظ ٹھہرے
اقوام کو محکوم بنانے والے



آہستہ خرامی سے نہ باہر نکلے
افکار کی خامی سے نہ باہر نکلے
آقا تو گئے چھوڑ کے کب کا ہم کو
ہم ہیں کہ غلامی سے نہ باہر نکلے

فراست رضوی جس معاشرے میں سانس لے رہے ہیں، اُسے نہ پورے طور پر صنعتی کہا جا سکتا ہے، نہ زرعی اور نہ تجارتی۔ یہ ایک نیم مغربی اور نیم دینی معاشرہ ہے جہاں بیک وقت جمہوریت کی مدح سرائی بھی ہے اور پاکستان کے آئین کے حوالے سے قراردادِ مقاصد کی بالادستی بھی ہے۔ عملی طور پر دیکھیے تو یہ ایک بے رحمی اور بددیانتی کا معاشرہ ہے جو مفادات کے تصادم کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ جہاں قدم قدم استبداد اور تضادات کے ستون کھڑے ہیں اور چھوٹی بڑی خوں ریز جنگیں بھی اسی کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں:

غارت گری و جنگ کی عادت نہ گئی
افراد کی افراد سے نفرت نہ گئی
کیا کیا نہ کیے علم و ہنر میں اعجاز
لیکن دلِ انساں کی شقاوت نہ گئی



یہ دیکھ کے ہوں غم کے خرابوں میں اسیر
بینائی کے ٹوٹے ہوئے خوابوں میں اسیر
ہیں تیسری دنیا کے ستم کیش عوام

سرمایہ پرستی کے عذابوں میں اسیر



افسردہ ہے امن کا پرندہ اب تک
خوں ریزی جبلت میں ہے زندہ اب تک
تہذیب و ترقی بھی نہ کر پائی تمام
انسان کے اندر کا درندہ اب تک



دنیا کو جہالت سے بچاؤ پہلے
افلاس کے اسباب مٹاؤ پہلے
پھر عظمتِ انساں کا قصیدہ پڑھنا
ان جنگ کے شعلوں کو بجھاؤ پہلے

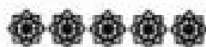
درج بالا رُباعیاں ہمیں اس نام نہاد گلوبل معاشرے کا اصل چہرہ دکھاتی ہیں۔ عالمی معاشرے کی بہیمیت اور درندگی کو فراست نے بڑے قرینے اور وضاحت سے اپنی رُباعیوں میں جگہ دی ہے لیکن انہوں نے اپنے شہر کے حالات کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ ایک رُباعی میں وہ اپنے شہر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

اک خوف رگ و پے میں بسا ہو جیسے
عفریت ہمیں ڈھونڈ رہا ہو جیسے
دہشت کا ہے آسیب گلی کوچوں میں
یہ شہر بھی اک دشتِ بلا ہو جیسے

الغرض زیرِ نظر مجموعۂ رُباعیات ''درد کی قندیل'' ایک بھرپور اور مضبوط مجموعہ ہے۔ جس میں فراست نے زندگی اور معاشرے کے بہت سے اَن چھوئے گوشوں کو بے نقاب بھی کیا ہے اور شعری جمالیات کی ایک نئی دنیا سے اردو رباعی کے قاری کو روشناس بھی کرایا ہے۔ فراست ایک پڑھے لکھے، زیرک اور صحبت یافتہ شخص ہیں۔ جدید علوم سے بھی کماحقہ

واقف ہیں، اسی لیے اُن کی رُباعیات میں فرسودگی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ اُن کی آواز اور نفسِ مضمون دونوں میں ایک نوع کی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ اُن کا حیطۂ بصیرت علم مدار اور وسیع ہے۔ وہ عروض کے اسرار و رموز سے بھی شناسائی رکھتے ہیں۔ اُن کی رُباعیات میں ایک عجیب سی حسن کاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا طرزِ بیان بہت پختہ اور سحرناک ہے۔ انھوں نے مناظرِ فطرت کا جو نقشہ اپنی رُباعیات میں کھینچا ہے وہ بہت دل فریب ہے۔ فراست کے اس مجموعۂ رُباعیات میں اور بہت کچھ قابلِ توجہ ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں محض چند گوشوں پر ہی بات کی ہے۔ اس میں مابعد جدیدیت اور ساختیاتی فکر کو بھی رُباعیات کا موضوع بنایا گیا ہے۔ آگ اور الفاظ کے موضوع پر اور لکھنؤ کی یاد میں لکھی گئی رُباعیاں بھی بہت جان دار اور دل کش ہیں۔

مختصر یہ کہ اساتذہ نے رباعی گوئی کے جتنے تقاضے اور شرائط بیان کی ہیں، فراست رضوی اُن سب پر پورے اُترے ہیں یعنی علم، اظہار پر قدرت، شعری جمالیات کا لحاظ، عروض پر گرفت، زبان دانی اور رُباعی کا چوتھا مصرع لکھنے کا سلیقہ۔ میرا فراست کو مشورہ ہے کہ وہ رُباعیات لکھنے کے اس کارِ احسن کو جاری رکھیں، کیوں کہ اس وقت اچھی رُباعیات لکھنے والے شعرا ناپید ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ صاحبانِ فکر اور اربابِ ذوق اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے اور فراست رضوی اتنے شاندار مجموعۂ رُباعیات پر لائقِ تحسین ہیں۔



محیط التواریخ ۔ ۲۰۱۴ء

(جون، ۲۰۱۴ء، قومی زبان، کراچی)

مدت ہوئی کہ ایک کتاب کے مطالعہ کا موقع نصیب ہوا تھا۔ اس کا نام تھا مجاہد اعظم اور اس کے مصنف سید شاکر حسین امروہوی تھے۔ آج بھی میرے پاس موجود ہے (۱)۔ کتاب واقعہ کربلا سے متعلق ہے لیکن اس میں واقعات کا بیان نہیں ہے بلکہ کربلا سے متعلق بعض حالات و واقعات علمی و تاریخی تجزیہ و تحلیل پر مشتمل ہے۔ غالباً اس کا دوسرا حصہ طبع نہیں ہوا جو واقعات اور تنقید و تبصرہ پر مشتمل تھا جس کا تذکرہ مصنف نے دیباچہ میں کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران مصنف کا دہشت ناک تبحرِ علمی سامنے آیا۔ اس جملہ کی وضاحت مصنف موصوف کی یہ تحریر ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ واقعات کربلا کے دوران تحریر میں ہم نے مقتل ابومخنف لوط ابن یحییٰ ازدی، تاریخ کبیر ابوجعفر طبری، مروج الذہب مسعودی، تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابوالفداء، تاریخ اعثم کوفی، دول اسلام ذہبی، تاریخ الخلفاء سیوطی، عیون والحدائق، اخبار الدول قرمانی، تاریخ ابن واضح عباسی، فتوح البلدان بلاذری، کتاب معارف ابن قتیبہ، اعلام الوریٰ، اعلام الاعلام، تذکرہ خواص الامہ ابن جوزی، نجوم الزواہر، مرات الجنان یافعی، شرح شافیہ ابی فراس، تاریخ معینی، صواعق محرقہ ابن حجر مکی، شرح سفر السعادۃ شیخ عبدالحق محقق دہلوی۔ سر الشہادتین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ مفتاح النجاۃ فی مناقب آل عبا مرزا معتمد خان بدخشی، تذکرہ قرطبی، وفیات الاعیان قاضی ابن خلکان، مناقب السادات قاضی شہاب الدین دولت آبادی، تاریخ ابی حاتم مکی، روضۃ الصفا خاوند شاہی، روضۃ الشہداء ملا حسین کاشفی، مسند ابن عساکر، مطالب السئول فی مناقب آل رسول کمال الدین شافعی، جمع الجوامع سیوطی، فردوس الاخبار دیلمی، معجم صغیر طبرانی، دلائل النبوۃ بیہقی، ینابیع المودۃ شیخ الاسلام سلیمان قندوزی اسلامبولی، سیرۃ ابی الملک کلبی، نور الابصار شیخ شبلنجی المصری، جواہر العقدین علامہ نور الدین، نور العین

فی مشہد الحسینؑ ملا ابو اسحاق اسفرائنی، مناقب حافظ ہمدانی، سعادت الکونین فی فضائل الحسینؑ مفتی اکرام الدین خان دہلوی، وسیلہ النجاۃ ملا مبین لکھنوی (اہل سنت) کتاب مناقب ابن شہر آشوب، کتاب اقبال سید ابن طاؤس کتاب لہوف سید ابن طاؤس کتاب امالی شیخ صدوق کتاب امالی علامہ طوسی کتاب عوالم عبداللہ بن نوراللہ، بحارالانوار علامہ مجلسیؒ، حیاۃ القلوب علامہ مجلسیؒ، ناسخ التواریخ مرزا محمد تقی سپہر مازندرانی، جلاء العیون عبداللہ بن محمد، مقتل ابن شہر آشوب، طوفان البکاء جوہری، کتاب خرائج قطب راوندی، مثیر الاحزان جعفر ابن نما، بشارۃ المصطفیٰ شیخ عماد الدین طبری، مصباح متہجد ابوجعفر بن حسن طوسی، منہاج الصلاح علامہ حلی، محرق القلوب ملا مہدی نراقی، مجالس المتقین ملا محمد تقی برغانی، مخزن البکا ملا محمد صالح قزوینی، اسرار الشہادۃ اخوند ملا آقا در بندی، منتخب شیخ فخر الدین طریحی، تمقام الزخار شہزادہ فرہاد مرزا، ریاض الشہادۃ ملا محمد حسین قزوینی، اکلیل المصائب محمد بن سلیمان تنکابنی، مجالس مفجعہ سید العلماء لکھنوی، مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی، کامل الزیارۃ ابن قولویہ، کشف الغمہ علی بن عیسیٰ اربلی، کتاب ارشاد شیخ مفیدؒ، کتاب المزار سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، انوار نعمانیہ سید نعمت اللہ جزائری، مائتین فی مقتل الحسینؑ مولوی غلام حسین کنتوری، مہیج الاحزان اخوند ملا حسن یزدی، بحر المصائب مولوی امداد علی لکھنوی (شیعہ) کو دیکھا مگر سب میں اس قدر اختلافات پائے کہ اس کے خیال سے بھی دماغ چکراتا ہے (۲)۔

ایسی صاحب مطالعہ اور وسیع النظر شخصیت سے لاعلم رہنے کو میں نے اپنی غفلت اور بے خبری پر محمول کیا اور ان کی اس مطبوع کتاب ہی سے مزید معلومات کا خواہاں ہوا تو اس کے ناشر اور تمہید نگار کی یہ تحریر سامنے آئی کہ "مولف مؤقر عالم ربانی محقق صمدانی جناب علامہ مولوی سید شاکر حسین نقوی امروہوی اس نابغۂ روزگار شخصیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کی شخصیت علمی و دیگر حوالوں سے کیا تھی (۳)۔ البتہ مطلع انوار سے بہت مختصر معلومات ان لفظوں میں دستیاب ہوئیں۔ شاکر حسین امروہوی (ولادت) حدود ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء اور وفات ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء۔ مولانا شاکر حسین

صاحب مولوی فاضل گورنمنٹ ہائی اسکول غازی آباد میں عربی فارسی کے استاد تھے۔
بڑے بذلہ، خطیب و مدرّس تھے۔ امروہے میں وطن اور گھر تھا۔ عموماً وطن ہی میں رہے۔
۲۷ مارچ ۱۹۷۸ء کو رحلت فرمائی اور محلہ دانشمندان کے امام باڑے میں دفن ہوئے
(بروایت مولانا سید محمد محسن نبیرہ نجم العلماء) (۴)۔

ان چند سطور کے بعد اب ہم اپنے عنوان محیط التواریخ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔
علامہ شاکر حسین امروہوی اپنی اس کتاب مجاہد اعظم پر دیباچہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ
میں نہ کوئی مجتہد ہوں نہ عالم۔ البتہ مجھ کو تاریخ سے فطری شغف ہے۔ پچاس سال سے تمام
دنیا کی ہسٹری (محیط التواریخ) لکھ رہا ہوں جس کی ضخامت پچیس جلدوں سے زیادہ ہو چکی
ہے۔ اس وجہ سے مجھ کو اس فن میں کسی قدر تبصرہ حاصل ہو گیا ہے۔ یہ جلد بھی اسی بسیط تاریخ
کا ایک حصہ تھی۔ میری عمر اسّی سال کے قریب پہنچ چکی۔ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ
میں ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ کے جن تاریخوں کو مکمل کر چکا تھا اُن کی جغرافیائی اور
سیاسی حالت کو پچھلی جنگ عظیم نے درہم کر دیا اور اُس کے بعد کے نظام کو موجودہ جنگ عظیم
الٹ پلٹ دے گی۔ اس لیے اب میں اس کی تکمیل سے قاصر ہوں۔ اس لیے اس جلد کے
متعلق میرے فرزند دلبند قرۃ العین سید طاہر حسین سلمہ ایم اے، منشی فاضل، ادیب فاضل،
پروفیسر مہاراجہ کالج جے پور نے اصرار کیا کہ محیط التواریخ کے سلسلے سے اس کو الگ کر کے
شائع کر دیا جائے۔ اُنہیں کی تحریک سے میں نے اس کے دو حصے کر دیے حصہ اول جو بطور
مقدمہ ہے۔ دوسرے حصہ پر مفصل واقعات ان میں ضروری مقامات پر مورخانہ تنقید و
بحث کی گئی ہے (۵)۔ اس دیباچہ کا سن تحریر محرم ۱۳۶۱ھ ہے۔

علامہ شاکر امروہوی کے صاحبزادے پروفیسر طاہر حسین مرحوم سے پہلی ملاقات قدیم
رضویہ سوسائٹی (چورنگی) میں ان کی قیام گاہ پر تقریباً پینتیس سال قبل ہوئی تھی۔ چہرے سے
آثارِ شرافت و نجابت اور گفتگو سے آثارِ علم ہویدا تھے۔ مختلف باتوں کے درمیان انہوں نے
یہ بیان کیا کہ اُن کے والد نے ایک مفصل و مبسوط کتاب تاریخِ عالم پر تحریر کی ہے اور وہ
میرے پاس موجود ہے۔ میری درخواست پر انہوں نے لکڑی کے ایک بکس کو بہت اہتمام

کے ساتھ کھولا جس میں ترتیب سے اس کتاب کی جلدیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان جلدوں کی تعداد بیس تھی۔ مصنف نے بہت پاکیزہ اور خوبصورت نستعلیق میں اسے خود تحریر کیا تھا۔ اس کی جلدوں کی ترتیب کے اعتبار سے موضوعات مندرجہ ذیل تھے۔

فہرست مضامین جلد اوّل

اس فہرست میں ۲۷ عنوانات ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ لفظِ تاریخ کی تحقیق

۲۔ تاریخ کا معرضِ تحریر میں آنا

۳۔ پہلے زمانوں کی تاریخیں

۴۔ زمانہ حال کے تاریخی سامان

۵۔ فلسفہ تاریخ اور ابن خلدون

اس طرح یہ فہرست آگے بڑھتی ہے اور مختلف موضوعات کا تذکرہ کرتی ہے۔ مثلاً جغرافیہ، اصطلاحات علم ہیئت، زمین کی بناوٹ، خشکی، تری، جذر و مد، براعظم ایشیا، براعظم یورپ، براعظم افریقہ، براعظم امریکہ، براعظم آسٹریلیا اور دوسرے جزائر۔ یہ جلد اس عنوان پر ختم ہوئی ہے: ظہور انسانی کا ابتدائی مقام۔ صفحات کی تعداد ــــــ ہے۔

فہرست مضامین جلد دوم

۱۔ پیدائش حضرت آدم اور اس کے متعلق بحث

۲۔ حضرت نوحؑ

۳۔ طوفانِ نوح اور اس پر محققانہ بحث

۴۔ قوموں کی تقسیم وتفریق

۵۔ اقوام عالم کی شاخیں

اس کے بعد مختلف سلطنتوں کا ذکر ہے مثلاً سلطنتِ خالدیہ، سلطنتِ اسیریہ۔ آگے چل کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے تفصیلی تذکرے ہیں۔ آخری عنوان ہے علاقہ

آزروئے بیرون۔ صفحات کی تعداد ۲۴۹ ہے۔

فہرست مضامین حصہ سوم

بڑے عنوانات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ خاندانِ بنی اُمیہ

۲۔ خاندانِ بنی عباس

۳۔ تاریخِ حجاز

۴۔ عراق

۵۔ شام

تعداد صفحات ۲۲۶ ہے۔

فہرست مضامین جلد چہارم

عنوان: ایران

۱۔ جغرافیہ

۲۔ نظم سیاسی

۳۔ شاہی خاندان

۴۔ تاریخ ایران کے دو متضاد ماخذ

۵۔ شاہان قبل کیومرث

اس کے بعد ایرانی بادشاہ اوران کے خاندانوں کا باتفصیل تذکرہ ہے۔ تعداد صفحات ۲۱۷ ہے۔

فہرست مضامین جلد پنجم

عنوان: تاریخ ترکستان۔ افغانستان

۱۔ ترکستان، تاریخِ اقوام تاتار

۲۔ شہنشاہ اعظم چنگیز خان

۳۔چنگیز خان کی سلطنت کے حصے

۴۔سلطنت تاتار۔اوکتائی خان

۵۔کیوک خان،منگول خان،قبلا خان

اس کے بعد سلطنتِ افغانستان اور بلوچستان کا ذکر ہے۔تعداد صفحات ۱۳۳ ہے۔

جلد ششم

عنوان: ہندوستان

۱۔سرزمینِ ہند کے تین قدرتی حصے

۲۔کوہستان ہمالیہ

۳۔کوہ ہمالیہ کی شاخیں

۴۔کوہ ہمالیہ کا پانی

اس فہرست میں آریا، بدھ وغیرہ کے تذکرے ہیں۔ دیسی ریاستیں، ہندوستان کا قدیم جغرافیہ، آریوں کی مذہبی اور تمدنی تاریخ اور دیگر موضوعات کے علاوہ آخری موضوع مختلف حکمران خاندانوں کی فہرست ہے۔صفحات کی تعداد ۱۸۶ ہے۔

جلد ہفتم

ہند در عہد اسلام

۱۔ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے

۲۔محمد بن قاسم کی چڑھائی اور سندھ پر قبضہ

۳۔محمد بن قاسم کا مکمل انتظام

۴۔ہندوستان

۵۔محمد بن قاسم کی وفات اور اس پر بحث

اس کے علاوہ قوم سومرہ کی تحقیق، سندھ میں مذہب اسماعیلیہ، خاندان غزنوی کا عروج اور سبکتگین۔سلطان محمود کے حملے۔خاندان غور۔آخری عنوان سلطان ابراہیم ہے۔صفحات

کی تعداد ۱۴۰ ہے۔

جلد ہشتم

عنوان: برصغیر ہند در عہد اسلام

۱۔ خاندانِ تیموریہ، سلطان بابر

۲۔ رانا سانگا سے لڑائی

۳۔ بابر کی وفات

۴۔ بابر کے خصائل

۵۔ نصیر الدین ہمایوں

اس کے بعد فتح گجرات، اکبر کی ولادت، ایران میں ہمایوں کا خیر مقدم، مہماتِ دکن، بادشاہوں کے تسخیرات کے علاوہ دیگر مباحث کا تفصیلی بیان ہے آخری عنوان ہے خاندانِ تیموریہ کا خاتمہ۔ صفحات کی تعداد ۲۴۲ ہے۔

جلد نہم

عنوان: مشتمل بہ حالات اہل برطانیہ عہد ایسٹ انڈیا کمپنی

پوری جلد انہی حالات پر مشتمل ہے۔ آخری عنوان ہے ۱۸۵۷ء کو ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی سمجھنا چاہیے۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۲۵۲ ہے۔

جلدِ یازدھم

عنوان: مشتمل بہ عہدِ حکومتِ برطانیہ

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی معزولی اور ہندوستان پر دولت برطانیہ کا تسلط

۲۔ اعلان فرمان روائی ملکہ انگلستان و اشتہار بنام جمہور ہند

۳۔ والیان ریاست کو پہلی بار عطائے خطابات۔

۴۔ لاولد والیان ریاست کو عطائے اسناد

۵۔ مرکز اور صوبہ جات میں نئی نسلوں کا قیام

آخری عنوان نئی دہلی کی سرکاری رسم افتتاح ہے۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۲۲۰ ہے۔

جلد دوازدہم

مشتمل بہ عہدِ حکومت برطانیہ

۱۔ لارڈ روگڈن

۲۔ "زبان واوضاع سکنہ ہائے جزائر"۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۱۲۳ ہے۔

جلد سیزدھم

دکن کی اسلامی سلطنتیں

۱۔ سلطنت گلبرگہ (خاندان بہمنیہ)

۲۔ علاء الدین شاہ

۳۔ محمد شاہ

۴۔ محمد شاہ، داؤد شاہ، محمود شاہ، غیاث الدین، شمس الدین شاہ۔

۵۔ فیروز شاہ

۶۔ ضبط شدہ ریاستیں۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۱۷۸ ہے۔

جلد سیزدہم (حصہ دوم)

دیسی ریاستیں

۱۔ ریاستِ کشمیر

۲۔ موجودہ حکمران خاندان

۳۔ مہاراجہ گلاب سنگھ

۴۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ، مہاراجہ پرتاب سنگھ

۵۔ ریاستہائے کوہستان ہمالیہ، نیپال

۶۔ سکم

۷۔ بھوٹان

۸۔ کوچ بہار

۹۔ ریاست گڑھوال

۱۰۔ بنارس

۱۱۔ سرداران راج الور۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۳۳۰ ہے۔

جلد چہاردہم

دیسی ریاستیں

۱۔ ریاست ہائے وسط ہند

۲۔ ایجنسی گوالیار

۳۔ ریاست گوالیار

۴۔ ریاست دیواس

۵۔ ایجنسی بھوپال

۶۔ ریاست ہائے احاطہ بمبئی

۷۔ ایجنسی بہوپاور

۸۔ ایجنسی مالوہ

۹۔ ایجنسی بندیل کھنڈ

۱۰۔ ریاست ہائے احاطہ مدراس۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۲۸۹ ہے۔

جلد پانزدہم

برھما، چین، کوریا، ترکستان وجاپان

۱۔جزیرہ نمائے ہند شرقی۔برھا

۲۔سلطنت چین۔وسعت اور حدود آبادی، سطح پہاڑ

۳۔دریا معدنیات، حیوانات، نباتات۔

۴۔کوریا

۵۔ترکستان

۶۔سلطنتِ جاپان۔فہرست خاندان ہائے شوگن

اس جلد میں صفحات کی تعداد ۲۰۳ ہے۔

جلد شانزدہم

تاریخ یورپ، یونان

۱۔براعظم یورپ کا جغرافیہ۔بحیرے اور خلیج راس

۲۔جزیرہ نما۔پہاڑ

۳۔میدان، دریا، جھلیں

۴۔مذہب

۵۔جغرافیہ یونان

۶۔نظام سیاسی۔یونان کی قدیم ملکی تقسیم

۷۔بادشاہ کی معزولی اور قیام جمہوریت۔اس جلد میں صفحات کی تعداد ۱۱۴ ہے۔

جلد ہفتدہم

تاریخ اٹلی (رومن امپائر)

۱۔جغرافیہ جزیرنما اٹلی، وسعت، حدود، پہاڑ۔

۲۔میدان، دریا، جھلیں، آب وہوا، معدنیات

۳۔حیوانات، باشندے، مذہب، تعلیم

۴۔ تجارت وحرفت، فوج، مردم شماری

۵۔ نظم سیاسی، لوکل گورنمنٹ

۶۔ فہرست قیاصرہ قسطنطنیہ۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۱۲۳ ہے۔

جلد ہیجدہم

تاریخ فرانس وجرمنی

۱۔ سلطنتِ فرانس، سطح دریا، معدنیات، نباتات، حیوانات، باشندے

۲۔ زبان ولباس، صنعت وحرفت، مذہب، تعلیم، فوج

۳۔ آمدنی وخرچ، طرز حکومت

۴۔ لوکل گورنمنٹ۔ دار السلطنت

۵۔ دوسرے بڑے شہر۔ بندرگاہ

۶۔ سلطنت جرمنی، پہاڑ، دریا، آب وہوا، حیوانات ونباتات

۷۔ باشندے، حرفت وتجارت، مذہب، تعلیم، فوج

۸۔ فوج بری، فوج بحری

۹۔ آمدنی وخرچ، رقبہ وآبادی

۱۰۔ لیوپولڈ دوم، فرانسس دوم۔ اس جلد میں صفحات کی تعداد ۲۸۳ ہے۔

جلد نوزدہم

تاریخ روس وسلطنت عثمانیہ

۱۔ سلطنت روس، یورپی، ایشیائی

۲۔ طرزِ حکومت

۳۔ لوکل گورنمنٹ

۴۔ فن لینڈ، پولینڈ، صوبجات بالٹک

۵۔شاہنشاہی خاندان،موجودہ شاہنشاہان

۶۔ہزامپریل میجسٹی سلطان محمد خان پنجم۔اس جلد میں صفحات کی تعداد ۱۸۵ ہے۔

جلد بستم

تاریخ افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ

اس جلد میں انہی ممالک کے حالات تحریر کئے گئے ہیں۔

اس جلد کا آخری عنوان جزائر دائرہ قطب جنوبی ہے۔اس جلد میں صفحات کی تعداد ۲۸۶ ہے۔

مجھے آج بھی اس بات کا قلق ہے کہ میں نے پروفیسر طاہر حسین سے اُن کے والد کے بارے میں تفصیلی معلومات کیوں حاصل نہیں کیں۔زمانے گزرتے رہے لیکن یہ کتاب آج بھی محفوظ ہاتھوں میں موجود ہے۔یہ ایک ایسا گراں قدر مجموعہ تاریخ ہے جو دوسری زبانوں میں اس تفصیل کے ساتھ کم ہی دستیاب ہوگا۔اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی بڑا اشاعتی ادارہ اس کی طباعت کا اہتمام کرے تاکہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ کیسے کیسے علمی جواہر اردو زبان کے خزانے میں پوشیدہ ہیں۔

حواشی

(۱) مجاہد اعظم دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان (کراچی) ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

(۲) مجاہد اعظم ص ۲۲۳۔۲۲۴

(۳) مجاہد اعظم ص ۱۶

(۴) مطلع انوار مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ص ۲۷۰

(۵) مجاہد اعظم ص ۳۲۔۳۳



باب۔ ۱۲

علامہ طالب جوہری پر چند مضامین

وسعت اللہ خان

بغیر منبر والے طالب جوہری

اکتوبر انیس سو اکیانوے۔ شمالی لندن۔ بی بی سی کی نوکری اختیار کئے پانچ ماہ گذر گئے۔ اس دوران میرا صرف ایک گھر میں آنا جانا کھانا پینا تھا۔ جعفر بھائی اور فیروزہ جعفر عرف بجیا کا گھر۔ جعفر بھائی نے ایک دن پوچھا ارے کراچی میں ہمارے ایک بھتیجے بھی رہتے ہیں طالب جوہری کبھی ان سے ملاقات ہوئی؟ میں اچھل پڑا؟ آپ کے بھتیجے ہیں علامہ؟ ہاں تو کیا ہوا۔ کیا علامہ لوگ کسی کے بھانجے بھتیجے نہیں ہو سکتے؟

اور پھر لگ بھگ ایک ماہ بعد بجیا نے فون کیا۔ وہ آ گئے ہیں تمہارے علامہ۔ ملنا ہے تو آ جاؤ۔ ہم بجیا کے گھر سے پانچ منٹ کی پیدل دوری پر ایک سٹوڈیو فلیٹ میں رہتے تھے۔ یہ تصور ہی کتنا زبردست تھا کہ جس شخص کو کبھی کبھار عشرے کی مجالس میں ہزاروں کے مجمع میں بیٹھ کر سنا ان سے آج بالمشافہ ملاقات ہو گی۔

علامہ سفید کرتے پاجامے میں صوفے پر ایک ٹانگ رکھے اور دوسری لٹکائے بیٹھے تھے۔ تپائی پر ڈن ہل کا پیکٹ اور ایش ٹرے اور قہوے کا کپ۔ میں برابر بیٹھنے کے بجائے احتراماً نیچے بیٹھ گیا۔ "میاں یہ کیا۔ یہ ڈرامے بازی مت کرو۔ تمہاری بجیا نے تمہارے بارے میں ہمیں پہلے ہی سے بتا دیا ہے۔ اوپر بیٹھو"۔

لگ بھگ پندرہ دن علامہ بجیا کے گھر رہے۔ دونوں کے درمیان خوب نوک جھونک ہوتی تھی اور آخر میں علامہ کہتے پھوپھو ہم تم سے نہیں جیت سکتے۔ مگر ہمارا منہ بند کروانا ہے تو

کچھ میٹھا کھلواؤ۔ چنانچہ کبھی کھجور، کبھی انبالے کی مٹھائی، کبھی کھیر کبھی کچھ۔ حتیٰ کہ رات دو بجے بھی گفتگو کرتے کرتے نعرہ بلند کردیتے۔ ارے کوئی ہے جو عاشقِ چہاردہ معصومین کو میٹھا پیش کرے۔

دوسرا یا تیسرا دن ہوگا جب ہم حاضری بھرے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے میاں دنیا کے ہی ہو یا دین وین سے بھی کچھ دلچسپی ہے۔ میں نے بتایا کہ قران کا پہلا اور تیسواں پارہ پڑھا ہے۔ اسکولی اور غیر نصابی کتابوں میں واجبی سی اسلامی تاریخ پڑھی ہے۔ بس۔ کہنے لگے اچھی بات ہے کہ تم نے اسلامی تاریخ واجبی سی پڑھی ہے، زیادہ گہرائی سے پڑھتے تو خاموش ہوجاتے یا پھر کج بحث۔

سن ۸۰ء کے عشرے میں پی ٹی وی سے فہم القران کی طویل سیریز نشر ہوئی جس میں علامہ نہائیت عام فہم اور زود ہضم انداز میں پیغامِ قران سمجھاتے تھے۔ اس سیریز کے چند پروگرام میں نے بھی دیکھ رکھے تھے۔ چنانچہ جب علامہ لندن آئے تو میں نے کہا کہ جب تک آپ یہاں ہیں میں چاہتا ہوں کہ کم ازکم سورہ فاتحہ سمجھنے میں میری مدد کریں۔ علامہ نے فوراً کہا جب چاہو جتنا چاہو۔ اس کے بعد کے نو دس دن تک علامہ روزانہ کوئی ایک موضوع لے لیتے جیسے الحمد، رب العلمین، یوم الدین، نستعین وغیرہ۔ اور آدھا پونا گھنٹہ پرت در پرت سببِ نزول، ماخذ، تاریخی پس منظر اور منطق کے سہارے ایسے لے کر چلتے گویا بچے کو کہانی سنا رہے ہوں۔

شاید یہ عراق میں لگ بھگ ابتدائی دس برس حضرت قاسم الخوئی، باقر الصدر اور دیگر علمائے عظام کے آگے زانو تہہ کرنے، عربی و فارسی پر عمومی دسترس اور عرب و عجم کی تاریخ فہمی کا فیض تھا کہ علامہ کی مذہبی و غیر مذہبی گفتگو ادق مسائل کا احاطہ ضرور کرتی تھی مگر ان کی اجتہادیت مشکل پسندی اور علمیت کے مصنوعی دبدبے سے بالکل آزاد تھی۔ اسی لیے عام آدمی بھی بلا امتیازِ مسلک و نظریہ بلا دھڑک ان کی جانب کھنچتا تھا اور پورا پورا ابلاغی لطف کشید کرتا تھا۔

اور پھر علامہ پاکستان لوٹ گئے۔ اور پھر لگ بھگ پندرہ سولہ برس بعد ان سے انچولی

کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ میں نے فون کیا۔ اتفاق سے علامہ نے ہی اٹھایا۔ جیسے ہی کہا اسلام وعلیکم، دوسری جانب سے وعلیکم السلام کے بجائے آواز آئی "لندن سے بات کر رہے ہو بدمعاش یا کراچی میں ہو۔ میں علامہ کی اس غیر معمولی یادداشت وسماعت پر ششدر رہ گیا۔ پندرہ سولہ برس پہلے محض چند دن کی ملاقاتوں کے باوجود ہزاروں آوازوں میں سے کسی ایک آواز کو پہچان لینا۔۔۔ اف۔ یہ آدمی ہے یا جن؟

اس کے بعد ہر پانچ چھ ماہ بعد حاضری ہو جاتی۔ یعنی عشا کے بعد سے فجر تک کھلی کچہری۔ جس میں ہر طرح کے موضوع سے لدا پھندا شخص ہر طرح کی کھانے پینے کی اشیا لا رہا ہے۔ اس کچہری میں دوطرفہ گفتگو کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ علامہ دوسری تیسری حاضری میں میری بے چارگی بھانپ گئے اور انہوں نے محمد علی سید سے کہا آئندہ عصر تا مغرب ملاقات طے کرتے ہیں۔

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ علامہ کے گھر کی اوپر والی منزل میں قائم لائبریری میں ہر چند ماہ بعد گھنٹہ پینتالیس منٹ کی ملاقات ہو جاتی۔ لائبریری کی ہزاروں کتابوں میں سے ہر کتاب علامہ کی انگلیاں پہچانتی تھی۔ چنانچہ انہیں کسی بھی ریفرنس کے لیے کوئی بھی کتاب نکالنے میں زیادہ سے زیادہ دو منٹ لگتے تھے۔ بقول محمد علی سید علامہ نے بلاشبہ ہزاروں مجالس پڑھیں مگر ہر مجلس کی تیاری وہ ایسے انہماک اور محنت سے کرتے گویا سپریم کورٹ میں آخری پیشی ہو۔

لائبریری میں علامہ خود کو بیرونی دنیا سے محفوظ سمجھتے تھے۔ انہیں طرح طرح کے قہوے اور کھجوریں کھانے اور کھلانے کا شوق تھا۔ ہر طرح کے قہوے اور کھجور کی تاریخ بھی ساتھ ساتھ بتاتے جاتے۔ کہتے تھے میرا بس چلے تو کھجوروں اور قہوے کی اقسام کا ایک پورا عجائب گھر بناؤں۔

علامہ چونکہ اکثر مداحوں میں گھرے رہتے تھے۔ لہذا کبھی کبھار وہ ان معمولات کو توڑ کر لانگ ڈرائیو یا پرندوں کے مشاہدے کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ کسی بھی دور دراز سڑک سے ہٹے ہوئے چارپائی ہوٹل پر بیٹھ کر بہت خوش ہوتے جہاں انہیں کوئی پہچاننے والا

نہ ہو۔

رفتہ رفتہ علامہ کی فراخدلی جراتِ سوال کی عادت بڑھاتی چلی گئی۔ایک بار میں نے اچانک پوچھ لیا کہ علامہ میں نے آپ کی بہت زیادہ مجالس تو نہیں سنیں البتہ جتنی بھی سنی ہیں وہ تبرے سے پاک ہوتی ہیں۔فرمایا جب باورچی کام میں کچا ہو تو اسے اپنی فنی خامیاں چھپانے کے لیے مصالحہ تیز رکھنا پڑتا ہے۔میری تو یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ جو موضوع شروع کیا ہے وہ سمیٹوں کیسے۔لہذا دھیان کبھی خانخواہ کی باتوں کی جانب بھٹکتا بھی نہیں۔امید ہے آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی۔

سیاست پر بہت کم یا تمثیلی انداز میں گفتگو کرتے تھے۔ایک بار ایران سے ہو کر آئے اور طلب فرمالیا۔تفصیل سے سفر کا احوال بتاتے رہے۔میں نے درمیان میں پوچھا کہ آج کل وہاں کرپشن کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں۔آپ کا کیا تاثر ہے۔کہنے لگے کہ اس بار جب میں تہران سے قم جا رہا تھا تو ٹیکسی والا میرا جبہ عمامہ دیکھ کر خاصا چپ چپ رہا مگر جب میں نے اس کی روزمرہ زندگی کریدنی شروع کی تو کھلتا چلا گیا۔کہنے لگا آغا یہ بتایئے کہ آپ نے جو جبہ پہنا ہے اس میں کتنی جیبیں ہیں۔میں نے کہا دو۔کہنے لگا آغا یہاں تو ہر جبے میں جیبیں ہی جیبیں ہیں اور بھرتی ہی نہیں۔اب تم ڈرائیور کے اس قصے سے جو چاہے اپنا صحافیانہ مطلب نکال لو

علامہ علومِ قرانی پر تو ملکہ رکھتے ہی تھے۔مگر نہ خود زاہدِ خشک تھے نہ زاہدانِ خشک کی ہمرہی میں خوش رہتے تھے۔ان کی شرارت آمیز خوش دلی اور حسِ جمالیات ہمیشہ توانا و تر و تازہ رہی۔بطور گواہی تین شعری مجموعے حرفِ نمو، پسِ آفاق اور شاخِ صدا بھی پسماندگان میں چھوڑے۔

اول اول علم فقط اک نقطہ تھا
آخر آخر جہل بنا تاویلوں سے
جسم کی خیمہ گاہ میں کتنے ہم زادوں کا ڈیرہ تھا
ایک اکیلی روح کہاں تک ان میں بسر اوقات کرے

وحشتِ دل پر صبر کا نسخہ سب نے ہی تجویز کیا
جب پرکھا تو نسخہ لکھنے والے ہی بیمار ملے

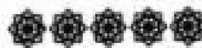
کم ہی لوگ واقف ہیں کہ علامہ صنعتِ اہمال یعنی لایعنی شاعری میں بھی یدِ طولی رکھتے تھے اور سخنوروں کو چیلنج کرتے تھے کہ کوئی ایسا مصرعہ لکھ کے لاؤ جس کا کوئی مطلب نہ ہو۔اس صنف میں علامہ نے بیسیوں اشعار کہے جن کا ریکارڈ جانے کس کے پاس ہوگا۔البتہ بطور نمونہ صنعتِ اہمال میں دو شعر حاضر ہیں

کھڑکی سے بھاگ گئی تھی دلہن حادثات کی
گھوڑا لیے کھڑا تھا پتیلی حیات کی

جب مرغ آگہی نے پپیتے میں سر دیا
نیولے کو میں نے مژدہ رنگِ سفر دیا

علامہ اکاسی برس کی عمر میں چلے تو گئے۔بس یہ شکائیت ہے کہ قحط الرجال کے لق ودق بیابان میں پہلے ہی کتنے شجرِ سایہ دار بچ گئے تھے جو ایک اور کم پڑ گیا۔ایسے بڑے آدمی کا شوگر،دل کے عارضے وغیرہ کے ساتھ اوپر جانا اچھا نہیں لگتا۔

کیا کہا؟ان کا خلا ایک طویل عرصے تک پر نہیں ہو سکے گا؟؟؟ مجھے تو شک ہے وہ خلا بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے۔۔۔



مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی (نیو جرسی، امریکہ)

علاّمہ طالب جوہری۔ کچھ یادیں کچھ باتیں

یہ یادیں ستر سالوں پر محیط ہیں۔ وہ میرے ہم وطن تھے اور ان کے والد مولانا محمد مصطفیٰ جوہر میرے والد مولانا سیّد اظہار الحسنین رضوی کے ہم درس تھے۔ جامعہ سلطان المدارس میں ۱۹۲۲ء تک ساتھ رہے تھے۔ نجف اشرف تشریف لے جانے سے قابل ناظم آباد کے مکان میں جو ڈاکخانہ کے قریب تھا علامہ طالب جوہری سے اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ ان کا نجف کا دورانیہ نہایت بھرپور اور پُر ثمر تھا۔ ان کے اساتذہ میں آیت اللہ العظمیٰ سیّد ابوالقاسم خوئی اور آیۃ اللہ باقر صدر نمایاں تھے۔

ویسے تو ہندوستان و پاکستان کے کافی طلبہ طلب علم میں مصروف تھے مگر علاّمہ ذیشان حیدر جوادی اور علاّمہ طالب جوہری ان سب میں نمایاں نظر آتے تھے۔ دونوں ذہین، دونوں فطین، حاضر جواب، اساتذہ کی آنکھوں کا نور اور قرآن فہمی میں بہت مشہور تھے۔

نجف اشرف سے واپس آنے کے بعد جامعہ امامیہ مدرسۃ الواعظین جسے مولانا ظفر حسن امروہوی نے قائم کیا تھا، اس کے پرنسپل مقرر ہوئے اور اسی دوران حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سیّد رضی جعفر نقوی کو ان کی شاگردی کا شرف ملا۔

مجھے یاد ہے کہ اکثر میں اور مولانا آغا جعفر نقوی مدیر اصلاح مولانا علی حیدر کے صاحبزادے جو میرے معاصر اور ہم درس تھے، اکثر علاّمہ کے پاس جاتے اور مختلف عنوانات پر بحث و تمحیص کیا کرتے تھے۔ دورانیہ اتنا بڑھتا کہ کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا۔

ایک مرتبہ پروفیسر حسنین شیفتہ جو معتبر عالم دین تھے۔ تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اس وقت سب سے بڑا مناظر پاکستان میں کون ہے؟ تو جناب شیفتہ نے فرمایا کہ میں ہوں تو پھر علاّمہ کا ان سے مناظرہ طے پا گیا۔ مولانا رضی جعفر اور میں گواہ بنے۔ عنوان یہ تھا کہ آیت تطہیر کا مصداق اہلِ بیت ہیں یا ابولہب۔ مناظرے میں شیفتہ صاحب

کو شکست ہوئی اور حسن کالونی میں جہاں شیفتہ صاحب کا گھر تھا ٹ۔ بڑی پُر تکلف دعوت کا اہتمام ہوا۔

اس طرح کے معاملے اکثر جاری رہتے تھے۔ ایک عالمِ دین سے علامہ صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کا ہاتھ کا تحریر کردہ نہایت خوبصورت قرآن ہے۔ ان عالم کو یقین آ گیا اور وہ اسے دیکھنے نہایت شوق سے آ گئے۔

تحریک دینداری کے سربراہ جناب مولانا غلام عسکری صاحب قبلہ جو ''خطیب اعظم'' کے نام سے شہرۂ آفاق تھے۔ کراچی تشریف لائے اور پاکستان میں ''تنظیم المکاتب'' کی بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تو اس تحریک کا مرکز علامہ طالب جوہری کا دولت کدہ تھا اور انھیں کے مشورے سے استخارہ دیکھ کر اس کے لیے سات افراد کو منتخب کیا گیا جس میں مولانا محمد تقی صاحب قبلہ صدر اور علامہ طالب جوہری نائب صدر، مولانا رضی جعفر سیکریٹری اور دیگر چار افراد بنیادی ممبر قرار پائے۔ مولانا آغا جعفر تقوی، مولانا سیّد موسیٰ نجفی، مولانا ناصر عباس زیدی اور مجھے یعنی تمیز حسنین رضوی کو اس کا بنیادی ممبر بنایا گیا اور آفس کا قیام، کتابوں کی اشاعت اور اس کے جملہ مقدمات طے کرنے میں علامہ طالب جوہری نے بھرپور ساتھ دیا اور حیات کے آخری لحات تک وہ ادارۂ تنظیم المکاتب کے سربراہ اور صدر رہے۔

اندرونِ سندھ میں اکثر مجالس کے لیے تشریف لے جاتے تھے بالخصوص حیدرآباد تو مرکز تھا۔ کئی سال تک مسلسل لاڑکانہ میں شبِ غم کے عنوان سے سالانہ مجلس ہوتی تھی جس میں ان کا اور میرا ساتھ رہا۔ تین روزہ پروگرام ہوتا تھا اور ہم دونوں اس مجلس سے خطاب کرتے تھے۔

ویسے تو ان کا ہر اقدام مستحسن اور قابل ستائش تھا مگر پاکستان میں ٹیلی وژن کے قیام کے بعد ان کا درس تفسیر نہایت مشہور ہوا۔ شام کے وقت آدھے گھنٹے کا پروگرام ہوتا تھا جسے سنی اور شیعہ غور سے سنتے اور دیکھتے تھے۔ اس سے بہتر کوئی اور پروگرام نہ تھا۔

پاکستان میں علامہ رشید ترابی کی تقریر کا سحر لوگوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا لیکن علامہ طالب جوہری نے اپنے لیے نئے راستے کا انتخاب کیا اور خطابت کو نئے رنگ،

ڈھنگ اور آہنگ سے روشناس کرایا۔ آیات قرآنی سے مرصع گفتگوں، مدلل بیان، دل نشین انداز اور دلربا فکر، آیات کو ایسے سلیقے اور قرینے سے پڑھتے تھے کہ ہر فرد اس تقریر میں کھو جاتا تھا۔ منہمک ہو جاتا تھا، خود کو اس کا حصّہ سمجھنے لگتا تھا۔ وہ ہر موضوع پر بے تکان گفتگو فرماتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہی ان کا پسندیدہ موضوع ہے ان کی خواہش تھی کہ میں کراچی میں تقریر کروں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے میرے لیے خمسہ مجالس کا انتظام کیا۔ وہ ہر سال آخری عشرے کی مجالس قصر مسیب، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد میں پڑھتے تھے۔

غالباً ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ انھوں نے مجھے دعوت دی کہ ابتدائی پانچ مجلسیں پڑھوں اور آخری پانچ مجالس سے وہ خطاب فرمائیں گے۔ میرا قیام علامہ صاحب کے دولت کدہ پر تھا اور میں وہیں سے مجلس پڑھنے آیا کرتا تھا۔ اتفاق ہے کہ میں نے "نبی امّی" کے عنوان سے پانچ مجلسیں پڑھی تھیں اور علامہ نے بھی اسی عنوان پر گفتگو کی تھی۔

میں ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک رمضان المبارک اور محرم الحرام کے دوران امریکہ آنے لگا تو ملاقاتوں میں کمی آ گئی لیکن جب بھی میں کراچی جاتا تھا ان سے ایک مہینہ قیام کے دوران چار پانچ ملاقاتیں ہو جاتی تھیں۔ اس سال کے آغاز میں جب میں کراچی گیا تو ان سے دو مرتبہ ملنے کا موقع فراہم ہوا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہوگی اور الوداعی ملاقات بن جائے گی۔

مولانا محمد مصطفی جوہر کی لائبریری نہایت وسیع اور قدیم و جدید کتب سے مملو تھی اور اتنے سلیقے سے کتابیں رکھی گئی تھیں کہ مولانا کو یہ علم تھا کہ کس الماری میں کون سی لائن میں کتنی کتابوں کے بعد یہ کتاب رکھی ہے جس کا حوالہ درکار ہے۔

علامہ طالب جوہری کو یہ کتب خانہ ورثہ میں ملا جو نادر، نایاب اور بیش قیمت تھا۔ اس میں علامہ صاحب نے اپنی پسند کی کتابیں شامل کیں اور پرانی کتابوں کو مجلد کرایا گیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق سجایا گیا۔ آپ جس کتاب کے بارے میں تصور کریں وہ ان کی لائبریری میں موجود ہوگی۔

علامہ طالب جوہری نے اپنی لائبریری سے ایک کتاب مرحمت فرمائی تھی۔ ابن مغازلی شافعی کی کتاب مناقب علی بن ابی طالب علیہ السلام جوان کی امضا کے ساتھ میرے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب ۴ رشوال ۱۴۰۰ھ کو ہدیہ کی گئی۔

جب وہ امریکہ تشریف لائے تھے تو انھوں نے میرے لائبریری کو دیکھ کر اسے سراہا تھا اور میری ترجمہ کردہ تفسیر صافی پر ایک تقریظ رقم فرمائی جس کا آخری پیرایہ ہے:

فاضل جلیل و محقق خبیر جناب مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ مختلف اسلامی علوم وفنون پر بھی نظر اور دسترس رکھتے ہیں اور تحریر وتالیف کی توانائیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ میں نے جستہ جستہ اس ترجمہ وتلخیص پر نگاہ ڈالی، الفاظ کی نشست برمحل، عبارت صاف وشستہ اور سلیس ہے کہ یہ ترجمہ نہ ہو طبع زاد تحریر ہو۔ میں بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ بطفیل معصومین علیہم السلام جناب مولانا کو وہ توفیق عطا ہو کہ وہ اس کی تکمیل کے ساتھ دیگر علمی اور دینی خدمتوں کو انجام دیتے رہیں۔

طالب جوہری، نیوجرسی، امریکہ

۱۰ رجمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

علامہ طالب جوہری تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر پر بھی اتنی ہی قدرت رکھتے تھے۔ ان کی جتنی تصنیفات اور تالیفات موجود ہیں وہ ان کی قدرتِ زبان وبیان کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

احسن الحدیث جوان کی تفسیر قرآن کا عنوان ہے، وہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

اللّٰہُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا ـــــ (سورہ زمر: ۳۹)

اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے ایسی کتاب جس کی آیتیں ملتی جلتی ہیں اور دہرائی گئی ہیں۔ اسے سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

افسوس کہ یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔ اس کا انداز دلفریب، استدلال قوی، معانی ومفاہیم دلچسپ، مطالب بھرپور۔ اگر یہ تفسیر مکمل ہوجاتی تو تفسیری دنیا میں اردو زبان میں بہترین ذخیرہ، اثاثہ اور سرمایہ ہوتی۔ میرے بار بار اصرار کرنے کے باوجود نہ جانے کیوں وہ اس

کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔

ان کی تصنیفات میں آئمہ اثنا عشر، امام زمانہؑ پر کتاب اور دیگر کتب بھی ہیں مگر ان کی منفرد کتاب جو بیش بہا سرمایہ ہے وہ "حدیث کربلا" ہے۔ یہ کتاب ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ واقعات کربلا کو سپردِ قلم کیا گیا ہے اور مدینہ منورہ کی روانگی سے لے کر دفن شہدا تک نہایت شرح بسط کے ساتھ تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مقتل حسینؑ پر یہ ایک نہایت وقیع، بھرپور، مدلل، مستند اور بہترین کتاب ہے۔ اردو میں اس سے پہلے ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ میری خواہش تھی کہ وہ کربلا کے بعد کے واقعات بھی مدینہ منورہ کی واپسی تک رقم کریں اور میں نے اس کی خواہش و فرمائش بھی کی۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

وہ بہترین ادیب اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے نہایت وقیع مرثیے بھی کہے ہیں۔ قصائد بھی، سلام بھی اور غزلیات بھی۔ ان کے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے والد جناب محمد مصطفیٰ جوہر بھی بہترین شاعر تھے اور ان کے سلام آج بھی مجالس کی زینت اور رونق ہیں۔

ان کے بہت سے شاگرد اطراف و اکناف عالم میں موجود ہیں جنھوں نے ان سے بھرپور علمی استفادہ کیا ہے وہ یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ وہ علامہ کے شاگرد ہیں۔ بڑے بڑے ذاکرین اور مقررین ان کے نکات پڑھتے اور اپنی مجالس کو سنوارتے اور نکھارتے ہیں۔

یہ عبقری، خطیب، ادیب، شاعر، مفسر، محدث اور فقیہ، علم اصول کا ماہر، علم کلام پر قادر، علم انساب کا ماہر، باطنی علوم پر دسترس رکھنے والا ہم سب کو سوگوار اور اشکبار چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

ڈاکٹر قمر عباس

خانوادہء علّامہ طالبؔ جوہری کی خطیبانہ و ادیبانہ خدمات

[ڈاکٹر قمر عباس کی شخصیت کے کئی رُوپ ہیں۔ وہ ایک شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ اُستاد بھی ہیں اور صحافی بھی۔ اُنہوں نے روزنامہ جنگ کی ادبی خدمات پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے۔ وہ ایک طویل عرصے سے اخبار میں ادبی اور سماجی موضوعات پر تحقیقی مضامین تحریر کر رہے ہیں۔ اُن کی دو کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور تین کتابیں زیرِ طبع ہیں۔ روزنامہ جنگ ہی میں وہ کتابوں پر تبصرے بھی تحریر کرتے ہیں۔ اُن کا زیرِ نظر مضمون علامہ طالب جوہری کے خانوادے کی دینی اور ادبی خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ مضمون علامہ صاحب کی زندگی ہی میں روزنامہ جنگ میں شائع ہو چکا ہے۔ ذیل کی سطور میں اسے کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔]

سُن کے اِک خلق جسے کان کھڑے کرتی ہے
اتنی طاقت مری بیٹھی ہوئی آواز میں ہے

شیخ امام بخش ناسخ کا یہ شعر جس شخصیت پر بہت حد تک صادق آتا ہے، ایک دنیا اُسے علامہ طالبؔ جوہری کے نام سے جانتی ہے۔ مذہبیات اگر طالبؔ جوہری کا اختصاصی میدان ہے، تو ادبیات عمومی رجحان۔ یوں مذہبیات و ادبیات کا یہ سنگم محض طالب جوہری ہی سے مختص نہیں ہے، بلکہ یہ سلسلہ در سلسلہ ہے، جس کی ابتدا طالبؔ جوہری کے دادا سے ہوتی ہے۔ حکیم محمد مسلم کا تعلق ریاست بہار کے ضلع بھاگلپور سے تھا۔ عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ مذہبی کتابوں کے علاوہ ادب سے بھی شغف تھا۔ میر انیس کا یہ شعر اکثر زبان پر رہتا

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لیے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے

معاش کے لیے حکمت کا انتخاب کیا۔ بیسویں صدی کے اوّلین عشرے میں بھاگلپور میں اپنا مطب قائم کیا۔ معاشی معاملات کے باعث قلمی میدان میں پوری طرح وقت نہ دے

سکے، تاہم حیات بعد الموت اُن کی دلچسپی اور تحقیق کا اہم میدان تھا۔ "عالمِ برزخ میں ہلچل" کے عنوان سے ایک کتاب کا مسودہ ترتیب دیا تھا، تاہم زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ اپنے زمانے کے اہلِ علم و دانش سے گفتگو رہتی۔ لوگ اُن کی صحبت میں رہنا پسند کرتے۔ حکیم محمد مسلم نے کوشش کی کہ اُن کی اولاد میں سے کوئی ایک ضرور مذہب اور ادب کو اپنی بنیاد بنائے۔ خوش قسمتی سے اُن کے سب سے بڑے صاحب زادے کی شکل میں اُن کی یہ خواہش حقیقت کا روپ دھارنے میں کامیاب ہوئی۔ 10 مئی 1895 کو حکیم محمد مسلم کے گھر واقع حسین گنج، سارن میں بچہ پیدا ہوا۔ نام محمد مصطفیٰ رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم میں عربی، فارسی اور اُردو شامل تھی۔ 1910 میں جب حکیم محمد مسلم اپنے دواخانے کے سلسلے میں بھاگلپور آئے تو بیٹے کا داخلہ وہاں کے انگریزی اسکول کے چھٹے درجے میں کرا دیا۔ یوں مشرقی تعلیم کے ساتھ بیٹے کو مغربی زبان سے بھی آشنائی ہوئی۔ اسی اثناء میں محمد مصطفیٰ کو شعر و شاعری سے بھی لگاؤ پیدا ہوا، اور جوہرؔ کے تخلص کے ساتھ کلام کہنا شروع کیا۔ چونکہ عربی اور فارسی سے بھی واقفیت تھی اور عربی و فارسی بحور سے بخوبی شناسائی تھی، لہٰذا افکار کو اشعار کا پیکر دینے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

شب غم تصور نے تصویر کھینچی
شبیہِ دُرستیِ تدبیر کھینچی
جوہرؔ، یہ فقط اوّلِ مخلوق کا حق ہے
ہر ایک کو معراج کا رتبہ نہیں ملتا
راہِ اُلفت میں بڑھا اے عاشقِ حیدر قدم
ہو مگر پہلے قدم سے دوسرا بہتر قدم

سیاست میں جاری مکر و فریب کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے والے محمد مصطفیٰ جوہرؔ جب کبھی سیاستِ دوراں پر نظر ڈالتے تو اس طرح کے اشعار نوکِ قلم سے اظہار کا پیکر تراشتے۔

صداقت انتخابی رہبروں میں کچھ اگر ہوتی صراطِ حق میں اُن کے بھی کہیں تونقشِ پا ہوتے۔

کچھ وقت بعد لکھنوء کے مشہور "سلطان المدارس" میں داخلہ ملا اور وہاں سے ۱۹۲۳ء

میں سند حاصل کرنے کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھا۔ اسی سال پٹنہ میں مدرسہ عباسیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اُن کی علمیت و فضیلت کو دیکھتے ہوئے اُنھیں مدرسے کی تدریسی ذمے داریاں ادا کرنے کی پیشکش ہوئی۔ کچھ اُمور کے باعث وہ فوری طور پر مدرسے سے وابستہ نہ ہو سکے، تاہم ۱۹۲۵ء میں نائب مدرّسِ اعلیٰ کے طور پر مدرسہ عباسیہ سے منسلک ہو گئے۔ اُن کے تبحر علمی کو دیکھتے ہوئے اگلے ہی برس یعنی ۱۹۲۶ء میں اُنھیں مدرسہ عباسیہ کا مدرّسِ اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ وہاں رہتے ہوئے طلباء کو دینی اُمور کے علاوہ شعریات سے بھی رغبت دلائی اور وہ اس طرح کہ سالانہ بنیادوں پر ہونے والے طرحی مقاصدہ اور محافلِ میلاد کے لیے اُن میں جذبہ شوق اُجاگر کرتے۔ اس کے علاوہ بھی وہ طلباء کو گاہے گاہے ایسی پاکیزہ شعری ریاضت و عبادت میں مشغول رکھتے۔ خود تو کم کہتے، مگر اپنی نگرانی میں طالب علموں کو مشقِ سخن کراتے۔ پٹنہ کالج کے پروفیسر اور ممتاز شاعر، جمیل مظہری کو مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی شاعرانہ بلند فکری اور بالیدہ نظری کا بھرپور احساس تھا اور وہ مولانا کی ادبی و شعری صلاحیتوں کے گرویدہ تھے۔ صرف وہی نہیں، اُن کی شاعرانہ اُپج کے مدح خواں اور بھی شاعر و ادیب و مرثیہ خواں تھے۔ ڈاکٹر سیّد صفدر حسین بھی ایسے ہی افراد میں سے ایک تھے۔ اُنھوں نے حضرتِ جمیل مظہری کے ''عرفانِ جمیل'' میں مولانا مصطفیٰ جوہر کی اس عنوان سے صلاحیتوں کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے:

''ہندوستان کے صوبہ بہار میں صفیر بلگرامی مذہبی قصیدہ نگاری کو مقبول بنا چکے تھے اور اُن کا مجموعہ 'میلادِ معصومین' طبع ہو چکا تھا لیکن مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کے ادبی مذاق نے وہاں بھی تجدیدِ ذوق کا سامان کیا۔''

مولانا مصطفیٰ جوہر کا شوقِ کتب بینی فطرتِ ثانیہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ مذہبی، ادبی، عروضی، فلسفہ و حکمت، منطق، علمِ کلام، علمِ رجال، صرف و نحو، غرض پڑھنا اور مستقل پڑھتے رہنا اُن کے لیے کارِ آسان تھا۔ اس شوق کے تحت انھوں نے لکھنؤ، بمبئی (اب ممبئی)، حیدرآباد دکن، اور دیگر جگہوں سے کتابیں منگوائیں اور رفتہ رفتہ ایک عمدہ کتب خانہ ترتیب دے دیا۔ قرآن فہمی ان تمام مشغولیات و مصروفیات سے بڑھ کر تھی۔ اب انھوں نے

خطابت کو اپنے افکار کی ترویج کا ذریعہ بنایا۔ علومِ محمد و آلِ محمد کا پرچار زیست کا شعار قرار پایا۔ منبر سے اُن کی بلند ہوتی ہوئی آوازِ اُلوہیت، ایک بشرِ کامل کی عبدیت و ابدیت اور علویت کا امتزاج لیے ہوتی۔ محافل و مجالس سے اُن کا خطاب فلسفہ و حکمت کے پیرائے میں زندگی کو مقدس ہستیوں کے احکام و فرامین کی روشنی میں بسر کرنے کا ایک مسلسل درس بنا رہتا۔ منبر اور مصطفیٰ جوہر ایک سکے کے دو رُخ معلوم ہونے لگے۔ شاعرِ انقلاب، جوش ملیح آبادی نے ۱۹۳۱ء میں ''ذاکر سے خطاب'' کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء نظم کہی۔ نظم کا مرکزی خیال یہ تھا کہ ایسے تمام ذاکرین جو نواسہ ءرسول کی یاد میں ذکرِ کربلا کی مجالس منعقد کرنے کی اُجرت لیا کرتے تھے، کارِ ناپسندیدہ میں مبتلا تھے۔ چالیس بند پر مشتمل نظم کا لب و لہجہ انتہائی تند و تیز تھا:

ہوشیار اے ذاکرِ افسردہ فطرت ہوشیار
مردِ حق اندیشہ اور باطل سے ہو زار و نزار
ضعف کا احساس اور مومن کو یہ کیا خلفشار
لا فتیٰ اِلّا علی لا سیف اِلّا ذوالفقار
جو حسینی ہے کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی ساونت مر سکتا نہیں
سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خو
آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو
فیس کا دریوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہلبیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

جوش کی نظم شائع ہوتے ہی ایک ہنگامہ مچ گیا اور جوش کی مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ متعدد شعراء، ادیب اور مذہبی مقررین نے جوش کے خلاف نظمیں کہیں۔ مولانا محمد

مصطفیٰ جوہرؔ نے بھی ''گنبد کی صدا'' کے عنوان سے ''ذاکر سے خطاب'' کا جواب تحریر کیا۔ نظم کے تیور کچھ یوں تھے:

ہوشیار اے شاعرِ معکوس فطرت ہوشیار
دل ترا کیوں رفعتِ ذاکر سے ہے زار و نزار
ضعفِ ایماں دُور کر مٹ جائے گا یہ خلفشار
پاک کر باطن کہ ہو جائے حقائق سے دوچار
ہے ضرورت علم کی استادِ کامل چاہیے
تجھ کو پُر اسرار سینہ حق نما دل چاہیے
تو ابھی ایماں کی رسم و راہ سے واقف نہیں
رہبری کو ڈھونڈ کوئی مرشدِ کامل یقیں
اُس کی چوکھٹ پر جھکا اپنی عقیدت کی جبیں
کسب کر اُس کی ہدایت سے شعارِ مومنیں
رفتہ رفتہ اپنے مذہب کا علمبردار ہو
ایک دن باطل سے علمی جنگ پر تیار ہو

نظم کا آخری بند یہ تھا:

جوشؔ تیری نظم کا ٹکڑے ہوا ہر پود و تار
سفسطوں نے بھی ترے پایا جوابِ استوار
ہاں مری لفظیں جو تیری طبع کو ہوں ناگوار
یاد کر لینا یہ قولِ شاعرِ حکمت شعار
بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ منبر کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اگر غور کریں تو مولانا مصطفیٰ جوہرؔ نے نظم کے پہلے بند کے ابتدائی تین مصرعوں کے قافیے بالکل وہی رکھے جو جوشؔ نے رکھے تھے۔ وجہ شاید یہ تھی کہ وہ جوشؔ کو اُسی لب و لہجے

میں جواب دینا چاہتے تھے، تاہم آگے کے مصرعوں میں اُنہوں نے جوشؔ کے ہر ہر اعتراض کا جواب پیش کیا ہے۔ بہت عرصے بعد کراچی میں جوشؔ نے مصطفیٰ جوہرؔ سے گفتگو میں اس بات کا اقرار کیا کہ ''گنبد کی صدا'' بہترین نظم تھی۔

انتہائی صاحبِ علم ہونے کے باوجود مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ کی طبیعت میں خاکساری و درویشی تھی۔ حافظہ غیر معمولی تھا۔ اہم سے اہم اور فلسفے کی دقیق ترین کتابیں محض ایک بار کے مطالعے کے بعد حافظے کا مستقل حصہ بن جاتیں۔ رسول اور اُن کی آلِ اطہار کا ہمہ وقت ذکر کرنے کے باعث خود اُن کی طبیعت میں طہارت نے اس حد تک جگہ بنالی تھی کہ ایک بار کسی جلدی مرض کے باعث انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ پاک و پاکیزہ نہیں رہ سکتے تو انہوں نے مشہور داستان الف لیلہ کا انگریزی ترجمہ از اوّل تا آخر ختم کرلیا۔ انگریزی سے اُن کی یہ واقفیت اُن کی اسکول کی زندگی سے شروع ہوئی تھی۔

۱۹۴۰ء تک کہ جب تک مدرسہ عباسیہ قائم رہا، مولانا مصطفیٰ جوہر اُس سے وابستگی اختیار کیے رہے۔ ۱۹۴۵ء کے آس پاس کانپور چلے آئے اور پٹکا پور کی مسجد سے وابستہ ہو گئے۔ کانپور میں مغربی تعلیم کے پروردہ چند نوجوان جو دینی اور مشرقی تعلیم کے بہت زیادہ قائل نہ تھے، اُن سے مباحث میں مصروف ہو گئے۔ اُن ہی نوجوانوں میں سے ایک بعد میں سائنس میں ڈاکٹریٹ کی سند کے حامل بھی قرار پائے۔ مرزا صادق حسین کی متعارف کرائی جانے والی جڑی بوٹی کو بحری جہازوں میں ذخیرہ کیے جانے والی غذائی اجناس اور گندم کو کیڑوں سے بچانے میں بہت ممد و معاون پایا گیا اور اُن کی تحقیق کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا۔ مرزا صادق حسین نے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کو سائنسی معلومات میں کامل پایا۔ اس کا اعتراف انہوں نے اپنی کتاب ''ایٹمی دور میں وجودِ باری تعالیٰ'' میں کیا ہے۔ مولانا محمد مصطفیٰ جوہر ۱۹۴۵ء تک کانپور میں رہے اور پھر وہاں سے حیدرآباد دکن چلے آئے۔ اگرچہ یہاں قیام کی مدت زیادہ نہ رہی، تاہم اُن کی موجودگی اہلِ علم طبقے کے لیے بے حد طمانیت کا باعث رہی اور لوگ اُن سے علمی استفادے کے لیے رجوع کرنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد مولانا محمد مصطفیٰ جوہر ترکِ وطن کر کے پاکستان کے دارالحکومت

کراچی میں سکونت اختیار کر گئے۔ یہاں بھی طرزِ حیات وہی رہا، جو ابتدا سے تھا۔ یعنی تذکرہ، رسول و آلِ رسول۔ مولانا مصطفیٰ جوہرؔ سے ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ آنے والی شخصیات میں علماء، دانشور، شاعر، ادیب اور دیگر شعبوں کی اہم شخصیات شامل ہوتیں۔ وہ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ مجالس سے خطاب کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ اگرچہ بنیادی موضوع رسول کا گھرانہ اور اُن کا اسوہ ہی رہتا، تاہم ذاکری میں اُن کا انداز درس و تبلیغ و شریعت کے احکام کی بجا آوری کی اہمیت پر محیط ہوتا۔ ان تمام مشغولیت کے باوجود تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھتے۔

''توحید و عدل نہج البلاغہ کی روشنی میں''، ''ثبوتِ خدا''، ''عقیدہ جعفریہ''، ''Unity and Justice of God'' کے علاوہ اور بھی کُتب تحریر کیں۔ قصائد پر مبنی کلام ''محراب'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اُن کی غزلیات کا مجموعہ زیرِ طبع ہے۔ نام و نمود سے کوسوں دور، مقدس ہستیوں کے ذکر پر مامور یہ ذی علم شخص ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو کراچی میں انتقال کر گیا۔ جوشؔ ملیح آبادی نے مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ کے باب میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا: ''علم و فضل میں ان کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے علماء ان کے روبرو ایسے معلوم ہوتے گویا تاج محل کے سامنے کوئی جھونپڑا رکھ دیا گیا ہے''۔

ان ہی مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ کے بڑے صاحبزادے علامہ طالبؔ جوہری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ مصطفیٰ جوہرؔ کی دو اور بھی اولاد ہیں۔ ایک بیٹے ابوالقاسم جوہری اور ایک بیٹی عزیز فاطمہ۔ تاہم باپ کی تاسی میں بڑے بیٹے طالبؔ جوہری نے علم و فکر سے مضبوط رشتہ استوار کیا۔ ۳۱ر اگست کو گورکھ پور (بھارت) میں پیدا ہونے والے طالبؔ جوہری نے ابتدائی تعلیم بھارت میں حاصل کی۔ اسکول کی تعلیم کے ساتھ مشرقی علوم کی تحصیل بھی کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں جب یہ خاندان ترکِ وطن کر کے پاکستان کے دارالحکومت کراچی آیا تو طالبؔ جوہری کی عُمر محض دس برس تھی۔ اس عُمر میں بھی اساتذہ کے بیشتر اشعار اور خاص طور پر اقبالؔ کی نظم ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' ازبر تھیں۔ حافظہ بچپن ہی سے غیر معمولی پایا۔

ثانوی تعلیم کے بعد ساٹھ کے عشرے میں طالبؔ جوہری مزید تحصیلِ علم کے لیے نجف اشرف (عراق) چلے گئے، جہاں لگ بھگ ایک عشرہ قیام کیا۔ وہاں جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اُن میں سیّد محسن الحکیم، ابوالقاسم خوئی، سیّد روح اللہ موسوی خمینی، سیّد علی فانی، سیّد محمد بغدادی اور سیّد محمد باقر الصدر شامل تھے۔ یہ تمام ذی علم حضرات عربی، فارسی، صرف و نحو، منطق، علم الکلام، اور فلسفے جیسے علوم پر سند کا درجہ رکھتے تھے۔ نجف (عراق) میں تحصیلِ علم کے دوران طالبؔ جوہری نے اسلام کے فلسفہء اقتصادیات پر ایک کتاب بھی تحریر کی۔ طالبؔ جوہری نے کسبِ علم میں کسی کوتاہی سے کام نہ لیا اور ان علوم کے علاوہ عربی، فارسی اور اُردو شاعری کے اوزان و بحور اور عروض پر بھی گہری دسترس حاصل کر لی۔ یہ اُن کی خداداد ذہانت ہی تھی کہ ایک طرف قرآن و حدیث پر بھرپور گرفت، دوسری طرف فلسفہ و منطق پر عبور اور تیسری طرف ادب و شعر سے گہری دلچسپی۔ ان ہی مختلف النوع مضامین کو بیک وقت اپنی فکری جولانگاہ قرار دینے والے طالب جوہری نے قدم بہ قدم علمی مضبوطی و استحکام کی جانب بڑھنا شروع کیا۔

نصابی تعلیم کے حوالے سے انہوں نے ایم اے (اسلامک اسٹڈیز) اور عربی فاضل پاس کیا۔ جب طالبؔ جوہری نے عربی و فارسی اور تاریخِ اسلام پر کماحقہ گرفت حاصل کر لی تو ۱۹۶۵ء سے اپنے والد کی پیروی میں منبر سے مجالس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۹۶۶ء وہ سال تھا جب طالب جوہری نکاح کے بندھن میں بندھے۔ ۱۹۶۷ء کے آس پاس سے انہوں نے سحر خیزی کے ساتھ مطالعہ اپنی زندگی کا حصّہ بنا لیا۔ عربی و فارسی میں کمال حاصل کرنا یوں بھی کوئی بہت اہم بات نہ تھی کہ گھریلو فضا اُس کے لیے نہایت درجہ سازگار تھی۔ نصابی اور مکتبی تعلیم کی منازل تو طے کی جاتی رہیں، تاہم اصل بات یہ تھی کہ طالبؔ جوہری نے علم و فضل کی میراث اپنے صاحبِ کمال باپ سے پائی۔

خود طالب جوہری کی طبیعت کا جوہر علم کی جستجو تھی۔ اُنہوں نے اُسی زمانے میں یہ طے کر لیا کہ وہ اوّل و آخر علم کو اپنا شعار اور ہتھیار بنائیں گے اور منبرِ رسول اُن کی شناخت کا سب سے بڑا ذریعہ قرار پائے گا۔ یوں وہ ثابت قدمی، مستقل مزاجی، تندہی اور سنجیدگی سے

اُس راہ پر گامزن ہو گئے کہ جس کی منزل فقط اور فقط غلامیِ رسول وآلِ رسول تھی اور مآلِ کار عزت و وقار۔ دینی علوم کے ساتھ طالبؔ جوہری کو شعر و ادب اور فلسفیانہ علوم سے بھی خاص شغف رہا۔ رفتہ رفتہ طبیعت مذہبیات اور ادبیات کا سنگم بن گئی۔ عربی اور فارسی کے تقریباً تمام ہی اہم شاعروں کا مطالعہ کیا۔ اُردو شاعری میں بھی یہی کیفیت رہی کہ قدیم اور جدید شعراء کا بھرپور مطالعہ کیا۔ یوں وہ اقبالؔ کی فکری شاعری کے مدّاح اور جوشؔ ملیح آبادی کی شاعرانہ عظمت کے قدرداں ہوئے۔

۱۹۷۵ء وہ سال تھا جب طالبؔ جوہری نے کراچی میں ایامِ عزا کی مجالس کے سلسلے میں نشتر پارک سے ذاکری کا آغاز کیا۔ یہی وہ مرکزی مجلس گاہ تھی کہ جہاں کی جانے والی تقاریر پورے ملک میں توجہ سے سُنی جاتیں۔

نشتر پارک کو مرکزی حیثیت دلانے والی شخصیت بے مثل خطیب علامہ رشید ترابی کی تھی، کہ جن کی شہرت و ناموری نے اُس عہد کے سربر آوردہ اور صاحبِ علم و کردار ذاکرین کے جُھرمٹ میں اپنے آپ کو یوں منوایا جیسے اردگرد چمکتے دمکتے ستاروں کے بیچوں بیچ چاند۔ علامہ رشید ترابی نے سامعتوں کو رفعتوں سے روشناس کرایا۔ کیا اپنا کیا پرایا، جسے دیکھو اُن ہی کا گرویدہ۔ ذاکرین میں اُن کی انفرادیت اور مرکزیت کی بہت سی وجوہ میں سے ایک اُن کے منبر کے موضوعات اور متن تھے۔

قرآن، حدیث، سائنس، ادب، فلسفہ، عصری مسائل بیک وقت اُن کی غیر معمولی خطابت میں چھلکتے۔ حافظؔ، رومیؔ، اقبالؔ، انیسؔ، شیکسپیر، ملٹن، ابنِ عربی، رازی، تقاریر کی مناسبت سے سامعین کی نذر کیے جاتے۔ منبر پر علامہ رشید ترابی کی شخصیت وقار کی علامت اور علم کی ہمہ وقت استقامت کا مظہر نظر آتی۔ کب مجلس کو عمومیت سے خصوصیت اور کب خصوصیت سے عمومیت کا لبادہ پہنانا ہوتا، اُنھیں اس پر یدِطولیٰ حاصل تھا۔ علامہ رشید ترابی نے منبر کو مولویانہ رنگ سے دانشورانہ آہنگ میں تبدیل کر دیا۔ وہ منبر کو جس ارفع ترین سطح پر لے جا چکے تھے، اُس سے مزید آگے لے جانا بظاہر ''رجلِ رشید'' سے کچھ کشید کیے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔

تاہم یہ طالب جوہری تھے، جنھوں نے ایک ''مصطفیٰ عالم'' سے تحصیلِ علم کرنے کے ساتھ ایک مدت تک درِ نجف سے سوغاتِ علم کی اعلیٰ ترین دولت سمیٹی تھی۔ قرآن جن کے وردِ زبان تھا۔ یوں اُنہوں نے اپنے لیے خطابت میں ایک نئی راہ نکالی۔ ایک ہی موضوع پر قرآن کی مختلف آیات اور اُن سے استنباط کر کے نتیجے تک پہنچنا۔ یہ سامعین کے لیے ہر لحاظ سے جداگانہ طرزِ اظہار تھا۔ ایک ذاکر جو از اوّل تا آخر قرآنی آیات کو استدلال میں پیش کرتا، سننے والوں پر سحر طاری کیے رہتا۔ علامہ رشید ترابی کی سحر طراز خطابت کے اسیر فرشِ عزا پر بیٹھنے والے عزاداران کے لیے یہ نوا کربلا و نینوا کی قرآنی صدا ثابت ہوئی۔ پیاسی سماعتوں کے لیے علامہ طالب جوہری کی قرآن فہمی سے پُرآواز تشنہ کامی دُور کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی۔ یہ اُن کی شہرت کا اصل آغاز تھا۔ جلد ہی وہ صفِ اوّل کے ذاکر کہلائے جانے لگے۔

پی ٹی وی نے اسی کے عشرے میں قرآنی فکر کو عام کرنے کے لیے ایک سلسلہ وار پروگرام ''فہم القرآن'' کے عنوان سے شروع کیا۔ علامہ طالب جوہری کو اس پروگرام میں دیگر علماء کے ساتھ مدعو کیا جانے لگا۔ تقریر کے بعد پروگرام میں سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوتا اور لوگ مختلف مذہبی سوالات دریافت کرتے۔ علامہ طالب جوہری اُن سوالات کے اتنے اطمینان بخش جوابات دیتے کہ حاضرین کی بھرپور ذہنی تسکین کا سامان بہم ہو جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس پروگرام نے مقبولیت حاصل کر لی اور خود طالبؔ جوہری بھی اس پروگرام کی بدولت شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ اس پروگرام نے غیر مسلک کے افراد میں بھی اُن کے لیے بے پناہ توقیر کا احساس بیدار کر دیا۔ علم نے اُن کی قامت کو بلند قامتی میں یوں ڈھالا کہ اُن کے عہد کے دیگر ذاکرین کوتاہ قامت محسوس ہونے لگے۔

اب صاحبِ علم حضرات سے علمی صحبتیں استوار ہونے لگیں۔ ملاقات کے لیے آنے والوں میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہوتے۔ ایسے ہی افراد میں برصغیر کے ممتاز ترین جاسوسی ناول نگار، ابن صفی بھی شامل تھے جن سے علامہ طالب جوہری کی خوب خوب گفتگو رہتی۔ خود طالبؔ جوہری بھی اُن کی تخلیقی اور تحریری اُپج کے قائل تھے۔

فلسفہ علامہ طالب جوہری کا ہمیشہ سے پسندیدہ مضمون رہا۔ فلسفے کے نامور استاد، قاضی قیصر الاسلام سے بھی اس عنوان سے خوب صحبتیں رہتیں۔ پاکستان کے نامور فلسفی سیّد محمد تقی سے بھی خوب رسم وراہ تھی۔ فلسفیانہ علوم کی طرف رجحان نے ''معقلیاتِ معاصر'' جیسی فلسفے کی کتاب قاری کے ذوق کی تکمیل کے لیے تحریر کرائی۔ مذکورہ کتاب میں دقیق فلسفیانہ مسائل کو دین کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ممتاز دانشور اور ماہرِ تعلیم، ڈاکٹر جعفر احمد کا کہنا ہے: ''علامہ صاحب کی موجودہ کتاب اُن لوگوں کو مزید ورطہ حیرت میں ڈال سکتی ہے جو اس سے قبل اُن کے شعری مجموعوں کے آنے پر اُن کی شاعری کی آزاد فضا کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ انصاف کی نظر سے دیکھیں تو سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی ان حیران ہوجانے والوں کی نہیں ہے بلکہ بدقسمتی سے ایک عرصے سے ہمارے علمائے مذہب نے اپنے لیے ایک زاہد خشک اور عابد خشک کا جو رنگ پسند کرلیا ہے اُس کے ہوتے ہوئے ہمارا ذہن اب ذرا کم ہی اس طرف جاتا ہے کہ منبر و محراب سے وابستہ کسی عالم فاضل سے حُسن وعشق اور فلسفہ وحکمت کی باتیں بھی سنی جاسکتی ہیں۔'' کتاب کے مندرجات یقیناً اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اُن سطور کا راقم کسی غیر معمولی علمی صلاحیت کا حامل شخص ہے۔ کتاب سے ایک اقتباس اس بات کی مزید وضاحت کردے گا۔ ''فلسفہ کی اقادیت: جب ہم یونان ومغرب کے حکماء کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ لگانے میں دُشواری نہیں ہوتی کہ ان کے فلسفیانہ نظام اُن کی جسمانی ساخت، بود و باش، سیاسی صورت حال اور موروثی یا آبائی عادات وخصائل سے متاثر ہوکر تشکیل پاتے ہیں۔ بعض جگہ تو ہمیں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ فلسفیانہ نظام تاریخ اور جغرافیہ دونوں ہی سے اثر قبول کرتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اگر سقراط صوبہ بہار کے کپل وستو میں کسی راجہ کے گھر پیدا ہوتا تو اس کے نظریات وہ نہ ہوتے جو اس نے پیش کیے ہیں اور اگر گوتم بدھ (اگر اس مصلح کو فلسفی بھی تسلیم کیا جائے تو) ایتھنز میں کسی سنگ تراش کے گھر میں متولد ہوتا تو شاید وہ کچھ نہ کہتا جو اس نے کہا ہے۔ ان بزرگوں کی ساری عظمتیں تسلیم لیکن سوال یہ ہے کہ یہ لوگ کیا اس موقف میں ہیں کہ کائنات کی ازلی وابدی صداقتوں پر

کوئی بے لاگ غیر جانبدارانہ غیر تاثر پزیر اور حتمی رائے دے سکیں؟"

رئیس امروہوی کی تخلیقی صلاحیتوں کو بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اُن کی محفلوں کا حصّہ رہنے والوں میں ایک نام جونؔ ایلیا کا بھی رہا۔خود علامہ طالبؔ جوہری کی خطابت کے سحر میں مبتلا ہونے والوں میں احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین اور مشکور حسین یاد جیسے افراد بھی شامل رہے۔نوّے کے عشرے کا اختتام یعنی بیسویں صدی کی رخصتی اور اکیسویں صدی کا آغاز ملک میں پرائیوٹ چینلز کی یکے بعد دیگرے آمد کا انوکھا سلسلہ لے کر آیا۔ان چینلز کے ذریعے جہاں تفریحی پروگرامز کی بھرمار ہوئی وہاں مذہبی پروگرامز کا بھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا۔لوگوں نے مختلف ٹی وی چینلز پر ہر مسلک کے اَن گنت دینی افراد و اصحاب کو دین کی باتیں بیان کرتے سنا،مگر علامہ طالب جوہری اُن نمائشی انداز و اطوار سے ہمیشہ گریزاں اور بے نیاز رہے۔اُن کی بے نیازی ہی کے سبب بڑے بڑے افراد و اشخاص اُن کے نیاز مند ہوئے۔اُن کی ذہنی طمانیت اور تسکین کا سب سے عُمدہ لمحہ وہی ہوتا جب وہ محمد و آل محمد کے تذکرے میں مصروف ہوتے۔ذکرِ حسین اُن کے لیے افتخار کی سب سے بڑی علامت تھا۔

علامہ طالبؔ جوہری کے اب تک تین شعری مجموعے سامنے آچکے ہیں۔

"حرفِ نمو" (۱۹۹۶ء)،"پسِ آفاق" (۲۰۰۲ء)، اور"شاخِ صدا" (غزلیں،نظمیں اور قصائد)(۲۰۱۱ء)۔

عربی زبان پر غیر معمولی دسترس اور عبور نے علامہ طالبؔ جوہری کو"احسن الحدیث" جیسی قرآنی تفسیر لکھنے کی طرف مائل کیا۔ذاکری اور تصنیف و تالیف اُن کی زندگی بھر کی اصل کمائی کہی جاسکتی ہے۔

علامہ طالبؔ جوہری نے اسلامی علوم کے فروغ کے لیے ایک وسیع وعریض ادارہ قائم کرنے کا بھی منصوبہ بنایا ہے،جس کی عمارت نیو رضویہ سوسائٹی، کراچی میں قائم کی جاچکی ہے اور بہت جلد یہ ادارہ کام شروع کردے گا۔اُن کی لائبریری میں بیس ہزار سے زیادہ کُتب ہیں۔کئی قیمتی قلمی مخطوطے شامل ہیں۔قدیم کتابیں بھی اس کا حصّہ ہیں۔

اُن کے والد سے خطابت کا شروع ہونے والا سلسلہ اب تیسری نسل تک منتقل ہو چکا ہے۔ اُن کی اولاد میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ ریاض جوہری، اسد جوہری اور امجد جوہری تینوں ہی نہ صرف یہ کہ ذاکر ہیں، بلکہ تحصیلِ علوم کے لیے اپنے عظیم والد ہی کی طرح عراق و ایران کا سفر بھی اختیار کیے رہے ہیں۔ بیٹیاں بھی باپ دادا کی علمی وراثت کی امین ہوتے ہوئے ذاکری، نوحہ خوانی اور عزاداری کی ہمہ وقت ترویج میں مصروف ہیں۔ طالبؔ جوہری کی ایک بھتیجی ناصرہ جوہری بھی ذاکرہ ہیں۔ وہ ''ذکر اور ذاکری'' کے عنوان سے ایک کتاب بھی تحریر کر چکی ہیں۔ طالبؔ جوہری کے ایک بھانجے فرحان رضا تحت اللفظ مرثیہ خوانی اس شان سے کرتے ہیں کہ اس فن میں اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ ''فن تحت اللفظ خوانی'' کے عنوان سے ایک کتاب کے مصنف بھی ہیں۔

علامہ طالبؔ جوہری کے اشعار میں تغزل اور داخلی احساسات کی ایک لہر قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔

اگر اُس خواب کو دیکھا نہ جائے تیری آنکھوں سے
تو پھر اُس خواب کا کیا دیدۂ بے خواب میں رہنا

یاد آتا ہے پسِ در چوڑیاں کھنکی تو تھیں
شامِ فُرقت ہی نہ اُس نغمے کو دُھن پائی تو کیا

جدا تو ہو گئیں آنکھوں سے روٹھ کر آنکھیں
مگر یہ طے ہے کہ روئیں گی عمر بھر آنکھیں

شب نوردوں کے لیے اک آسرا رکھا کرو
تم کسی کھڑکی میں چہرے کا دیا رکھا کرو

جاگتا رہتا ہوں طالبؔ میں شبِ مہتاب میں
اور میری گود میں سر رکھ کے سو جاتی ہے نیند

منبر سے قُربت نے اُن کے نوکِ قلم سے ایسے اشعار بھی تحریر کرائے:

پانی کی پیاس ہی نے بجھائی لہو کی پیاس

اب بات جا رہی ہے کسی تشنہ کام تک
لے کے ہاتھ میں پانی پھینکنا بتاتا ہے
تشنگی نچوڑی ہے اُس نے موجِ دریا سے

اُن کے تبحرِ علمی کو دیکھتے ہوئے مختلف حکومتوں نے اُنہیں اعلیٰ مناصب کی پیشکشیں بھی کیں، تاہم انہوں نے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن ہونے کے، کوئی اور منصب کبھی قبول نہیں کیا۔ اُن کی طویل دینی خدمات کے باعث حکومتِ پاکستان نے اُنہیں "ستارۂ امتیاز" سے بھی نوازا۔



پروفیسر سیّد منظر عباس نقوی

علاّمہ طالب جوہری کی شاعری

ایک تجزیاتی مطالعہ ”حرفِ نمو کے حوالے سے“

کسی کتاب کی خوبی یا خرابی کا فوری فیصلہ بس اسی بات سے ہو جاتا ہے کہ ایک اجنبی قاری کے ہاتھ میں آنے کے بعد وہ کتنی جلدی اُس کی توجہ اپنی جانب مبذول کراسکی اور کتنی دیر تک اُس نے خود میں منہمک رکھا۔ قاری کا یہی بے ساختہ اور فوری ردِّعمل اُس کتاب کی مطالعہ پذیری کا پیمانہ اور اُس کی قدر و قیمت کا اشاریہ ہوتا ہے۔ مجھے اپنی محترم کرم فرما سیّد غلام حیدر صاحب کے وسیلے سے علاّمہ طالب جوہری کا شعری مجموعہ ”حرفِ نمو“ دستیاب ہوا تو حسنِ اتفاق سے پہلی ہی نظر جس صفحے پر پڑی وہ ممدوحِ خدا رسولِ کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت کے انس روح پرور پھولوں سے مہک رکھا تھا۔ ان اشعار کی بلیغ تراکیب نے مجھے اپنی گرفت میں ایسا لیا کہ دیر تک یہاں وہاں سے اس شعری مجموعے کی ورق گردانی کرتا رہا۔ وہ اشعار یہ ہیں:

وہ بقا پرور کہ بامعنی ہے مفہومِ وجود
وہ فنا دشمن کہ اب اک لفظِ مہمل ہے عدم
وہ ازل آثار تعلیمِ ملائک جس کی بھیک
وہ ابد کردار جنت جس کے دروازے پہ خم
جس کے بل پر ناز کرتا ہے امانت کا مزاج
جس کے دم سے ساز لیتا ہے دیانت کا بھرم
اُس سے باتیں کرکے پالے ہم کلامی کا شرف
تھم خدا کے واسطے، اے نارسا ادراک تھم

اے قضا آگاہ مرسل اے قدر پیما نبی
اے عمود خیمۂ جاں اے وجود کیف و کم
تو دیار آگہی میں رب کے ہونے کی دلیل
تو فصیل فہم پر توحید خالق کا علم

میں علامہ موصوف سے غائبانہ متعارف تو تھا لیکن اتفاق سے ان کا کوئی شعری مجموعہ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ علامہ جوہری جو بیک وقت علومِ اسلامی کے فاضل بھی ہیں، فلسفے اور علم کلام کے منتہی بھی اور مجلس عزا کے ایک بے مثل خطیب بھی۔ فطری طور پر اُن کی شاعری کو زبان و بیان اور فکر و احساس کی عام سطح سے بلند ہونا چاہیے تھا اور اُس میں اُس فکری ترفع کا پایا جانا ناگزیر تھا جو کسی شاعر کو خواص کی صفوں میں جگہ دیتا ہے۔

علامہ جوہری کے اس مجموعے میں حمد کے علاوہ تین قصیدے ہیں۔ پچپن غزلیں اور چوبیس نظمیں۔ اس مضمون میں ہم ہر صنف سخن کا جداگانہ جائزہ لینا چاہیں گے۔

قصائد:

علامہ کے تینوں قصیدے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل دو خاص طور پر بڑے فکر انگیز ہیں اور ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کراتے ہیں:

(۱) دل کہ اس طوفاں زدہ کشتی بہ موجِ اشک غم

(۲) تعقل کا سفینہ بحرِ طوفان خیز میں تنہا

متعین ہیت اور ساخت والی اس کلاسکی صنفِ شاعری قصیدے کا تمہیدی حصّہ جسے تشبیب کہا جاتا ہے اس کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اساتذۂ فن کے قصائد میں ہر طور کی تشبیبیں مل جاسکتی ہیں۔ عالمانہ بھی، حکیمانہ بھی اور متغزلانہ بھی۔ طالب جوہری صاحب کے قصیدوں میں اس سب کی مثالیں موجود ہیں۔ فی الحال صرف ایک قصیدے کا جائزہ مقصود ہے۔

''دل کہ اک طوفاں زدہ کشتی موجِ اشک غم'' اس قصیدہ کی تشبیب سراسر رومانی اور

علامتی ہے۔ کسی کا شاعر کو کو ہمدا کی دوری سے آواز دینا، بے خیالی میں شاعر کا آواز کی جانب قدم بڑھانا، جھپٹ پٹے کے وقت بستی کے مکانوں سے پرے گاؤں کے پنگھٹ پر دور پر چھائیاں ضم ہوتی ہوئی، راہ رو طلسمی راستوں میں کھوایا ہوا، منزل سے دور یہ سب ریعان شباب کی رومانی کیفیات اور پھر حقائق حیات وکائنات کی سرگرم لیکن ناکام جستجو کے علائم ہیں جنھیں شاعر اپنی گم کردہ راہی سے تعبیر کیا ہے۔ آپ چاہیں تو اس کے اس دور سرگشتگی کا کسی قدر ادراک کرنے کے لیے قرآنی اصطلاح ''وجدک ضالاً'' مستعار لے سکتے ہیں۔ اسی گم کردہ راہی کے اُفق پر شاعر کو ایک تابناک ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ جو صحراؤں کی تپتی سرزمین میں ایک نخلستان کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ شاعر کی چشم تصور میں معاایک انتہائی پُرانوار چہرہ اُبھرتا ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وار وہ بے ساختہ غزل سرائی شروع کر دیتا ہے، یہ سوچ کر کہ:

ایک روایت ہے قصیدے میں غزل کی چاشنی
ریت ہے دونوں کی فنکارانِ ماضی ہوں کہ ہم

لیکن بہت جلد اُسے احساس ہوتا ہے کہ قصیدے کی ثقافت غزل کی متحمل نہیں۔
مناسب ہوگا کہ قصیدے کے نفسِ موضوع کی مناسبت سے کچھ فکر انگیز گفتگو کی جائے مثلاً

ذات اک مبہم تصور، کیا وجود اور کیا عدم
عقل اک اندھی پجارن، کیا خدا اور کیا صنم
حالتہ اک بے حقیقت کیف، کیا سمع و بصر
خالقہ اک پُرفریب احساس، کیا وجود و کرم
مادّہ اک نارسیدہ جسم، کیا ارض و سماں
ماہیت اک ناشنیدہ اسم، کیا خلق و قدم
اک ذرّے کا تموج یہ خلد کی وسعتیں
ایک لمحے کا تسلسل یہ زمانے کا بھرم

اور پھر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ خواہ وہ ذرّہ (ATOM) ہو یا وہ لمحہ جسے سائنسدان

BIG BANG کہتے ہیں، وہ سوائے نورِ محمدؐ کے کوئی دوسری چیز نہیں۔

ہے وہی نورِ محمدؐ، اس کی عظمت کی قسم!

بات یہ ہے شاعر کی عالمانہ نظر سے "لولاک لما خلقت الافلاک" والی حدیث قدسی اور "کنت نبیا والآدم بین الماء والطین" کا ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ نہیں۔ دیکھیے ان احادیث مبارکہ کا عکس مندرجہ ذیل اشعار میں صاف نظر آ رہا ہے:

نور وہ جو رمزِ ایجاد و بقائے کائنات
نوعِ انساں پر ربوبیت کا بے پایاں کرم
وہ قدیم انسان تخلیقِ جہاں سے بھی قدیم
جس کے احساسات کی تجسیم ہیں لوح و قلم

یہاں تک کہ قصیدے کا اختتام اُس شاندار شعر پر ہوتا ہے جسے پڑھتے رہیے اور جھومتے رہیے:

عقل کی خاک تیمم ہے ترے قدموں کی دھول
فکر کا آبِ وضو ہے تیری پیشانی کا نم

غزلیں:

غزل کا مزاج بھی کیسا ہمہ گیر ہے کہ رند ہو یا مولوی، عاشق ہو یا صوفی، سیاست داں ہو یا فلسفی، جس نے بھی اسے اپنایا یہ اشاروں اور کنایوں میں اُسی کے دل کی باتیں کرنے لگی۔ غزل کا یہ علامتی اظہار کوئی معمولی بات نہیں۔ بقول اقبالؒ "کمال گویائی" ہے:

غزل کی اس ایمائیت سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک ہی بات کی بہت سی تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ ہر پڑھنے والا اپنے ذہنی وار تجرباتی پس منظر میں جو چاہے غزل کے شعر کا مطلب نکال لے اور لطف اندوز ہوتا رہے۔

علامہ طالب جوہری کی شاعری میں خواہ ان کے قصائد ہوں، غزلیات ہوں یا نظمیں، اُن گونا گوں محسوسات اور خیالات کی ترجمانی ہے جو بڑی حد تک مظاہرِ حیات و کائنات کے تضادات اور ان کی بوالعجبیوں پر غور و فکر کا نتیجہ ہیں اور جنھیں اُن کے فلسفے، علم کلام،

مذہب اور تصوف کے عمیق مطالعے سے تقویت حاصل ہوئی ہے۔ ''حرف نمو'' کی پہلی ہی غزل کے مطالعے میں شاعر نے خود کو ''آ گہی'' کا شکار بتایا ہے:

''ورق ورق پہ میری داستاں ہے، شکار ہوں اپنی آگہی کا''

لیکن ہمیں اس شعری مجموعے میں وہ بجائے ''شکار آ گہی'' کے ایک ایسے ''شہسوار آ گہی'' نظر آتے ہیں جو اپنی زمام فکر جب چاہے اُن رومان پرور اور خیال آفریں وادیوں کی طرف موڑ سکتا ہے جہاں قاری کو ادبی حلاوت اور جمالیاتی مسرت کا احساس بھی ہوتا ہے نیز ذہنی کشاد اور فکری ترفع کا تجربہ بھی۔

یہاں ذرا ٹھہر کر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ ''ندرتِ خیال'' ایک ایسا لفظ ہے جو ادبی تنقید میں کثرت سے استعمال ہوتا رہا ہے حالانکہ اس ندرت خیال کی حقیقت ایک واہمے سے زیادہ نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر بڑے شاعر کا اپنا جداگانہ لب ولہجہ ہوتا ہے اور یہی اُس کا اسلوب کہلاتا ہے۔ طالب جوہری صاحب نے اس صداقت کا اعتراف اپنے کئی اشعار میں مختلف ڈھنگ سے کیا ہے مثلاً:

ایک ہی کہانی ہے قصہ گو کے کیسے میں قصہ گو کے لہجوں سے رُخ بدلتا جاتا ہے

قدیم جذبوں کے بر میں طالبؔ جدید لفظوں کا پیرہن ہے

نئے تخیل کو باندھنا کیا، ث غزل کے گیسو سنوارنا کیا

لیکن ایسا نہیں ہے کہ گیسوئے غزل سنوارنے میں وہ ہم عصر شاعروں میں کسی سے پیچھے رہے ہوں۔ انھوں نے اپنے ایک شعر میں ایک تخلیقی تجربے کو جن موزوں ترین علامتوں کی مدد سے بیان کیا ہے اُس سے اُن کی فنی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے:

دشتِ خیال میں بادل امڈے، شاخِ بیاں پر پھول کھلے

طالبؔ آج مرے جذبوں کو کاش لبِ اظہار ملے

غزل اور بالخصوص غزل کی شاعری میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، علامت کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ہمارے تنقیدی ادب میں نسبتاً جدید اصطلاح ہے ورنہ ہمارے قدیم علم بیان میں کنایہ اور مجازِ مرسل، اس سے ملتی جلتی صنعتیں ہمیشہ سے موجود ہیں۔ مرزا غالبؔ نے غزل

کی اسی ایمائی خصوصیت کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

جوہری صاحب کے کلام میں علامتوں کے استعمال سے جو تہ داری پیدا ہو گئی ہے اُسے ہم محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

دیکھی اک خاکسترِ دل کی شعلہ گری لگ گئی آگ حویلی کی قندیلوں میں

عقل کی کار پردازی کس طرح انسان کو لطیف جذبوں سے محروم کر دیتی ہے یہ شعر اس حقیقت کا بڑا اچھا بیان ہے۔ یہ شعر بھی دیکھئے:

کیوں پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے اُڑ گئے
ان گھنی شاخوں میں پوشیدہ کوئی چیتا ہے کیا؟

پرندے انسانی آرزوؤں اور گھنی شاخوں میں چھپا چیتا نادیدہ حوادثِ روزگار کا بڑا خوبصورت اعلامیہ ہے۔ اسی قبیل کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

وہ عمارت سربلندی میں تھی آپ اپنی مثال
زلزلہ آیا تو چھت سے صحن تک مسمار تھی

حوادثِ روزگار توانا سے توانا شخصیت کو کس طرح بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ شعر اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ علامتی اظہار کی ایک اور مثال:

یہ مرا مشکیزۂ بے آب، صحرا اور میں
جانتے ہیں پیاس کے آداب صحرا اور میں

''مشکیزہ بے آب، اور صحرا کربلائی استعارے ہیں جنھیں شاعر نے اپنے فکری اعتبار سے نا آسودہ دل اور زمانے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ''زمانہ'' اور ''ذات'' پیاس کے آداب جانتے ہیں۔ یہ علامیہ ہے اُس احساسِ خودی کا جو کسی حال میں ظالم زمانے سے متابعت اور مفاہمت کی اجازت نہیں دیتی۔

شاعری سارا کا سارا فن ایمجری یعنی پیکر تراشی کا فن ہے۔ طالب جوہری صاحب کی غزلوں میں بھی ہر طرح کے پیکر (IMAGES) مل جاتے ہیں۔ یہاں بطور مثال صرف

عصری پیکر (VISUAL IMAGES) کے دو نمونوں پر اکتفا کروں گا:

وقت کی مکڑی ہر چہرے پر جالے بُنتی جائے گی

کس غار سے صاف کریں گے اس مکڑی کے جالے لوگ

بچھڑے تو ساکن پلکیں سوکھے پیڑ کی شاخیں تھیں

اُس سے بچھڑ کر دور چلے تو کوسوں تک سیلاب رہا

انسانی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس کے بارے میں آج تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ یہ بے مقصدیت بلاشبہ ایک سوچنے والے ذہن کے لیے بڑی کربناک ہے۔ قرآن کریم نے یہ اعلان کر کے حیات انسانی کا مقصد البتہ متعین کر دیا ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" یعنی جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا اسی غرض سے کہ وہ میری عبادت کریں۔ الخ (سورۃ الذریات: آیت ۵۶) علامہ طالب جوہری صرف شاعر ہی نہیں ایک جید عالمِ دین بھی ہیں اس لیے اُن کے سوا یہ شعر کون کہہ سکتا ہے:

وہی اس عہد کا سب سے بڑا درد آشنا ٹھہرا

مرے سر کے اکیلے پن کو سنگِ در دیا جس نے

علامہ نے تصوف اور عرفان کا مطالعہ کیا ہے لیکن اُن کے کلام میں تصوف کے رسمی مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں البتہ ایسے اشعار جا بجا مل جاتے ہیں جو اُن کی عارفانہ بصیرت کی دلیل ہیں:

اُس کی خوشی سے بزم آنا، اُس کی خوشی اُٹھ کر جانا

دونوں عمل ہیں غیر ارادی، پیدا ہونا مر جانا

کوئی سخی نظر آتا تو ہاتھ پھیلاتے

اس انتظار میں دن کٹ گئے فقیروں کے

ذہن و عقل مشرک ہوں، تم کو اس کی کیا پرواہ

جوڑتے رہو اپنا سلسلہ اذانوں سے

غرض بنیادی طور پر عشقیہ شاعری کے زمرے میں آتی ہے۔ اس لیے کیسا ہی ثقہ اور

دیندار انسان کیوں نہ ہو جب وہ غزل لکھنے بیٹھے گا تو رندی و عاسی کے مضامین میں دامن نہیں بچا سکتا۔

طالب جوہریؔ کی غزلوں میں بھی عشقیہ شاعری کے بعض اچھے نمونے مل جاتے ہیں مثلاً:

کم عمری کا دور گزارا ہم نے کس آرام کے ساتھ
اُس کا نام لکھا کرتے تھے پہروں اپنے نام کے ساتھ

رات بھری محفل میں طالب جوہری ایک دُکھ تھا دونوں کو
اُس کو اپنے گھر جانا تھا مجھ کو اپنے گھر جانا

اس قسم کے اشعار کی بنیاد پر عین ممکن تھا کہ قاری کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ اس اندیشے سے شاعر نے وضاحت کر دی کہ:

ترسیلِ مفہوم کی خاطر روپ بھرا ہے شاعر کا
ورنہ کہاں کے عشق و محبت اس ذہنی بدحالی میں

اور یہی نہیں وہ "نو واردانِ بساطِ ہوائے دل" کو مشورہ دیتے ہیں کہ:

کسی پیڑ کے سائے میں دھونی رما، کسی گھر میں بن مہمان، میاں
کوئی مکھڑا کھب گیا دل میں اگر، اسی ڈنک سے جاوے گی جان، میاں

حقیقت یہ ہے کہ علامہ طالب جوہریؔ کے کلام میں خواہ وہ غزلیں ہوں یا قصائد یا نظمیں تفکّر و تفلسف کا رنگ ہر جگہ غالب ہے۔ بات یہ ہے کہ انھوں نے فلسفے، علم کلام اور تصوف وغیرہ کا مطالعہ بالاستیعاب کیا ہے۔ جیسا کہ اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں:

کبھی پنجہ کشی رہی فلسفے کی، کبھی علم ِ کلام سے سر پھوڑا
کبھی ڈس گیا سانپ تصوف کا، کبھی چھید گیا عرفان، میاں

غرض اس فکر کے عنصر نے ان کی شاعری کو ہم عصر شعراء کی شاعری سے ممتاز کر دیا ہے اور یہ فکری عنصر ان کے کلام میں "آ گہی" کے عنوان سے اُن کے شعری روّیوں کی شناخت بن گیا ہے:

ورق ورق میری داستاں ہے، شکار ہوں اپنی آگہی کا
سمندروں سے فریب کھا کر سراغ پایا ہے تشنگی کا

نظمیں:

''حرف نمو'' میں ''حمد'' کے علاوہ نظموں کی مجموعی تعداد چوبیس ہے۔ یہ سب جدید نظمیں ہیں جن میں سے بعض میں کسی بحر اور ردیف قافیے کی پابندی کی گئی ہے اور بعض وہ ہیں جو آزاد نظمیں کہلائیں گی۔ معنوی اعتبار سے ان میں سے بیشتر نظموں میں روزمرہ زندگی کے کسی ہلکے پھلکے تجربے کا بیان ہے البتہ شاعر کے مفکرانہ رجحان نے اُس تجربے سے کوئی ایسا نتیجہ نکال لیا ہے کہ جس سے نظم میں معنویت پیدا ہوگئی ہے۔ ان نظموں میں مجھے جن نظموں نے بطور خاص متاثر کیا وہ یہ ہیں۔ تشنگی کا سفر، مٹی کا رشتہ، رمزِ وجود، انکشاف، جنگلوں کی نیم شب اور پس طور مارِ خرد۔

''تشنگی کا سفر'' میں شاعر نے اُن جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی کیفیات کو شاعرانہ پیرائے میں بیان کیا ہے جو ریعانِ شباب کے دور سے وابستہ ہیں۔ اس نظم کے یہ اشعار بہت پُرلطف ہیں:

وہ نوجوان اُمنگوں کی گرم بازاری
محیط ذات وہ اک بیکراں خود آزادی
وہ سِن کہ جس نے بس اک لذت نظر کے لیے
نہ جانے کتنے دریچوں سے کی وفاداری
کبھی بدونِ سبب سرخوشی کی کیفیت
کبھی یہ حال کہ بے وجہ گریہ وزاری

''مٹی کا رشتہ'' بھی ایک پُرتاثیر نظم ہے۔ وطن سے بچھڑا ہوا شاعر جب اتفاقاً ایک عرصے کے بعد چند دن کے لیے وطن آتا ہے اور اپنے بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لیے قبرستان جاتا ہے تو وہاں شاعر کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ قبور طنز آمیز لہجے میں ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوں:

آنے والے پردیسی کا

اس مٹی سے رشتہ کیا ہے؟

یہ شعر کربِ ہجرت کی انتہائی یاس انگیز اور طنز آمیز ترجمانی ہے۔ جونؔ ایلیا مرحوم نے اسی کرب کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا تھا:

اُس گلی نے یہ سن کے صبر کیا

جانے والے یہاں کے تھے ہی نہیں

''رمزِ وجود''، ''جنگلوں کی نیم شب'' اور ''پس طور مارِ خرد'' مفکرانہ نظمیں ہیں۔ ان میں سے ''جنگلوں کی نیم شب'' فکروفن کا بڑا خوبصورت امتزاج پیش کرتی ہے۔ اس نظم میں فلسفی شاعر نے اس حقیقت کی ترجمانی کی ہے کہ علم وحکمت کی تمام تر حصولیابیوں کے باوصف انسانی ذہن مستقلاً توہمات اور شکوک کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ زندگی کا آج بھی کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ حاصل عمر رائیگانی کے سوا کچھ نہیں بقول غالبؔ:

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر

حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کرے

دیکھئے جوہری صاحب ان احساسات کو کس ڈھنگ سے پیش کررہے ہیں:

واہموں کا ایک لشکر

برچھیاں تانے کھڑا ہے

سرخ ہے میداں لہو سے

عقل میں وہ رن پڑا ہے

ہر یقیں ڈوبا ہوا ہے

موجِ دریائے گماں میں

کشتیوں کی طرح سے ہم

بہہ رہے ہیں (رائیگاں میں)

وقت کے سیلِ رواں میں

ہر نفس ابہام پرور
ہر قدم اوہام گستر
عالم موجود یک سر
جگنوں کی نیم شب ہے!

ان ہی نظموں میں ''انکشاف'' ایک ایسی آزاد نظم ہے جس میں قطع نظر اس کی معنوی اہمیت کے کہ شاعر نے صدیوں کے آئینے میں انسان کی مختلف جھلکیاں دکھاتے ہوئے اس کی ازلی تقدیر کا انکشاف کر دیا ہے یہ نظم شاعر کے فن کا بھی ایک اچھا نمونہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اکثر بالکل شعوری طور پر ایک آزاد نظم کی تخلیق کے ہنگام بھی اُس کے مختلف ٹکڑوں میں صوتی شد و مد (STRESS AND STRAIN) کے اعتبار سے حروف تہجی کی متناسب ترتیب و تکرار وخوش آہنگی پیدا کر دیتی ہے جو کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر شاعر نے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ردیف و قافیے کا التزام بھی روا رکھا ہے تو نظم کی نغمگی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور نظم کو جس وقت بلند آواز سے پڑھا جائے یا کسی دوسرے سے سنا جائے تو کان لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ''انکشاف'' اس لطفِ سماعت کی بھی ایک اچھی مثال ہے۔ بات صرف لطفِ سماعت تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ شاعر نے نظم کی جن معنوں پر زور دیا ہے اُس سے اُس کی تاثیر پذیری میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے۔ ذیل میں اس نظم کے ایک حصے کو نقل کیا جا رہا ہے تا کہ ہماری جمالیاتی تجربے میں آپ بھی شریک ہو سکیں اور نظم سے لطف اندوز ہوں بات یہ ہے کہ شاعری کی مکمل تحسین کا حق بغیر اس لطف اندوزی کے ادا نہیں ہو سکتا:

میں جانتا ہوں
کہ بے نہایت کی سرحدوں پر
وجود موجود کی نہایت پہ شکوہ سنجاں
ہزار ہا قرن ہائے نوری
کے طول میں

تاحدودِ امکاں

میں سر بہ سجدہ پڑا رہا ہوں

بہ قولِ توریت

کچھ دنوں جنت عدن کی عطوفت آگیں

فضاؤں میں کھلتا رہا ہوں

(کتاب تکوین: باب اوّل)

میں اپنے شانوں پہ اپنا زادِ سفر سمیٹے

نہ جانے کب سے

زمین نوردی کے شوق میں مبتلا رہا ہوں

فرات و دجلہ کی وادیوں میں

بشر کی تہذیب اوّلین کی کتھا رہا ہوں

بہ قولِ قرآن

(سورۂ نازعات کی آیت قرآنی)

میں عہد ماضی کی واہمہ ساز آبنوسی

سیاہ شب زاد

بستیوں میں

بہت دنوں تک خدا رہا ہوں

کنارِ گنگ و جمن میں

پتھر تراش کر پوجتا رہا ہوں

علامہ طالب جوہری کی نظموں میں سب سے اہم نظم ''پس طومارِ خرد'' ہے جس کا عنوان ہی ظاہر کر رہا ہے کہ شاعر حقائقِ اشیاء تک فلسفہ و حکمت کی نارسی کا اعتراف کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے تمام تر مطالعے اور غور و فکر کے بعد اس نتیجے پہ پہنچتا ہے کہ عقل کی ساری کارپردازیاں صرف فریب خیال ہیں۔ انسان کی آگہی ایک سراب کی مانند ہے۔ بے اصل اور بے ثمر۔

شاعر اپنی علمی حصولیابیوں کی نفی کرتے ہوئے خود کو ایک ایسا فرد محسوس کرتا ہے جس نے تہی دستانہ آغاز سفر کیا تھا اور سارے علمی مراحل طے کرنے کے بعد بھی خود کو ویسا ہی تہی دست پاتا ہے جیسا کہ آغاز سفر میں تھا:

میں کہ اک بازگشت صحرا ہوں

اپنی محرومیوں میں زندہ ہوں

نارسا فکر، ناسزا جذبات

عقل کی روشنی پہ جہل کی رات

آج بھی وہ سوالات جوں کے توں برقرار ہیں جن کے ساتھ ساتھ فکر میں قدم رکھا تھا۔ تصور ارتقاء (EVOLUTION) کی حقیقت کیا ہے؟ لا و الا، قضا و قدر، غیب و شہود، زمان و مکان، وجود و عدم، لفظ و معنی، یہ سب بدستور ذہن میں بڑی بڑی سوالیہ علامتوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ علم و حکمت کی تلاش میں دنیا بھر میں مارا مارا پھرا لیکن انجام کار اس ساری تگ و دو کا سوائے محرومی کے کچھ نہ تھا:

میں بہ این زعم حکمت و برہان

ہمہ تن جہل، سر بسر نادان

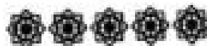
علام و قدرت کی ضد نامقبول

پست و دوں فطرت و ظلوم و جہول

کرب ایجاد لکھ رہا ہوں میں

اپنی روداد لکھ رہا ہوں میں

علامہ طالب جوہری کی شاعری، خواہ قصیدہ ہو، غزل ہو یا نظم، اسی کرب کا فنکارانہ اظہار ہے۔ لب و لہجہ کے لحاظ سے ثقہ اور عالمانہ اور زبان و بیان کے اعتبار سے خیال انگیز اور پُر وقار۔ غرض اُن کی شاعری اپنی گوناگوں لفظی اور معنوی خصوصیات کی بنا پر ہر ستائش و پذیرائی کی مستحق ہے اور اُسے ہم عصر شعری منظر نامے میں ایک منفرد آواز سے تعبیر کیا جائے گا۔



ڈاکٹر اسد اریب

شہرت کا عذاب، سہہ رہا ہوں

میر صاحب نے سچ کہا۔۔۔۔

عجب ہوتے ہیں شاعر بھی میں اس فرقے کا عاشق ہوں
کہ بے دھڑکے بھری مجلس میں یہ اَسرار کہتے ہیں

اس عقیدے کا ایک فرد میں بھی ہوں۔ میرا کامل یقین ہے کہ اگر کوئی شاعر سچ کہنا چاہے، اُس کی طاقتِ اظہار سے بڑھ کر دنیا کا بڑے سے بڑا سچ بھی ایسی تاثیر کمال کو پہنچ نہ پائے۔ خیال کی نزاکتوں، کنایوں کے حسن اور لفظ اور معنی کے ان معجزات ہنر کے آگے، کسی خطیب کی شعلہ بیانی، متکلم کی شائستہ گفتاری، نگارشِ قلم کے حرف آشنا کسی نثر نویس کی سحر طرازی، اظہار کے یہ سارے پیرائے ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔

اجراء کے ۲۳ ویں شمارے میں، فلک آثار دیکھ رہا تھا۔ طالب جوہری کی نظم ''پچھتاوا'' پر نظر رُک گئی۔ پہلے تو میں نے اس نظم کی ہیئت پر غور کیا۔ اپنی ساخت کے اعتبار سے یہ ایک بالکل نیا سانچہ ہے اردو نظم نگاری کے شاہکار تجربوں، آرزو کے ''سریلے نغموں'' عظمت اللہ کے ''سریلے بول'' سے لے کر ترقی پسندوں کے سلسلہ امامت کی آخری ولایت عظیم قریشی تک کیسے کیسے باکمال لوگ ہمارے سامنے ہیں۔ ''میں کیسے مسکراتی ہوں'' (ماہ طلعت زاہدی) اور ''ماورئی سے استانزے'' (جیلانی کامران) تک نظم جدید کا یہ سفر طرح طرح کی ترکیبوں سے عبارت ملتا ہے۔ اس سارے تناظر میں طالب جوہری کی یہ نظم اردو شاعری میں نئے امکانات کا در کھولتی دکھائی دے رہی ہے۔ اس کے بطور معانی سے اردو شاعری کا ایک نیا جنم سر اُٹھاتا نظر آ رہا ہے۔

اس نظم کے پہلے چار اجزائے خیال برابر ہم وزن (بحر متقارب) مصرعوں میں ہیں۔ پھر انہی اوزان کے زحافاتی تصرف کے ذریعے معمولی اُلٹ پھیر سے اگلے ربیعے (چار

مصرعوں کی اکائی) بناتے ہیں۔ ان میں شفاف خیالوں اور فطرت کی پکار سے معمور جذبوں کی لہریں جوار بھاٹا کا منظر نما معلوم ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسی تاثیر اور تاثر کا عمل ہے جو بہت کم نظم نگاروں کے ہاں مل پائے گا۔ نئی نظم نگاری کے ان تجربوں میں بحر کے اجزاء ایسے صوتیوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں مصرع کا آخری صوتیہ، بعد میں آنے والے (ملحقہ) ذیلی مصرع سے پیوست ہو جائے جیسا کہ ان مثالوں میں ملے گا:

گاؤں کے اندر

''اُس'' کے احاطہ کی دیوار کی چھاؤں میں بیٹھے

اپنے شکم کی آگ بُجھا کر

اونٹ جُگالی کرتے ہوں گے

کاش میں ایک چرواہا ہوتا

دشت میں اونٹ چراتا پھرتا

اک گمنام مداری ہوتا

گلی گلی بندر کا کھیل دکھاتا پھرتا

گرم دوپہر کی دھوپ سے بچ کر

اُس کے احاطے کی دیوار کی چھاؤں میں بیٹھا

ایک نگاہِ غلط انداز کا سائل ہوتا

زخمی ہوتا گھائل ہوتا

کشف وجود کا روگ لگے

جگ بیت گیا

لیکن اب تو

شہرت بھی آزار ہوئی

یہ نظم اپنی مکمل ساخت کے اعتبار سے بالکل ایک نیا تجربہ ہے ممکن ہے اس کے ذریعے

اردو کی نظم جدید کے چہرے پر طنز و تعریض کے لگے بہت سے داغ دھل پائیں۔ ایسے تجربوں پر ژولیدہ خیالی، ابہام اور انتشارِ ذہن کے جو طعنے سہنے پڑے ہیں اس نظم کو پڑھ کر شاید وہ بوجھ بھی ہلکا ہو سکے۔ مجھے کوئی عار نہیں، نظم جدید (خصوصاً نثری نظم) کے مخالفوں کی فہرست اگر کوئی ندیم مرتب کرے، اور میرا نام بھی وہاں ملے کہ میں ایک طویل عرصے تک اس تبرہ ایجی ٹیشن کا فعال رکن رہا ہوں۔

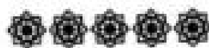
فنون کے شمارے ۸ سال ۱۹۷۸ء میں ''شعور کی منفی رَو'' کے عنوان سے میرے تنقیدی مضمون پر احمد ہمیش، افتخار جالب، جیلانی کامران کے بہت سے طرف داروں نے کافی دیر تک ناک بھوں چڑھائے رکھی۔ مگر اب اعتراف کرتا ہوں، تنگ نائے غزل کے مقابلے میں، ہماری نظم جدید کا پیراہن زیادہ کشادہ ہے۔ پچھتاوا تو نہیں لیکن Confession کے قریب تر ضرور ہوں۔ اگر ہماری نئی نظم میں ایسے تجربات کچھ اور سامنے آئیں، جن کا مظہر طالب جوہری کی نظم پچھتاوا کی صورت میں ملے تو کیا ہی اچھا ہو۔

اب میں اس نظم کے اندرون معانی کی طرف آتا ہوں۔ ظاہری پیکر میں یہ نظم ضرور ہے اسے نظم کہیے لیکن فی الاصل یہ کسی خودنوشت کا پہلا ورق ہے ایسی خودنوشت جو ابھی لکھی نہیں جا سکی اور یہ کہ لکھنے والا اگر لکھنا بھی چاہے تو بھی نہ لکھ سکے کہ اس دشت پرخطر میں ایسی ایسی کربلاؤں کا سامنا ہے جن کا شمار بھی مشکل ہو۔ یہ نوشت اگر کبھی سامنے آئی تو اس کا پہلا باب ہوگا۔ کیا کھویا کیا پایا؟ جس ہنر پر اس وقت اس شخص کی شہرت کا مدار ہے دراصل وہی اُس کا آزار بھی ہے لیکن حقیقت حال کو وہ ماضی کی پکار اور گزرے زمانوں کی یاد میں تحلیل کر کے تسکین خاطر کا سامان بہم کرنا چاہتا ہے مگر یہ تو ایک وصف اضافی ہے دنیا کے تمام بڑے آدمی خواہ کیسے ہی صاحب عسکر و لشکر ہوں چاہیں کہ مالک محراب و منبر ہوں، زمانے بھر میں اُن کا طوطی بولتا ہو، اپنے گزرے زمانوں، اپنے چمنستانوں، اپنے اوائل زندگی کے منظرناموں کو اپنی نگاہوں سے کبھی محو نہیں ہونے دیتے۔ خواہ اُن کا حال کتنے ہی عیش و طرب سے معمور، خدام ادب، غلام گردشوں، پائیں باغوں، پہرے داروں، نقیبوں اور حاجیوں سے آباد ہو لیکن وہ اپنی شہرت کے عذاب سے پناہ مانگنے کے لیے گمنامی کے

خواہاں رہتے ہیں۔

ماضی کے دامن میں سمٹ جانے ہی کو اپنی عافیت جانتے ہیں۔ اس نظم کو بھی شاعر نے ایسی ہی عافیت و امان کا استعارہ بنانے کی سعی کی ہے۔ وہ اپنی شہرت کے عذاب سے پیدا ہونے والے جہنم سے نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ اُس نے جانا کہ وہ اس منزل موجود پر، غلط راستوں کا سفر طے کر کے پہنچا ہے۔ اس نے اپنے اس حاصل کو پچھتاوے کا نام دیا۔ وہ چاہتا ہے اے کاش! میں چرواہا ہوتا، جہاں پنگھٹ پر رہٹ چلتا تھا۔ کچی دیواروں پر کھپریل چڑھی ہوئی منڈیریں ہوتیں، گلی گلی نٹ کھٹ کا تماشا ہوتا، صدیوں پرانے درختوں کی شاخوں پر چمگادڑیں جھولتی نظر آتیں، نرسیائی پر جنگلوں میں آئے ہوئے، گائے، بھینس اور بکریوں کے ریوڑ ہوتے، پیڑوں، میدانوں، کھیتوں کھلیانوں میں وہ گھومتا پھرتا، کیا ہی اچھا ہوتا! اُسے اپنے حال خوش منظر، متمدن سماج اور مہذب معاشرے سے وہ زمین، وہ زمانہ، وہ لوگ زیادہ بھلے لگتے ہیں جو اپنی زندگی آپ جیا کرتے تھے۔ اب وہ اُن زمانوں کی طرف پلٹے تو کیسے پلٹے؟ اپنی شہرت و عظمت کا ایسا اسیر بے دام ہوا کہ رات کے اندھیرے میں بھی اپنے دریچوں سے سر باہر نکالے، ڈرتا ہے، کہیں کافروں کی تلاش میں نکلے ہوئے، سپاہیوں کی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔

یہ نظم ایک ایسے آزردہ شخص کا نوحہ ہے جو اپنے کمال ہنر کا سزا یافتہ ہو۔ جو گھر سے نکلے تو حفاظت کی امان مانگے۔ اُسے تاسف ہے وہ کوچہ ہنر وراں کی سمت کیوں آیا۔ ہر چند کہ اس ہنر میں تکریم بھی تھی اور تقدیس بھی۔ صلہ ثواب کی عمدہ بشارتیں بھی تھیں لیکن یہ سب کچھ جب سوہانِ روح بن جائے، اُس کے کس کام کا وہ سوچتا ہے، اے روشنی طبع تو مجھ پر ایسی بلائیں نہ لاتی، بہتر تھا کہ کمال ہنر کے اس عذاب سے میں آزاد رہتا۔ پہچان سے بری ہو کر شہرت کے اس طلسمی محل سے باہر نکل آتا اپنی زندگی آپ تو جیتا۔ یہ جینا بھی کیا جینا ہے؟ مجھ سے تو وہ بندر نچانے والا مداری بھی اچھا ہے جو کم از کم اپنی مرضی سے جی تو سکتا ہے۔



سید ابرار حسن

علامہ صاحب کے نام خط

محترم جناب علامہ صاحب

آداب عرض

جنابِ عالی کچھ روز قبل میں آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوا آپ کے ملازم نے اطلاع دی کہ آپ کہیں عازمِ سفر ہیں۔

علامہ صاحب ہمیشہ کی طرح خیالات و سوالات کا ایک انبوہِ کثیر ہے جو ذہن میں اضطراری کیفیت برپا کیے ہوئے ہے۔ لہٰذا یہ رُقعہ آپ کے اسی پتے پر ارسال کر رہا ہوں جہاں سے آپ نے رختِ سفر باندھا ہے۔ اُمید ہے یہ رُقعہ موصول ہوتے ہی آپ جواب ارسال کریں گے۔

علامہ صاحب! حیات و کائنات کی تخلیق کے سوال پر آپ کا وہ پختہ جملہ جو آپ نے ۱۹۹۴ء میں نشتر پارک کی ایک مجلس میں مرحوم سید محمد تقی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا اور مجھ جیسے الحادی فلسفے کو اپنی زندگی کا نظریہ بنائے رکھنے والے طالب علم کو ایک مرتبہ پھر اس نظریہ پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

آپ نے فرمایا تھا کہ ''خالق اپنی مخلوق سے باہر ہوتا ہے۔'' مثلاً مائیکروفون کا کوئی نہ کوئی خالق تو ہے مگر وہ اس میں نظر نہیں آتا بہر کیف جب بھی میں نے آپ کے اس نظریے پر کوئی نیا سوال کھڑا کیا آپ نے اپنے علمی استدلال سے مجھے لاجواب کر دیا۔

بہت عرصے بعد ایک مرتبہ پھر سے کچھ نئے سوالات ذہن میں موجزن ہیں۔ مگر آپ سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا چلو جناب سرور جاوید سے گفتگو کی جائے تو معلوم ہوا کہ وہ آپ سے ایک ہفتہ قبل کسی نامعلوم منزل کی جانب عازمِ سفر ہو چکے ہیں۔ پھر سوچا کہ جناب منظر ایوبی صاحب سے تو وہ بھی آپ کے سفر پر جانے سے قبل کہیں دُور جا چکے

ہیں اور جناب اعجاز رحمانی صاحب تو ایک سال قبل ہی کسی نامعلوم مقام پر مستقل سکونت پذیر ہیں لہٰذا تنگ آ کر میں نے جناب فراست رضوی صاحب کو فون کیا اور اپنا مدعا بیان کیا اور جیسے ہی آپ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے ایک سرد آہ بھری اور فون بند کردیا۔

علامہ صاحب ایک اہم خواب کی بابت آپ کو بتانا چاہتا ہوں اور التجاء کرتا ہوں کہ آپ اپنے گھر والوں سے اس کا تذکرہ نہ کریں۔ علامہ صاحب! ۲۲ رجون کی درمیانی شب میں نے دیکھا کہ جب آپ بیمار ہوتے تھے اور آغا خان ہسپتال کے جس وارڈ میں آپ کو داخل کیا جاتا تھا اسی وارڈ کے ایک کمرے میں آپ داخل ہیں۔

ڈاکٹر، نرسز اور ہسپتال کا دیگر عملہ عجلت میں اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ میں مصروف ہے تو دوسری جانب آپ کی بہویں، بیٹیاں اور پسران واحباب سرگوشیوں میں مصروف ہیں۔ کچھ دیر بعد آپ کو ایک مخصوص گاڑی میں کہیں لے جایا جارہا ہے لوگوں کا اژدھام ہے سائرن بجاتی گاڑیاں ہیں اتنی گہما گہمی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آرہا اور پھر یہ جم غفیر نیو رضویہ جیسے ہی پہنچا میں خواب سے بیدار ہوا۔ خدا خیر کرے اس خواب کے بعد میں خود حواس باختہ ہوگیا۔

علامہ صاحب میں متفکر ہوں، مجھے اپنی خیریت سے ضرور آگاہ کیجیے گا آپ جہاں کہیں بھی ہوں مطلع ضرور کیجیے گا اور اگر آپ جلد واپس نہ آسکیں تو ضرور آگاہ کردیجیے گا میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا۔

فقط آپ کا خیر اندیش

سیّد ابرار حسن رضوی



خطیب اہل بیتؑ عباس علی ہادی

علامہ صاحب سے ایک ملاقات

کچھ لمحات انسان کی زندگی میں ایسے یادگار ہوتے ہیں جو کبھی بھی بھلائے نہیں جاتے، یہ بات ۱۳ ؍مارچ ۲۰۱۹ء کی ہے جب میں، مولانا معارج رضوی، مولانا دانیال رضوی اور مولانا اسد علی، علامہ طالب جوہری کے شاگرد خاص مولانا اسد علی شاکری کے ہمراہ علامہ صاحب کے گھران سے ملاقات کے لیے گئے تھے۔

نشست خاص میں داخل ہونے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں جب علامہ صاحب تشریف لائے تو ہم سب احترام میں کھڑے ہو گئے۔ علامہ صاحب نے بڑی شفقت سے مسکرا کر ہم سے مصافحہ کیا اور اپنے مخصوص صوفے پر تشریف فرما ہوئے۔ بیٹھتے ہی مولانا اسد شاکری صاحب سے پوچھنے لگے کیا یہ چاروں نوجوان آپ کے شاگرد ہیں تو مولانا نے کہا نہیں، نہیں، یہ نوجوان بہت اچھے طالب علم ہیں اور مجالس بھی پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر علامہ صاحب نے کہا ''واہ، ماشاءاللہ'' اس کے بعد ہم سب سے کہا ''اپنا تعارف کروائیں'' ہم نے اپنے اپنے مشاغل جب علامہ صاحب کے گوش گزار کیے تو بہت خوش ہوئے اور پوچھنے لگے ''آپ لوگ چائے پییں گے یا قہوہ'' سب نے قہوہ کا کہا اور علامہ صاحب نے اپنے صوفے پر رکھی ایک گھنٹی کو بجایا جس کی آواز پر فوراً ملازم حاضر ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں قہوہ آ گیا۔

اگر چہ یہ ملاقات فقط ۲ گھنٹے پر مشتمل تھی لیکن میں بلا مبالغہ یہ بات کہتا ہوں کہ وہ ۴ سال تھے جو ۲ گھنٹے میں قید ہو گئے۔ قہوہ پیتے پیتے ہم نے سب سے پہلا سوال کیا۔ علامہ صاحب مصروفیات زندگی کے سبب کبھی کبھی مطالعہ کرنے میں دل نہیں لگتا اور حافظہ بھی کبھی کبھی ساتھ نہیں دیتا تو اس حوالے سے آپ ہماری رہنمائی فرمائیں تو کہنے لگے ''کچھ نہ کریں فقط واجب نماز کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات کی تلاوت کر لیں۔'' اس

کے بعد مختلف موضوعات پر مسلسل گفتگو جاری تھی کہ اچانک سے ایک مولانا کے حوالے سے مولانا اسد شاکری صاحب نے گفتگو شروع کی وہ گفتگو ہمارے عقایدِ تشیع کے خلاف تھی مگر اس روز میں نے علامہ صاحب کے تحمل کو دیکھا، پہلے تو جیسے ہی اس گفتگو میں جنابِ سیدہؑ کا نام آیا تو علامہ صاحب بڑے احترام سے تھوڑے بلند ہوئے پھر جو مخالف بات سُنی تو جذبات میں آ کر فوراً جواب نہیں دیا بلکہ کہنے لگے "مولانا ان کے پاس اپنی اس غلط بات کو ثابت کرنے کی دلیل کیا ہے۔" یہ سوال جس عالمانہ انداز میں علامہ صاحب نے کیا تھا میں اسے رقم نہیں کر سکتا۔۔۔ خیر! باتیں تو اتنی زیادہ ہیں کہ سوچ رہا ہوں کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ مگر کچھ سوالات ہم نے علامہ صاحب سے کئے تھے جن کا لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

☆ سوال: علامہ صاحب اکثر لوگ اپنے معاملات میں پریشان رہتے ہیں اور ہم سے بھی سوال کرتے ہیں کہ ہم جس کام کو کرنا چاہتے ہیں وہ ادھورا رہ جاتا ہے، ہر کام میں ناکامی ہوتی ہے۔ آپ بتائیں اس کا کیا حل ہے؟

جواب: زیارت عاشورا ہر ناکامی کو ختم کر دیتی ہے اور میں نے اپنی زندگی میں زیارت عاشورا پڑھنے والے کو ناکامیاب نہیں دیکھا۔

☆ سوال: علامہ صاحب! میر انیسؔ کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے؟

جواب: میاں! میں بھلا میر انیسؔ کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں وہ تو اردو ادب کے سب سے بڑے شاعر ہیں اور ہاں مرزا دبیر بھی بہت کمال کے شاعر تھے۔

☆ سوال: علامہ صاحب! کیا ہم اپنی مجالس میں مرزا دبیرؔ و میر انیسؔ کے نظم کردہ مصائب پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: بالکل پڑھیں اور مرزا دبیر تو صاحبِ مقتل بھی ہیں۔

☆ سوال: علامہ صاحب! مقتل میں طرح طرح کی روایات موجود ہوتی ہیں ہم پڑھنے کے لیے کیسی روایات کا انتخاب کریں، کس مقتل کو معتبر جانیں؟

جواب: دیکھیں کوئی بھی مقتل کلی طور پر غیر معتبر نہیں ہے۔ آپ ہر مقتل سے ایسی روایت

پیش کر سکتے ہیں جس میں معصومؑ کی توہین کا ذرا بھی پہلو موجود نہ ہو۔

☆ سوال: علامہ صاحب! امام حسینؑ سے قربت تو بہت ہے لیکن ہم مزید قربتِ امام حسینؑ چاہتے ہیں، اس کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: اپنی واجب نمازوں کو وقت پر ادا کریں اور صحیح ادا کریں، صحیح روزے رکھیں اور ہفتے میں دو، تین بار زیارت عاشورا کی تلاوت کریں۔

اس سوال کا جواب دیتے دیتے علامہ صاحب کی آنکھیں بھر آئیں اور کچھ وقفے کے بعد کہنے لگے امام حسینؑ بہت بڑے آدمی ہیں، حسینؑ بہت کریم ہیں وہ کسی کا احسان نہیں رکھتے۔ میرے پاس آج جو کچھ بھی ہے وہ سب حسین ابن علیؑ کا دیا ہوا ہے۔ یہ حسینؑ ہی تو ہیں جنھوں نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں اپنے منبر پر بٹھا دیا ورنہ ہم تو درس وتدریس میں رہتے یا کسی مسجد کے پیش امام ہوتے۔

ہم سب علامہ صاحب کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک امام حسینؑ اور امام مہدیؑ کا ذکر آ گیا اور ایک عجیب مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگے "مہدیؑ کے دور میں بھی امام حسینؑ ہی کی چلے گی۔"

امام زمانہؑ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ صاحب کے چہرے پر عجیب سی کشش تھی مسلسل امامؑ کا ذکر کرتے رہے اور پھر آخر میں ہم سے کہنے لگے "آپ لوگ یاد رکھیں امام زمانہؑ بہت مظلوم ہیں اور جس کا جو دل چاہتا ہے وہ ہمارے امامؑ کے لیے کچھ بھی کہہ دیتا ہے۔

علامہ صاحب خاموش ہوئے تو آغا شاکری نے بڑے احترام سے اجازت لینی چاہی، کہنے لگے "علامہ صاحب ایک بج گیا" یہ جملہ سنا اور ہنس کر کہنے لگے "ایک تو روز بجتا ہے اور بھی تو نشست شروع ہوئی ہے۔" آغا شاکری نے احتراماً ہنستے ہوئے سر کو جھکایا اور علامہ صاحب نے دوبارہ صوفے پر لگی گھنٹی کو بجایا جب ملازم آیا تو کہنے لگے "سب کے لئے ایک اور قہوہ لاؤ اور وہ پہلے سے زیادہ عمدہ ہونا چاہئے۔"

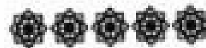
دیکھتے ہی دیکھتے اتنا وقت گزر گیا کہ پتہ ہی نہیں چلا اور اب یہ ملاقات تمام ہو رہی تھی تو آخر میں، میں نے عرض کیا "علامہ صاحب! کچھ نصیحت فرمائیں۔" فرمانے لگے "آپ

کے محراب و منبر جہلا سے بھرے پڑے ہیں اور میں سمجھتا ہوں صاحبانِ منبر کم از کم منبر پر آنے سے پہلے اچھی طرح صَرف ونَحو پڑھ کر آئیں اور آپ لوگ حوزہ علمیہ سے وابستہ رہیں بشرطیکہ حوزہ علمیہ ہو۔"

بس! پھر وہ نشست برخاست ہوئی اور ہم سب نے علامہ صاحب سے اجازت لے کر ان سے مصافحہ کیا۔ علامہ صاحب مصافحہ کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "پھر تشریف لایئے گا۔"

ہم سب نے علامہ صاحب سے اپنے سروں پر ہاتھ رکھوا کر خوب دعائیں لیں اور پھر جب ہم جانے لگے تو وہ اپنے کمرۂ نشست کے دروازے تک آئے۔ آخر میں تھوڑی بلند آواز میں کہا "اچھا! خدا حافظ"۔

آج بھی جب میں اس یادگار ملاقات کو یاد کرتا ہوں تو بہت خوش ہوتا ہوں لیکن جیسے ہی علامہ صاحب کا خدا حافظ کرنا یاد آتا ہے تو آنکھیں بے اختیار نَم ہو جاتی ہیں اور بے ساختہ زبان پر آ جاتا ہے "علامہ صاحب! خدا حافظ"۔۔۔



فرحان رضا

علامہ طالب جوہری اور فروغِ مرثیہ

تمام تعریفیں خداوندِ متعال کے نام اور دُرود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ پر۔

عالم اسلام میں علامہ طالب جوہری کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے ساتھ ہی یہ بھی کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ فی زمانہ اتنا کثیر علمی و ادبی سرمایہ شاید ہی ہمیں کہیں اور نظر آئے۔

ہم علامہ صاحب کی شخصیت کی کس جہت کا ذکر کریں۔ اگر قرآن فہمی کی بات ہو تو ایک عالم فہم القرآن کے سحر میں گرفتار رہا اور پوری دنیا پر باور ہوا کہ مسلمانوں میں ایسا صاحبِ علم موجود ہے جو قرآنی مسائل و علوم کو اتنی آسانی سے سننے والوں کے اذہان تک منتقل کر دیتا ہے۔ مفسرِ قرآن ایسا کہ ''احسن الحدیث'' گواہی دے۔ منطق و فلسفہ کا ذکر ہو تو ''معقلیاتِ معاصر'' عقلِ سلیم کو دعوت دے۔ علمِ معاشیات پر گفتگو ہو تو ''اسلامی معیشت کے رہنما اصول'' اقتصادی علوم پر بحث کرتی نظر آئے۔ مستند مقاتل کا تذکرہ ہو تو ''حدیثِ کربلا'' واقعاتِ کربلا کے اسرار و رموز بتانے کے لئے موجود ہو۔ خلفائے اثنا عشر کا ذکر کریں یا کثیر تعداد میں عشرہ مجالس کے کتابی صورت میں مجموعوں کا ذکرِ خیر کریں۔ غرض علم و فضل کو فلسفہ و منطق کے دفتر کے دفتر اجرِ طالب کی صورت میں جزائے جوہری کا سامان ہوں۔

علامہ صاحب فرماتے ہیں

حیراں نہ ہو شعروں میں اگر جان نہیں ہے
یہ شوق ہے میرا مری پہچان نہیں ہے

صرف شوق ہونے پر اور بہت کم وقت شعر و سخن کی آبیاری میں صرف کرنے کے باوجود حرفِ نمو، پسِ آفاق اور شاخِ صدا جیسے شعری مجموعے چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ اگر

واقعی علامہ صاحب صرف شاعری کو وقت دیتے تو کیا ہوتا۔ رثائی سرمایہ میں دو مرثیے "وجودِ باری تعالیٰ" اور "ہدایت" موجود ہیں۔

علامہ صاحب کے اگر رثائی سرمایہ پر ایک نظر کی جائے تو اس میں "وجودِ باری تعالیٰ" و "ہدایت" کے علاوہ وہ تمام تحریریں ہیں جو انہوں نے رثائی ادب کی کتابوں پر تقاریظ و تبصروں کی صورت میں تحریر کی ہیں۔ ان تحریروں کا سفر کم و بیش چالیس برس سے زیادہ کا ہے اور اس کے علاوہ کچھ سلام و مناقب بھی موجود ہیں۔ معروف و ممتاز سلام خواں اشرف عباس صاحب طویل عرصے تک منبر سے اُن کے سلام پیش کرتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد رضا کاظمی اپنی کتاب "جدید اردو مرثیہ" میں علامہ طالب جوہری کی مرثیہ نگاری کے حوالے سے تحریر کیے گئے مضمون "نظم جوہری" میں لکھتے ہیں۔

"میری ناچیز رائے میں علامہ طالب جوہری کے قصائد اعلیٰ ہوتے ہوئے بھی ان امکانات کے حامل نہیں ہیں جو انہوں نے اپنے پہلے مرثیہ میں پورے کیے ہیں اور جو اُن سے توجہ کا حق طلب کر رہی ہے"۔ یاد رہے کہ یہ مضمون سن ۱۹۷۸ میں لکھا گیا تھا۔ یعنی آج سے تقریباً ۴۲ برس قبل جب علامہ صاحب اپنی تقریروں سے ہر اپنے و غیر کے دلوں کو مسخر کر چکے تھے۔

علامہ طالب جوہری اپنے پہلے مرثیہ "وجودِ باری تعالیٰ" میں اپنے فلسفۂ مرثیہ کو دو بند میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

مفہوم کی بہار معانی کے شاخسار
الفاظ کی جبال کنایوں کے آبشار
زورِ بیاں کے دشت۔ زباں آوری کی غار
افکار کی نبرد صنائع کی کارزار

دنیائے شعریت ہے مُسدّس میں کیا نہیں
وہ اصطلاحِ فن میں مگر مرثیہ نہیں

گو زیرِ بحث آئیں علومِ معاشرت

لیکن اُصولِ دیں سے ہو اُن کی مفاہمت
اُسلوبِ پیشکش میں رہے طرزِ مرثیت
چھائی رہے مزاجِ سخن پر حسینیتؑ

دین و ادب کے بیچ کی سرحد ہے دوستو
یہ درس گاہِ فکرِ محمدؐ ہے دوستو

راقم نے بھی علامہ صاحب کا مرثیہ منبر سے پڑھا ہے اور دونوں مرثیے معروف تحت اللفظ خواں استاد محترم سید جاوید حسن سے سنے ہوئے بھی ہیں جس کے مشاہدے کی بناء پر ایک مختصر طالب علمانہ جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

مرثیہ اول: وجودِ باری تعالیٰ ۵۶ بند کا مرثیہ ہے اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ مرثیہ حمد باری تعالیٰ کے موضوع پر لکھا گیا ہے جس میں فکری و قرآنی استدلال کے ساتھ کائنات کی تخلیق کا منظر، اثبات و نفی کا فلسفہ، قدر و قضا و غیبت و شہود کے مباحث کے بعد مصائب کے پانچ بند پر مرثیہ کا اختتام ہوتا ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو۔

جب کُن ادا کیا لبِ حکمت خطاب نے
لی راہ نیستی کی عدم کے سراب نے
رکھا قدم وجود میں امکاں مآب نے
''یا قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے''

جلوہ ہر ایک فردِ خفی و جلی ہی تھا
نورِ محمدیؐ افقِ زندگی پہ تھا

اس کے بعد تخلیقِ کائنات کے منظر میں ایسے ایسے مصرع نظم کئے ہیں

؎ نکلی جو دھوپ دن میں ستارے بکھر گئے
؎ پھیلی فضا کی سطح پہ سورج کی روشنی
؎ موسم ہوئے زمیں کی وسعت پہ خیمہ زن
؎ چھالے پڑے ہیں دھوپ سے پائے حیات میں

علامہ صاحب ایک جگہ اپنے مخصوص استدلال سے کتنے مشکل موضوع کو ایک بند میں سمیٹ کر بیت میں فیصلہ کرتے ہیں۔

ہر شے کی ابتداء ہے بفحوائے کاف ونوں
ہر چیز پر محیط ہے اعداد کا فسوں
با وصفِ احتیاج سوئے حرکت و سکوں
انکار ایک جہل ہے تشکیک اِک جنوں

وقت و مکان و شکل و جہت کا اسیر ہے
منکر ہی خود وجودِ خدا کا سفیر ہے

مضمون کے آغاز میں علامہ صاحب کا فن مرثیہ گوئی کے حوالے سے فلسفۂ مرثیہ بھی اسی مرثیہ میں شامل ہے۔ اس مرثیہ کا ایک بند مجھے بہت پسند ہے۔ اور راقم نے کئی برس قبل علامہ صاحب سے پوچھنے کی جسارت کی تھی کہ کیا اس بند کو نظم کرتے وقت جوش صاحب کا یہ بند تو ذہن میں نہیں تھا کیونکہ دونوں مصرع صوتی اعتبار سے ایک جیسا آہنگ دیتے ہیں۔

جوش صاحب کا مشہور بند سب کے ذہنوں میں ہوگا:

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
تاریخِ کائنات کے ہر زیر و بم کے سات
لرزاں وخونچکاں ہیں ہزاروں ہی حادثات
لیکن وہ حادثہ جو ہوا تھا لب فرات
اپنے جلو میں لے کے چلا سرمدی حیات

وہ حادثہ جو اک اَبدی چیخ بن گیا
یعنی صریرِ خامۂ تاریخ بن گیا

علامہ صاحب نے فرمایا کہ ایسا ان کے ذہن میں نہیں تھا، پھر مسکرا کر کہنے لگے کہ ویسے تو جوش صاحب اور ان کا کلام بھی ذہن سے محو نہیں رہتا ہے۔

مرثیہ دوم: دوسرا مرثیہ "ہدایت" ۸۴ بند پر مشتمل ہے اور مرثیہ کا عنوان ان کا

پسندیدہ موضوع رہا ہے جو کہ ان کی تقریروں میں ہمیشہ موضوعِ گفتگو بنا ہے۔ علامہ اکثر اپنی تقریروں میں یہ جملہ فرماتے ہیں کہ "انسان کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ پہلے خلق کی گئی اور انسان بعد میں تخلیق کیا گیا، تو انسان کی سب سے بڑی ضرورت "ہدایت" ہے، جس کا انتظام قدرت نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی صورت میں پہلے کیا اور انسان کو بعد میں خلق کیا"۔

اس مرثیہ کو با آسانی تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حمد، نعت اور منقبت۔ مرثیہ کے آغاز میں تخلیقِ آدم اور تخلیق کے بعد انسان جن مراحل سے گزرا اس کا ذکر ہے ساتھ ہی انسانوں کی فلاح کیلئے ہادی مبعوث ہوتے رہے۔ نیکی و بدی اور خیر و شر کی کشمکش اور ابلیس کا انسانوں کو راہ سے بھٹکانے کیلئے ذہن میں پر تولنے کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ ۱۸ بند میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آخری ہادی کا ذکر ہے اور نعت کے حوالے سے مختلف تلمیحات کے ذریعے شانِ پیغمبری بیان کی ہے اور ایسے ایسے مصرعے تحریر کئے ہیں۔

ہمت شکن اعجاز نے بے جان کو جاں دی   پتھر نے محمدؐ کی ہتھیلی پہ اذاں دی
ذروں میں چمک آئی شریعت کی ضیا سے   سورج نکل آیا اُفقِ غارِ حرا سے

نعت کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ کی منقبت اور پھر ہدایت کے علمبردار امامِ زمانہؑ کے ذکر پر گفتگو کا اختتام کیا ہے۔ جس کے بعد فلسفۂ غیبت پر بحث کر کے مصائب کے ۱۲ بند نظم کئے ہیں۔ یہ مرثیہ ایک انتہائی مربوط مرثیہ ہے جس کو پڑھتے وقت کبھی بھی آپ کا ذہن اس کے موضوع سے ہٹتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ علامہ نے جگہ جگہ روایتی زبان و بیان سے انحراف کرتے ہوئے اضافتیں کی ہیں جو جوش و جمیل کے بعد بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ اپنے اس بیان کی دلیل میں یہ بند پیش کرنا چاہوں گا۔

عادت نہیں مری یہ تعلّی یہ ترفع
مقصد تھا بس اب فن کے بزرگوں کا تتبع
یہ فخر ہے کیا کم کہ ہوں دانائے تشیع
ہے اہلِ سماعت سے تسامح کی توقع
حیراں نہ ہوں، شعروں میں اگر جان نہیں ہے   یہ شوق ہے میرا، مری پہچان نہیں ہے

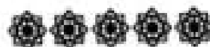
اس کے بعد دو بندوں کی قوافی ملاحظہ کریں ۔ حویلی، چنبیلی، بیلی، پہیلی پھر اوائل، حمائل، دلائل، مسائل، علامہ نے بہت سے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ان کی قادر الکلامی اور علمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شعری اضافت کا سبب بنے ہیں۔

یہ وارثِ دیں حاملِ اقدار و نوامیس
کرتے رہے اخلاق و قوانین کی تدریس
ہوتی رہی ہر دور میں اذہان کی تاسیس
بیٹھا تھا مگر تاک میں انسان کی، ابلیس
نیکی کی روایات کو حل کر کے بدی میں ذہنوں کو بدلتا رہا ہر ایک صدی میں

پیدا ہوئے تہذیب کی راہوں میں جو کھانچے
توڑے گئے آباء کی روایات کے سانچے
بوئے گئے اجسام، اُگائے گئے ڈھانچے
مارے گئے تہذیب کے چہرے پہ طمانچے
دنیا میں جو یہ معرکۂ نسل و زباں ہے تہذیب کے چہرے پہ طمانچوں کا نشاں ہے

اوپر دیئے گئے دو بند بھی زبان و بیان اور قوافی کو برتنے کے حوالے سے عمدہ مثال ہیں۔ اس طرح کی درجنوں مثالیں اس مرثیے میں دی جاسکتی ہیں۔ مگر اس آخری بند پر گفتگو کا اختتام کرتے ہیں۔

پھر گلشنِ اسلام میں ہونے لگا پت جھڑ
غنچوں کے شبستانوں میں چلنے لگے جھکڑ
بستی کو شریعت کی بنایا گیا بیہڑ
تاریخِ فقاہت میں اٹھے لال بجھکڑ
قانون کی گاڑی کو غلط کھینچنے والے قرآن پہ تنسیخ کا خط کھینچنے والے



باب۔ ۱۳

علامہ طالب جوہری کی شعری خدمات

''شعریات علامہ طالب جوہری'' اور اس کتاب میں علامہ صاحب کی شاعری سے متعلق متعدد مضامین شامل ہیں ۔ اس لیے علامہ صاحب کی شاعری پر میرا تفصیلی مقالہ دوسری جلد میں طبع ہوگا۔ یہاں کلام کی تفصیل درج کی جا رہی ہے۔

مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام کا اشاریہ

(بچوں کی ادبی نظمیں اور مُہمل شاعری شامل نہیں ہے)

شمار	مطلع	عنوان	ہیئت	حوالہ
۱	اَبد کا ایک بھی لمحہ، حیات میں نہ ملا		غزل	پسِ آفاق
۲	اُداس رات کے ان بے صدا دریچوں سے	یاد کا جسم	نظم	شاخِ صدا
۳	اُس بدن کی رُت ہوائے مہرباں لے آئی ہے		غزل	پسِ آفاق
۴	اُس کا ہر انداز سجیلا بانکا تھا		غزل	پسِ آفاق
۵	اُس کو بھلا دینا مجھ دیدہ ور کے لیے آسان نہ تھا		غزل	غیر مطبوعہ
۶	اُس کی سرد حویلی تک دھوپ کا تپتا صحرا تھا		غزل	حرفِ نمو
۷	اُلفت کی رسم و راہ سے استادہ بے پرواہ نہ تھا		غزل	حرفِ نمو
۸	اُن دنوں میرے سارے مسامات جاں	ایک شہر	نظم	شاخِ صدا
۹	اُن کو بھلا دینا مجھ دیدہ ور کے لیے آسان نہ تھا		غزل	غیر مطبوعہ
۱۰	اِک نیا منظر ہر اک کاوش کے پس منظر میں تھا		غزل	حرفِ نمو
۱۱	اب تک نہ ہمارے نہ تمہارے ہیں حسینؑ		رباعی	غیر مطبوعہ
۱۲	اب میں کس کس کو یہ بتلاؤں کہ کیا کیا ڈوبا		غزل	پسِ آفاق
۱۳	اپنے باپ کی اُنگلی تھامے	روایت بریدہ	نظم	شاخِ صدا
۱۴	اپنے باطن میں اُتر روح سفر دریافت کر		غزل	شاخِ صدا

شاخِ صدا	غزل		اپنے لہو کی روشنی دے کر چراغِ بام کو	۱۵
حرفِ نمو	قصیدہ		اپنے ماضی میں سفر اور کس قدر ہمت شکن	۱۶
پسِ آفاق	غزل		اپنی سرکش اڑانوں پہ قابو کرو اب کمندیں نہ ڈالو خور و ماہ پر	۱۷
شاخِ صدا	غزل		اس سے باہر جا کر ملو پر دور رکھو رازوں پر	۱۸
حرفِ نمو	نظم	تجدید	اس کے شہر کی ساری گلیاں ساری سڑکیں	۱۹
حرفِ نمو	غزل		اس کی خوشی سے بزم میں آنا اس کی خوشی اٹھ کر جانا	۲۰
حرفِ نمو	نظم	حقیقت	اس نے کہا یہ دنیا پیہم شانِ تغیر رکھتی ہے	۲۱
حرفِ نمو	نظم	رمزِ وجود	اسرارِ نہاں میں گم حویلی	۲۲
شاخِ صدا	رباعی		اسرار نہ اہلِ کیف و کم سے پوچھو	۲۳
شاخِ صدا	غزل		اضافتیں میری سلطنت ہیں میں تیرگی بھی چراغ بھی ہوں	۲۴
غیر مطبوعہ	نظم	عالمی گاؤں،	اطلس کے ان نیلے، پیلے، اودے، بھورے	۲۵
پسِ آفاق	غزل		اگر چاہو کہ مقتل پار کر لو	۲۶
شاخِ صدا	غزل		امید و بیم کے بخیے ادھڑ رہے تھے میاں	۲۷
حرفِ نمو	غزل		اندھی رات کے چہرے پہ تاریکی کا غازہ تھا	۲۸
شاخِ صدا	غزل		اوجھل ہوئے نظر سے آثار کارواں تک	۲۹
حرفِ نمو	نظم	پسِ طومارِ خرد	اونگھتی شام ڈوبتا خورشید	۳۰
حرفِ نمو	غزل		اے دلِ شکستہ دل مرے، تو اور تری تنہائیاں	۳۱
رثائی ادب	مرثیہ	ہدایت	اے فکرِ جواں صفحۂ دانش پہ رقم ہو	۳۲
غیر مطبوعہ	نظم	ارتقا	اے مرے تصور کے ہولناک ویرانو	۳۳
حرفِ نمو	نظم	مہدیٔ برحق	ایک مبہم خودسری فکرِ مساواتِ بشر	۳۴
شاخِ صدا	غزل		آب و ہوا تو ایک ہے نخل کے حال مختلف	۳۵
حرفِ نمو	غزل		آج بھی آپ گئے تھے ملنے اس کے گھر پھر کل جائیں گے	۳۶
غیر مطبوعہ	غزل		آسماں کے بنجر میں کھیتیاں ستاروں کی	۳۷
پسِ آفاق	غزل		آنا ہی جب ٹھہرا پیارے پھر میل و فرسنگ کہاں	۳۸
شاخِ صدا	غزل		آؤ یہاں کچھ دیر تو بیٹھیں بیتی رُت کے حوالے سے	۳۹

۴۰	بجھ جائیں گے وہ دیپ جو جلتے تھے گھروں میں		غزل	پسِ آفاق
۴۱	بام و در پر ہجوم کرتی شام		غزل	پسِ آفاق
۴۲	بجلی چمکی بادل گرجے بادِ برق انداز چلی		غزل	پسِ آفاق
۴۳	بچھڑ کے اس سے ہر امید تیرہ بخت ہو گئی		غزل	حرفِ نمو
۴۴	برستے بادلو! پانی کی طغیانی مجھے دے دو		غزل	پسِ آفاق
۴۵	برسوں پہلے	پت جھڑ	نظم	پسِ آفاق
۴۶	برسوں پہلے فصلِ بہار کی آمد پر	سچا آئینہ	نظم	حرفِ نمو
۴۷	بڑا طویل ہے تاریخِ ارتقا کا سفر		قصیدہ	پسِ آفاق
۴۸	بکھر رہا ہوں میں ٹوٹے ہوئے پروں کی طرح		غزل	شاخِ صدا
۴۹	بہہ گئے وقت کے دھارے میں پیرو ظلِ الٰہی کے		غزل	حرفِ نمو
۵۰	بوسیدہ ٹوٹی گلیوں میں	مٹی کا رشتہ	نظم	حرفِ نمو
۵۱	بے برگ و ثمر زیست کے صحراؤں میں رہنا		غزل	پسِ آفاق
۵۲	بے ستوں کے دامن میں	شام ہو گئی آخر	نظم	حرفِ نمو
۵۳	بے صدا ویران بے رونق	خلاؤں کے ساگر	نظم	حرفِ نمو
۵۴	بے نتیجہ راستے قطعِ مسافت بے ہدف	پروردۂ الہام	نظم	شاخِ صدا
۵۵	پانی سے جل تھل دامانِ صحرا	کالا جادو	نظم	شاخِ صدا
۵۶	پچھلے سفر میں	دھندے	نظم	حرفِ نمو
۵۷	پڑوسی ملک تھا	قصہ ایک دن کا	نظم	حرفِ نمو
۵۸	پسِ طومارِ خرد جو بھی اجازہ نکلا		غزل	پسِ آفاق
۵۹	پہلے تو ہم رکھتے گئے ہر وہم کو امکان میں		غزل	شاخِ صدا
۶۰	پہنچی دلوں کی آگ ہمارے خیام تک		غزل	پسِ آفاق
۶۱	پیاسے ذرّے ہانپ رہے تھے دشت کی سوکھی تھالی میں		غزل	حرفِ نمو
۶۲	پیچ کھاتے بگولوں	حلاوت	نظم	شاخِ صدا
۶۳	تجھ لبِ نازک کو خوش گوئی پہ مائل دیکھ کر		غزل	شاخِ صدا
۶۴	تعقل کا سفینہ بحرِ طوفاں خیز میں تنہا		قصیدہ	حرفِ نمو

۶۵	تم نے بھی شاید دیکھے ہوں ایسی بھولے بھالے لوگ		غزل	حرفِ نمو
۶۶	تمہارے حشر ساماں	بے انجام	نظم	حرفِ نمو
۶۷	تمہارے قلب و ذہن میں بسا ہے ماسوا کا رُخ		غزل	شاخِ صدا
۶۸	تنہا کب ہوں میرا مقدر ساتھ میں ہے		غزل	حرفِ نمو
۶۹	تو توماں جایا ہے میری بات سُن اے آدمی		غزل	شاخِ صدا
۷۰	تو سفر کی ہولناکی سے نہ ڈر اے اجنبی		غزل	پسِ آفاق
۷۱	ٹھہرو تو دکھائیں تمہیں دلچسپ سماں اور		سلام	غیر مطبوعہ
۷۲	ٹوٹے گی فضا کی یہ اُداسی اک روز		رباعی	شاخِ صدا
۷۳	جُدا تو ہو گئیں آنکھوں سے روٹھ کر آنکھیں		غزل	پسِ آفاق
۷۴	جا، اپنی بسائی ہوئی دنیا میں پلٹ جا		غزل	پسِ آفاق
۷۵	جانور بھی مقدر کے محکوم ہیں ہر شکاری کی قسمت پہ مارے گئے		غزل	حرفِ نمو
۷۶	جانی بوجھی آشائیں تھیں انجانی آشاؤں تلے		غزل	شاخِ صدا
۷۷	جب اترتا ہے چاند آنگن میں		قطعہ	شاخِ صدا
۷۸	جب بھی آدم زاد اسیرِ علوم ہوا		غزل	شاخِ صدا
۷۹	جب خدا نہ اُٹھ پائے بندگی کے شانوں سے		غزل	حرفِ نمو
۸۰	جب کُن ادا کیا لبِ حکمت خطاب نے	وجودِ باری	مرثیہ	صبرِ بیکراں
۸۱	جب کسی کو بسترِ محنت پہ آ جاتی ہے نیند		غزل	پسِ آفاق
۸۲	جب نغمہ زن تھیں راتیں جب بخت مہرباں تھا		غزل	حرفِ نمو
۸۳	جبرِ غلط بخشی کے سوا کیا رکھا ہے انساں کے پاس		غزل	حرفِ نمو
۸۴	جذبۂ منزل شناسی کا صلہ دیتی رہی		غزل	پسِ آفاق
۸۵	جذبوں کا بہاؤ کم نہ ہوگا		غزل	حرفِ نمو
۸۶	جز علیؑ ہوتا اگر بعدِ پیمبرؐ دوسرا		سلام	رثائیاتِ علامہ طالب جوہری
۸۷	جس جذبہ کے اثر سے ہم نے آپس میں اک عہد کیا		غزل	شاخِ صدا
۸۸	جس چہرے کو ڈھونڈ رہا تھا دل صحراؤں میں		غزل	حرفِ نمو

۸۹	جس خرابے میں بھی ہوا گلے برس کی بود و باش		غزل	شاخِ صدا
۹۰	جستجو	عہدِ مراد	نظم	حرفِ نمو
۹۱	جسے گنوا کے آ گیا صنوبروں کی چھاؤں میں		غزل	پسِ آفاق
۹۲	چلے تھے کل بھی اور آج بھی ناشناس لمحوں میں چل رہے ہیں		غزل	شاخِ صدا
۹۳	جن کو سچائی کی خاطر رسن و دار ملے		غزل	حرفِ نمو
۹۴	جنگلوں کی نیم شب ہے	جنگلوں کی نیم شب	نظم	حرفِ نمو
۹۵	جہت کو بے جہتی کے ہنر نے چھین لیا		غزل	حرفِ نمو
۹۶	جھپٹ کے جب گرا عقاب اپنے اک شکار پر		غزل	پسِ آفاق
۹۷	جواں کی آنکھوں میں تتفروں کے سے پیام بجھ گئے ہیں		غزل	حرفِ نمو
۹۸	جو آدمی چلا تھا سوئے شہرِ جاں کدھر گیا		غزل	پسِ آفاق
۹۹	جو بھی ٹھہرے اس خرابے میں ہوس رانی کی شرط		غزل	شاخِ صدا
۱۰۰	جو بھی راہِ علم و عمل میں پیرو فکر بوذر ہوگا		سلام	رثائیاتِ علامہ طالب جوہری
۱۰۱	جو بھی سرمایہ تھا حرفوں کا لبِ گویا کے پاس		غزل	شاخِ صدا
۱۰۲	جو بھی میرے مرتضیٰؑ کی شان ہے		سلام	رثائیاتِ علامہ طالب جوہری
۱۰۳	جو تم سے کہہ رہے تھے دو گھڑی بیٹھو مسافر تھے		غزل	شاخِ صدا
۱۰۴	جو سُن سکو تو سنو داستانِ شامِ الم	تضادات	نظم	پسِ آفاق
۱۰۵	جو فہمِ انساں سے ماورا ہے		غزل	شاخِ صدا
۱۰۶	جیسے ہی زینہ بولا تہہ خانے کا		غزل	حرفِ نمو
۱۰۷	چاند تک اُڑ کر پہنچنے کا نہیں امکان جا		غزل	پسِ آفاق
۱۰۸	چاند جب گھور اندھیروں میں اُگا آخرِ شب		غزل	شاخِ صدا
۱۰۹	چپ رہے تو سنگ ہے کھِل اُٹھے تو پھول ہے		غزل	پسِ آفاق
۱۱۰	چھان ڈالے کوہ و صحرا شمع تنہا نے تمام		غزل	شاخِ صدا
۱۱۱	چھوٹے سے اُس گاؤں کے باہر	چرواہا	نظم	غیر مطبوعہ

۱۱۲	چھوڑے دل اس جہاں کے میلے کیوں کر		رباعی	شاخِ صدا
۱۱۳	حبس میں یوں ہوا چلی دل کا فراغ لے گئی		غزل	پسِ آفاق
۱۱۴	حدودِ سود و زیاں سے آگے قدم نکلتا نہیں کسی کا	سرِ آغاز	قطعہ	حرفِ نمو
۱۱۵	حریفِ حرف و حکایت ہیں ناتواں الفاظ		غزل	شاخِ صدا
۱۱۶	حقیقت کی طلب کا ہر مسافر		غزل	پسِ آفاق
۱۱۷	خلوتِ جاں میں چیخ رہا ہوں کوئی نئی عریانی دے		غزل	پسِ آفاق
۱۱۸	خرد کو آگ لگی تو ہمیں یہ ہوش کہاں تھا		غزل	غیر مطبوعہ
۱۱۹	خدا ہی جانے حقیقت تھی یا کہ حیلہ تھا		غزل	شاخِ صدا
۱۲۰	خشکیدہ درخت کی سسکتی ہوئی شاخ		رباعی	شاخِ صدا
۱۲۱	خلوتِ بے نشاں میں پھول کھلے نشان کے		غزل	حرفِ نمو
۱۲۲	خموشیوں کو کلام جانے، سمندروں کو سراب دیکھے		غزل	پسِ آفاق
۱۲۳	خواب کا خیمہ تھا اور ہم عمر عریں بانہوں میں تھے		غزل	حرفِ نمو
۱۲۴	خواہشِ دل جذبۂ مجہول میں گم ہو گئی		غزل	شاخِ صدا
۱۲۵	خیالِ فطرت کی تہہ سے موتی نکالتا ہے		غزل	شاخِ صدا
۱۲۶	دامنِ کوہ کی ایک شب تھی، سر پہ تاروں بھرا آسماں تھا		غزل	پسِ آفاق
۱۲۷	درختوں کے جھنڈ اور ریگ زاروں کے سلسلے		غزل	شاخِ صدا
۱۲۸	دشتِ بلا میں کوثر والے کب محتاج تھے پانی کے		سلام	رثائیات علامہ طالب جوہری
۱۲۹	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا		غزل	پسِ آفاق
۱۳۰	دشمنِ جاں ہے یہ ہیبت ناک ویرانہ گزر		غزل	پسِ آفاق
۱۳۱	دلِ غم نصیب کرنا ہے قیام راستے میں		غزل	شاخِ صدا
۱۳۲	دل پیارے دل! تجھ سے کہا تھا ان آنکھوں کے وار سے بچ		غزل	شاخِ صدا
۱۳۳	دل رُبا ہیں نقرئی سکوں کی جھنکاریں بہت		غزل	شاخِ صدا
۱۳۴	دل کسی منزل کو پا لینے کی خواہش کیا کرے		غزل	حرفِ نمو
۱۳۵	دل کہ اک طوفاں زدہ کشتی بہ موجِ اشکِ غم		قصیدہ	حرفِ نمو

۱۳۶	دل گزرگاہِ خیالات پہ بیٹھا ہوا ٹھگ	ترجیح	نظم	غیر مطبوعہ
۱۳۷	دل نے خود سند دی تھی اعتبار منظر کو		غزل	شاخ صدا
۱۳۸	دن گزرا تھا ریت کے بنجر ٹیلوں میں		غزل	حرفِ نمو
۱۳۹	دنیا کی ہر چال نئی ہے فیل اور پیادہ دیکھ کے چل		غزل	شاخ صدا
۱۴۰	دھوپ جب تک سر پہ تھی زیرِ قدم پا گئے		غزل	حرفِ نمو
۱۴۱	دور اُفتادہ بستی سے ملحق بیہڑ میں	دوسری نسبت	نظم	غیر مطبوعہ
۱۴۲	دور تک کف پھینکتا نیلا سمندر سامنے		غزل	شاخ صدا
۱۴۳	دوستوں کے دوست بن کر دشمنوں سے پیار کرنا		غزل	پسِ آفاق
۱۴۴	دیارِ حسن میں تجدید عاشقی کے لیے		غزل	حرفِ نمو
۱۴۵	ذات کی تسخیر فطرت کا سرودِ انقلاب		قصیدہ	شاخ صدا
۱۴۶	رات تھی اور کہکشاں در کہکشاں تھی	فریب خوردہ شاہین	نظم	پسِ آفاق
۱۴۷	رفیق ہو تو کیا رفاقتوں کا کچھ بھرم بھی ہے		غزل	شاخ صدا
۱۴۸	رنگ اور نسل کی تفریق فرشتوں میں نہیں		غزل	غیر مطبوعہ
۱۴۹	رنگ محل کے ایوانوں میں	رنگ محل کے ایوانوں میں	نظم	حرفِ نمو
۱۵۰	رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم		غزل	پسِ آفاق
۱۵۱	رہو ہمیشہ حریف بن کر ازل سے دستور ہے قضا کا		غزل	پسِ آفاق
۱۵۲	روشنی کا پیکر ہے چاندی کی مورت ہے		غزل	پسِ آفاق
۱۵۳	روم کی گلیوں میں پھرتے خانماں برباد لوگ		غزل	شاخ صدا
۱۵۴	ریت کا کھیت اور تنہائی		قطعہ	شاخ صدا
۱۵۵	ریت کی سطروں پہ ناقوں نے نقوشِ پا لکھے		غزل	شاخ صدا
۱۵۶	ریگستان کی تند و تیز دہکتی تپتی	آواگون	نظم	شاخ صدا
۱۵۷	زمیں کا چھید بنے آسماں کا چاک ہوئے		غزل	غیر مطبوعہ
۱۵۸	زیتون کے جنگلوں میں شاید	بے ثمر کہانی	نظم	غیر مطبوعہ
۱۵۹	ساری تگ و دو ہے آدمی کی بس سود و زیاں و بیش و کم تک		غزل	پسِ آفاق

نمبر	مصرع	عنوان	صنف	مجموعہ
۱۶۰	ستاروں سے دن تھے	انجام	نظم	شاخِ صدا
۱۶۱	سرِ بزمِ قضا اس عالمِ اسباب میں رہنا		غزل	پسِ آفاق
۱۶۲	سنا کے قید میں احوال راہگیروں کے		غزل	حرفِ نمو
۱۶۳	سنو کہ ہم جس کی کھوج میں ہیں وہ وقت شاید گزر چکا ہو		غزل	شاخِ صدا
۱۶۴	سوادِ شام، سناٹا، سمندر		غزل	پسِ آفاق
۱۶۵	سوال اس نے اٹھایا ہے اک مقالے میں	وضاحت	نظم	غیر مطبوعہ
۱۶۶	سوچتا تھا وہ ریاضت کی نئی گھاتوں کے بعد		غزل	شاخِ صدا
۱۶۷	سوکھ گئے پچھلے ساون میں آنکھوں کے بہتے جھرنے دو		غزل	شاخِ صدا
۱۶۸	شامِ غم میں آسمانوں کو ہنسی آئی تو کیا		غزل	پسِ آفاق
۱۶۹	شام کے پنچھی بول رہے ہیں		غزل	حرفِ نمو
۱۷۰	شب کے سناٹوں میں روٹھے دل کو بہلاتا ہے کون		غزل	غیر مطبوعہ
۱۷۱	شب میں کیا سوئے ہوئے سورج کا پرتو دیکھتے		غزل	شاخِ صدا
۱۷۲	شب نوردوں کے لیے اک آسرا رکھا کرو		غزل	پسِ آفاق
۱۷۳	شہر میں کربِ محرومی تھا دشت میں خود آزاری تھی		غزل	پسِ آفاق
۱۷۴	شوق کے روپ اگر ضبط کی حد ہو جاتے		غزل	غیر مطبوعہ
۱۷۵	طالبِ تم نے کس کی خاطر جی کو روگ لگایا ہے		غزل	حرفِ نمو
۱۷۶	طرزِ تغافل آشا حرفِ تمنا آشنا		غزل	شاخِ صدا
۱۷۷	طواف کرتا ہے اک پرندہ صنوبروں کا		غزل	حرفِ نمو
۱۷۸	طیارے کے سارے مسافر رات کو بھی بیدار ملے		غزل	حرفِ نمو
۱۷۹	ظاہر و باطن کی یکسانی شہرِ وجود میں عنقا ہے		غزل	غیر مطبوعہ
۱۸۰	عظیم و شب تاب کہکشاؤں کے	ناممکن	نظم	شاخِ صدا
۱۸۱	عمر بھر کس قدر مطمئن وہ رہا اپنے بستر پہ کروٹ بدلتے ہوئے		غزل	پسِ آفاق
۱۸۲	عہدِ ماضی اجنبی قریہ، عجم کی سرزمیں	اور میں	نظم	پسِ آفاق
۱۸۳	غمزدوں کا ستارۂ درخشاں	تعزیت	نظم	پسِ آفاق

No.	First line	Title	Genre	Book
۱۸۴	غمِ عاشقی تیری خیر ہو، میری کائنات سنوار دی		غزل	پسِ آفاق
۱۸۵	فقیری کو اس نے بہانا کیا		غزل	شاخِ صدا
۱۸۶	کبھی بات کاٹ کے ہنس دیے، کبھی لب پہ پردہ گرادیا		غزل	غیر مطبوعہ
۱۸۷	کبھی کسی سے اگر حرفِ مدعا کہیے		غزل	حرفِ نمو
۱۸۸	کتنے بے بضاعت ہیں شہرِ جاں کے باہر ہم		غزل	پسِ آفاق
۱۸۹	کتنے چہرے دیکھ کر احساسِ محرومی کی چوٹ		قطعہ	پسِ آفاق
۱۹۰	کتنی صدیاں بیت گئیں ان پر یلغار ہوئے		غزل	شاخِ صدا
۱۹۱	کرب و بلا میں کوثر والے کب محتاج تھے پانی کے		سلام	غیر مطبوعہ
۱۹۲	کس نے کہا تھا میرے دوست، گھر میں اُسے بلاؤ تم		غزل	پسِ آفاق
۱۹۳	کسی پیڑ کے سائے میں دھونی رما کسی گھر میں نہ بن مہمان میاں		غزل	حرفِ نمو
۱۹۴	کسی نظر سے گرے یا کسی نظر میں رہے		غزل	شاخِ صدا
۱۹۵	کشورِ جاں کے ہر چپّے پر لمحوں کی سلطانی ہے		غزل	شاخِ صدا
۱۹۶	کم عمری کا دور گزارا ہم نے کس آرام کے ساتھ		غزل	حرفِ نمو
۱۹۷	کہاں حکایتِ خال و خد و لب و ابرو	تلازمۂ خیال	نظم	غیر مطبوعہ
۱۹۸	کہیں بدن تشنگی کا صحرا کہیں بدن بے کنار دریا		غزل	حرفِ نمو
۱۹۹	کون اس بے مصرف دنیا میں روزی کے دکھ جھیلے بھائی		غزل	شاخِ صدا
۲۰۰	کون اس دنیا میں جینے کی مشقت چاہتا ہے		غزل	غیر مطبوعہ
۲۰۱	کون بے سبب کس پہ اسلحے اُٹھاتا ہے		غزل	حرفِ نمو
۲۰۲	کون جیت سکتا ہے عزم چرخ پیما سے		غزل	پسِ آفاق
۲۰۳	کوئی تو ہو جو سودوزیاں کی اس خندق کو پاٹے بھی		غزل	غیر مطبوعہ
۲۰۴	کوئی موج شوریدہ اس کی سمت اگر جاتی		غزل	شاخِ صدا
۲۰۵	کے ٹو کی پہاڑیوں کے پیچھے	جھاڑی	نظم	شاخِ صدا
۲۰۶	کیا اپنی زمین کیا زمانہ		غزل	شاخِ صدا
۲۰۷	کیا خبر میری شب ہائے غم مجھ سے چھپ کر کدھر جائیں گی		غزل	پسِ آفاق

نمبر	مصرعِ اول	عنوان	صنف	کتاب
۲۰۸	کیا غرق ہونے کا گلہ دریائے بے پایاب سے		غزل	حرفِ نمو
۲۰۹	گاؤں کے اک چھوٹے سے گھر میں کچھ لمحے ماہتاب رہا		غزل	حرفِ نمو
۲۱۰	گدائے سر کوئے جاناں ٹھہر		غزل	شاخِ صدا
۲۱۱	گنتے گنتے اُداس لہروں کو		قطعہ	شاخِ صدا
۲۱۲	گھرے سمندروں میں ڈبونے کے باوجود		غزل	شاخِ صدا
۲۱۳	لب پہ خشک سالی ہے دل میں بادوباراں ہے		غزل	غیر مطبوعہ
۲۱۴	لفظ و معنی کیا ہیں حرف و صورت کا رشتہ ہے کیا		غزل	حرفِ نمو
۲۱۵	لکھو کہ شہر کے ہر گھر میں رقصِ وحشت ہے		غزل	غیر مطبوعہ
۲۱۶	مٹی ہی سے پھوٹے ہو تم مٹی ہی کے حوالے رکھنا		غزل	غیر مطبوعہ
۲۱۷	مجھ پہ یہ کرم کرو دشت کی ہواؤ تم	تم	نظم	غیر مطبوعہ
۲۱۸	محفلِ یاراں میں بیٹھا ہنستا لڑکا		غزل	پسِ آفاق
۲۱۹	مرا زمانہ جدا ہے فسونِ دہر الگ		غزل	شاخِ صدا
۲۲۰	مرا ہم سفر مرا ہم زباں ترا چہرہ		غزل	پسِ آفاق
۲۲۱	مرے اندروں میں	شاہ	نظم	غیر مطبوعہ
۲۲۲	مرے خانہ بدوش ارماں کو اپنا گھر دیا جس نے		غزل	حرفِ نمو
۲۲۳	مرے مسافر مجھے بتاؤ	پہلا قدم	نظم	حرفِ نمو
۲۲۴	مسئلہ میرے کھیتوں کا ہے میں جانوں میرا اہل جانے		غزل	غیر مطبوعہ
۲۲۵	مکڑی کا گھر (یعنی جالا)	مکڑی کا گھر	نظم	حرفِ نمو
۲۲۶	منواتی ہے سماج کا رتبہ یہ دنیا افراد سے پہلے		غزل	حرفِ نمو
۲۲۷	مہیب و تاریک رات کے زانووں پہ بیٹھا	جہاز راں	نظم	غیر مطبوعہ
۲۲۸	میرے ہم انجام مسافر باندھ اپنا اسباب	ہم انجام مسافر	نظم	شاخِ صدا
۲۲۹	میں ایک خزاں دیدہ و آوارہ مسافر	جواز	نظم	حرفِ نمو
۲۳۰	میں آب و گل کی اضافت کا اک تماشا ہوں		غزل	پسِ آفاق
۲۳۱	میں ٹین ایجر تھا	بھیڑیا	نظم	شاخِ صدا
۲۳۲	میں جانتا ہوں	انکشاف	نظم	حرفِ نمو

نمبر	مصرع	عنوان	صنف	کتاب
۲۳۳	میں چُن رہا تھا اُداس لمحے خود اپنی کہانیوں کے		غزل	حرفِ نمو
۲۳۴	میں دیارِ قاتلاں کا ایک تنہا اجنبی		غزل	حرفِ نمو
۲۳۵	میں فضاؤں میں گھومتا رہا دن گزر گیا اک اُڑان میں		غزل	پسِ آفاق
۲۳۶	میں فلک کی اک بشارت میں زمیں کی اک نشانی		حمد	حرفِ نمو
۲۳۷	میں نے کب یہ چاہا تھا	ساتھی	نظم	غیر مطبوعہ
۲۳۸	مین ہٹن میں پچھلے سال	ساحل ساحل	نظم	پسِ آفاق
۲۳۹	ناچتی آئی شبِ مہتاب میں چھم چھم ہوا		غزل	شاخِ صدا
۲۴۰	ناز کرتا تھا بہت وہ گھر کے اطمینان پر		غزل	پسِ آفاق
۲۴۱	نامعلوم زمانوں سے غیر آباد ہے صحرا یہ		غزل	شاخِ صدا
۲۴۲	نبضِ گیتی اُچھل رہی ہے ہنوز		غزل	شاخِ صدا
۲۴۳	نہ تجبیہ آگہی کرتی نہ تضحیک ارتقا کرتا		غزل	پسِ آفاق
۲۴۴	نہ صفحاتِ دل پر نہ اوراقِ جاں پر		غزل	شاخِ صدا
۲۴۵	نہ صنعتوں میں نہ صنعت گروں میں رہتا ہے		غزل	غیر مطبوعہ
۲۴۶	نہ مدعی میں، نہ جرأتِ حق گواہ میں ہے		غزل	پسِ آفاق
۲۴۷	نیشاپور کی نا پُرساں یخ بستہ شب میں	کالا پانی	نظم	شاخِ صدا
۲۴۸	نیک ہی کا دوسرا پرتو ہے جو کچھ بد میں ہے		غزل	پسِ آفاق
۲۴۹	نیم شب کا عمل ہے بستی پر	پچھلے پاؤں	نظم	حرفِ نمو
۲۵۰	ہاں مجھے جانا ہے نادیدہ جہانوں کی طرف		غزل	پسِ آفاق
۲۵۱	ہر ایک حرف کا سینہ ہے قلزمِ افکار	تہذیب	نظم	حرفِ نمو
۲۵۲	ہر ایک خم میں نشیب و فرازِ فن تو نہیں		غزل	حرفِ نمو
۲۵۳	ہر آوارہ لمحہ رین بسیرے کا		غزل	پسِ آفاق
۲۵۴	ہر نفس حیرت کدہ ہے معنیٔ تحریر کا		غزل	پسِ آفاق
۲۵۵	ہم کو سوادِ شہر میں ہم سفری الزام ہوئی		غزل	حرفِ نمو
۲۵۶	ہم کو کرسی نہ جاہ و حشم چاہیے		سلام	رثائیات نمو علامہ طالب جوہری

۲۵۷	ہم نے خطابت کیا اپنائی بزمِ نگاراں دُور ہوئی		غزل	حرفِ نمو
۲۵۸	ہملٹن کا یہ قصبہ حشر خیز و حشر ساماں ہے	میں مشرق ہوں	نظم	پسِ آفاق
۲۵۹	ہوگئی شام ان پہاڑوں میں		قطعہ	شاخِ صدا
۲۶۰	ہو زیاں کا ڈر تو میں دُور ہوں کوئی منفعت ہو تو پاس ہوں		غزل	شاخِ صدا
۲۶۱	ہے روح یخ بستہ ایک جوہر لباسِ ہستی اُتارنا کیا		غزل	حرفِ نمو
۲۶۲	وحشیوں کا رقص تھا یا موت کی جھنکار تھی		غزل	حرفِ نمو
۲۶۳	ورق ورق پہ میری داستاں ہے شکار ہوں اپنی آگہی کا		غزل	حرفِ نمو
۲۶۴	وقت کی دھوپ سے بچ کر جو نکل جائے گا	سرِ آغاز	قطعہ	پسِ آفاق
۲۶۵	وہ بوڑھا بھی کتنا دلکش بوڑھا تھا		غزل	پسِ آفاق
۲۶۶	وہ تارا جو رات کو اپنی روشنیاں خیرات کرے		غزل	حرفِ نمو
۲۶۷	وہ شعلے جو غرورِ آتشِ نمرود ہوتے ہیں		غزل	حرفِ نمو
۲۶۸	وہ فضائے بے کم و کیف تھی	کم دلی	نظم	حرفِ نمو
۲۶۹	وہ کل خلوت میں خود اپنے ہی امکانات میں گم تھا		غزل	پسِ آفاق
۲۷۰	وہ گھر پرایا تھا اس سے سارے ہی رابطہ قطع کر چکا ہوں		غزل	شاخِ صدا
۲۷۱	وہ مجھ سے اکثر یہ پوچھتا ہے کہ حال کیا ہے		غزل	شاخِ صدا
۲۷۲	وہ نوجوان امنگوں کی گرم بازاری	تشنگی کا سفر	نظم	حرفِ نمو
۲۷۳	وہ وحشی اُس آبادی میں دشمن بھی تھا چہیتا بھی		غزل	غیر مطبوعہ
۲۷۴	وہی ایک حرف تو شعر تھا جو گرفتِ فن سے نکل گیا		غزل	غیر مطبوعہ
۲۷۵	ویراں گلیاں، ٹوٹے گھر، پُر ہول کھنڈر	دوسرا شہر	نظم	شاخِ صدا
۲۷۶	یاد تو ہوں گے تجھے آبِ روانِ فرات	برگِ نوا	نظم	پسِ آفاق
۲۷۷	یارا تمہارے عشوے غمزے دلکش و دل آرام بہت ہیں		غزل	شاخِ صدا
۲۷۸	یہ آج خوف سا کیوں شیر کے شکار میں ہے		غزل	پسِ آفاق
۲۷۹	یہ بستی اتنی پراسرار کیوں ہے		غزل	پسِ آفاق
۲۸۰	یہ بچی کس کی بیٹی ہے جو جلتی زمیں پر لیٹی ہے		نوحہ	غیر مطبوعہ
۲۸۱	یہ خط میں تم کو ہی لکھ رہا ہوں	تم کو ہی لکھ رہا ہوں	نظم	شاخِ صدا

۲۸۲	یہ دشت بے آب زندگی کا ہے گا بے آب ہی سدا کیا		غزل	غیر مطبوعہ
۲۸۳	یہ دہر طلسمات کا کاشانہ تھا		رباعی	شاخِ صدا
۲۸۴	یہ رہبری تو وہی طفلِ خورد سالہ ہے		غزل	غیر مطبوعہ
۲۸۵	یہ سربکف پہاڑیاں یہ بے جگر پہاڑیاں		غزل	پسِ آفاق
۲۸۶	یہ شام قاسیوں کی پہاڑیوں سے	لاحیات	نظم	پسِ آفاق
۲۸۷	یہ شام یہ زوال سالخوردہ	ایک شام	نظم	حرفِ نمو
۲۸۸	یہ کس کی صدا آئی ہمیں آخرِ شب میں		غزل	شاخِ صدا
۲۸۹	یہ کون پھر رہا ہے آنکھوں میں خواب آسا		غزل	شاخِ صدا
۲۹۰	یہ گردشوں کے قافلے	تشکیک	نظم	پسِ آفاق
۲۹۱	یہ ماں کی گود سا پرِ مہر میرے گاؤں کا دن	طلسم	نظم	غیر مطبوعہ
۲۹۲	یہ مانا اُس کی، موجوں سے شناسائی بہت ہے		غزل	پسِ آفاق
۲۹۳	یہ مرا مشکیزۂ بے آب، صحرا اور میں		غزل	حرفِ نمو
۲۹۴	یہ میری بستی	سوتم نے دیکھا	نظم	پسِ آفاق
۲۹۵	یہ نکتہ پا ہی لیں گے ایک دن نکتہ شناس آخر		غزل	غیر مطبوعہ
۲۹۶	یہ وجودِ بیکراں کس قدر بخیل ہے	مصلحت	نظم	پسِ آفاق
۲۹۷	یہی مقسوم تھا اُس کا	دوہرا معیار	نظم	شاخِ صدا
۲۹۸	یوں شبِ وداعِ دوست آئی اور گزر گئی		غزل	حرفِ نمو



ایک غیر مطبوعہ نوحہ

اس نوحے سے متعلق علامہ صاحب فرماتے تھے اس کا پہلا مصرع انہوں نے عالمِ خواب میں سنا تھا کہ کوئی منادی اس نوحے کے پہلے مصرعے کی ندا دے رہا ہے۔ اسی دن انہوں نے یہ نوحہ کہا تھا۔ یہ نوحہ آغا عزت الزماں عزت لکھنوی مرحوم کو دے دیا تھا وہ اسے پُرسوز لحن میں پڑھا کرتے تھے۔

یہ بیٹی کس کی بیٹی ہے جو جلتی زمین پر لیٹی ہے
یہ دخترِ شاہِ مدینہ ہے اور اس کا نام سکینہؑ ہے

اِک دن میں گھر ویران ہوا مر جانے کا سامان ہوا
بابا کا سر سجدے میں کٹا افسوس کہ اب کوئی نہ بچا

قاسم بھی گئے اکبر بھی گئے اور جھولے سے اصغر بھی گئے
عمو بھی نہر کنارے گئے سب ایک اک کر کے مارے گئے

ایسی بھی یتیمہ کوئی ہے ایک اِک کو دن بھر روئی ہے
بے ہوش ہوئی یا سوئی ہے یا اپنی دھن میں کھوئی ہے

یہ سب کو بے حد پیاری تھی عمو کی راج دُلاری تھی
جب شب کو پریشاں ہوتی تھی سینے پر باپ کے سوتی تھی

بچی کس سے فریاد کرے اسباب لُٹا خیمے بھی جلے
ظالم نے چھینے آویزے گھر کا بھی طمانچے بھی مارے

ماں بہنوں، پھوپھیوں کو لوٹا چھوڑی نے کسی کے سر پہ ردا
بیمار کا بستر بھی چھینا یہ اجرِ رسالت خوب دیا

اب اور شقی رُلوائیں گے بیواؤں کو قیدی بنائیں گے
یہ دَر دَر سب کو پھرائیں گے دربار میں بھی لے جائیں گے

پھر قید میں کیا عالم ہوگا کب ظلمِ یزیدی کم ہوگا
دکھیوں کو تازہ غم ہوگا اس بچی کا ماتم ہوگا

عالمی گاؤں۔۔۔نظم۔۔۔(غیر مطبوعہ)

اطلس کے ان نیلے، پیلے، اودے، بھورے
نقشوں کے اطراف نگاہیں رینگ رہی ہیں
بے ترتیب لکیریں کتنی
غیر طبیعی اور نافطری لگتی ہیں
جو توسیع پسند انسانوں کی عادت کی زائیدہ ہیں
یا پھر
رنگ و نسل و زبان کی ناقص تقسیموں میں بٹ کر
وحدتِ انسانی کی پرانی پگڈنڈی پر
سدِ سکندر بن کے کھڑی ہیں
لیکن تم اس بحث کو چھوڑو
نقشوں کے اطراف میں دیکھو
چھوٹے چھوٹے نقطے، ٹیڑھے میڑھے خط
اور بے ہنگم سے، بہت ہی ناہموار
مربع اور مثلث
ان صفحوں پر بکھرے ہوئے ہیں
یہ سرکش موجوں کے پیچھے چھپے ہوئے وہ
وہ متروک و گم نام جزیرے ہیں
جن کے ساحل سے شاید اب تک
تاجر ملاحوں کے سفینے ناواقف ہیں

ان گم نام جزیروں میں بھی

زیست کی گہما گہمی ہے اور نفسِ بشر کے سارے

جذبے، ویسے ہی رقصاں ودواں ہیں

جیسے وہ بین الاقوامی شہروں میں رقصندہ ہیں

ان گمنام جزیروں میں بھی

تند جوانی کی برساتیں

رعد و برق کے نعرہ و نور میں

اپنی چھب دکھلاتی ہیں

ان خطّوں میں بسنے والے

شوخ اور نادرہ کار سراپے

اپنی دنیاؤں میں مگن ہیں

چھپے ہوئے نادیدہ ساحل

بحری قزاقوں کے بھٹ ہیں

ان کی اپنی دنیا ہے

ان قطعوں میں پوری پوری دنیائیں ہیں

ان کی مقامی رسموں اور تہواروں میں

قانون بھی ہے اور تقدیس قانون بھی ہے

لامحدود کا ایک تصوّر ان میں بھی تابندہ ہے

سربہ فلک مغرور و بلند و بالا کوہستانوں کی

سنسان فضا میں

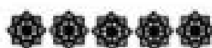
جہاں مہم جوئی کا دم گھٹنے لگتا ہے

جہاں عزیمت کی سانسیں رکنے لگتی ہیں

وہاں بھی دہقان اور چرواہے

اپنے خول میں زندہ ہیں
ان کے بارونق قریوں میں
بوڑھوں کی چوپال سے لے کر
چشموں کی رنگین فضا تک
کتنے جاں پرور عالم ہیں
دامنِ ارضی میں پھیلے جنگلی
جن کے گھناؤ میں دھوپ کی کرنیں
گھسنے سے کتراتی ہیں
بانہوں میں بانہیں ڈالے الجھی شاخیں
اس طرح سے باہم پیوستہ ہیں
کہ بادِ صبا بھی اُن کے اندر
جانے سے گھبراتی ہے
ان کے کناروں پر
یا بیچ کے میدانوں میں
جن وحشی اقوام وقبائل کے ڈیرے ہیں
اُن کے ٹوٹم، ان کی گزشتہ روحیں،
اُن کے لات ومنات وہُبل بھی ساتھ ہی رہتے ہیں
اپنے سارے مال ومویشی ساتھ میں لے کر
دروں، نالوں، ریگستانوں، ویرانوں میں گھومنے والے
شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں کچھ دن رُک کر
نامعلوم اُفق کی جانب سفر کناں یہ خانہ بدوش
بھی اپنے طور وطریق پہ سختی سے عامل ہیں
ان کے عقائد، ان کے رسوم اور ان کے

روایات ان کے لیے
تقدیس کا درجہ رکھتے ہیں
ترسیل وابلاغ کے سارے ہتھکنڈے
جن شہروں کا دستور ہیں
ان کا دعویٰ ہے کہ
یہ دنیا اک بین الاقوامی گاؤں ہے
اور بین الملّلی تہذیب کی حامل ہے
انسانوں کو جتنی قسموں میں بھی تم تقسیم کرو
سب ہی اپنے رسم ورواج کے ساتھ
جہاں میں تابندہ ہیں
غیر معاصر تہذیبیں سب
ایک ہی عصر میں زندہ ہیں
اک بین الاقوامی اور
بین الملّلی تہذیب کو
اپنی شکل پکڑنے میں
لمبی مدت لگتی ہے
جب تہذیبوں میں تہذیبیں ضم ہو جائیں
اصلی جوہر باقی ہو
اور غیر ضروری اجزائے تہذیب فنا ہوں
تب پھر شاید عالمی گاؤں
بطنِ عدم سے ظہور کرے گا



جہاز راں ۔۔نظم ۔۔(غیر مطبوعہ)

مہیب و تاریک رات کے زانوؤں پہ بیٹھا
(جہاں سمندر اور آسماں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے)
اُبھرتے اور ڈولتے جہازوں کے قُمقُموں پر نظر جمائے
خدا ہی جانے کہ اپنی فطرت کے کن بکھیڑوں میں مبتلا تھا
وہ ایک ملّاحِ زخم خوردہ

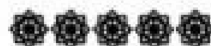
وہ سوچتا تھا
نہ جانے کتنے سخی دنوں اور بخیل راتوں کو
یہ سمندر نگل چکا ہے
اتھاہ گھنگھور رات کے تہہ بہ تہہ اندھیروں کے درمیاں
یہ رواں دواں تیرتا ہوا نور کا جزیرہ
جہاز اپنا
کہ اُس میں یکساں سے روز و شب
اور گی بندھی اک اُداس سی زندگی
مقدر کے لوح پر کیوں لکھی ہوئی ہے
یہ زندگی کیف سے تہی، کیفیت سے عاری
یہ ساتھیوں کے اُداس چہرے کہ جن پہ اکتاہٹوں کی سلوٹ
پڑی ہوئی ہے

کبھی کبھی یہ پہاڑ لوہے کا
ایک تنکے کی طرح

موجوں کے تند حلقوں میں ناچتا ہے
ہوائیں بدمست ہاتھیوں کی طرح سے
چنگھاڑتی چیختی طویل عرشے پہ دوڑتی ہیں
پہاڑ جیسی بلند موجیں ہجوم کی کرتی ہیں ہر طرف سے
کواڑ لوہے کے بجنے لگتے ہیں چار جانب

کبھی اگر اپنی لمبی منقار وا کئے سُرمئی پرندے
سمندروں میں چھپے ہوئے رزق کی طلب میں
پَروں کے جھلنے
اُفق کے ویران حاشیے پر دکھائی دے جائیں
تو یکایک
سکون کی ایک لہر سینے میں جاگتی ہے
کہ ہم کہیں ساحلی زمینوں کے پاس ہی سے گزر رہے ہیں

اُدھر سمندر سے سینکڑوں میل کی مسافت پہ
ایک ہجراں نصیب گھر میں
اندھیری راتوں میں جاگتا بے قرار سایہ
یہ سوچتا تھا کہ کب وہ ملاح
جگنوؤں کے سہانے دن اس کی قربتوں میں بسر کرے گا



چرواہا۔۔نظم۔۔(غیر مطبوعہ)

چھوٹے سے اُس گاؤں کے باہر
شاداب بھی جنگل ہوں گے
اونچے نیچے ٹیلے ہوں گے
بکھرے بکھرے بادل ہوں گے

دوٗر چراگاہوں کی جانب
چرواہوں کے ریوڑ ہوں گے
اُن کے پیچھے حدِ نظر تک
بنجر ہوں گے بیہڑ ہوں گے

لمبے پیڑوں کی شاخوں پر
چڑیاں جھولا جھولتی ہوں گی
شام ڈھلے پہ شفق کی کلیاں
بادل بادل پھولتی ہوں گی

راتوں کی چنچل چمگادڑ
شاخ پہ اُلٹی لٹکی ہوگی
رہٹ بھی پیہم چلتے ہوں گے
رونق بھی پنگھٹ کی ہوگی

گاؤں کے اندر
اُس کے احاطے کی دیوار کی چھاؤں میں بیٹھے

اپنے شکم کی آگ بجھا کر
اونٹ جگالی کرتے ہوں گے
کاش میں اک چرواہا ہوتا
دشت میں اونٹ چراتا پھرتا

کیوں یہ ہزاروں پشتوں کی کوئی کہنہ دستاویز
مرے باطن کے اُفق پر تاباں ہے
چند بڑے نبیوں کا لہو مرے جسم کے اندر دوڑ رہا ہے
کچھ شاہانِ بزرگ آثار بھی
میرے شجرے کی فہرست میں شامل ہیں

اس شجرے کے طول و عرض میں
اکثر عام انسان ہی ہوں گے
نام آور تو کم ہوتے ہیں
کثرت سے بے نام ہی ہوں گے

میں بھی عام انسان ہوں لیکن
وقت نے کتنی چالاکی سے
ایسے ایک طلسمی گھر میں
لا کر مجھ کو قید کیا ہے
جس سے نکلنا ناممکن ہے
اک دروازہ کُھل جائے تو
آگے ایسے سو دروازے ملتے ہیں

جن سب سے ہر ایک پہ
قفلِ ربجد پہرہ دیتا ہے

کشفِ وجود کا روگ لگے جگ بیت گیا ہے
لیکن اب تو شہرت بھی آزار ہوئی

کاش میں اک چرواہا ہوتا
دشت میں اونٹ چراتا پھرتا
اک گم نام مداری ہوتا
گلی گلی بندر کا کھیل دکھاتا پھرتا
گرم دوپہر کی لو سے بچ کر
اُس کے احاطے کی دیوار کی چھاؤں میں بیٹھا
ایک نگاہِ غلط انداز کا سائل ہوتا
زخمی ہوتا، گھائل ہو



غزل۔ا۔(غیر مطبوعہ)

یہ رہبری تو وہی طفلِ خورد سالہ ہے
بڑی لگن سے جسے رہزنوں نے پالا ہے

مجھے زمین کی تاریکیوں سے کیا لینا
میں جل رہا ہوں جہاں پر، وہاں اجالا ہے

میں احتیاج سے دامن چھڑا نہیں سکتا
یہ میری ذات کا سب سے بڑا حوالہ ہے

سمندروں کا یہ گہرا سکوت ہے غماز
کہ عنقریب ہی طوفان آنے والا ہے

کوئی بھی روپ ہو، چھپتا نہیں ہے حُسنِ تمام
کہیں غزالِ ختن ہے کہیں غزالہ ہے

گھروں میں رہ کے خوش اطوار ہوگئی بلّی
نسب کی رو سے مگر شیر ہی کی خالہ ہے

عمل کو عزمِ عمل سے نہیں کوئی نسبت
مقدرات پہ محرومیوں کا تالا ہے

کبھی کسی سے حکومت وفا نہیں کرتی
سو ایک مہلتِ عاجل کا بول بالا ہے

بیان دیں بھی تو نفی و ثبوت کے مابین
سیاستوں نے نیا راستہ نکالا ہے



غزل۔ ۲۔ (غیر مطبوعہ)

مسئلہ میرے کھیتوں کا ہے میں جانوں میرا اہل جانے
وہ کس دشت میں جا برسے گا دوشِ ہوا کا بادل جانے

اپنے وصال کے ساتھ قصے آج کے کھاتوں میں لکھوں گا
ہجر اگر آغاز ہوا تو ہجر کی باتوں کو کل جانے

اُن آنکھوں کا بہتا کاجل میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں
اُن کا درد کوئی کیا جانے آنکھیں جانیں کاجل جانے

میں نے ہمیشہ اُوک سے پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی
جامِ آب کی کمیابی کو مشکی جانے چھاگل جانے

اس آباد خرابے سے قانون بھی رشتہ توڑ گیا ہے
کیا قانون بھی اس بستی کو جانوروں کا جنگل جانے

وہی مسافر منزل کی آسودگیوں کا وارث ہوگا
جو ہر پتھریلے رستے کو بزم کا فرش مخمل جانے

تہذیبوں کی فکر ہو تو شہر کے ہر انسان سے کہہ دو
عاقل ہی کو عاقل سمجھے پاگل ہی کو پاگل جانے

بوتل کا جن تیشے کی اک ضرب سے پھر آزاد ہوا ہے
بوتل کا دکھ تیشہ سمجھے، تیشے کا سکھ بوتل جانے

اُس نے زمیں سمجھ کر اپنے پاؤں رکھے اور ڈوب چلا تھا
اُن لمحوں کے کرب کو شاید جانے بھی تو دلدل جانے



غزل۔ ۳۔ (غیر مطبوعہ)

کبھی بات کاٹ کے ہنس دیئے، کبھی لب پہ پردہ گرا دیا
وہ صراحتوں میں نہیں ملا، جو منافقت نے مزہ دیا

جو حریفِ ظلمتِ شام تھا، وہ خود اپنی آگ میں جل مرا
کوئی یاد دل میں چمک اٹھی، مرے اندروں میں جلا دیا

مرے دل نے چوٹ تو کھائی تھی، مگر اس نے کتنی صفائی سے
مرے آنسوؤں کے بہاؤ کو، مرے قہقہوں میں چھپا دیا

کبھی تم نے دیکھی ہیں نیل گائے کی انکھڑیوں میں جوانیاں
تمہیں کیا پتہ کہ اُن انکھڑیوں نے نگاہِ شوق کو کیا دیا

کبھی تم بھی میرے سوال کا کوئی دل نشیں سا جواب دو
وہ جو نا روا سا جواب تھا اسے سُن کے ہم نے بھلا دیا

وہ جہاز راں بھی ساچنا تھا اُتر کے اپنے جہاز سے
جو سمندروں میں جلا رہا اسے ساحلوں نے بجھا دیا

ہم ازل سے خیمہ بدوش ہیں نئے پانیوں کی تلاش میں
جہاں تاب پانی کی دیکھ لی وہیں اپنا خیمہ لگا دیا

وہ جو لوگ تھے وہ چلے گئے، مگر اپنی یاد تو دے گئے
کہیں چند اُجڑے سے بام و در، کہیں کوئی ٹوٹا ہوا دیا

وہ مچھیرا رہتا ہے آج بھی کہیں دور سے ساحلی گاؤں میں
سرِ راہ ملنے پہ پوچھتا ہے کہ آپ کو شہر نے کیا دیا

خ

مُہمل شاعری

اردو کی مُہمل شاعری خود ایک مستقل عنوان ہے۔ قدیم شعرا نے اس میدان میں اپنی جودتِ فکر کے گھوڑے بہت کم دوڑائے ہیں کیونکہ مزاحیہ شاعری اور مُہمل شاعری میں ایک باریک فرق ہے اور وہ یہ کہ مزاحیہ شعر ظریفانہ افکار کے باوجود بامعنی ہوتا ہے لیکن مُہمل شعر کا کسی حد تک بے معنی ہونا ضروری ہے اور خیالات اتنے بے ساختہ ہوں کہ کہیں بھی بناوٹ نام کو بھی نہ ہو۔ ذوق کا یہ شعر اب تک زباں زد ہے:

ٹوٹی دریا کی کلائی زلف اُلجھی بام میں
مورچہ مخمل میں دیکھا آدمی بادام میں

علامہ صاحب کے مزاج میں ظرافت فطری شے تھی اس لیے وہ اس میدان کے شہسوار ٹھہرے۔ حالانکہ خطابت کے سبب ان کا بنیادی شعبہ خاصہ سنجیدہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے انہوں نے اس میدان میں بھی زمین و آسمان ایک کر دیے۔ ایسے اشعار بچپن ہی میں کہنا شروع کیے۔ زمانہ طالب علمی کا ایک مصرع مجھے سنایا تھا:

چوہے جب حوض پہ آئیں گے مقلد بن گے

متعدد بار جوش ملیح آبادی نے ان کے مہمل اشعار کی تعریف کی اور اکثر فرمائش کر کے سنتے تھے۔ ایک بار مہمل شعر سن کر ان الفاظ میں داد دی۔

''حضرت جب فکر سخن کرنے بیٹھتے ہیں تو اللہ دو فرشتے معین کرتا ہے ایک کیاڑی میں ایک لانڈھی میں کہ آج معانی شہر میں داخل نہ ہونے پائیں۔ حضرت فکر سخن کر رہے ہیں''۔

لاہور مین شعرا کا وسیع طبقہ علامہ صاحب کے اس فن کا معترف تھا۔ وہ جب بھی کسی شاعر سے پہلی بار ملتے تھے تو آغاز گفتگو ان ہی شعروں سے ہوتا تھا اور اختتام نشست پر شاعر علامہ صاحب کے ایک عظیم الشان شاعر ہونے کے تصور اور اعلان کے ساتھ اٹھتا تھا۔

لاہور میں علامہ صاحب کے عزیز ترین دوست سید سہیل زیدی کے گھر پر شعراء کی دعوت تھی۔ احمد ندیم قاسمی بھی مدعو تھے۔ وہ چلتے ہوئے علامہ صاحب کے کمرے تک پہنچ گئے وہاں ان کے بستر کے سرہانے ابن سینا کی الشفاء، فارابی کی السیاست المدنیہ اور دیگر دقیق اور مشکل علوم پر کتابیں دیکھیں تو بے اختیار کہا:

''جب یہ پڑھیں گے تو وہ کہیں گے''۔

علامہ صاحب کو ایک عظیم مفسر، خطیب، مدرس اور مذہبی رہنما کی حیثیت سے سوچنے کے بعد یقیناً ایک نئے قاری کے لیے ان کے یہ اشعار حیرت کا باعث ضرور ہوں گے لیکن اگر بلحاظ فن ان اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو پورے اردو ادب میں وہ اس دشت کے تنہا مسافر ہیں۔ انہوں نے ہر میے بھی کہے اور خوب کہے لیکن قدیم شعرا کی روش کو تبدیل کیا اور اس میں لغو اور فحش مضامین کو ہٹا کر مہمل اور غیر مانوس ظریفانہ افکار کو داخل کر کے اپنی ایک الگ اور منفرد راہ نکالی۔ چند نمونے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

جب اونٹ نے پتنگ کو اذنِ سفر دیا — تب مرغ آگہی نے پیپتے میں سر دیا

عالمِ لاہوت میں ابلیس کی بیخ کون ہے — میں اگر ملتے کا خالو ہوں تو بطخ کون ہے

چھوڑ مروّت اور تکلف بھاگ یہاں سے — اٹی ہوگئی پاگل یوسف بھاگ یہاں سے

اے خسرِ کائناتِ ادب جلو ریز ہو — خوش دامنِ حیات سے گرم ستیز ہو

ہم زلف زندگی کے لیے عطر بیز ہو
داماد فن کے واسطے افسانہ خیز ہو

کھڑکی سے بھاگتی تھی بہو حادثات کی
گھوڑا لیے کھڑا تھا چنبیلی حیات کی

جب مرے گھر کے بھبوکے سے چھچھوندر نکلی
چھپکلی دودھ پلاتی ہوئی باہر نکلی

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
قیس کی بھینسوں میں گھر کر وہ پریشاں ہوگئیں

چھوٹا سا ایک ملک جو بڑے ملک کے ساتھ ہے
بلبل کے گھونسلے میں نہ نفٹ ہے نہ پاٹ ہے

ہاتھی تو با تفصیل ہے طوطا اگر اجمال ہے
سارا بدن تو سبز ہے بس چونچ اس کی لال ہے

لومڑی ڈوبی تو بھوچکے نے ساحل سے کہاں
یہ وہ گھوڑے ہیں کہ جن سے مرغیاں شرمائیں گی

ہم سے کھل جاؤ بوقت خوش لباسی ایک دن
ورنہ ہم کرلیں گے غسل ارتماسی ایک دن

آج دریا ہے نبرد موج کی ڈاڑھی سے کیوں
مرغیاں اتنی اُگیں اجزائے ایماں ہوگئیں

دل کا یہ پیغام ہے رسم زباں بندی کے نام
مرغیوں کے شور سے دریاں پریشاں ہوگئیں

جب مینگنی چپک گئی بکرے کی ناف سے
بکری نے دی صدا یہ نکل کر لحاف سے

چوہے کہاں ہیں توپ نکالیں غلاف سے
پریاں نہیں بٹیر اُڑیں کوہ قاف سے

مقتل میں کوئی راہ نہ تھی ہیر پھیر کی
اہل زبان پیتے تھے یخنی بٹیر کی

وہ لوگ شمر کی اولاد تھے جو کل شب میں
اُٹھا کے لے گئے خیمے سے ذوالجناح کی گھاس

اگر یہ سچ ہے کہ خود بانس ہی بریلی ہے
تو پھر کباب کا زچے سے رابطہ کیا ہے

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
حلق تک آکے جھانکتا کیا ہے

جب فنا ہی فشار بنتی ہے
اُن کے شوہر کا پھر پتہ کیا ہے

جب حریم ناز اللہ یار کے ٹنڈو میں تھا
مرغ بے ختنہ کلا نیچیں بھر کے کھنڈو میں تھا

جب خیر اپنے پور کا دانائے راز تھا
ایندان سے پر نکل کے سڑک پر دراز تھا

اس کی خواہش میں کیا جانوں فطری تھی کہ جبلی تھی
چوہا باون گز کا تھا اور بیس منٹ کی بلی تھی

پپو جناب اسپ رسالت کی باگ ہیں
پپو جناب دال ہیں روٹی ہیں ساگ ہیں

عقل میں رکھی ہوئی ہیں کوہ پیکر روٹیاں
دُم اُٹھا کر دیکھتی ہیں میرا اسطر روٹیاں

اے پراٹھے اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں



اُن کی مرثیہ گوئی سے متعلق چند ضروری باتیں

علامہ صاحب نے پہلا مرثیہ ''وجودِ باری'' کے عنوان سے کہا اور سب سے پہلے منور عباس ایڈوکیٹ کے گھر پڑھا۔ اس مجلس میں جوش صاحب بھی موجود تھے۔ مرثیہ کیونکہ توحید سے متعلق تھا اس لیے اسی حال کی ایک رباعی پڑھی دوسری رباعی جوش صاحب کی مشہور رباعی تھی جس میں تصرف کیا اور جوش صاحب نے اس کی تعریف بھی کی:

اسرار نہ اہلِ کیف و کم سے پوچھو
حکمت نہ کلیسا و حرم سے پوچھو
تشکیک ہے جہلِ نفی و اثبات کا نام
ہم مدعیِ علم ہیں ہم سے پوچھو



کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
اس قوم کو ادراکِ شہادت ہوگا
جو قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ



یہی مرثیہ ایک بار کوثر الہ آبادی کے گھر پر پڑھا تھا۔ یہ مجلس انجمن سفینۂ ادب (شاہ فیصل کالونی ۵ نمبر، کراچی) کی جانب سے منعقد ہوئی تھی۔

دوسرا مرثیہ ''ہدایت'' صرف ایک بار آغا قمر حسنین کے گھر پر پڑھا تھا اور اس میں مندرجہ بالا دو رباعیاں بھی پڑھیں۔

اس طرح سے انہوں نے زندگی میں صرف تین بار اپنا مرثیہ خود پڑھا۔

دو مرثیے بعنوان ''تدوینِ حدیث'' اور ''جبر و اختیار'' ناتمام رہے اور ضائع ہو گئے۔

مرثیہ ''تدوینِ حدیث'' کی ایک بیت مجھے انہوں نے سنائی تھی جو یہ ہے:

چراغِ راہِ ہدایت ہو کیوں کسی کی کتاب
کہ سامنے ہے کلینی و مجلسی کی کتاب



باب ۔ ۱۴

بچوں کے ادب میں علامہ صاحب کی خدمات

اردو زبان میں بچوں کے ادب کے اولین نقوش کا سلسلہ خالق باری جیسی کتابوں سے شروع ہوتا ہے جس میں اخلاق و ادب کی جگہ لغت اور ذخیرہ الفاظ زبان و بیان سکھانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد بچوں کے ادب کی جھلکیاں ہمیں غالبؔ کے قادر نامے اور نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں نظر آتی ہے اور اس ادب کا اصل آغاز ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک سے شروع ہوا۔

ادب اطفال کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اردو میں بچوں کے ادب کی ابتداء ہی درس کتب سے ہوتی ہے حالانکہ ادب اطفال کی کتابوں کی تدوین میں بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں۔ کتب کی تدوین اور ترتیب کے فن کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو ان کا حق تھا۔ بچے جامد تختی نہیں بلکہ وہ متحرک شئے ہیں۔ بچے سیماب صفت ہوتے ہیں وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتے چلبلا پن ان کی فطرت ہے اسی لیے ان کو ایسا ادب فراہم کیا جائے جس کے پڑھنے سے ان کے تخیل میں وسعت پیدا ہو ذہنی اور جسمانی ردعمل ہو۔ ان میں مطالعے کی عادت شوق عمر کے لحاظ سے بڑھتا ہے وہ جنوں بھوتوں پریوں شہزادوں کی داستان ان کے لیے بڑے شوق اور دلچسپی کی چیز ہوتی ہے۔ بچوں کیلیے اخلاقی تاریخی کہانیاں لکھنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ چنانچہ تاریخی کہانیوں کو دلچسپ اور پرکشش مفید بنانے کیلیے مصنف کے اسلوب اور طرز تحریر کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ تاریخی واقعات کو جوں کا توں بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ قاری کو اس دور کی جھلک بھی دکھانا ہوتا ہے۔

اگر ہم بچوں کے ادب کے مدارج دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ بچوں کے ادب کی ترقی کا

سلسلہ انیسویں صدی سے شروع ہوا اور بیسویں صدی میں تو اس میں ایک زبردست انقلاب آیا اس صدی میں بچوں کا ادب عروج کی منزلوں پر پہنچ گیا۔

مشرقی ملکوں میں بچوں کے ادب میں زندگی کے مادی پہلوؤں مذہب اخلاق پر خاص طور سے توجہ دی گئی جیسے پنچ تنتر میں دلچسپ کہانیوں کے ذریعہ اخلاق وحکمت کی تعلیم دی گئی۔ بچے کا کائنات سے اولین رابطہ کہانیوں کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے یعنی طوطے، مینا، پریوں، پرندوں، راجاؤں، پھولوں کی کہانیوں کے ذریعہ وہ اردگرد کی چیزوں سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ کہانیوں کے کردار اس کے اردگرد گھومنے لگتے ہیں۔ اور وہ خود کو ان چیزوں کا ایک حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ ان کہانیوں کے ذریعہ وہ ان چیزوں کو اپنانے اور رد کرنے کا عمل سیکھتا ہے۔ ڈرامے کی دنیا بچوں کی اپنی دنیا ہوتی ہے۔ جہاں پر وہ خود کو وہ کردار ادا کرتے دیکھتا ہے۔ جس کو وہ کتابوں میں پڑھتا ہے اسی لیے بچے ڈرامے بھی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کے ڈرامے بہت سادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اس کو بڑے شوق سے اپناتے ہیں تصویر بھی بچے کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ تصویر کا تعلق راست دل اور نظر سے ہوتا ہے۔ یہ بچوں کی قوت متخیلہ بڑھاتی ہے تصویر کی مدد سے وہ تمام چیزوں سے واقف ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ بچوں کے ادب کی اہم خصوصیت اس کا حیرت واستعجاب ہے اس کی وجہ سے بچوں میں کیوں، کیا اور کیسے کب جیسے سوالات اٹھتے ہیں۔ چونکہ بچہ کی فطرت متجس ہوتی ہے اس لیے بچوں کے ادب میں بھی حیرت اور تجس کا عنصر ہونا بھی ضروری ہے۔ کبھی وہ جانور کی شکل تو کبھی دیو اور بھوت تو کبھی پری کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسی لیے پنچ تنتر میں جانوروں کی بولی کی وجہ سے وہ اتنی دلچسپ اور انوکھی چیز بن گئی کہ صدیوں کے بعد بھی اس ادب کا مزہ تروتازہ ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کے ادب میں نظمیں کہانیاں ایسی ہوں جن میں صحت وصفائی میں ان چیزوں کو اپنا لے۔ اس کے علاوہ بچوں کے ادب کی زبان جو سادہ عام فہم اور مزہ دار ہو جو روزمرہ کے الفاظ پر مشتمل ہوں۔ جن کو پڑھ کر بچے نہ صرف لطف اندوز ہوں بلکہ وہ کہانی کی چاشنی کو محسوس کریں اس کے بعد بچوں کی سیرت کی تعمیر ہو مذہبی عقائد کے قصے بزرگوں کی

کہانیاں ان کی سیرت بہادروں کے کارنامے، خدا کا خوف، سیرت سے واقفیت بھی ادب اطفال کے ادیبوں کی اہم ذمہ داری ہے۔ ادب اطفال کی سب سے اہم ذمہ داری یکجہتی ، بھائی چارگی، حب الوطنی، آپسی میل ملاپ کا بڑھاوا ہو۔ ان کی تربیت میں نفرت، عداوت جلن جیسی رزیل چیزوں کی ان کی سیرتوں سے پرے رکھنا بھی ادیب کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ ان کے موضوعات ایسے ہوں جن میں ہمیشہ نیاپن ہو کیونکہ وہ ایک جیسی چیزوں سے اکتا جاتے ہیں۔

اس وقت کیونکہ ہم علامہ صاحب کو بحیثیت شاعر دیکھ رہے ہیں اس لیے یہاں یہ انکشاف بھی کیا جاتا ہے کہ علامہ صاحب نے اس میدان میں بھی یادگار نقوش چھوڑے ہیں۔ یہ دراصل وہ نظمیں ہیں جو وہ دن بھر کی مصروفیات سے فرصت پانے کے بعد جب اپنی اولادوں کے درمیان ہوتے تھے تو یہ نظمیں فی البدیہہ کہتے تھے۔ اس کے کاتب بیشتر مولانا امجد جوہری ہوا کرتے تھے اور یہ نظمیں بھی مجھے ان ہی کے توسط سے دستیاب ہو سکیں ۔ یہ نظمیں علامہ صاحب کی شخصیت کا ایک اور متحیر کردینے والا رُخ پیش کرتی ہیں ۔ ان نظموں میں وہ تمام کمالات موجود ہیں جو ایک ذہین بچے کی فکری اور اخلاقی تربیت کے لیے کافی ہیں۔ سرِدست یہ غیر مطبوعہ نظمیں پیش خدمت ہیں مستقبل میں یہ تحقیق کا موضوع بنیں گی اور اس پر اہلِ نظر اپنی رائے دیں گے۔ یہ نظمیں اس پائے کی ہیں کہ انہیں اسکول کے نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔

تتلی کا بچہ

تتلی کا ایک بچہ گلشن میں اُڑ رہا تھا
پودوں سے کھیلتا تھا شاخوں میں مڑ رہا تھا

تھا مست اپنی دھن میں خوشیوں سے وہ مگن تھا
موسم بہار کا تھا پھولا ہوا چمن تھا

رنگین گُل کھلے تھے شاخوں پہ نیلے پیلے
سرسبز ہو گئے تھے ویران سے جو ٹیلے

بچہ جو اُڑتے اُڑتے ٹیلے کے پاس پہنچا
واں پر کھڑا ہوا تھا اک بدمعاش بھنورا

بچہ اکیلا پا کے فوراً جھپٹ کے آیا
شاخوں پہ تھرتھرایا اور پھر پلٹ کے آیا

بھنورے کی حرکتوں سے بچہ ڈرا ہوا تھا
یہ سوچتا تھا مجھ کو کھا جائے گا یہ بھنورا

اللہ کیا کروں میں چھپ کر کہاں میں جاؤں
ننھی سی جان میری کیسے اسے بچاؤں

اتنے میں ایک جگنو وارد ہوا چمن میں
برسوں کے بعد اس دن آیا تھا وہ وطن میں

وہ اپنے گھر کی جانب اُڑتا ہوا رواں تھا
بچوں کو دیکھنے کا جذبہ بہت جواں تھا

دیکھا کہ ایک بچہ تتلی کا ہے ہراساں
اور کر رہا ہے اس کو بھنورا وہاں پریشاں

جگنو نے پھر یہ سوچا میں ہوں بہت ہی چھوٹا
یہ بدمعاش بھنورا لیکن بہت ہی موٹا

میں کیسے اس سے نمٹوں کیسے اسے بھگاؤں
بچے کو ساتھ لے کر پھر اپنے گھر کو جاؤں

اک آم کے شجر پہ بیٹھی تھی اک گلہری
سر اُس کا تھا گلابی دم تھی بہت سنہری

اک مرتبہ پکاری اے میرے پیارے جگنو
اتنے دنوں کہاں تھے میں ڈھونڈتی تھی تم کو

بچے کو ساتھ لے کر آجاؤ تم یہاں پر
اپنا قیام کچھ دن رکھو اسی مکاں پر

بھنورا جو پاس آیا کھا جاؤں گا میں اس کو
اس آم کی جڑوں سے کٹواؤں گی میں اس کو

یہ بات سن کے بھنورا بھاگا جو......
آرام سے رہا پھر بچہ بھی اپنے گھر میں

خالہ بلّی

لو سنو داستان بلّی کی
وہ پڑوسن تھی شیخ چلّی کی

موٹی موٹی تھی اور کالی تھی
اک حویلی کی رہنے والی تھی

وہ حویلی بڑی بھیانک تھی
اس پہ چھائی ہوئی تھی تنہائی

نا تھا کھانے کو کچھ نہ پینے کو
آسرا تھا نہ کوئی جینے کو

اس حویلی میں یہ اکیلی ذات
کاٹتی تھی اداسیوں کی رات

جب بہت بھوک اسے ستاتی تھی
تب حویلی سے باہر آتی تھی

گھومتی تھی چھتوں پر آنگن میں
ڈال دیتی تھی منہ کو برتن میں

جو بھی ملتا تھا اس کو کھاتی تھی
اور حویلی کو واپس آتی تھی

ایک دن جب کہ اس کو کچھ نہ ملا
شیخ چلّی کے گھر میں جا جھانکا

شیخ چلی کی مرغیاں دیکھیں　　گڑگڑاتی یہاں وہاں دیکھیں

بھوک چمکی جو خوب بلّی کی　　مرغیاں کھائیں شیخ چلی کی

بیٹھ کر وہ بلار کرنے لگی　　اپنے در کو نہار کرنے لگی

پڑ گئی شیخ کی جو اس پہ نظر　　دوڑا ڈنڈے کو ہاتھ میں لے کر

وہ چھپی جا کے اک بچھونے میں　　پھر بچھونے سے ایک کونے میں

آخرش شیر نے اس کو پکڑ لیا　　ایک تھیلے میں اس کو بند کیا

جا کے جنگل میں اس کو چھوڑ دیا　　رشتہ بستی سے اس کا توڑ دیا

اب اکیلی تھی جان بلّی کی　　ہر طرف تھی محیط تنہائی

میاؤں کرتی تھی اور چلتی تھی　　رات کو کروٹیں بدلتی تھی

ایک دن کر رہی تھی اپنا سفر　　کہ ہوا اس کا اک کنویں سے گزر

وہ کنواں بھی بہت پرانا تھا　　اس کے اندر سے آ رہی تھی صدا

کوئی مجھ کو اگر بچا لے گا　　میرے گھر بھر کی وہ دُعا لے گا

میں اسے مالا مال کر دوں گا　　اس کو فوراً نہال کر دوں گا

یہ صدا جونہی کان میں آئی　　بلّی فوراً کنویں میں جا کودی

دیکھا ایک عالی شان کمرہ ہے　　چوہوں کا چار سمت پہرہ ہے

بیچ میں اک جوان لیٹا ہے　　جو کسی بادشہ کا بیٹا ہے

کسی ظالم نے اس کو رسی سے　　.................. باندھا ہے

بلّی چوہوں سے ڈانٹ کر بولی　　کھیلتے ہو جو خون کی ہولی

فکرِ خالق نہیں ہے تم کو ذرا　　منہ دکھاؤ گے کس طرح اپنا

جلد رسّی کو اس کی تم کاٹو　　ورنہ کھا جاؤں گی میں تم سب کو

ڈر کے چوہوں نے اس کو کھول دیا　　جب رہا ہوگیا وہ شہزادہ

آیا بلّی کے پاس اور بولا　　آپ کا حق نہ ہو سکے گا ادا

خالہ بلّی میں آپ پر قربان — آپ نے تو بچائی میری جان
اب چلیں آپ میرے گھر رہنے — چائے پینے کہانیاں کہنے
دونوں پہنچے محل میں جب شب کو — یہ خبر دی گئی وہاں سب کو
آئیں اور جھک کے سب سلام کریں — خالہ بلّی کا احترام کریں
نظم اب ختم ہو گئی امجد — اور خلقت بھی سو گئی امجد
تم بھی اب اس کا اختتام کرو — خالہ بلّی کا احترام کرو
اپنے بستر پہ جا کے سو جاؤ — نیند کی وادیوں میں کھو جاؤ

۶ رمضان......

اُود بلاؤ

ایک تھا بھوکا اُود بلاؤ — ڈھونڈ رہا تھا مرغ پلاؤ
چلتے چلتے جنگل میں — پہنچا وہ ایک دلدل میں
دیکھا اُس نے ہاتھی کو — بچھو کو اور بکری کو
چیتوں کو اور شیروں کو — بھینسوں کو اور ہرنوں کو
ڈوب رہے تھے دلدل میں — خوف سے ڈوبی تھی نبضیں
اُود بلاؤ نے سوچا — ان کو بچانا ہے اچھا
ورنہ یہ سارے حیوان — مر جائیں گے بے پہچان
بستی کو وہ دوڑ گیا — اک بڑھیا کے گھر پہنچا
بڑھیا سے رسّی مانگی — اور دلدل میں لا پھینکی
جانوروں سے پھر یہ کہا — پکڑو تم رسّی کا سرا
جانوروں نے پکڑ لیا — جلدی سے رسّی کا سرا
اُود بلاؤ نے پھر تو — کھینچ لیا اس رسّی کو
پھر جو حیواں تھے سارے — زندہ دلدل سے نکلے

اُودبلاؤ کے آگے سب نے اپنے سر ٹیکے
اور کہا اے اُودبلاؤ اپنی خواہش ہم کو بتاؤ
تب یہ بولا اُودبلاؤ ہم کو کھلاؤ مرغ پلاؤ
سب نے اپنے گھر جا کر مرغ پلاؤ پکوا کر
اُودبلاؤ کو بھیجا یہ تھا اُس کا شکرانہ
اُودبلاؤ نے کھانا ایک مہینے تک کھایا
ختم کہانی ہوتی ہے ساری خلقت سوتی ہے

چودہ چوہے

چودہ چوہے گھر سے نکلے کھانے گئے حلیم چھ چوہوں نے پانی مانگا آٹھ نے مانگی نیم
نیم کو پی کر آٹھوں چوہے ہو گئے بالکل مست پانی پی لیا تھا چھ چوہوں نے ان کو لگ گئے دست
چودہ کے چودہ چوہوں کی حالت ہوئی سقیم بستی والے دوڑ کے پہنچے لے کر آئے حکیم
اچھے ہو گئے سارے چوہے پہلے تھے بیمار دوسرے دن سے شروع کیا پھر سب نے کاروبار

۲۸رستمبر۱۹۸۸ء

اک چھوٹی چڑیا

ایک دن کا قصہ سن لو ذرا سا ایک چھوٹی چڑیا ہمت کی پڑیا
اڑتی گئی وہ مڑتی گئی وہ اُڑنے سے ہاری چڑیا بیچاری
لہرا رہی تھی بل کھا رہی تھی ہر سمت جنگل ہر سمت جھاڑی
موسم تھا ٹھنڈا شب تھی اندھیری بولی یہ چڑیا قسمت ہے میری
کیسے میں اپنے گھر جاؤں گی اب دہشت کے مارے مر جاؤں گی اب
بیٹھے ہوئے ہیں جنگل میں ہر سو پتّوں پہ جگنو ٹہنی پہ اُلّو
ان کو پکاروں ان کو بلاؤں ان کی مدد سے پھر گھر کو جاؤں

کوئل وہاں پر سوئی ہوئی تھی — سن کے صدا یہ جلدی سے اٹھی
پھر یہ پکاری .... — اے پیاری چڑیا ہمت کی پڑیا
اب میرے گھر میں آکر رہو تم — اپنی کہانی مجھ سے کہو تم
کل صبح ہوگی پھیلیں گی کرنیں — دیکھے گا سورج ....
اس وقت اُٹھ کر تم گھر کو جانا — اپنا فسانہ سب کو سنانا
چڑیا نے سو کر یوں شب گزاری — پھر واں سے اُڑ کر بستی کو آئی
پھولوں کو دیکھا اور کھلکھلائی

۱۹۸۶ء

مچھلی کا بچہ

مچھلی کا بچہ — جھوٹا نہ سچا
انڈے سے نکلا — پانی میں تیرا
دریا میں گھوما — پودوں کو چوما
موجوں سے اُلجھا — لہروں میں کھیلا
ایکدن سویرے — آئے مچھیرے
پاؤں پسارے — دریا کنارے
ساماں نکالا — پھر جال ڈالا
بچہ وہیں تھا — اُن کے قریں تھا
دیکھا جو چارا — آیا بے چارا
جکڑا گیا وہ — پکڑا گیا وہ
بکنے کو آیا — ہم نے خریدا
اتی نے چل کر — پھر اس کو تل کر
ہم کو کھلایا — کیا لطف آیا

۳؍مارچ ۱۹۸۷ء

باگڑ بلّے

چھوٹے سے اک جنگل میں　　باگڑ بلّے رہتے تھے
ہوتی تھی جب رات وہاں　　دُکھ سردی کے سہتے تھے
چائے بنا کر پیتے تھے　　اور کہانی کہتے تھے
ایک اندھیری رات تھی وہ　　اور بھری برسات تھی وہ
باگڑ بلّے سب کے سب　　کھانا کھا کر لیٹے تھے
صحت ان کی اچھی تھی　　قسمت کے وہ ہیٹے تھے
رات کو آیا شیر وہاں　　قسمت لائی گھیر وہاں
بھوکا تھا اور پیاسا تھا　　پیڑ کے نیچے بیٹھا تھا
اتنے میں آئی نیند اُسے　　سو گیا جھاڑی کے نیچے
گونجا اس کا خراٹا　　ختم ہوا بس سناٹا
باگڑ بلّے یہ سمجھے　　بادل خوب گرجتا ہے
جب یہ بادل برسے گا　　گھر بھی اپنا ٹپکے گا
اس لیے گھر کو چھوڑ چلے　　جنگل سے منہ موڑ چلے
شیر نے گھر خالی پایا　　فوراً اس میں گھس آیا
گھر کو سجا کے رہنے　　لگا اور کہانی کہنے لگا

۱۹۸۹ء

لومڑ

چھوٹا سا ایک لومڑ بستی میں گھومتا تھا　　کھیتوں کو دیکھتا تھا پودوں کو چومتا تھا
گرمی کی دوپہر تھی تھے لوگ اپنے گھر میں　　غصے سے سرخ سورج مشغول تھا سفر میں
تھا دھوپ کی تپش میں لومڑ بہت پریشاں　　بھوکا تھا اور پیاسا حیراں تھا اور گریاں

بستی میں چلتے چلتے آئی نظر پہاڑی ۔۔۔ چاروں طرف زمیں میں پھیلی ہوئی تھی جھاڑی

سائے میں جھاڑیوں کے بچھو کھڑا ہوا تھا ۔۔۔ اُن جھاڑیوں میں ہی وہ پل کر بڑا ہوا تھا

بچھو نے یوں پکارا اے میرے پیارے لومڑ ۔۔۔ کیوں بھاگتے ہو ہم سے کیوں کر رہے ہو گڑبڑ

آؤ ہمارے گھر میں آرام سے رہو تم ۔۔۔ میری بھی کچھ سنو تم اپنی بھی کچھ کہو تم

ناگاہ ڈرتے ڈرتے لومڑ قریب آیا ۔۔۔ بچھو کے پاس بیٹھا اور اپنا سر جھکایا

کہنے لگا کہ میں ہوں تنہا اُداس لومڑ ۔۔۔ ہے میری زندگی پر بربادیوں کا پت جھڑ

میرے عزیز سارے مجھ سے بچھڑ گئے ہیں ۔۔۔ میرے نصیب کے سب تیور بگڑ گئے ہیں

کہنے لگا یہ بچھو بس آج سے یہ سن لو ۔۔۔ تم آج سے ہو بھائی یہ بات یاد رکھو

لومڑ نے اپنے سر پہ بچھو کو پھر بٹھایا ۔۔۔ تھوڑا سا بڑبڑایا تھوڑا سا گنگنایا

پھر دونوں بھائی نکلے جنگل میں گھومنے کو ۔۔۔ دیکھا کہ ایک اژدر روکے ہے راستے کو

اس اژدھے کو بالکل بھاتے نہیں پپیتے ۔۔۔ کھاتا ہے روز دن میں جنگل کے شیر چیتے

وہ اژدھا بہت ہے سفاک اور قاتل ۔۔۔ جنگل کے باسیوں کو کرتا ہے اور گھائل

لومڑ نے اس کو دیکھا اور رک گیا وہیں پر ۔۔۔ فوراً اتر کے بچھو چلنے لگا زمیں پر

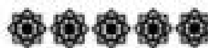
بچھو جھاڑیوں میں چھپ چھپ کے چل رہا تھا ۔۔۔ اژدر کو ڈنک مارے یہ دل میں پل رہا تھا

چھپ کر وہ اژدھے کے پیچھے پہنچ گیا جب ۔۔۔ سوچا کہ دُم پہ چڑھ کر بر لاؤں اپنا مطلب

اژدر تڑپ تڑپ کے بے جان ہو گیا جب ۔۔۔ اژدر کی کھوپڑی سے بچھو اُتر گیا تب

پھر قہقہہ لگاتا لومڑ کے پاس آیا ۔۔۔ اور پورا واقعہ بھی لومڑ کو کہہ سنایا

پھر دونوں بھائی نکلے جنگل میں گھومنے کو ۔۔۔ کھیتوں کو دیکھنے کو پودوں کو چومنے کو



باب ۔ ۱۵

علامہ طالب جوہری کو منظوم خراجِ عقیدت

دلاور فگار

علامہ طالب جوہری کی چائے

میرے دوست اے سرفرازِ ابد — طلب چائے کی ہے بہت ہی اشد
ہیں علامہ جو طالبؔ جوہری — ہے حاصل جنہیں علم میں سروری
پلاتے ہیں وہ ایسی مخصوص چائے — جو انسانِ کج رو کو مومن بنائے
چلو ان کے گھر چل کے پیتے ہیں چائے — وہ چائے جو داغِ معاصی مٹائے
وہ چائے کہ ہے جس میں ایسا سرور — ملے جس سے انساں کو عقل و شعور
وہ چائے جو جذبہ گرمائے ہے — شرابِ طہورا ہے یا چائے ہے؟
وہ چائے جو رکھتی ہے کیفِ ازل — نہیں کوئی مشروب جس کا بدل
وہ چائے جو آنکھوں کو بینائی دے — وہ چائے جو دل کو توانائی دے
وہ چائے جو رکھتی ہے خوشبوئے گُل — اُٹھاتی ہے جو پردۂ جزو کُل
اسی چائے سے بڑھتا ہے نورِ عین — لیے ہے یہ خوشبوئے ذکرِ حسینؑ
یہ نیچے اُترتی ہے جب حلق سے — تو سمجھو خدا مل گیا خلق سے
بشر جو معزز ولایت سے ہے — رگ و پے میں اس کی سرایت سے ہے
پڑھے چائے پی کے جو نادِ علیؑ — وہ انسان بن جائے پورا ولی
اسے دیکھ کے لب کشا ہیں گلاب — کہ لذّت میں اس کا نہیں کچھ جواب
سمائے یہ کیا ظرفِ انسان میں — سمندر ہے صرف ایک فنجان میں
ہے چائے کے اک جرعہ میں وہ اثر — کہ جس سے ہوئی مست روحِ بشر
لکھوں کیسے کیا چائے کا حال ہے — یہ چائے نہیں کیفِ سیّال ہے

یہ چائے جو ہے ہدیۂ جوہری
جواہر کی تاثیر سے ہے بھری

یہ ہے طالبِ جوہری کا کرم
جو رکھ لیتے ہیں شاعروں کا بھرم

جو اپنی رگوں میں پہنچ جائے ٹی
تو آئے نہ کیوں روح میں پائٹی

یہ چائے جو رکھتی ہے خاص اک مزاج
ہے بیمارِ غم کا یہ آساں علاج

اگر تجھ کو ایسا مرض ہے کوئی
تو محفل میں علامہ کی چائے پی

یہ چائے وہ خوش رنگ مشروب ہے
جو خاصانِ مولا کو محبوب ہے

پیئے طالب جوہری سے جو چائے
وہ ہوٹل کی چائے کو کیا منہ لگائے

ہے اس چائے کی اور ہی ماہیت
کہ ہر چائے میں کب ہے یہ چائیت

دلاور فگار

۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء

راغبؔ مرادآبادی

اہلِ دولت ہی فوڈ رچ کھاتے ہیں
ہم تو معدے سے ہو کے زچ کھاتے ہیں
کاشانۂ علامہ میں آنے والے
بے مثل و نظیر سینڈ وِچ کھاتے ہیں



علامہ کا ہے مدِ مقابل نہ حریف
اک معجزہ ہیں، آپ کے اشعارِ لطیف
اللہ رے قصیدۂ جنابِ طالب
کی حضرتِ جوشؔ نے بہت ہی تعریف



اُس روز بھی "بزمِ آرزو" میں، مَیں تھا
علامہ نے جب قصیدہ بے مثل پڑھا
علامۂ طالب ہیں، شاعر بھی یکتا
یہ حضرتِ جوشؔ نے بالاعلان کہا

۱۱ر جولائی ۲۰۰۷ء



پروفیسر حسن اکبر کمال

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی وفات پر کہا:

جو علم و دانش و دیں کا یہاں بجھا ہے چراغ — وہی بہشت کے اک طاق میں سجا ہے چراغ
کمال اب یہ سکوں ہے کہ صورتِ طالبؔ — اسی گھرانے میں ایک اور جل رہا ہے چراغ

وحیدالحسن ہاشمی

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی وفات پر کہے گئے مرثیے میں فرماتے ہیں:

یہاں نظر تھی جو خیرِ امور کی جانب — سدا تحفظِ دیں کی طرف رہے راغب
ادائے اجرِ رسالت کو جان کر واجب — خوشی سے پال کے ملت کو دے دیا طالبؔ

نہ اہلِ جاہ و حشم سے نہ اہلِ زر سے ملی
مدد سماج کو پھر مصطفیٰ کے گھر سے ملی

اس کی خوشی تھی جوہرِ قرآں عیاں کرے — رازِ احسن الحدیث کے طالبؔ بیاں کرے

ساحر فیض آبادی

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کے مرثیے میں فرماتے ہیں:

شاعر تھے آپ بیٹا بھی شعر و ادب کی جاں — دونوں کے ذوقِ فکر میں کچھ فرق ہے کہاں
گر آپ علم و فقہ کے کہلائے آسماں — یہ بھی فقیہ و عالمِ دوراں ہیں بے گماں

سب وصف جمع ہیں ابو طالبؔ میں آپ کے
"بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جا باپ کے"
میر انیسؔ

قیصرؔ بارہوی

نکلی زبانِ عبد سے نکلی ہوئی دعا — مقبول یوں ہوئی سرِ دربارِ کبریا
تقدیر مسکرائی دُرِ بے بہا ملا — نورِ نگاہ علم کا وارث عطا ہوا
قربان خالقِ دو جہاں کے نظام پر
فرزند مل گیا ابو طالبؑ کے نام پر

فرزند بھی بفضلِ خدا وہ خطیبِ علم — کہیے جسے رئیسِ تکلم ادیبِ علم
کشافِ نکتہ ہائے مطالب مجیبِ علم — فخرِ پدر بہ دانش و حکمت نقیبِ علم
جس کی نظر محیطِ فراز و نشیب ہے
علامہ جوہری کا لقب جس کو زیب ہے

پروفیسر سردار نقوی

یہ اہلِ علم ہیں وہ صاحبانِ فکر و نظر — جو اجتہاد کی راہوں میں کر رہے ہیں سفر
محیطِ شب میں یہی لوگ ہیں نقیبِ سحر — انہی نقیبوں میں شامل ہیں مصطفیٰ جوہر
وہ اپنی ذات میں اک علم کا دبستاں تھے
بہار جس کی ہیں طالب، یہ وہ گلستاں تھے

شکلِ طالب میں جو خوشبو کا سفر جاری ہے — قلبِ جوہرؔ کی یہ خوشبوئے عزاداری ہے

خدمتِ اقدسِ شبیرؑ میں جوہرؔ کا سلام — پیش اب جوہری کرتے ہیں بہ اخلاص تمام
رنگِ طالب کے جو طالب ہیں خواص اور عوام — درِ زہراؑ سے جو جوہرؔ کو ملا ہے انعام
سرِ منبر جو عقیدت کا چمن کھلتا ہے
علم کے حُسنِ خطابت کا چمن کھلتا ہے

علمِ معقولات کا دریائے ناپیدا کنار　　علمِ منقولات کی محفل میں شمعِ اعتبار
گلشنِ بے خار و علم و فضل و فقر و انکسار　　وہ چمن علامہ طالب جوہری جس کی بہار

آیت اللہ ہیں، خطیبِ عالمِ اسلام ہیں
یہ بچے جوہر، امامِ عصرؑ کا انعام ہیں

حکیم محمد کاظم

یہ طالب جوہری جو اک کتابِ عقل ہے گویا　　کتابِ عقل کا عنواں محمد مصطفیٰ جوہر



باب۔۱۶

تعزیتی نظمیں اور قطعاتِ تاریخ

مرثیۂ نو تصنیف۔عنوان: فکر......بسلسلۂ مجلسِ ترحیم

برائے ایصالِ ثواب علامہ طالب جوہری اعلیٰ اللہ مقامہ

یہ مرثیہ کل ایک ہفتے کی مختصر مدت میں کہا گیا اور ۱۱ر جولائی ۲۰۱۰ء کو علامہ صاحب کے بیسویں کی مجلس میں ان کے مدرسے میں پڑھا گیا۔مرثیے سے قبل سید ضیغم زیدی، نیر اسعدی اور کوثر نقوی نے قطعاتِ تاریخ اور سلام پیش کیے۔

اے مرے ذوقِ سخن ندرتِ شعرانہ دکھا — اے مرے خامۂ فن سطوتِ شاہانہ دکھا
اے مرے دل کی پھبن فطرتِ مستانہ دکھا — میکدہ علم کا ہے طینتِ رندانہ دکھا
بادۂ علم جو بھر بھر کے مجھے آج ملے
رکھوں منبر پہ قدم فکر کو معراج ملے

فکر احساس کے دریا سے گہر رولتی ہے — فکر میزانِ حقیقت پہ نظر تولتی ہے
فکر ہی کعبۂ تحقیق میں در کھولتی ہے — فکر آئندہ زمانے کی زباں بولتی ہے
ارتقا ساز جو یہ نہرِ خرد جاری ہے
گلشنِ زیست میں یہ فکر کی گلکاری ہے

فکر نے احسنِ تقویم کا رکھا ہے بھرم — فکر سے شانۂ ہستی کو ملی زلفِ نعم
فکر سے کعبۂ ایجاد ہوا ہے محکم — فکر سے چاند تلک پہنچے ہیں انساں کے قدم
اس کی ہر راہ نئی راہ پس انداز کرے
اس کا انجام نئی فکر کا آغاز کرے

فکر سے روز و شبِ زیست کی تزئین حسیں — فکر ہی فرقِ تجسس پہ کلاہِ رنگیں
فکر ہی جادۂ ایجاد پہ تحریکِ یقیں — فکر ہی مظہرِ توقیرِ سماوات زمیں
فکر سے چاکِ گریبانِ ہنر سلتا ہے
فکر سے حبلِ تجسس کو سرا ملتا ہے

فکر دریائے معانی سے گہر رولتی ہے فکر ہر گوشِ ہنر دوست میں رس گھولتی ہے
فکر جب ذوقِ تجسس کی زباں بولتی ہے بلبلِ علم بھی سمٹے ہوئے پر کھولتی ہے

فکر کے اسپِ خوش آثار کو مہمیز ہے علم
جادۂ ذوقِ عمل میں ثمر آمیز ہے علم

فکرِ انسانی کا اک آلۂ اظہار ہے علم سیلِ تخریب پہ اک آہنی دیوار ہے علم
دین کے سائے میں گر ہو تو ضیا بار ہے علم افقِ زیست پہ پھر مطلعِ انوار ہے علم

علم گر نور نہ دے فکر کی پیشانی کو
منزلت مل نہ سکے کاوشِ انسانی کو

علم انگشتریٔ فکر کا انمول نگیں فکر کتنی ہی دل آویز ہو کتنی ہی حسیں
علم کو چھوڑ کے پا سکتی ہے منزل وہ کہیں؟ خواب گونگے کا ہے بس اس کے سوا کچھ بھی نہیں

علم کا ذوقِ تجسس کو جو سایہ مل جائے
غیر مرئی تفکر کو سراپا مل جائے

علم ہے قطرۂ شبنم سرِ مژگانِ شعور علم ہے تیرگیٔ وقت میں اک موجۂ نور
علم سینائے تفکر میں ہے اک جلوۂ طور اس کے مرہونِ نظر قیصر و کسریٰ کے قصور

عمرِ دو روزہ نکھرتی ہے اسی کے دم سے
زلفِ امروز سنورتی ہے اسی کے دم سے

علم ہر حال میں کرتا ہے خرد پر صیقل اس کے رستے میں بھی ہے کج نظری کی دلدل
پائے افکار کو یہ علم بھی کر سکتا ہے شل زلفِ تعمیر میں آ سکتے ہیں تخریب کے بل

وادیٔ کفر و ضلالت میں قدم رکھتا ہے
علم ایسا ہو تو کعبے میں صنم رکھتا ہے

فکرِ منفی نے جو گاڑا ہے دلوں پر پنجہ اک کشاکش سے ہے ماموُر زمانے کی فضا
آج انساں نہیں ایمان پہ مرنے والا منفعت دین ہے اس کا تو ہے زر اس کا خدا

دین کو شرع کو ایمان کو بھی بیچ چلے
اس کے بس میں ہو تو قرآن کو بھی بیچ چلے

منفی افکار کا دنیا میں ہے چرچا ہر سو — میکدے علم کے ویراں ہیں شکستہ ہیں سبو
آدمیت ہے نہ انساں میں شرافت کی ہے خو — گویا تہذیب کی شریانوں سے غائب ہے لہو
کبھی اقرارِ شرافت کبھی انکاری ہے
سحر و شام کی اک ساتھ عملداری ہے

فکرِ منفی سے طبیعت میں کراہت آئے — فکر منفی ہو تو نمرود کا شعلہ بھڑکے
فکر منفی ہو تو فرعون کا جادو چمکے — فکر منفی ہو تو شدّاد کی جنت اُبھرے
کام آئی نہ کوئی اس کے شرارت اپنی
پہنچا دوزخ میں لیے گود میں جنت اپنی

ہاں مگر فکر ہو مثبت تو حق آگاہ ہے فکر — فکر مثبت ہو تو ہستی کی بہی خواہ ہے فکر
فکر مثبت ہو تو حکمت کی گذرگاہ ہے فکر — فکر مثبت ہو تو من جانبِ اللہ ہے فکر
نطق جب فکرِ مطہر سے سند پاتا ہے
ہر سخن نغمۂ خوش لحن میں ڈھل جاتا ہے

نغمۂ فکر جو ہو بر لبِ سازِ ہستی — ایسی ہستی ہی پہ جچتا ہے جوازِ ہستی
جن کی خواہش ہے کہ ہوں محرمِ رازِ ہستی — مسجدِ فکر میں پڑھتے ہیں نمازِ ہستی
بحرِ کاوش کے یہی لوگ شناور ٹھہرے
گلشنِ فکر کے گلہائے معطر ٹھہرے

اور اُن لوگوں میں تھا ایک مفکر طالبؔ — عرشِ منبر کا جو سورج تھا وہ ذاکر طالبؔ
مجتہد، فلسفی، و عالم و شاعر طالبؔ — کتنے میدانوں میں تھا نقطۂ آخر طالبؔ
اُٹھ گیا وہ جو رہا فکر پہ غالب طالبؔ
علم ہے محوِ بکا لب پہ ہے طالبؔ طالبؔ

قلزمِ فکر و تدبّر کا شناور طالبؔ — فلکِ علم خداداد کا خاور طالبؔ
جوہری وہ کہ تھا خود ذات میں جوہر طالبؔ — کاروانِ علماء کے لیے رہبر طالبؔ
اپنے ہم عصروں میں وہ جوہرِ کامل ٹھہرا
طفلِ مکتب ہی ہر اک اس کے مقابل ٹھہرا

فکرِ مثبت کا ضیا بار منارہ تھا وہ   بحرِ تحقیق و تجسس کا کنارہ تھا وہ
منزلِ حق کی طرف پختہ اشارہ تھا وہ   تختۂ علم کا مضبوط سہارا تھا وہ
فکرِ جامد کو کچھ اس طرح سے پگھلاتا تھا
کوئی پہلو بھی سوالوں کا نہ رہ جاتا تھا

شاعرِ شیریں سخن ذاکرِ شائستہ بیاں   آیتوں کے تھے حوالے بہ سرِ نوکِ زباں
حُسنِ توضیح و تفاسیر عیاں را چہ بیاں   قوم پائے گی بھلا ایسا خرد مند کہاں
جب بھی خطبہ دیا سرور کے فضائل سے بھرا
اس کا ہر لفظ تھا برہان و دلائل سے بھرا

حرف جھکتے رہے تسلیم کو ایسا شاعر   ہاتھ جوڑے ہوئے الفاظ تھے ہردم حاضر
"فہم قرآں" جو کرے سہل وہ ایسا ذاکر   وہ تصانیف کہ خود آگہی جس پہ فاخر
علم کی شمعِ درخشاں کا اجالا تھا وہ
فکرِ مثبت کا زمانے میں حوالہ تھا وہ

وہ گلستانِ عقیدت کا ثمر بخش شجر   عمر بھر جس کا رہا راہِ تفکر پہ سفر
پیش کیں کتنی تصانیف بپے اہلِ نظر   مرثیوں، نظموں، تفاسیر، قصیدوں کے گہر
جوہری چھوڑ گیا کتنے جواہر پارے
جیسے قرآنِ مودت کے ہوں نادر پارے

منفی افکار سے ذہنوں کو بچایا اس نے   قوم کو جادۂ تسلیم دکھایا اس نے
کیا ہے باطل کی فسوں کاری بتایا اس نے   حق فقط حق ہی سرِ بزم سنایا اس نے
دین کو آج کی میزاں پہ جو تولا اس نے
ذہنِ نو کے لیے یہ عقدہ بھی کھولا اس نے

یوں تناتیِ مزاج اب و جد کرتا رہا   جاہلیت کو بہ ہرگام وہ رد کرتا رہا
راہِ تدریس میں پیہم جد و کد کرتا رہا   طالبِ علم کی ہر طور مدد کرتا رہا
سائلِ علم جو آیا کبھی خالی نہ گیا
بے لیے در سے کبھی کوئی سوالی نہ گیا

وہ کہ اک شمعِ درخشاں تھا سرِ محفلِ غم جس سے قائم رہا دنیا میں خطابت کا بھرم
کتنے ہی ذاکر و شاعر پہ رکھا دستِ کرم اُس کے باعث ہے مرا مرثیہ گوئی میں قدم

اُس کی تحریک پہ ہی مرثیہ لکھا میں نے
ورنہ ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا میں نے

فکرِ مثبت کا دیا اس نے جہاں کو دستور ''شعریات'' اس کی کہ نورِ پسِ آفاقِ شعور
جا بہ جا 'حرفِ نمو' کے سرِ قرطاس قصور اور ''اسلامی معیشت'' پہ مکمل وہ عبور

ہر نفس ''شاخِ صدا'' بڑھ کے صدا دیتی ہے
فکر کو ہر نئی تصنیف غذا دیتی ہے

''عقلیات'' آئینۂ منطق و معقول و بیاں ''خلفاء اثنا عشر'' میں کئے کیا کیا نہ عیاں
''کربلا کی وہ حدیث'' اور وہ مقتل کا بیاں علم کا ایک خزانہ پسِ تحریر نہاں

زندگی گذری ہے ترویجِ عزا میں اس کی
بلغِ علم میں ابلاغِ ولا میں اس کی

مرثیہ جس کا ہے عنوان ''وجودِ باری'' بحث ہے ایک مدلل بہ صفاتِ احدی
اور ''ہدایت'' پسِ تحریر رہا بھی جاری جا بہ جا آیتوں سے کشفِ معانیِ مخفی

فلکِ فرشِ عزا کے لیے توقیر تھا وہ
شمعِ تہذیبِ عزاداری کی تنویر تھا وہ

اس نے قرآن کی تفسیر بہ ''احسن'' لکھی وہ جو ہر مکتبۂ فکر میں مقبول ہوئی
آیا منبر پہ تو دھاک اس کی کچھ اس طرح جمی چاہنے والوں کی تعداد فزوں ہوتی گئی

دور میں اس کے نہ ایسا کوئی ذاکر دیکھا
نہ مدرس، نہ معلم، نہ مفسر دیکھا

وہ کہ تھا ذات میں قاموسِ معارف بہ خدا وقت کا عالم بے مثل تھا بے چون و چرا
دعوئِ علم کیے جس کو مقابل دیکھا طفلِ مکتب ہی نظر آیا اُسے جب پرکھا

اس کو ہر وقت کے عالم سے فزوں تر کہیے
دورِ نو کا اسے پہلو جوہر کہیے

اس نے زانو کو کیا تہہ بہ حضورِ رشتیؔ　　محسنؔ و باقرؔ و شیرازیؔ و قائیؔ و خوئیؔ
باقر الصدر بھی اور سیدِ بغدادیؔ بھی　　اک سے اک نجمِ درخشانِ جہانِ علمی

علم حاصل کیا از حوزۂ علمیؑ نجف
خاص تھی اس کے لیے رحمتِ والیؑ نجف

جوہریؔ کو جو ملا ذوقِ عزا جوہر سے　　ربطِ خاص اس نے رکھا صرف غمِ سرورؑ سے
یہ عنایت بھی ہوئی اس پہ درِ حیدرؑ سے　　پایا تقریر کا فن، جس کو زمانہ ترسے

غمِ شبیرؑ میں جو زیست گزاری اس نے
فکرِ بیدار سے تقدیر سنواری اس نے

فکرِ بیدار ہے کیا کرب و بلا سے پوچھو　　حق کا معیار ہے کیا کرب و بلا سے پوچھو
صبر کا وار ہے کیا کرب و بلا سے پوچھو　　حرفِ انکار ہے کیا کرب و بلا سے پوچھو

جب کوئی فکر بھی باطل کو ہوا دیتی ہے
کربلا فکر کو زنجیر پنہا دیتی ہے

کربلا اصل میں دو فکروں کی باہم پیکار　　فکرِ بے داد کا ہے فکرِ حق آگاہ پہ وار
اک طرف بیعتِ فاسق کی ہے حد اصرار　　اک طرف ہے لبِ شبیرؑ پہ انکار انکار

ایسا انکار جو ہے جذبۂ بیدار لیے
ایسا انکار کہ جو حق کا ہے اقرار لیے

کربلا خوگرِ حق کے لیے مینارۂ نور　　کربلا بہرِ حیات ایک مکمل منشور
کربلا دیتی ہے انساں کو عمل کا دستور　　کربلا دیتی ہے ہر گام شہادت کا شعور

کربلا لائحۂ کار بھی ہے نام بھی ہے
کربلا فکر بھی ہے فکر کا انجام بھی ہے

کربلا معرکۂ فکر میں شمشیرِ ثبات　　کربلا دیتی ہے ہر جبر کی تدبیر کو مات
اس کے در سے ہی تو ملتی ہے وفا کی سوغات　　یہی دیتی ہے سبق ہائے دبستانِ حیات

کربلا دائرۂ فکر کو محور بخشے
کربلا فطرتِ تحریک کو شہپر بخشے

کربلا ارضِ یقیں بجز توہّم سے فراغ کربلا پیکرِ تہذیب، تمدّن کا دماغ
کربلا ساغرِ ادراک تدبّر کا ایاغ کربلا فکر کی منزل میں تیقن کا چراغ

مے پرستانِ عقیدت کو سبو دیتی ہے
کربلا قلبِ تفکر کو لہو دیتی ہے

کربلا طائرِ احساس کا شہپر تا حشر کربلا دینِ تفکر کی پیمبر تا حشر
کربلا دائرۂ علم کا محور تا حشر کربلا گلشنِ حکمت کا گلِ تر تا حشر

اسی کی ارضِ تفکر پہ علمداری ہے
اس کا تا حشر زمانے میں سفر جاری ہے

کربلا فکر کی وجداں کی ارادت کی اساس کربلا ذوقِ عمل شوقِ عبادت کی اساس
کربلا جادۂ عرفاں پہ قیادت کی اساس کربلا کا نظریہ ہے شہادت کی اساس

دلِ ایثار کی دھڑکن کا سبب کرب و بلا
حق پہ آنچ آئے تو تصویرِ غضب کرب و بلا

کربلا جبر کے طاغوت کے ظلمت کے خلاف کربلا فکرِ حق آگاہ سے نفرت کے خلاف
کربلا ذہنوں پہ شاہی کی حکومت کے خلاف کربلا ظلم کی وزدیدہ خلافت کے خلاف

دین میں ردّ و بدل کب ہے گوارا اس کو
تشنگی، قید، ستم سب ہے گوارا اس کو

کربلا وہم کے طوفان میں کشتیِ یقیں کربلا خاتمِ حکمت عملی کا ہے نگیں
بات اسلام کی گر ہو تو جھکاتی ہے جبیں ہاں مگر دیں کے منافی ہو تو پھر لب پہ نہیں

جان دیں پر یہ لٹا دینے سے کب ڈرتی ہے
ہو بہتر کی ضرورت تو فدا کرتی ہے

کربلا ساغرِ امید، مئے اُلفتِ حق کربلا جبر کے ماحول میں ہے دعوتِ حق
کربلا سامنے تخریب کے ہے قوتِ حق کربلا حملۂ باطل میں کرے نصرتِ حق

آتشِ فکر کے شعلوں کو بجھایا اس نے
حق کا پیغام بہر حال بچایا اس نے

حق کا پیغام بچانے کو چلے سبطِ نبیؐ   فکرِ گمراہ مٹانے کو چلے سبطِ نبیؐ
قصرِ طاغوت گرانے کو چلے سبطِ نبیؐ   حرفِ انکار سنانے کو چلے سبطِ نبیؐ

وقت آ پہنچا تھا جو وعدہ نبھانے کے لیے
کربلا آ گئے اسلام بچانے کے لیے

وہ حسینؑ ابنِ علیؑ حاملِ توقیرِ بلند   وہ وفا کیش و وفادار وفا کی سوگند
وہ خدا کو ہیں پسند اور خدا ان کو پسند   خیبرِ نفس کے فاتح وہ علیؑ کے مانند

کلّۂ اژدرِ خونخوار گماں چیر دیا
دہنِ فکر کو پھر لہجۂ تکبیر دیا

وہ حسینؑ ابنِ علیؑ مہرِ درخشانِ شعور   شاہدِ منظرِ تخلیق سرِ صبحِ ظہور
فکر سے جس کی ہے تا حشر زمانہ پُر نور   منزلِ موت کو جو زندہ ہی کرتا ہے عبور

جادۂ زیست پہ یوں فکرِ منوّر ہے حسینؑ
آج بھی ہم سفرِ دینِ پیمبرؐ ہے حسینؑ

وادیٔ جور و جفا میں ہے اماں کا سورج   جس کی آہٹ میں دبی طبلِ حکومت کی گرج
جس نے حرمت کے لیے دین کی، سب چھوڑ دیا تج   فکر سے جس کی ہے اسلام کی اب تک سج دھج

خون سے جس کے رُخِ زیست پہ رونق ہے ہنوز
فکرِ بے داد گراں ارضِ لق و دق ہے ہنوز

جس پر ہر گام رہی رحمتِ حق وہ ہے حسینؑ   ہاشمی مطلبی جس کا نسب وہ ہے حسینؑ
باپ کا جس کے یداللہ لقب وہ ہے حسینؑ   سیلِ افواج سے وہ ڈرتا ہے کب وہ ہے حسینؑ

کیوں نہ پھر وقت کے بوجہل پہ وہ غالب ہو
خون میں جبکہ رچی فکرِ ابوطالبؑ ہو

حق کی شمشیر کو حیدرؑ کی طرح جو تولے   جو سرِ فکرِ محمدؐ کی زباں میں بولے
گوہرِ مرضیٔ رب بحرِ عمل سے رولے   اصلیت تیرگیٔ شام کی بڑھ کر کھولے

فکرِ منفی کے وہ سیلاب کا رُخ موڑے گا
طلبِ بیعتِ فاسق کا فسوں توڑے گا

آ گیا مقصدِ بیداریٔ اُمت کے لیے منبرِ فکر پہ تبلیغِ صداقت کے لیے
سر ہتھیلی پہ لیے حفظِ شریعت کے لیے جادۂ عزم پہ اقدامِ نہایت کے لیے
راہِ ایمان پہ قربانیٔ سر دینی ہے
دین کو زندگیٔ بارِ دگر دینی ہے

خون سے کشتِ شہادت کو یہ پانی دے گا فکرِ حفظانِ شریعت کو روانی دے گا
حرفِ ایثار کو مضبوط معانی دے گا راہِ تسلیم میں اکبرؑ کی جوانی دے گا
اس نے بے چون و چرا اپنا بھرا گھر بھی دیا
حد ہے چھ ماہ کا ننھا علی اصغرؑ بھی دیا

کتنے دکھ راہ میں ایماں کی سہے سرورؑ نے دوپہر گزری کہ انصار و احبا چھوٹے
ساتھی رخصت ہوئے وہ گود کے پالے نہ رہے خدا دشمن کو بھی یہ دن نہ کبھی دکھلائے
حیف صد حیف کہ شبرؑ کا وہ گل رو نہ رہا
جری بھی مارا گیا، شاہ کا بازو نہ رہا

ہائے وہ وقت جب اکبرؑ نے بھی رخصت چاہی اک جواں بیٹے نے مرنے کی اجازت مانگی
شہؑ نے اس غم کو بھی سہ لینے کی ہمت باندھی باپ تھا کیسے اجازت یہ اسے دی ہوگی
موت کی زد پہ جو اکبرؑ کا سراپا ٹھہرا
امتحاں صبر کا اک باپ کے دل کا ٹھہرا

سوئے مقتل علیؑ اکبر کا وہ جانا ہے ہے نیزۂ ظلم کا دل میں اتر آنا ہے ہے
خوں میں ہم شکلِ پیمبر کا نہانا ہے ہے باپ کا وہ غمِ فرزند اُٹھانا ہے ہے
مر گیا عین جوانی ہی میں اکبرؑ ہے غضب
چھٹ گیا باپ سے ہم شکلِ پیمبرؐ ہے غضب

مبتلا تھے جو اُدھر بیٹے کے غم میں شبیرؑ اک عجب حال میں خیمے میں ادھر تھی ہمشیر
سیلِ رنج و غم و اندوہ کی گویا تصویر درد میں ڈوبی ہوئی تھی یہ زباں پر تقریر
جس پہ فرزندوں کو وارا وہ بھتیجا نہ رہا
ہائے اٹھارہ برس کا وہ دلارا نہ رہا

الغرض سو گئے سب ناصر و یاور رن میں　　ایک سے ایک جگر دار و دلاور رن میں
سوئے عباسؑ بھی ہاتھوں کو کٹا کر رن میں　　بن گئی قبرِ جنابِ علی اصغرؑ رن میں

کوئی ساتھی نہیں اب صرف ہیں سرور باقی
اور ہے مرحلۂ گردن و خنجر باقی

پردہ خیمے کا اُٹھا سیدِ والا نکلے　　کوئی بھی پاس نہ تھا بڑھ کے جو بازو تھامے
دیکھا ناگاہ جو مقتل کی طرف مولا نے　　ٹیس سینے میں جو اُٹھی جگر و دل تڑپے

کشتۂ تیغِ غم و یاس کے لاشے دیکھے
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ کے لاشے دیکھے

دی یہ آواز کہ اے جانِ رسالت نانا　　مبتلا صدموں میں ہے آپ کی عترت نانا
کیا کہوں اُٹھ گئی دنیا سے مروّت نانا　　نہ وہ برتاؤ نہ پہلی سی محبت نانا

تین دن گرمی میں مہمان کو پیاسا رکھا
کیسی امت ہے کہ بچوں کو تڑپتا رکھا

خونِ دل دینِ پیمبر کو پلایا میں نے　　غم پہ غم راہِ شہادت میں ہے کھایا میں نے
لاشہ پیاروں کا بھی تا عصر اُٹھایا میں نے　　تب کہیں دیں کو لعینوں سے بچایا میں نے

وقت آیا ہے کہ وعدے کو نبھاؤں نانا
دین کی راہ میں اب سر کو کٹاؤں نانا

پھر پکارے سوئے مقتل کہ دلاور دیکھو　　تم کہ ہو بحرِ شجاعت کے شناور دیکھو
جنگ پیاسے کی ضعیفی میں ہے اُٹھ کر دیکھو　　آج پھر تیغِ یداللہ کے جوہر دیکھو

فرقِ اعدا پہ لو اب تیغِ دو دم آتی ہے
شام والوں کے لیے صبحِ عدم آتی ہے

معرکہ آرا ہوا رن میں علیؑ کا جایا　　ہاتھ جو رنگِ یداللہ میں ذرا دکھلایا
دیکھتے دیکھتے ہی قصر انا کا ڈھایا　　تن سے سر اتنے اُڑے رن میں اندھیرا چھایا

متزلزل ہوا رن شہؑ کی تھی ایسی پیکار
گویا خیبر میں دوبارہ تھی علیؑ کی پیکار

الغرض جنگ کا میدان تہہ و بالا ہوا　　جو بھی سر اُٹھا وہ سر پل میں ہوا تن سے جدا
سیدھا میدان سے وہ سوئے ستر جا پہنچا　　دفعتاً شور اماں کا سرِ میداں اُٹھا

واسطہ خُلقِ پیمبرؐ کا عدو دینے لگے
نامِ احمدؐ کے عوض شہؑ سے اماں لینے لگے

نام نانا کا سنا روک لی شمشیر دوسر　　آ گیا وقتِ شہادت پہ ابنِ حیدرؑ
ایک کہرام مچا خیمۂ سرورؑ میں اُدھر　　گردنِ شاہ ہے اب اور لعیں کا خنجر

الوداع اے مرے ماں جائے پکاری زینبؑ
جاؤ اللہ کو سونپا تمہیں ، واری زینبؑ

تیغِ شبیرؑ جو اشرار نے رُکتے دیکھی　　حملہ آور ہوئے ہر سمت سے سرورؑ پہ شقی
سوئے شاہِ شہدا تیروں کی بوچھار بھی تھی　　زخموں سے چور تو تھے ہی یہ قیامت بھی ہوئی

ہاتھ سے باگ چھٹی سرورِ دیں گرنے لگے
زیں پہ سنبھلا نہ گیا سوئے زمیں گرنے لگے

تنِ تنہا تھے حسینؑ اور اُدھر لاکھوں لعیں　　وہ عطش اور وہ ایذائیں سرِ جسم حسیں
جس سے تھرائے فلک لرزہ براندام زمیں　　ہائے وہ ظلم کہ تاریخ میں مثل اس کی نہیں

ابر یوں ظلمتِ بیداد کے گھر کر برسے
کبھی نیزے ، کبھی ناوک کبھی پتھر برسے

لا تعد زخموں سے تھا پیکرِ شبیرؑ بھرا　　خون اُن زخموں سے سرورؑ کے بہا حد سے سوا
زین سے گر تو گیا پر نہ زمیں تک پہنچا　　تیر اتنے تھے کہ تیروں پہ معلق ٹھہرا

نہ ہی شکوہ نہ شکایت نہ گلا کرتے تھے
گر کے سجدے میں ادا شکرِ خدا کرتے تھے

شور اُٹھا کہ گرے زینِ فرس سے شہِ دیں　　گر گیا دینِ پیمبر کا جو تھا رکنِ رکیں
قتل کرنے کے لیے بڑھنے لگا شمرِ لعیں　　کند خنجر لیے وہ آ گیا سرورؑ کے قریں

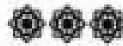
حشر برپا سرِ صحرا ہوا اِنّا للّٰہ
کٹ گیا سجدے میں سر شاہ کا اِنّا للّٰہ

مرثیہ ختم ہوا، آپ نے گریہ بھی کیا ۔۔۔ نذر ادنیٰ سی یہ کاوش ہے حضورِ زہراؑ

عرضِ حیدرؔ ہے کہ اے بنتِ رسولؐ دوسرا ۔۔۔ فکرِ مثبت رہے اس گھر کا ہمیشہ شیوہ

علم سے راہ بہ طرزِ اب و جد جاری رہے

سلسلہ جوہریؔ کا تا بہ ابد جاری رہے



قطعہ تاریخِ وفات

سید یداللہ حیدر

ذات میں اپنی حدِ فہم و فراست ہو گیا ۔۔۔ بہرِ ملّت علم و دانش کی علامت ہو گیا

آیت اللہ و فقیہ و ذاکر و شاعر، ادیب ۔۔۔ کتنے پہلو علم کے ہیں جن کی زینت ہو گیا

کر کے شامل خطبوں میں برہان واستدلال کو ۔۔۔ وہ جہانِ ذاکری کی وجہِ عظمت ہو گیا

حاذقِ ہر پہلوئے تفسیر و قرآن و حدیث ۔۔۔ حق میں شاگردوں کے وہ اللہ کی رحمت ہو گیا

مرثیوں میں آیتوں سے جا بہ جا دی جو دلیل ۔۔۔ اُس کا ہر اک مرثیہ حرفِ ہدایت ہو گیا

ہاں وہی، سرمایہ تھا جو قوم و ملّت کے لیے ۔۔۔ آہ طالب جوہری وہ آج رخصت ہو گیا

منبر افسردہ فضا مجلس کی بھی افسردہ ہے ۔۔۔ نظروں سے پوشیدہ وہ جانِ خطابت ہو گیا

تیرگی چھائی ہوئی ہے یوں فضائے علم میں ۔۔۔ اک چراغِ آگہی تھا جو وہ رخصت ہو گیا

فکر جب تاریخِ ہجری و مسیحی کی ہوئی ۔۔۔ غیب سے یہ شعر حیدرؔ کو عنایت ہو گیا

اُٹھ گیا ہے عالمِ بے مثل طالبؔ جوہری ۔۔۔ یا جہاں سے آفتابِ دین رخصت ہو گیا

۱۴۴۱ھ ۔۔۔ ۲۰۲۰ء

شہابؔ کاظمی (امریکہ)

موت طالب جوہری کی اک قیامت ڈھا گئی ۔۔۔ دل ہے قابو میں نہ آنکھیں ہیں نہ قابو میں حواس
اک فقط اُن کے چلے جانے سے لگتا ہے ہمیں ۔۔۔ شہر سے شہرِ خموشاں چاند تارے ہیں اُداس
اک ہجومِ سوگواراں ہر گلی کوچے میں ہے ۔۔۔ پھر بھی لگتا ہے نہیں ہے کوئی جیسے آس پاس
اُٹھ گیا وہ زینتِ محراب و منبر شہر سے ۔۔۔ ہوگئی ہے اس کے جانے سے خطابت بے اساس
محفل و مجلس کی ویرانی یہ کرتی ہے سوال ۔۔۔ واقعی زندہ ہیں یا ہے زندگی کا التباس
کر گیا اُس کی جدائی کا الم دل کو سیاہ ۔۔۔ مخملیں آنکھوں میں اُس کے غم نے بوئی ہے کپاس
وہ خطیبِ خوش نوا تو تھا مگر یہ غم بھی ہے ۔۔۔ اُٹھ گیا حیف اک ہمارا آشنا قرآں شناس
جسم پر اس کے کفن کو اس نظر سے دیکھیے ۔۔۔ شبہؑ سے ملنے کے لیے درکار تھا اُجلا لباس
جیتے جی اہلِ ہنر کی قدر ہم کرتے نہیں ۔۔۔ ہے ہمارے ذوق کی مردہ پرستی پر اساس
آہ طالب جوہری حیہات طالب جوہری ۔۔۔ اُن کے حق میں سورۂ الحمد کی ہے التماس

تعزیت یہ اُن کے پسماندہ اعزہ کے لیے
ہے شہابؔ اک قرض ناخن کا بہ انداز سپاس

ریحانؔ اعظمی

حضرت علامہ طالب جوہری کا قبر میں فرشتوں سے مکالمہ

صدائے کربلا ہے اور میں ہوں ۔۔۔ مسلسل رابطہ ہے اور میں ہوں
فرشتو آؤ بیٹھو سُن کے جانا ۔۔۔ حسینی تذکرہ ہے اور میں ہوں
لحد میں تم مجھے تنہا نہ سمجھو ۔۔۔ میرا مشکل کشا ہے اور میں ہوں
لحد میں نے عزاخانہ بنا لی ۔۔۔ کفن فرشِ عزا ہے اور میں ہوں
مثالِ حُر میں گہری نیند میں ہوں ۔۔۔ یہ زانو شاہؑ کا ہے اور میں ہوں
میری محنت سوارت ہوگئی ہے ۔۔۔ درِ جنت کھلا ہے اور میں ہوں

کتب خانہ بنایا تھا جو میں نے — وہی مدفن میرا ہے اور میں ہوں
دعا ریحانؔ مجھ کو دینے والا — وہ عالم جا رہا ہے اور میں ہوں

نیرؔ اسعدی

ذاکرِ سلطانِ عدل طالب جوہری
۲۲۴+۴۲+۱۰۴+۱۵۰+۹۲۱

۱۴۴۱ھ

شاعری جالب کی نیرؔ جیسے ہے جالبؔ بغیر
جس طرح دیوانِ غالبؔ ہے مگر غالبؔ بغیر
لکھ دو یوں تاریخِ رحلت، سُونا سُونا آج ہے
منبرِ ذکرِ حسینؑ بے کساں، طالبؔ بغیر
۴۴-۱۴۳+۱۲۸+۹۲۰+۲۹۲
۱۴۸۳-۴۲=۱۴۴۱

سید جاوید حسن

اُٹھ گیا میرِ بلاغت افسوس
طالبِ جانِ فصاحت افسوس
"دوش" پر ہے یہ صبا کے پیغام
۳۱۰
گُل ہوئی شمعِ خطابت افسوس
۱۷۱۰+۳۱۰=۲۰۲۰



گلزارِ جہاں سے باغِ جنّت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے

کیا خوب "سجا" تم پہ ابجی مصرع

۶۴

طالب، اسداللہ کی خدمت میں گئے

۱۳۷۷+۶۴=۱۴۴۱

تصویر فاطمہ

وہ جوہری کہ جو سرِ منبر بنا چراغ — کیسے کہوں کہ بجھ گیا جلتا ہوا چراغ

جوہر سے جوہری کا وہ آغاز دیکھئے — سائے میں اس کے پل کے سخنور بنا چراغ

اس کے اک چراغ سے جلے کتنی چراغ اور — روشن کئے ہیں سلسلہ در سلسلہ چراغ

لہجوں میں اُس کے خوابوں کی تعبیر بولتی — تعبیر بن کے لہجوں کی زندہ صدا چراغ

وہ ماہرِ علوم تھا جوہر شناس تھا — اسلوبِ فن کا ماہر فکر و رسا چراغ

دکھلا گیا جو فکر کے جوہر وہ جوہری — اک عہدِ جوہری تھا وہ عہدِ وفا چراغ

قنبر سے لے کے پی ہے جو حُبِ علیؑ کی مے — تھا قنبری مزاج وہ جرأت نما چراغ

کچھ اس طرح سے دل کو سجایا تھا ذکر سے — حُبِ علیؑ میں وہ مہہِ تاباں بنا چراغ

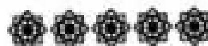
تاریخ اپنی لکھ گیا لفظ و بیاں کے ساتھ — بزمِ حسینیتؑ میں وہ بزمِ عزا چراغ

لہجے میں آیتوں کے وہ ذکرِ غمِ حسینؑ — طرزِ ادائے خاص میں آیت نما چراغ

گریہ کیا ہے تم نے تو مجلس ہوئی تمام — کہتا ہوا وہ اب شبِ ہجراں ہوا چراغ

بزمِ جہاں سے اُٹھ کے وہ بزمِ حسینؑ میں — پہنچا، لحد کی راہ سے دستِ دعا چراغ

تصویر اُس کے حرف رہے مشعلِ حیات — میرے لیے بھی اُس کا سخن خود بنا چراغ



باب ۔ ۱۷

علامہ طالب جوہری کی مجالس کے نادر اشتہارات

علامہ صاحب پر تحقیق کے دوران کچھ ایسے نادر دستاویزات بھی دستیاب ہوئے ہیں جنہیں شائع نہ کرنا علمی خیانت ہوگی۔ ان ہی میں علامہ صاحب کے عہد جوانی کے عشروں کے اشتہارات بھی ہیں جب اُن کے عروج کا آغاز ہوا تھا۔ یہ اشتہارات اتنے نادر ہیں کہ کچھ عرصے بعد شاید دستیاب بھی نہ ہوں اس لیے میں نے مناسب جانا کہ ان کو بھی شامل کتاب کر دیا جائے۔

۱۹۷۶ء کے عشروں کے اشتہارات

عشرۂ مجالسِ محرم

(یکم محرم الحرام تا نہم محرم الحرام ۱۳۹۶ھ ہجری)

مقام	محفل شہدائے کربلا پنجابی کلب، کھارادر
وقت	سوا گیارہ (۱۱¼ بجے) شب
خطیب	حجۃ الاسلام حضرت علامہ طالب جوہری مدظلہ
عنوان	قرآن اور آلِ محمدؐ۔

عشرۂ محرّم کی مُجالِس

محفلِ ابوالفضل العباس کھارادر میں حسبِ دستورِ قدیم یکم محرم تا نہم محرم ۱۳۹۶ھ روزانہ ۹½ بجے شب "حجۃ الاسلام حضرت علامہ طالب جوہری مدظلہ" ۔ "ایمان اور اسکے تقاضے" کے عنوان پر خطاب فرمائیں گے۔

۱۹۷۶ء کے عشروں کے اشتہارات

مرکزی امام بارگاہ کی مجالس عشرۂ محرم
بعنوان
"اسلام میں عقیدہ کا مرکز"
حضرت علامہ طالب جوہری مدظلہٗ روزانہ از یکم تا ہشتم محرم
خطاب فرمائیں گے وقت از یکم تا ۸ محرم ۷ بجے شب
۹ محرم کو مجلس بوقت صبح ۹½ بجے شروع ہوگی ۱ بجے بعد جلوس
علم برآمد ہوگا
الداعیان :۔ ارکان فلاح المومنین ٹرسٹ لیاقت آباد

قدیم عشرۂ صفر ۱۳۹۶ھ

۲ ر فروری لغایت ۱۱ ر فروری روزانہ ساڑھے سات بجے شب
بمقام ڈی ۱۹۵ بلاک نمبر ۲ فیڈرل بی ایریا (کریم آباد کے ساتھ)

حجۃ الاسلام جناب مولانا **طالب جوہری** صاحب مدظلہٗ

"منصب ہدایت اور قرآن" کے عنوان پر خطاب فرمائیں گے۔

سوگوار غم حسینؑ ۔۔ سید حسن احمد رضوی (۳۴۳۳)

MUHARRAM MAJALIS

AT NISHTAR PARK KARACHI SHALL BE HELD DAILY FROM 1ST TO 8TH MUHARRAM AT 4.15 P.M. AFTER SOZKHWANI HAZRAT ALLAMA TALIB JAUHARI M.Z. SHALL ADDRESS ON THE SUBJECT "QURAN AND BURHAN" AT 4.45 P.M.

MAJALIS ON THE 9TH AND 10TH MUHARRAM SHALL BE HELD IN THE MORNING. AFTER MAJALIS PROCESSIONS SHALL BE TAKEN OUT.

PAK MUHARRAM
ASSOCIATION
(Registered)

شام

مجلس ... بجے

شب ... آباد

نمبر ... گے

اور ... صاحب مجلس سے

خطاب ... میں

نوحہ خوانی ... کی

درخواست

اراکین انجمن پرستارانِ حسینؑ (رجسٹرڈ)

عطیہ اشتہار: زین ایم - ایچ شریف

۱۹۷۶ء کے عشروں کے اشتہارات

مجالس عزا

بہ عنوان "اسلام کا نظریۂ حیات"

جناب مولانا طالب جوہری صاحب مدظلہ العالی جامع مسجد نور ایمان کرشید بلاک نمبر ۳ ناظم آباد میں ۱۶ فروری تا ۲۰ فروری ۱۹۷۶ء اپنی تقاریر سے منبر کو منور فرمائیں گے۔ مجالس ٹھیک ساڑھے سات بجے شروع ہوں گی اور مولانا صاحب ۸ بجے زیب منبر ہوں گے۔

نوٹ:۔ خواتین کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہے۔

منجانب:۔ ٹرسٹیز نور ایمان

مجلس و جلوس چہلم

حسب دستور جناب سید الشہداء کے چہلم کی مجلس زیر اہتمام پاک محرم ایسوسی ایشن بتاریخ ۲۱ فروری ۱۹۷۶ء بوقت دس بجے دن نشتر پارک کراچی میں منعقد ہوگی۔ سوز خوانی و سلام کے بعد ٹھیک ۱۱ بجے حجۃ الاسلام حضرت علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی مجلس سے خطاب فرمائیں گے۔ بعد ختم مجلس جلوس چہلم برآمد ہوگا۔ جو مقررہ راستے سے گزرتا ہوا حسینیہ انجمن ایرانیان میں

۱۹۷۷ء کے عشروں کے اشتہارات

HARRAM

SHALL BE HELD AT NE
PARK, KARACHI FROM F
TO EIGHTH MUHARRA
DAILY AT [illegible] P.M. AFTER SO
KHWANI, HAZRAT ALLAMA
TALIB JAUHARI WILL AD-
DRESS ON THE SUBJECT
"SHARIAT AND RISALAT" AT
[illegible]45 P.M.
MAJALIS ON 9TH AND 10TH
MUHARRAM SHALL BE HELD
IN THE MORNING AND
AFTER MAJLIS PROCESSIONS
SHALL BE TAKEN OUT.

PAK MUHARRAM ASSOCIATION.

OHARRUM MAJA

will be held at

EHFILE SHAHE KHORASA

daily at 9.00 p.m. from
December 11, 1977

HUJJATUL ISLAM JANAB
TALIB JAUHARI SAHEB
will address on the subject

۱۹۷۸ء کا اشتہار

مجالس عشرہ محرم

یکم محرم تا نہم محرم

مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد

روزانہ ٹھیک ۷ بجے شب سوز خوانی جناب آباد نقوی صاحب۔

۸½ بجے حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ

طالب جوہری صاحب قبلہ بعنوان

"اسلام میں ولایت کا مفہوم"

خطاب فرمائینگے

الداعیان: ارکان فلاح المومنین ٹرسٹ

۱۹۷۹ء کے عشروں کے اشتہارات

محرم مجالس

"مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد"

از یکم تا نہم محرم الحرام سنہ ۱۴۰۰ھ

بصد ملاحظہ حضرت آباد نقوی صاحب قبلہ ۶ بجکر ۴۵ منٹ

حجۃ الاسلام حضرت علامہ طالب جوہری صاحب مدظلہ

"ذکر و اہل الذکر"

منجانب: ارکان فلاح المومنین ٹرسٹ

مجلس و جلوس چہلم

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہلم کی مجلس نشتر پارک کراچی میں زیر اہتمام ایک فرقہ امامیہ کی انجمن بتاریخ ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء بروز ... تک ساڑھے دس بجے دن منعقد ہوگی۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے حجۃ الاسلام حضرت مولانا طالب جوہری صاحب قبلہ مدظلہ مجلس سے خطاب فرمائیں گے۔ بعد ختم مجلس مرکزی جلوس عزا برآمد ہوگا۔

جو مقررہ راستوں سے گذرتا ہوا

حسینیہ ایرانیان میں اختتام پذیر ہوگا۔

۱۹۸۰ء کے عشروں کے اشتہارات

بوتراب امام بارگاہ عزیز آباد میں

مجالس عشرۂ محرم ۱۴۰۱ھ

یکم تا ۹ محرم روزانہ ۹ بجے شب

سوز :- سید محسن الحسن صاحب

خطاب : حجۃ الاسلام عالی جناب مولانا

طالب جوہری صاحب مدظلہ

مجلس شام غریباں ۷½ بجے شب

سلام : اشرف عباس صاحب

عنوانات :- علم، ہدایت اور کتاب مبین

نوٹ :- بوتراب امام بارگاہ میں مجالس عشرۂ خواتین یکم تا ۸ محرم روزانہ ۳ بجے سہ پہر منعقد ہونگی۔

منجانب : بوتراب جامع مسجد و امام بارگاہ ٹرسٹ

نشتر پارک کی مجالس

مثل سال ہائے ماسبق اس سال بھی نشتر پارک کراچی میں مجالس عشرۂ محرم زیر اہتمام پاک محرم ایسوسی ایشن یکم محرم سے آٹھویں محرم تک ان شاء اللہ ٹھیک ۷ بجے شب شروع ہوا کرینگی۔ سوز خوانی اور سلام کے بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا طالب جوہری صاحب قبلہ مدظلہ آتھ جاسوں کے عنوان پر مجلس سے خطاب فرمائینگے۔ نویں محرم اور روز عاشورہ کی مجالس بوجہ جلوس صبح کو ہوں گی۔

اراکین پاک محرم ایسوسی ایشن

مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں

آج بتاریخ ۱۲ محرم الحرام بروز پنجشنبہ شہدائے کربلا کی مجلس سوئم ٹھیک ۷ بجے شب منعقد ہوگی۔ علامہ طالب جوہری صاحب مدظلہ العالی ٹھیک ساڑھے سات بجے مجلس سے خطاب فرمائیں گے۔

منجانب فلاح المومنین ٹرسٹ

۱۹۸۰ء کے اشتہارات

مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد

مجالس عزا:۔ یکم محرم الحرام تا نہم محرم الحرام سنہ ۱۴۰۱ھ
سوز خوانی:۔ ۶ بجکر ۴۵ منٹ:۔ جناب آباد نقوی صاحب قبلہ
خطاب:۔ حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری صاحب مدظلہ العالی

۹، ۱۰ محرم الحرام کو صبح ۸ بجے بھی مجلس ہوگی بعد ختم مجلس جلوس علم برآمد ہوگا

الداعیان:۔ ارکان فلاح المومنین ٹرسٹ لیاقت آباد

حضرت

انجمن ضاکاران حسین لیاقت آباد کراچی

۱۹۸۱ء کے عشروں کے اشتہارات

مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد

مجالس عزا: یکم محرم الحرام تا نہم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

سوزخوانی: ۶ بجکر ۴۵ منٹ جناب آباد نقوی صاحب

خطاب: حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ مدظلہ العالی

عنوان:۔ اسرار در صاحب الامر

۹ و ۱۰ محرم الحرام کو صبح ۸ بجے مجالس منعقد ہونگی بعد ختم مجالس جلوس علم و تابوت برآمد ہونگے۔ الداعیان: ارکان فلاح المومنین ٹرسٹ، لیاقت آباد

بوتراب امام بارگاہ عزیز آباد میں

مجالسِ عشرۂ محرم ۱۴۰۲ھ

یکم تا ۹ محرم ——— روزانہ ۹ بجے شب

خطاب:۔ **علامہ طالب جوہری مدظلہ**

بعنوان:۔ **"تصدیقِ انبیا اور میثاقِ الٰہی"**

سوزخوانی:۔ عظیم الحسن، فائق حسین، کاظم رضا، انصار حسین، جعفر رضا، ابرار حسین۔

سلام:۔ حضرت عروج بجنوری اور جناب اشرف عباس۔

زنانی مجلس:۔ یکم تا ۸ محرم روزانہ ۳ بجے سہ پہر اور ۹ محرم ۶ بجے شب۔

منجانب:۔ بوتراب جامع مسجد و امام بارگاہ ٹرسٹ عزیز آباد کراچی

۱۹۸۴ء کے عشروں کے اشتہارات

نشتر پارک میں مجالس

مثل سال ہائے ماسبق نشتر پارک کراچی میں عشرۂ محرم کی مجالس زیر اہتمام [illegible] روزانہ [illegible] بجے [illegible] شروع ہوں گی۔ سید علی اوسط صاحب کی سوز خوانی اور [illegible] عباس صاحب کے سلام کے بعد ٹھیک پانچ بجکر [illegible] منٹ پر حجۃ الاسلام جناب مولانا طالب جوہری صاحب قبلہ "کتاب اور سنت" کے عنوان پر مجلس سے خطاب فرمائیں گے۔ نویں محرم اور یوم عاشورہ کی مجالس صبح کے وقت ہوں گی۔ اور بعد ختم مجالس [illegible] مرکزی جلوس برآمد ہوں گے۔

عشرۂ محرم ۱۴۰۵ھ

حسبِ دستور امسال بھی عشرۂ محرم
کی مجالس محفلِ شاہِ خراساں
میں روزانہ بروز بدھ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۴ء سے
ٹھیک ۹ بجے شب منعقد ہونگی۔
عنوان: ذکرِ معصوم
مقرر: حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ

مجالس عشرۂ ثانی

درگاہ حضرت ابوالفضل العباس مسجد باب العلم شمالی ناظم آباد میں

[illegible] حجۃ الاسلام مولانا محمد حسین [illegible] قبلہ [illegible] پرنسپل [illegible] لکھنؤ

[illegible] علامہ [illegible] حیدر عابدی مدظلہ العالی

[illegible] علامہ طالب جوہری مدظلہ العالی

[illegible] مولانا سید [illegible] رضا [illegible] مدظلہ العالی (بھارت)

[illegible] علامہ [illegible] حیدر عابدی مدظلہ العالی

[illegible]

منجانب انجمن فروغ ایمان مسجد باب العلم [illegible] حیدری
[illegible] شمالی ناظم آباد کراچی

سالانہ عشرۂ ثانی

[illegible] محرم الحرام تا [illegible] محرم الحرام مطابق [illegible] تا ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۴ء
وقت — ۹ بجے شب
مقام — دربارِ حسینی، حسین آباد، ملیر کراچی

— خطابت —

[illegible] محرم، [illegible] اکتوبر — مولانا مظفر حسین طاہر جروالی مدظلہ العالی

[illegible] محرم الحرام، ۱۴ اکتوبر — حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری مدظلہ

[illegible] پابندئ وقت سے شرکت کی استدعا ہے

منجانب: تنظیم عزا (رجسٹرڈ)
[illegible]: [illegible]

۱۹۸۴ء

علامہ طالب جوہری کی طبیعت ناساز ہوگئی

۱۱ سے ۲۰ محرم تک مجالس سے خطاب نہیں کریں گے

کراچی (اسٹاف رپورٹر) ممتاز شیعہ عالم دین علامہ طالب جوہری ۱۱ سے ۲۰ محرم الحرام تک محرم کی مجالس سے خطاب نہیں کریں گے۔ انہوں نے بتایا کہ جمعہ کی دوپہر کو نشتر پارک میں مجلس سے خطاب کے بعد ان کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے انہیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ چنانچہ وہ محرم کے عشرۂ ثانی کے دوران مجالس سے خطاب نہیں کر سکیں گے۔

۱۹۸۶ء

عشرۂ محرّم ۱۴۰۷ھ

حسبِ دستور امسال بھی عشرۂ محرم کی مجالس محفلِ شاہِ خراساں میں روزانہ بروز جمعہ بتاریخ ۵ ستمبر ۱۹۸۶ء سے ٹھیک ۹ بجے شب منعقد ہوں گی۔

عنوان: **اتّباعِ ہدایت**

مقرر: حجۃ الاسلام علامہ طالب جوہری صاحب قبلہ

ALLAMA TALIB JOHARI

HAYAT AUR KHIDMAAT

طالب جوہری

Syed Irtiza Abbas Naqvi

